سوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

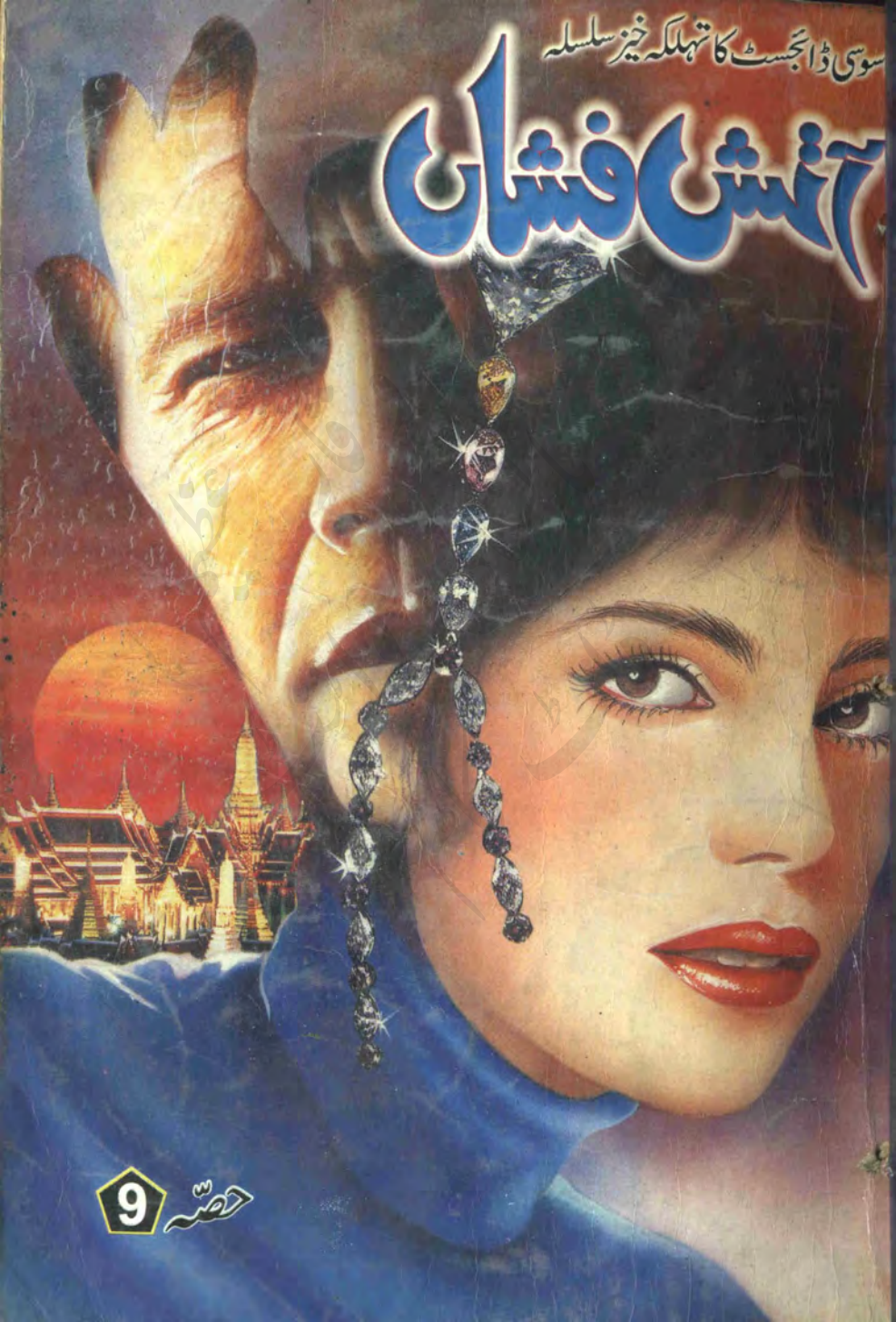

حصّہ 9

آتش فشاں

راوی : وجدان علی
تحریر : حُسام بٹ

اس کی چیرہ دستیوں اور حالات کی سختیوں کے سبب اس کا نام وجدان رکھا گیا مگر زمانے نے اُسے آتش فشاں بنادیا۔ اُس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا تھا اور اُنہیں ''انصاف'' کے ترازو میں تولنے کا خواہاں تھا۔ یہی خواہش اُسے ایک ایسی تربیت گاہ میں لے گئی جہاں پہنچ کر اُس کی دنیا ہی بدل گئی۔ شاؤلن ٹیمپل میں فنونِ حرب و ضرب کے ماہر ہاتھوں نے اُس کو پوست کے انسان میں پارا بھر کر اُسے آتش و آہن کا ایک بے مثال شاہ کار بنادیا۔ اُس کا ذہن کمپیوٹر کی طرح حساس اور ہاتھ پائوں کسی برقی مشین سے زیادہ فعال ہوگئے۔ وہ ایک ایسے طوفان کا رُوپ دھار گیا جس میں شعلوں کی لپک اور بجلی کی چمک تھی، تلواروں کی جھنکار اور چیتے کی للکار تھی۔ پھر وہ اپنے حریفوں پر قہر بن کر نازل ہوا اور اُنہیں حرف غلط کی طرح مٹاتا چلا گیا۔

ظالم جبر کی فضا میں سانس لینے والے ایک سراپا انتقام چلتی پھرتی کلیجا مخص کی لرزہ خیز داستان

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسے کون سا راگ سنا رہا ہوں۔ میں جہانگیر کو دانستہ اس الگ تھلگ کمرے میں لے آیا تھا۔ شہزاد کے سامنے شعیب غوری اور اس کی تنظیم ''سی ایف کے'' کے بارے میں اچھی خاصی گفتگو ہو چکی تھی۔ جہانگیر کو تو میں نے فواد کی دائمی زبان بندی کا مشورہ دے دیا تھا لیکن میں اپنے ساتھی پر یہ فارمولا ہرگز نہیں آزما سکتا تھا تاہم اتنا میں ضرور کرسکتا تھا کہ وہ میرے اور ''سی ایف کے'' کے باہمی معاملات سے کم از کم واقف ہو۔

جہانگیر نے تامل کرتے ہوئے کہا ''تم مجھے زندہ کیوں رکھنا چاہتے ہو؟''

''تاکہ تم ''سی ایف کے'' کے اندر رہتے ہوئے میرے لیے کام کرسکو!''

''اوہ!'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی ''اس کا مطلب ہے، تم پہلے ہی سے بگ باس کی طرف سے خاصے بدگمان ہو؟''

''ہاں، مجھے شروع ہی سے اس کی نیت پر شک رہا ہے۔'' میں نے واشگاف جھوٹ بولا اور یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے دل کو ایک ٹھیس پہنچی کیوں کہ درحقیقت میں شعیب غوری کو اپنا سچا اور مخلص دوست سمجھتا آیا تھا۔ میں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''میں بس موقع کی تلاش میں تھا کہ اس کے خلاف مجھے پکا ثبوت مل جائے تاکہ میں کوئی انتقامی کارروائی کرسکوں۔'' میں چند لمحات کے لیے خاموش ہوا پھر اس سے پوچھا ''تمہارے خیال میں شعیب غوری نے امتیاز علی اور روبی کو کیوں قتل کروایا تھا؟ امتیاز تو اس کی آنکھ کا تارا تھا، وہ اس پر بہت بھروسا کرتا تھا۔''

''شعیب غوری کے نزدیک آنکھ کا تارا اور جوتے کا مارا کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا ''وہ جس تیزی سے کسی ورکر کو سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے اسی تندی سے وہ اسے اپنے قدموں میں بھی پٹخ سکتا ہے۔ وہ امتیاز دراصل تم سے بہت زیادہ کلوز ہوگیا تھا۔ وہ تم سے اپنے دل اور دماغ کی ہر بات کہنے لگا تھا۔ شعیب غوری کا خدشہ تھا کہ کہیں وہ اہم تنظیمی راز بھی تمہاری طرف منتقل نہ کردے۔ امتیاز کو اس طرح ختم کرنا چاہتا تھا کہ وہ ایک حادثہ معلوم ہو..... اور پھر ایسا ہی ہوا۔ روبی اور میر بخش، امتیاز کے ساتھ گھن کی حیثیت سے پس گئے۔''

جہانگیر کی باتیں میری رگوں میں آگ لگا رہی تھیں۔ وہ شعیب غوری کے ایک ایسے چہرے کو اجاگر کررہا تھا جو انتہائی قبیح اور مکروہ تھا۔ میں وہ چہرہ دیکھنے کا روادار نہیں تھا کیوں کہ

میں نے ہمیشہ اس کا مخلصانہ اور دوستانہ چہرہ ہی دیکھا تھا۔

میں نے جہانگیر کی باتوں پر صد فیصد یقین نہیں کیا البتہ شک کا سیاہ ناگ میرے ذہن میں پھن پھیلا چکا تھا۔ میں نے اپنے اندر کی ایک الجھن کی خاطر جہانگیر سے پوچھا۔

''بوٹ بیسن والے واقعے سے بہت سے عوامل وضاحت طلب ہیں۔ تم ان کی کیا توجیہ پیش کرو گے؟''

''مثلاً کون سے عوامل؟'' وہ اپنی زخمی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا ''اس رات تم دونوں خالی کلاشنکوفز کے بل پر ہمیں گھیر نے کیوں پہنچے تھے اور پھر ہماری کارروائی پر موقع سے فرار کیوں ہو گئے تھے؟ دوسری بات یہ کہ جب وہاں پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز پہنچی تو گرے پجارو سڑک پر جوں کی توں کیوں کھڑی رہی۔ تم دونوں تو جیپ کے عقبی حصے سے برآمد ہوئے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔ پولیس کا سائرن سن کر وہ وہاں سے فرار کیوں نہ ہو گیا۔''

''تم دونوں'' سے میری مراد جہانگیر اور فواد نہیں تھی بلکہ جہانگیر اور اس کا دوسرا گن بردار ساتھی تھا جو گرے پجارو میں تعاقب کرتے ہوئے بوٹ بیسن تک پہنچے تھے۔ اگر اس کا دوسرا ساتھی فواد ہوتا تو میں پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیتا۔

جہانگیر نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''وہ سب ایک ڈراما تھا۔ تمہارا ذہن بنانے کے لیے ایک کھیل رچایا گیا تھا۔ اس تعاقب اور پھر بوٹ بیسن والے واقعے کا صرف یہ مقصد تھا کہ تمہیں باور کرایا جائے کہ دشمن ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے تاکہ بعد میں جب امتیاز علی دغیرہ کی موت کی خبر تم تک پہنچے تو تم واقعات کے تسلسل کو آپس میں منتج کر سکو۔ وہ تو تمہاری بروقت چالاکی بلکہ اس خبیث جانور کی کمینی حرکت سے پاسا پلٹ گیا اور ہماری خالی گنوں کا راز تم پر کھل گیا ورنہ ہمارا پروگرام تو یہی تھا کہ وہاں تمہارے ساتھ چند ڈائیلاگ ہوں گے۔ اسی دوران میں پولیس جیپ کا سائرن سنائی دے گا اور ہم اپنی پجارو میں بیٹھ کر اس موقع سے فرار ہو جائیں گے جیسے پولیس کی آمد نے ہمیں بھاگنے پر مجبور کر دیا ہو۔''

''تو گویا، وہ پولیس جیپ اور اس کا سائرن بھی اس ڈرامے کا ہی حصہ تھا؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کر سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے اثبات میں جواب دیا ''ہاں، اس گاڑی میں ہمارے ہی ساتھی تھے۔''

جہانگیر کے انکشاف نے جہاں میرے ذہن کی بہت سی الجھنوں کو سلجھا دیا تھا۔ وہیں شعیب غوری اور ''سی ایف کے'' کے معاملے میں میری سوچ کو بہت پراگندہ کر دیا تھا۔ اب تک شعیب نے میرے ساتھ کوئی ایسا رویہ نہیں اپنایا تھا جس سے مجھے کوئی شکایت پیدا ہوئی بلکہ اس نے قدم قدم پر میری بھرپور مدد کی تھی۔ ساحل سمندر والا لگژری فلیٹ، چمچماتی نیلی شیر ڈاس کا تحفہ تھی۔ اس نے سنگاپور سے آنے والی میری کثیر رقم کو بہت ایمانداری اور خوش اسلوبی سے میرے بینک اکاؤنٹس تک پہنچایا تھا پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ کثیر المالیت سونے کی بازیابی کے لیے ایک ناقابلِ فراموش اور اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ اس نے آج رات کو اس سلسلے میں مجھے بہت بڑی خوش خبری سنائی تھی۔ سونے والے معاملے پر آ کر میری سوچ مسٹر نیل آرمر کی جانب مڑ گئی۔ سونے کی بازیافت اسی کی نگرانی میں عمل میں آئی تھی اور اب وہی شخص اس سونے کو ٹھکانے لگانے والا تھا۔

نیل آرمر کے بارے میں سوچنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودی النسل تھا۔ انگلینڈ کا ایک ارب پتی سرمایہ دار بزنس مین۔ وہ گولڈ اکاؤنٹ بینک کا مالک تھا اور ہیروں کے بیوپار میں اسے یورپ کا بے تاج بادشاہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہی نیل آرمر شعیب غوری کا گہرا دوست تھا اور اکثر و بیشتر اس سے ملنے کراچی آتا رہتا تھا۔ شعیب غوری ''سی ایف کے'' کا بگ باس تھا اور ایک یورپی یہودی سے اس کا ربط ضبط اسی حقیقت کو سوچنے پر مجبور کرتا تھا جو تحقیق منہاس باقر نے اب تک فرمائی تھی۔ یہ عین ممکن تھا، شعیب غوری یہودی لابی ہی کا نمائندہ ہو اور ان کے مقاصد کے لیے کام کر رہا ہو!

میں فوری طور پر شعیب غوری کے خلاف محاذ نہیں بنا سکتا تھا۔ مجھے ایسا کرنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ اگر وہ میرے عزائم سے آگاہ ہو جاتا تو پھر اس پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ نہایت ہی کائیاں اور طاقتور شخص تھا۔ اسے بے خبر رکھ کر ہی شکار کیا جا سکتا تھا اور میں نے ایسا ضرور کرنا تھا! میں اپنے ملک کو نقصان پہنچتے اور اسے بدنام ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے، میری تمام عمر پاکستان سے باہر گزری تھی مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں پیدا تو اسی دھرتی پر ہوا تھا۔ یہ میرے اور میرے آباؤ اجداد کا ملک تھا، ان کی ملکیت تھا۔ کوئی اپنی پراپرٹی کو نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ انسان کو اتنا غیرت مند تو ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ملک کی جانب اٹھنے والی اغیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکے!

یہ تمام خیالاتِ مشکل سے پانچ سیکنڈ میں میرے ذہن

سے لڑ رہے ہوں گے۔ ہاں، ذہن اتنا ہی تیز رفتار ہے۔ یہ پلک جھپکتے میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا پہنچتا ہے۔ اس کی پرواز، خیالات کے چناور پر ہوتی ہے جن کی راہ میں کوئی سگنل یا ٹریفک جیم نہیں آتا۔ ان کا انجن فیل ہوتا ہے اور نہ ایندھن ختم ہوتا ہے۔ یہ اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں رہتے ہیں۔

جہانگیر کی آنکھوں سے اضطراب چھلک رہا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت رات کے..... یعنی صبح کے پونے چار بجے تھے۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''جہانگیر! میں تمہیں زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مزید زندگی کے لیے تمہیں اپنے ساتھی فواد سے کس طرح ''نمٹنا'' ہے، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر اس کی بے ہوشی ہی میں کوئی کارروائی کر ڈالو تو اچھا ہے، تمہیں کہانی بنانے میں آسانی رہے گی۔'' میں نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا ''تم سے میں کس حد تک توقع رکھوں؟''

اس کے چہرے پر ایک چمک سی ابھری اور وہ جذبات سے لبریز آواز میں بولا ''تم مجھ پر بھرپور اعتماد کر سکتے ہو۔ میں بظاہر ''سی ایف کے'' میں کرتا رہوں گا لیکن میں در پردہ تمہارا حکم مانوں گا۔''

''اگر تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا!''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا وجدان!'' وہ پُرجوش انداز میں بولا ''تم نے اختیار اور موقع رکھتے ہوئے بھی میری جان بخشی کی ہے، میں تمہیں دھوکا دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ زندگی اب تمہاری امانت ہے۔ اگر کبھی موقع ملا تو تم پر نثار کر دوں گا۔''

وہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔ اس کی آواز کی لرزش بتا رہی تھی، وہ کسی قسم کی دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ میں نے اس موقع پر ایک مستند فارمولے پر عمل کیا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا..... مارنے سے ڈرانا زیادہ بہتر ہوتا ہے اور موت دکھا کر بیماری پر راضی کر لینا چاہیے۔ میں نے جہانگیر کو ڈرا کر اپنا بیمار بنا لیا تھا۔ مجھے امید تھی، وہ زندگی کی آخری سانس تک وفاداری نبھاتا رہے گا۔

اگر میں چاہتا تو اسے فوراً ختم کر کے اپنے ساتھیوں کی بہیمانہ موت کا انتقام لے سکتا تھا لیکن اس سے مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا؟ صرف یہ کہ میرے انتقامی جذبے کی تسکین ہو جاتی مگر اسے زندہ اور اپنا اسیر بنا کر چھوڑ دینے میں فائدہ ہی فائدہ تھا۔ ''سی ایف کے'' میں اس کی موجودگی کے باعث میں اس تنظیم کی جڑوں کو کھوکھلا کر سکتا تھا۔ گویا، یہودی لابی کو بے بہا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس طرح میرا ملک بڑے نقصان

سب رنگ کی بیسٹ سیلر سیریز میں شامل ہونے والا سلسلہ

اقابلا

تاریک براعظم کے پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور سفلی کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور ان کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابلِ یقین سرگزشت..... ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی.....

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حسن لازوال تھا جس کے حصول کیلئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا..... خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ 60 روپے ●●●● ڈاک خرچ 23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لیے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

اور بدنامی سے بچ جاتا۔ ذاتی مقاصد کو وطن عزیز کی بقا اور نیک نامی پر کبھی ترجیح نہیں دینا چاہیے۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ایک گھنٹی اندرونی کمرے میں بھی بجی تھی۔ اس کا یہی مطلب تھا، اس فون کی ایک ایکسٹینشن اندر بھی موجود تھی۔ میں نے جہانگیر کو رکنے کا اشارہ کیا اور اندر بیڈروم میں جا کر فوراً کوفون ریسیو کرنے سے منع کر دیا۔ میں واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو تیسری گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے جہانگیر سے کہا۔

''تم نارمل انداز میں فون اٹینڈ کرو۔ یہ تمہارے لیے ایک ٹیسٹ کیس بھی ہے۔''

چوتھی گھنٹی پر اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور نہایت ہی معتدل لہجے میں اس نے ماؤتھ پیس میں کہا ''ہیلو!''

اس نے دوسری جانب کی آواز سنی اور بولا ''ہاں، میں جہانگیر بات کر رہا ہوں۔ یہاں کے تمام انتظامات تسلی بخش ہیں۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ یقیناً دوسری طرف بولنے والے کی بات سن رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے تحمل آواز میں کہا ''آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ انشاءاللہ یہ آپریشن نہایت کامیاب رہے گا۔''

پھر وہ ریسیور کو کریڈل کرنے کے بعد سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا ''ٹیسٹ کیس کی رپورٹ کیا ہے جہانگیر؟''

وہ بے انتہا سنجیدہ نظر آنے لگا پھر اس نے جواب دیا ''وجدان! اچھا ہوا، یہ ٹیسٹ اس موقع پر سامنے آ گیا اس طرح مجھے تمہارا اعتماد حاصل کرنے میں آسانی رہے گی۔ اس ٹیسٹ رپورٹ سے تم میری وفاداری کا یقین کر لو گے۔''

''اسی لیے تو میں نے رپورٹ کے بارے میں سوال کیا ہے!'' میں نے کہا۔

''میں تمہارے سوال کا جواب دے رہا ہوں وجدان۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا پھر اس نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں ایک خوفناک انکشاف کیا۔ میں حیرت آمیز انداز میں اسے سن رہا تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا، وہ بہت ہی خوفناک اور تباہ کن تھا۔ میرے دل و دماغ میں ''سی ایف کے'' کے لیے غم و غصے کی ایک لہر بلند ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ماؤنٹ ایورسٹ کی شکل اختیار کر لی۔ جہانگیر نے بتایا کہ کل..... یعنی آنے والی صبح دس بجے ایک یورپی ملک کا سفیر کراچی پہنچ رہا ہے (بہ وجوہ ملک کا نام ظاہر نہیں کیا جا رہا)۔ جم براؤن نامی وہ سفیر ائیر پورٹ سے سیدھا ہوٹل پہنچے گا اور اس سفر کے دوران میں اسے زیادہ تر شاہراہ فیصل سے گزرنا ہو گا۔ مذکورہ یورپی ملک پاکستان کے لیے خیر سگالی اور ہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں مگر یہودی لابی کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھائی۔ انہوں نے ''سی ایف کے'' کے ذریعے پاکستان اور اس ملک کی دوستی کو کھٹائی میں ڈالنے کا خطرناک پروگرام بنایا ہے۔

''کیسا پروگرام؟'' میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

جہانگیر نے بتایا ''جم براؤن نامی اس یورپی سفیر کو ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ یہ سیدھی سادی دہشت گردی کی ایک واردات ہو گی۔ یہودی پہلے ہی پاکستان کو دنیا میں دہشت گرد نمبر ون ملک گردانتے ہیں۔ اس واردات کے بعد ان کے موقف کو مزید توانائی ملے گی اور مذکورہ دونوں ملکوں کے باہمی دوستانہ تعلقات پر جو اثرات مرتب ہوں گے، اس کا اندازہ تم خود لگا سکتے ہو!''

میں بخوبی اندازہ لگا چکا تھا۔ میں اس وقت اپنے وجود میں ایک سنسنی خیز کرنٹ سا دوڑتا محسوس کر رہا تھا۔ میں نے تشویش ناک نظر سے اسے دیکھا اور الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''میں نے سفیروں اور وزیروں یا دوسری ''وی وی آئی پی'' شخصیات کو ہوٹل سے ائیر پورٹ یا ائیر پورٹ سے کسی سرکاری رہائش گاہ کی طرف متعدد بار آتے جاتے دیکھا ہے۔ پاکستان میں تو ان لوگوں کی حفاظت کا بڑا تسلی بخش بندوبست کیا جاتا ہے۔ میلوں تک ٹریفک کو روک کر ان کے لیے روڈ خالی کر دیا جاتا ہے پھر پروٹوکول کی تمام گاڑیاں بشمول مہمان کی گاڑی، ایک سو ساٹھ کی اسپیڈ سے بھی اوپر دوڑتی ہے۔ اس محفوظ ترین صورت حالات میں کسی کو قتل کرنا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے!''

''سی ایف کے کا پلیٹ فارم ناممکن کو ممکن بنانا جانتا ہے۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا ''تم دیکھنا، یہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔''

''ون سکسٹی سے اوپر والی گاڑی کو کس طرح نشانہ بنایا جا سکتا ہے؟'' میں نے متعجب انداز میں اسے دیکھا۔

وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا ''مصنوعی ایمرجنسی کی صورت حال پیدا کر کے گاڑی کی اسپیڈ کو کم کیا جا سکتا ہے، ائیر پورٹ سے نکلتے وقت یا پھر ہوٹل میں داخلے کے وقت بھی تو جم براؤن کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔''

''جم براؤن کے قتل کے لیے مقام کا انتخاب تو ہو چکا ہو گا؟'' میں نے ایک اہم سوال کیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا ''ہاں، اس آپریشن میں مقام کا انتخاب سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جم براؤن کے لیے نرسری کا ایک انتہائی حساس حصہ چنا گیا ہے۔ اس مقام پر مصنوعی ایمرجنسی پیدا کر کے غیر ملکی مہمان کو شکار کیا جائے گا۔''

میں نے بے یقینی سے ایک مرتبہ پھر اسے دیکھا ''اس مصنوعی ایمرجنسی کی نوعیت کیا ہو گی؟''

''اس معاملے سے مجھے بے خبر رکھا گیا ہے۔''

''پھر تھوڑی دیر پہلے تم نے فون پر کسی کو کس بات کی تسلی دی ہے؟'' میں نے استفسار کیا ''تم نے کہا تھا، آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ یہاں کے انتظامات تسلی بخش ہیں۔ انشاءاللہ یہ آپریشن ضرور کامیاب رہے گا۔'' میں نے ایک سانس میں متعدد سوالات کر ڈالے ''اور یہ تم نے بتایا ہی نہیں، فون پر تم کس سے بات کر رہے تھے؟''

وہ ایک گہری سانس لینے کے بعد بولا ''یہ فون کال میرے باس سلیم واسطی کی طرف سے تھی۔ وہ ''ملیر'' کا کرتا دھرتا ہے۔ آج کل میں اسی کے اسٹاف میں شامل ہوں۔ سلیم واسطی نے جن انتظامات کی رپورٹ مجھ سے مانگی تھی ان کا تعلق سراسر اس فلیٹ سے ہے۔ نرسری والا آپریشن ''ساؤتھ'' کی زیر نگرانی میں ہو گا اور قاتلوں کو تحفظ ہم فراہم کریں گے۔ واردات کے بعد، ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق مختلف مراحل سے گزر کر دو افراد اس فلیٹ پر پہنچیں گے اور کچھ دنوں تک وہ یہاں روپوش رہیں گے۔ میں نے باس کو یہاں کے انتظامات کے بارے میں بتایا ہے۔''

میں نے چند لمحات تک سوچتی ہوئی نظر سے جہانگیر کا جائزہ لیا پھر حتمی لہجے میں کہا ''ابھی تم نے مجھے جو خطرناک معلومات فراہم کی ہیں یہ تمہارے ٹیسٹ کی ابتدائی رپورٹ ہے۔ اس کو فائنل رپورٹ ہی سے چیک کیا جائے گا۔''

''فائنل رپورٹ!'' اس نے چونکے ہوئے انداز میں مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''اگر کل دس بجے تمہارے کہنے کے مطابق جم براؤن پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے تو مجھے یقین آ جائے گا، تم مجھ سے واقعی مخلص ہو اور تم نے مجھے بالکل درست معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ ہو گی فائنل رپورٹ جو اس ابتدائی رپوٹ کو ٹیلی کرے گی۔''

اس نے کہا ''میں نے تو خلوص نیت سے تمہیں سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ آگے جو بھی ہو لیکن میں محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''اب شاید ایسا نہ ہو سکے۔ تم جم براؤن کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرو گے۔''

''تم بالکل درست اندازہ لگا رہے ہو۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''میں اس غیر ملکی سفیر کو بچانے کی پوری کوشش کروں گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے تمہارے بیان کو چیک کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں یہ جان لوں گا کہ تمہارے مطابق نرسری کے اس حساس مقام پر قاتل موجود تھے یا نہیں۔ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ بس اس مقام کی درست نشان دہی کر دو۔''

اس نے میری فرمائش پوری نہیں کی اور معذوری ظاہر کرتے ہوئے بولا ''میں اس مقام سے واقف نہیں ہوں۔ میں جتنا جانتا تھا وہ تمہیں بتا چکا۔''

میں نے اس کی کم علمی اور معذوری کو مان لیا۔ اگر نرسری والا آپریشن ''ساؤتھ'' کی نگرانی میں ہو رہا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا، اس کی کمان کبیر شاہ کے ہاتھ میں ہو گی لیکن اس سلسلے میں شاہ جی سے کوئی سوال کرنا انتہائی خطرناک ہوتا۔ وہ کبھی بھی مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا بلکہ سرے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیتا اور اس کے ساتھ ہی وہ میری جانب سے محتاط ہو جاتا..... اور میں یہ کسی بھی قیمت پر نہیں چاہتا تھا۔ ''سی ایف کے'' کے جوڑوں میں بیٹھنا اور اس کی جڑوں میں بارود فٹ کرنے کے لیے ضروری تھا، ان کو میرے خیالات اور عزائم کی بھنک بھی نہ پڑے۔ اس سلسلے میں رازداری ہی کامیابی کی ضمانت تھی!

جہانگیر کے ساتھ میں ایک مضبوط گٹھ جوڑ کر چکا تھا۔ اس کی طرف سے لیکیج کا امکان نہیں تھا اور رہا میرا سوال تو میں اہم رازوں کی حفاظت کرنا جانتا تھا۔ البتہ منہاس باقر کو کسی حد تک اس معاملے میں شیئر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کا بندہ شہزاد علی ہمارے درمیان ہونے والی چیدہ چیدہ باتوں سے آگاہ ہو چکا تھا اس لیے یہ میری مجبوری تھی۔

میں نے وہاں سے رخصت ہونے سے قبل جہانگیر سے کہا ''تمہاری گردن شدید زخمی ہے اور تمہارا ساتھی بے ہوش پڑا ہے۔ تمہارے باس نے پونے چار بجے فون کیا تھا۔ ان حقائق اور اعداد و شمار کو نظر میں رکھتے ہوئے کوئی زبردست اور قابل یقین کہانی گھڑ لو تاکہ تمہارے معاملات کو تنظیم شک کی نظر سے نہ دیکھے۔ تمہاری سلامتی اور بقا اسی میں ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''تم جو کہو گے، میں وہی کروں گا۔ میں نے تم سے وفاداری کا عہد کر لیا ہے لیکن میری تم سے ایک درخواست ہے!''

''کہو؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''وجدان!'' وہ کرب انگیز لہجے میں بولا ''کسی طرح مجھے اس دلدل سے نکالو۔ میں گناہ اور جرائم کی زندگی گزارتے گزارتے تنگ آ گیا ہوں۔ تم چاہو تو مجھے اس راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ میں اس راہ پر چلتے چلتے اتنی دور نکل آیا ہوں کہ از خود میری واپسی ممکن نہیں رہی، میں خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا۔''

وہ ایک لمحے کے توقف سے نہایت سنجیدگی سے گویا ہوا ''یقین جانو، کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے، میں ایک دیوانگی اور مجبوری کے عالم میں یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ میرا اندر، میرا ضمیر مسلسل ملامت کرتا رہتا ہے۔''

اس کے انداز میں دکھ ہی دکھ بھرا ہوا تھا۔ وہ مجھے اس وقت ایک بے بس اور بے کس، مجبور و لاچار بوڑھا نظر آیا جس کا اپنی زندگی پر کوئی اختیار نہیں ہو۔ بری اور بھلی جیسی بھی گزری ہو، اس میں اس کی منشا شامل نہ ہو۔ اس نے زندگی کو نہیں بلکہ زندگی نے اسے گزارا ہو۔

جرائم کی دنیا اور مجرموں کو مجھ سے زیادہ اور کون جانتا تھا۔ میں نے اس ''کمر خمیدہ نحیف و نزار بوڑھے'' کے شانے پر ہاتھ رکھا اور حوصلہ بڑھانے والے انداز میں کہا۔

''جہانگیر! کوئی بھی انسان پیدائشی طور پر مجرم نہیں ہوتا۔ حالات اسے تاریک راہوں کی طرف لے جاتے ہیں اور زندگی کے کسی مرحلے پر اس کا ضمیر ضرور ملامت کرتا ہے۔ انسان کا اندرون اسے کچوکے لگاتا ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ غلط ہے مگر وہ پھر بھی کرتا چلا جاتا ہے۔''

''کیا تم مجھے اس تاریک راہ سے روشنی کی طرف واپس نہیں لا سکتے؟''

''لا سکتا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے صدقِ دل سے کہا ''اور انشاءاللہ، ایسا بہت جلد ہوگا..... بلکہ ایسا ہو چکا ہے۔''

''کیا..... کیسے؟'' وہ روانی میں بول گیا۔

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''آج سے ہم دوست ہیں۔'' پھر میں نے مصافحے کے لیے اس کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے کہا ''میں جتنی جلدی ممکن ہو سکا، تمہیں ''سی ایف کے'' سے نکال لوں گا۔ فی الحال تمہارا اس تنظیم میں رہنا ہم دونوں کے لیے سود مند ہے۔ تم اندر سے اور میں باہر سے اس تنظیم پر حملے کروں گا، نادیدہ حملے! اور ایک روز اس تنظیم کا ڈھانچا زمین بوس ہو جائے گا لیکن۔'' میں نے رک کر اس کی طرف دیکھا اور اضافہ کیا ''اگر ہم نے جلد بازی دکھائی تو کوئی نہ کوئی سنگین غلطی کر بیٹھیں گے جو ہمارے مقصد کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ اتنی منظم اور مربوط تنظیم کو گہری پلاننگ ہی سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو وجدان! ہمیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔''

''میں آج لاہور جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا ''چند روز بعد واپس آ جاؤں گا اور اس دوران میں بھی تم سے رابطہ رکھوں گا۔ تمہارا فون نمبر میں اپنے ذہن میں محفوظ کر رہا ہوں۔ تم نمبر دہراؤ۔''

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ میں نے کہا ''میں شعیب غوری یا کبیر شاہ پر یہ ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ ہم دونوں کس قسم کے عزائم باندھ چکے ہیں۔ میں پہلے کی طرح اس سے دوستی نبھاتا رہوں گا۔ تم بھی یہی کرنا۔ اپنے باس سلیم واسطی کو کسی قسم کا کوئی شک نہ ہونے دینا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

میں نے کہا ''تنظیم میں رہتے ہوئے تم مجھ سے کلوز ہونے کی کوشش بھی نہ کرنا!''

''میں امتیاز علی کا حشر دیکھ چکا ہوں۔'' وہ ایک جھرجھری لے کر بولا۔

''شعیب غوری اور اس کی تنظیم کا حشر اس سے بھی زیادہ برا ہوگا۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا ''میں لاہور والے معاملات نمٹا آؤں، پھر اس کے خلاف بھرپور پلاننگ کریں گے۔''

اس نے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ میں نے اس سے معانقہ کیا اور ہم دونوں اس کمرے میں آ گئے جہاں شہزاد علی موجود تھا۔ وہ ہمیں اس انداز میں دیکھ کر چونکا تو میں نے کہا۔

''شہزاد! اب ہم واپس جائیں گے۔''

''اور یہ دونوں؟''

''ان کو تم بھول جاؤ۔''

اس نے پسٹل کو جیب میں رکھتے ہوئے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور بولا ''میں تمہاری بات کو سمجھ نہیں سکا۔''

''راستے میں سب سمجھا دوں گا۔'' میں نے اسے رخصت ہونے کا اشارہ کیا۔

''ہم یہاں جس مقصد سے.....''

میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا ''..... آئے تھے، وہ پورا ہو چکا ہے شہزاد اس لیے اب ہمیں جلد از جلد یہاں سے پھوٹ لینا چاہیے۔''

شہزاد نے پہلے جہانگیر اور پھر فرش پر بے حس و حرکت پڑے فواد کو دیکھا اور متذبذب قدموں سے میری تقلید کر دی۔

ہم اس اپارٹمنٹس بلڈنگ سے باہر آ کر گرین ہائی روف میں بیٹھے تو میری رسٹ واچ چار دس کا وقت بتا رہی تھی۔ شہزاد کے چہرے پر بے جواب سوالات نے ایک جال سا بُن دیا تھا۔ اس نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

واپسی کے راستے میں پہلے پانچ منٹ خاموشی سے گزر گئے۔ میں نے کوئی بات کی اور نہ ہی شہزاد منہ سے کچھ بولا۔ وہ ایک کائیاں اور سمجھ دار بندہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے ذہانت اور مہارت ٹپکتی تھی۔ فلیٹ سے نکلتے وقت اس نے میرے انداز کو پرکھ کر محسوس کر لیا تھا کہ میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچ چکا ہوں اور اس نتیجے سے اسے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔

اگرچہ اس کی اس سوچ میں حقیقت پنہاں تھی تاہم میں اسے زیادہ مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کو مسلسل خاموش دیکھ کر میں نے کہا ''تم گہری سوچ میں کیوں ڈوب گئے شہزاد؟''

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے بولا ''جب انسان کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جواب نہ ملیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

''تمہارا اشارہ حالیہ واقعات کی طرف تو نہیں؟''

''تم مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہو!''

اس نے دانش مندی کی بات کی تھی۔ میں نے کہا ''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔ بتاؤ، تمہیں کون سی بات الجھا رہی ہے؟''

وہ سنجیدگی سے بولا ''فلیٹ سے رخصت ہونے سے قبل تم نے جس رویے کا مظاہرہ کیا ہے وہ میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔''

''مثلاً؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''مثلاً..... جہانگیر اور فواد کو یونہی چھوڑ دینا مناسب نہیں تھا۔'' اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے کہا ''وہ بعد میں ہمارے خلاف کوئی بھی کارروائی کر سکتے ہیں۔''

میں نے کہا ''تم سے یہ بات کس نے کہہ دی کہ میں نے انہیں یونہی چھوڑ دیا ہے!''

''کیا مطلب۔'' وہ چونکا ''یونہی نہیں چھوڑا تو پھر.....؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''دیکھو شہزاد! ہم جس مقصد سے یہاں آئے تھے وہ ہم نے حاصل کر لیا یعنی جہانگیر اور فواد کون سی مقامی تنظیم سے وابستہ ہیں اور وہ تنظیم یہودی لابی کے لیے کس طرح کام کرتی ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں مذکورہ تنظیم یعنی ''سی ایف کے'' سے پہلے ہی واقف ہوں مگر بڑے مثبت انداز میں۔ ہماری مطلوبہ معلومات ہمیں حاصل ہو چکیں۔ ہم جب چاہیں اس تنظیم کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ ان دونوں سے زیادہ میں جانتا ہوں ''سی ایف کے'' کے بارے میں۔ انہیں چھوڑ کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔'' چند لمحات کے لیے میں سانس لینے کو رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے اور جہانگیر کے درمیان ڈرائنگ روم میں جو گفتگو ہوئی ہے، تم اس سے واقف نہیں ہو، شاید اس لیے بھی تمہیں میرے رویے سے زیادہ الجھن ہو رہی ہے۔''

وہ چونک کر میری جانب دیکھنے لگا ''کیا وہاں کوئی خاص بات سامنے آئی ہے؟''

''بات نہیں، بلکہ باتیں کہو۔'' میں نے پُرسوچ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''ان میں سے بہت سی سامنے آئی ہیں اور چند ایک پیچھے چلی گئی ہیں۔ نتیجہ ہمارے حق میں برآمد ہوا ہے۔''

وہ شکایتی لہجے میں بولا ''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے وجدان!''

''کیوں نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا ''ضرور بتاؤں گا مگر اس وقت میں مختصر الفاظ کا سہارا لوں گا۔ بعد میں کبھی زندگی نے فرصت دی تو تمہیں تفصیل سے بھی آگاہ کر دوں گا۔''

میں ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے یوں ظاہر کرنے لگا جیسے کسی گہری سوچ میں ہوں۔ شہزاد ڈرائیونگ کے شعبے میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔

میں نے کوئی جواب دینے سے پہلے ماضی قریب کے واقعات پر غور کیا۔ شہزاد کے سامنے میرے اور جہانگیر کے درمیان جو مکالمہ ہوئی تھی اس سے شہزاد صرف یہی جان سکا تھا کہ ان دونوں کا تعلق ''سی ایف کے'' نامی ایک تنظیم سے تھا جو یہودی لابی کے اشاروں پر ناچ کر شہر کا امن و امان غارت کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ وہ اغیار کے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر اپنوں کا لہو اچھالنے میں کوئی دریغ نہیں کرتی تھی۔ ان لوگوں کی وجہ سے ملک اور مسلمان پوری دنیا میں کتنے ذلیل و رسوا ہو رہے تھے اس بات سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسی تنظیم کے باس شعیب غوری کے ایک اشارے پر میرے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ شہزاد اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا اور فی الحال اسے جاننا بھی نہیں چاہیے تھا۔ میں ان تمام معاملات اور معلومات کو اپنے ذہن میں مسلسل (FILTER) اور

(CENTRIFUGE) کر رہا تھا اور اس سے ایک ایسا (EXTRACT) حاصل کرنے کی کوشش میں تھا جو محفوظ بھی ہو اور منہاس باقر کے ذہن کے لیے قابلِ قبول بھی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اس کے سامنے بھی رپورٹ پیش کرنا تھی۔

میں نے ایک حتمی نتیجے پر پہنچتے ہوئے شہزاد سے کہا ''ڈیئر! دشمن کو ختم کرنے سے کہیں بہتر ہوتا ہے، اسے اپنا مطیع و فرماں بردار بنالیا جائے۔''

''تم باتیں بہت گہری کرتے ہو۔'' وہ چہرے پر خوشگوار تاثرات سجاتے ہوئے بولا۔ ''ابھی تم نے جو بات کی ہے وہ بہت بڑی حقیقت ہے مگر یہ کام اتنا ہی زیادہ مشکل بھی ہے۔''

میں نے کہا ''انسان کوشش کرے تو مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''میں تمہاری بات میں پوشیدہ نکتے تک پہنچ رہا ہوں۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو..... میرے اندازے کے مطابق تم جہانگیر کو اپنے قابو میں لا چکے ہو!''

''تم واقعی غلطی نہیں کر رہے۔'' میں نے تصدیق کرتے ہوئے کہا ''جہانگیر اب ''سی ایف کے'' میں رہتے ہوئے میرے لیے کام کرتا رہے گا۔ دنیا کی ہر تنظیم میں کچھ ایسے کردار بھی ہوتے ہیں جو بہ یک وقت اپنے اور اپنے دشمن کے لیے خدمات انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈبل ایجنٹ کہا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ کسی کے دوست ہوتے ہیں اور نہ دشمن۔ وہ سب کچھ اپنا ہی ہوتے ہیں۔ اپنے دوست، اپنے دشمن!''

''ایسے لوگ تو بہت خطرناک ہوتے ہیں!''

''میں ان کی خطرناکی سے فائدہ اٹھانا جانتا ہوں۔''

وہ بولا ''تمہارے ساتھ رہتے ہوئے مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

منہاس باقر بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں ٹھیک ساڑھے چار بجے اس کے دفتر پہنچا تو اس نے فوراً مجھے اپنے کمرے میں بلالیا۔ منہاس کے اخبار کا دفتر میکلوڈ روڈ پر واقع تھا۔ وہ شام کے ایک اخبار کا ایڈیٹر و پبلشر تھا۔ صبح و شام کے بیشتر اخبارات کے دفاتر میکلوڈ روڈ (آئی آئی چندریگر روڈ) پر ہی پائے جاتے ہیں، علاوہ ازیں مختلف ڈائجسٹ و رسائل کی تیاری کے مراکز بھی اسی تاریخ ساز سڑک پر یا اس کے دائیں بائیں موجود ہیں۔ میکلوڈ روڈ پبلشنگ مارکیٹ کی سی حیثیت کی حامل ہے۔

منہاس باقر نے حالیہ حالات پر ڈسکس کرنے سے پہلے ایک عجیب و غریب سوال کیا ''بھئی! یہ تم کیا شے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ تمہاری طرح یہ بھی انتہائی حیران کن ہے!''

میں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور اس شے کو تلاش کرنے لگا جس کا ذکر منہاس باقر نے کیا تھا۔ مجھے اس کوشش میں ناکامیاب پا کر اس نے کہا۔

''بھئی، میں تمہاری بلی کی بات کر رہا ہوں!''

''اوہ!'' بے ساختہ میرے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہوگئی ''تو آپ ڈارلنگ کی بات کر رہے ہیں۔''

میں شہزاد علی کے ساتھ گلستانِ جوہر روانہ ہوتے وقت اپنی نیلی شیرڈ اور ڈارلنگ کو یہیں چھوڑ گیا تھا۔ منہاس باقر نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''تو تمہاری اس بلی کا نام ڈارلنگ ہے!''

''ہاں!'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی ''یہ کل..... یعنی آج میرے ساتھ لاہور جا رہی ہے۔'' پھر میں نے ذرا توقف کے بعد پوچھا ''آپ نے اسے حیران کن کیوں کہا۔ کیا اس نے آپ کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دیا تھا؟''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے کہا ''دراصل، میں نے اپنے ایک ملازم سے کہہ کر تمہاری ڈارلنگ کی کچھ خاطر داری کرنا چاہی لیکن اس نے ہماری کوششوں کو لفٹ نہیں دی بلکہ وہ تو تمہاری گاڑی سے باہر آنے پر ہی تیار نہیں۔ کیا یہ کچھ کھاتی پیتی نہیں؟''

اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے آج تک اسے کھاتے پیتے نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں، وہ اپنی ضروریات کب اور کس طرح پوری کرتی تھی۔ اسی طرح رفعِ حاجات کا بھی اس کا اپنا ہی کوئی شیڈول تھا۔ اس سلسلے میں اس نے کبھی گھر کو گندا کیا تھا اور نہ ہی کسی اور طور مجھے شکایت کا موقع دیا تھا۔

''بس جناب! یہ بڑی موڈی بلی ہے۔'' میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔

وہ زیرِلب مسکرایا ''ڈارلنگ کو موڈی ہی ہونا چاہیے۔''

پھر ہم اصل موضوع کی طرف آ گئے۔ میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں اسے حالیہ مشن کے بارے میں بتایا۔ میں نے اس پر واضح کر دیا کہ جہانگیر کو میں نے اپنی مرضی اور دوررس مفید نتائج کی خاطر چھوڑ دیا ہے، وہ اب میرے ایک وفادار کی حیثیت سے ''سی ایف کے'' میں کام کرتا رہے گا۔

میں نے اسے اپنے متعلق صرف اتنا بتایا کہ اتفاق سے اس تنظیم کے بگ باس سے میرے دوستانہ مراسم ہیں لیکن یہ بات میرے علم میں بھی نہیں تھی کہ ''سی ایف کے'' بظاہر ایک اصلاحی اور سماجی تنظیم ہونے کے ساتھ ساتھ یہودی لابی کی بھی آلۂ کار ہے۔

''اب تو تمہیں یقین آ گیا نا؟'' اس نے نہایت ہی سنجیدگی سے پوچھا۔

''صد فیصد!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

وہ گمبھیر آواز میں بولا ''تم میرے خیالات اور عزائم سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہو جدعان!''

''ہاں، میں جانتا ہوں، آپ ایک سچے پاکستانی اور محبِ وطن انسان ہیں۔ پاکستان کی سالمیت اور اس شہر کے امن و امان کو غارت ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔'' میں نے اس کے خیالات کی حقیقی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ''جو بھی بیرونی قوت کسی بھی اندرونی قوت کے توسط سے اینٹی پاکستان سرگرمیوں میں ملوث پائی گئی، آپ اس کے خلاف جنگ کریں گے۔ یہودی لابی، سی ایف کے کے پلیٹ فارم سے کراچی میں دہشت گردی کی وارداتیں کروا رہی ہے تاکہ پاکستان کو ''دہشت گرد نمبر ایک'' ملک ثابت کیا جاسکے، ایسا کہہ تو وہ کافی عرصے سے رہے ہیں۔''

منہاس باقر نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا ''یہود و ہنود بھی مسلمان کے دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے حالانکہ اس دعوے کا سب سے زیادہ ڈھنڈورا یہی دونوں قومیں پیٹتی ہیں۔ یہ مختلف قسم کی سنہری چالوں اور دلفریب آئیڈیاز کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں خصوصاً یہودی اس ''کارِ خیر'' میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ایک طرف وہ مسلمانوں کے بہی خواہ نظر آتے ہیں اور دوسری جانب وہ اسلام کے قلعے کو ''نمبر ون دہشت گرد'' ثابت کرنے کے لیے خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں بھی ملوث دکھائی دیتے ہیں۔'' وہ سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''ابھی تم نے جم براؤن کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، اگر یہودی لابی، 'سی ایف کے' کے توسط سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے تو ہمارے ملک خصوصاً اس شہر کراچی کے لیے یہ کتنی بڑی بدنامی کا مقام ہوگا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔''

''میں آپ کے خیالات سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''صرف اتفاق؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''پھر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''چند روز قبل میں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ میں تمہیں ایک نہایت ہی اہم مشن سونپنے والا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''میرا مشن اب تمہارے سامنے کھل چکا ہے۔ میں اپنے شہر، اپنے ملک سے یہودی لابی کی جڑیں اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہوں..... اور اس سلسلے میں میرا پہلا نشانہ ''سی پی ایف'' ہوگی۔''

''سی پی ایف؟'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

وہ بولا ''ہاں، میں نے ''سی ایف کے'' کا نام تبدیل کر دیا ہے۔ اب میرے ذہن میں یہودی لابی کی آلۂ کار اس تنظیم کا نام ''سی پی ایف'' ہی نقش رہے گا..... یعنی ''کرائم پروڈیوسنگ فیکٹری!''

''ونڈرفل!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا، بولا ''کیا تم مجھ سے مکمل تعاون کرنے کے لیے تیار ہو؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا کیوں کہ اس تنظیم کا پاس تمہارا دوست بھی ہے!''

میں نے ٹھہری ہوئی نگاہ سے اسے دیکھا اور ایک فیصلے پر پہنچتے ہوئے دوٹوک لہجے میں کہا ''اس کا دارومدار آپ پر ہے منہاس باقر صاحب!''

''وہ کس طرح؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''پاکستان صرف آپ کا نہیں، بلکہ میرا بھی ملک ہے۔ یہ کم از کم چودہ کروڑ افراد کا ملک ہے۔ آپ کی طرح اس ملک کا کوئی بھی دشمن میری آنکھ میں بھی خار کی طرح کھٹکتا ہے، چاہے وہ یہود ہو یا ہنود ہو..... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کا اس مشن میں آپ کا ساتھ دوں تو پھر آپ کو میری بھی ایک تجویز ماننا ہوگی۔''

''کون سی تجویز؟'' اس نے آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''منہاس صاحب! ''سی ایف کے'' یا بقول آپ کے ''سی پی ایف'' کینسر کے مرض کے مانند ہے جو پورے شہر میں پنجے گاڑے بیٹھا ہے۔ اس کے کسی ایک حصے کے آپریشن سے بات نہیں بنے گی بلکہ ہمیں آہستہ آہستہ اسے اندر سے کمزور کرنا ہوگا تاکہ اس کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جاسکے۔ میں نے تنظیم کے خفیہ معاملات کی خبر گیری کے لیے جہانگیر کو مقرر کر دیا ہے۔ وہ میرے دوست کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری جانب شعیب غوری بھی میری دوستی کا دم بھرتا ہے۔ میں اس پر ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ میں

اس کی اصلیت جان چکا ہوں۔ شعیب کا ایک برطانوی یہودی دوست مسٹر نیل آرمر بھی مجھ میں دلچسپی لے رہا ہے۔'' میں نے کثیر المالیت سونے اور اس کی بازیابی کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا۔ منہاس باقر میرے موجودہ بینک بیلنس سے بھی واقف نہیں تھا۔ سنگاپور سے آنے والی رقم کے بارے میں صرف شعیب غوری ہی جانتا تھا۔ میں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں شعیب غوری کا دوست رہتے ہوئے بہ آسانی نیل آرمر کے قریب ہوسکوں گا۔ مجھے شک ہے، نیل آرمر یہودی لابی کی نمائندگی کر رہا ہے۔ لابی اور شعیب کے درمیان رابطے کا ذریعہ یہی شخص ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے، اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہوئے زیادہ بہتر طور پر اس کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔ اسے وقتی اور عارضی طور پر ختم کرنا سودمند نہیں ہوگا بلکہ مضبوط پلاننگ سے ہم اسے نیست و نابود کرسکتے ہیں اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ آپ فی الحال ''سی ایف کے'' کو بھول جائیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا ''یہ بھی کوئی بھولنے کی چیز ہے!''

میں نے کہا ''منہاس صاحب! معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ واقعی مجھے اس مشن میں شامل رکھنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو میرے ذہن سے سوچنا ہوگا اور میری پلاننگ کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ میں ایسے سیٹ اپ میں موو نہیں کرسکتا جہاں میری حیثیت کسی آلۂ کار کی سی ہو اور مجھے کسی دوسرے کے اشاروں پر ناچنا پڑے۔''

''تمہاری صاف گوئی مجھے پسند آئی وجدان!'' منہاس نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''قاضی سلطان اور اس کی بیٹی ممتاز کی زبانی میں نے تمہارے بارے میں جو کچھ سنا ہے اور ابھی ممتاز اور ساحل کے تازہ ترین اغوا سے متعلق بھی جو حالات سامنے آئے ہیں ان کے پیش نظر میں تمہاری بہادری، جرأت مندی، ذہانت اور معاملہ فہمی کا قائل ہوگیا ہوں۔ تمہاری کارکردگی تسلی بخش ہی نہیں بلکہ قابلِ رشک ہے۔ اسی بنا پر میں نے یہودیوں کی سرکوبی والا مشن تمہیں سونپنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میری طرف سے تم اپنی مرضی سے موو (MOVE) کرنے کے لیے آزاد ہو۔ تمہیں جس قسم کا تعاون اور مدد درکار ہو، میں تمہیں فراہم کرنے کو تیار ہوں۔ ایک اخبار کے مالک کی حیثیت سے میری پہنچ بہت دور تک ہے۔ شہری انتظامیہ اور پولیس کے اعلیٰ افسران سے میں تقریباً ہر نوعیت کی مدد اور سہولت حاصل کرسکتا ہوں۔ بولو، تم کیا چاہتے ہو؟ تمہارے ذہن میں کیا پلان ہے؟''

میں نے اسے پکا کرنے کی خاطر کہا ''منہاس صاحب! اگر آپ کو میری کوئی بات تلخ محسوس ہوئی ہو تو میں ایک مرتبہ پھر معذرت چاہوں گا۔ آپ میرے بزرگوں کی طرح ہیں، پھر سب سے بڑی بات یہ کہ آپ قاضی سلطان کے دوست بھی ہیں اس لیے میں واضح الفاظ میں کہوں گا، اگر آپ کو میری بات سے اتفاق نہ ہو تو میں اس صورت میں ایک حد سے زیادہ آپ سے تعاون نہیں کرسکوں گا۔''

اس نے کوئی سوال نہیں کیا، خاموش اور کھوجتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔

میں نے کہا ''سردست میں آپ کو ''سی ایف کے'' کے دو ٹھکانوں اور وہاں کے نگرانوں کے نام اور پتے بتا سکتا ہوں۔ تیسرے ٹھکانے کے نگران کا صرف نام مجھے معلوم ہے، ٹھکانے کا ایڈریس میں نہیں جانتا۔'' پھر میں نے اسے ''ساؤتھ'' اور ایسٹ'' کا مکمل پتا سمجھانے کے بعد کہا ''ساؤتھ اور ایسٹ میں میرا جانا ہوا ہے۔ ساؤتھ کا کرتا دھرتا کبیر شاہ ہے جبکہ ایسٹ کی کمان سراج الدین کے ہاتھ میں ہے۔ جہانگیر کی زبانی ''ولیر'' کے باس کا نام سلیم واسطی معلوم ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ''سی ایف کے'' کا ''سینٹرل'' اور ''ویسٹ'' میں بھی ایک ایک ٹھکانا موجود ہے۔ آپ اپنے طور پر جس طرح چاہیں کسی بھی قسم کی کارروائی کرسکتے ہیں، مجھے آپ سے کوئی شکوہ گلہ نہیں ہوگا۔ اس بات کو ایک لمحے کے لیے بھی ذہن میں نہ لائیں کہ اس پراسرار تنظیم کا ٹبک باس شعیب غوری میرا دوست ہے..... اور اس کو پہنچنے والا نقصان میرے لیے تکلیف کا باعث.....''

منہاس باقر قطع کلامی کرتے ہوئے بولا ''مجھے کچھ نہیں کرنا، بس ایک بات ذہن نشین کرلو وجدان!'' وہ چند لمحے بڑی گہری نگاہ سے مجھے تکتا رہا پھر گمبھیر آواز میں بولا ''میرا مشن اور تم لازم و ملزوم ہو چکے ہو۔ اب یہ تمہارے ہی ہاتھوں تکمیل کو پہنچے گا۔ تم بتاؤ، فوری طور پر تمہیں کیا کرنا ہے! اس پلان کے ماسٹر تم ہی ہو۔''

میں نے اطمینان بھری سانس کھینچی اور کہا ''ٹھیک ہے، میں نے یہ ذمے داری قبول کرتا ہوں لیکن آپ سے ایک درخواست ہے، اس معاملے کو بہت رازداری میں رکھا جائے۔''

''ایسا تو یقیناً کرنا ہوگا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''یہ بات میرے، تمہارے اور شہزاد کے درمیان رہے گی۔''

''اور اگر آئندہ کسی مرحلے پر آپ کو پولیس وغیرہ کی مدد لینا پڑی تو پھر کیا صورت رہے گی؟'' میں نے ایک امکانی بات کی ''ایسا موقع کسی وقت بھی آسکتا ہے۔''

وہ بولا ''ان کی مدد حاصل کرنے کے لیے معاملات کو چھپانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

میں نے کہا ''آپ معاملات کو چھپائیں یا سامنے لائیں، یہ میں آپ پر چھوڑ رہا ہوں۔ بس میں اتنا چاہوں گا، اس سلسلے میں میرا کہیں ذکر نہیں آنا چاہیے۔ آپ شہزاد کو یا خود کو آگے رکھ کر کھیلیں، میں درپردہ آپ کی مدد و رہنمائی کرتا رہوں گا۔''

''مجھے منظور ہے!'' وہ میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میں تو لاہور جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے، میں بہت جلد کامیاب لوٹوں گا۔ اس کے بعد ہم پوری طرح ''سی ایف کے'' کے خلاف سرگرم عمل ہو جائیں گے۔ اس دوران میں آپ ایک چھوٹا سا کام نمٹا لیں۔''

اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا ''کون سا کام وجدان؟''

''آج ٹھیک دس بجے یورپی ملک کا سفیر جم براؤن ائرپورٹ پہنچے گا۔ ازاں بعد اسے سرکاری تزک و احتشام کے ساتھ ائرپورٹ سے ہوٹل تک پہنچایا جائے گا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا ''میں آپ کو تمام امور سے آگاہ کرچکا ہوں کہ وہ کس طرح نرسری کے مقام پر شکار کیا جائے گا۔ آپ کو اس پیشگی اطلاع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آپ کی پہنچ دور تک ہے۔ آپ ہی بہتر جانتے ہیں، کس طرح آپ ذمے دار افراد تک اس خطرناک خبر کو پہنچا سکتے ہیں اور کیسے وہ لوگ اپنے مہمان سفیر جم براؤن کی زندگی کی حفاظت کریں گے۔ بہرحال، یہ آپ کے لیے بڑی کریڈٹ کی بات ہوگی کہ آپ کے تعاون سے ملک کی عزت محفوظ رہی ورنہ جم براؤن کے بہیمانہ قتل سے ہمارے ملک کا نام کتنا بدنام ہوگا، یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں!''

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، بوجھل آواز میں بولا ''میں تمہارے مشورے پر ضرور عمل کروں گا بلکہ میں ابھی سے اپنے گھوڑے دوڑانا شروع کرتا ہوں۔ اب وقت بہت کم رہ گیا ہے مگر.....'' وہ کہتے کہتے رکا اور کچھ سوچنے کے بعد بولا ''مجھ سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے، ایسی بھیانک سازش کی پیشگی اطلاع مجھ تک کیسے پہنچ گئی؟''

میں نے محسوس کیا، منہاس باقر کچھ زیادہ ہی مجھ سے متاثر ہوگیا تھا۔ وہ ایک کامیاب صحافی تھا، شام کے معروف اخبار کا ایڈیٹر و پبلشر تھا لیکن یہ سوال اس نے مجھ سے کچھ ایسے انداز میں کیا تھا جیسے وہ میری انگلی پکڑ کر چل رہا ہو۔

میں نے کہا ''جناب! آپ کے لیے یہ کون سا مشکل کام ہے۔ آپ کوئی بھی بہانہ کرسکتے ہیں پھر کیا ضروری ہے، آپ ان لوگوں کو اپنا سورس (SOURCE) بھی بتائیں!'' آخر میں، میں نے مذاق کے رنگ میں کہا ''باخبر ذرائع'' اور ''نامعلوم افراد'' کے معاملے میں تو ویسے بھی شام کے اخبارات خاصے ماہر ہیں!''

وہ زیرِ لب مسکرایا ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ کچھ کرتے ہیں۔''

''ایک بات یاد رہے منہاس صاحب!'' میں نے کہا ''جم براؤن والے معاملے کے بارے میں، میں نے شہزاد کو کچھ نہیں بتایا۔ آپ بھی اس پر یہی ظاہر کریں کہ آپ کو کسی اور ذریعے سے پتا چلا ہے..... یا جو بھی آپ مناسب سمجھیں۔''

میں خاموش ہو کر اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ کو دیکھنے لگا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ اب مجھے وہاں سے اٹھ جانا چاہیے تھا۔ میرا بیگ فلیٹ پر رکھا تھا جس میں میرے دیگر سامان کے ساتھ، پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ بھی موجود تھے۔ میں نے منہاس باقر سے رخصت کی اجازت چاہی تو وہ دعائیہ انداز میں بولا۔

''میری دلی خواہش ہے کہ تم اپنی ساتھی ساحل کے ہمراہ بہت جلد واپس آؤ۔''

''انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے مجھے اپنے ایک دوست کا پتا لکھ کر دیا اور کہا ''فرید پاشا میرا دیرینہ دوست ہے۔ تم اس کے پاس جا کر میرا نام لو گے تو وہ لاہور میں تمہارا ہر مسئلہ حل کردے گا۔'' پھر احتیاطاً منہاس باقر نے فرید پاشا کا فون نمبر بھی اسی پرچے پر درج کردیا۔ ''مجھے امید ہے، یہ شخص تمہارے لیے مفید ثابت ہوگا۔''

میں منہاس باقر سے معانقہ کرکے اس کے دفتر سے نکل آیا۔

☆☆☆

ٹھیک سوا پانچ بجے میں اپنے فلیٹ میں تھا۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں بچا تھا کہ ایک بھرپور نیند لے سکتا۔ مجھے ساڑھے چھے بجے ائرپورٹ پہنچنا تھا جس کے لیے چھ بجے گھر سے نکلنا ضروری تھا۔ گزشتہ پوری رات پے در پے

معرکہ آرائی میں گزری تھی۔ مجھے آرام کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آ سکا تھا۔ بدن ٹوٹ رہا تھا اور جی چاہتا تھا، لمبی تان کر سو جاؤں مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ اگر میں بے فکری سے ٹانگیں پسار کر سو جاتا تو فلائٹ میرا انتظار نہ کرتی۔ فلائٹ، ٹرین اور اسی قسم کی دوسری سواریاں وقت کے مانند ہوتی ہیں اور وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

یوگا..... ہمیشہ سے میرے لیے ایک ایسی نعمتِ خداوندی ثابت ہوا ہے جس کا میں جتنا بھی شکر ادا کردں، کم ہوگا۔ اس کی بعض مشقیں گھنٹوں، بلکہ دنوں کی تکان چٹکیوں میں اتار دیتی ہیں۔ ایسے یوگی بھی میری نظر سے گزرے ہیں جو باقاعدہ سوئے بغیر سالوں گزار دیتے ہیں۔ وہ ''جھپکی نیند'' کے سہارے ہمیشہ تروتازہ رہتے ہیں۔ ''جھپکی نیند'' ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں لحاتی نیند۔ اس نیند کے ماہر یوگی کو جب بھی چند لمحات سکون کے میسر آتے ہیں، وہ آرام دہ جگہ پر بیٹھ کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے پھر آنکھیں بند کر کے لمبی سانسیں لی جاتی ہیں اور اس کے بعد ''جھپکی نیند''۔ اس نیند کا دورانیہ چند سیکنڈ سے چند منٹ تک ہوسکتا ہے لیکن اس کے طفیل انسان گھنٹوں نیند کی ضرورت محسوس نہیں کرتا..... اور جب ضرورت پڑی، ایک اور ''جھپکی'' لگالی۔

میرا جھپکی نیند سے استفادہ کرنے کا تو کوئی ارادہ نہیں تھا تاہم سانس کی بعض مشقیں بہت ضروری تھیں۔ میں آج کل ''چی'' کی ایڈوانس پریکٹس کر رہا تھا اس لیے اس نیک کام کا تسلسل جاری رکھنا بھی ازحد ضروری تھا۔ اگلے دس منٹ میں میں نے ایک مرتبہ پھر شاور لیا اور تازہ دم ہو کر یوگا کی مشق میں مصروف ہوگیا۔

میں نے سمندر کی جانب کھلنے والا سلائیڈنگ ڈور مکمل طور پر سلائیڈ کر دیا۔ ٹھنڈی اور نمکین سمندری ہوا کے جھونکے کمرے میں پہنچنے لگے جو بدن سے ٹکرا کر ایک عجیب سی گدگدی کا احساس جگاتے تھے۔ رگوں میں ایک خوشگوار سنسنی دوڑنے لگتی اور کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی جانب دل مائل ہو جاتا۔ علی الصباح کی سمندری ہوا بڑی تحریک آمیز ہوتی ہے۔ اس کی جذبات انگیزی کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس تجربے سے گزرے ہوں۔

میں اپنے بیڈروم میں قالین پر شمال رخ کھڑا ہوگیا اور پہلے ہتھ یوگ (باڈی یوگا) کی ایک سادہ اور آسان سی مشق کرنے لگا۔ یوگا میں ''رخ'' کی بڑی اہمیت ہے، خاص طور پر اگر سانس کی مشق کرنا ہو تو پھر شمالی رخ کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ دراصل شمالی اور جنوبی دو قطبین کے درمیان مسلسل مقناطیسی لہروں کا سفر جاری رہتا ہے۔ اگر شمال کی جانب رخ کر کے کوئی مشق کی جائے تو اس کی نہ صرف افادیت بڑھ جاتی ہے بلکہ مقصد کے حصول کے لیے ٹائم پیریڈ میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ شمال سے جنوب کی طرف پھیلے ہوئے مقناطیسی جال میں انسان کا جسم اور ذہن اگر ٹیون (TUNE) ہو جائے تو کیا کہنے! اس بات کو آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح سٹیلائٹ ریسیور کی مدد سے فضا میں بکھری ہوئی لہروں کو کیچ کر کے ٹی وی سیٹ میں ٹیون کر لیا جاتا ہے۔ ریسیور کی فریکوئنسی جس ٹی وی چینل سے میچ کر جائے۔ اس کی نشریات ٹی وی تک پہنچنے لگتی ہیں۔ ٹی وی ٹرانسمشن میں جو رول سٹیلائٹ ریسیور ادا کرتا ہے، اسی سے ملتا جلتا کردار یہ مقناطیسی لہریں بھی ادا کرتی ہیں۔ ان کی (TUNING) کے سبب کسی بھی مشق سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

میں نے شمال کی سمت رخ کر کے دونوں پاؤں کو آپس میں ملایا، ہاتھوں کو پہلوؤں پر ٹکایا اور ہلکی پھلکی مشق کا آغاز کر دیا۔ اس دوران میں میری آنکھیں بند تھیں۔ میں نے دھیرے دھیرے (INHALE) کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھانا شروع کیا اور سانس کے اختتام پر میرے دونوں ہاتھ سر سے بلند، نوے درجے کا زاویہ بنا رہے تھے۔ اس مقام پر میں نے تین سیکنڈ اسٹے (STAY) کیا۔ اس وقت کو شمار کرنے کے لیے باقاعدہ کسی گھڑی کی ضرورت نہیں۔ آپ نہایت دھیمے انداز میں تین تک گنتی بھی گن سکتے ہیں۔ اس لحاتی قیام کا مطلب یہ ہوا کہ تین سیکنڈ تک ہوا میرے پھیپھڑوں میں مقید رہی۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے (EXHALE) کرتے ہوئے بازو نیچے آنے لگے۔ نہ صرف بازو بلکہ کمر سے اوپر کا پورا بدن بھی زمین کی جانب جھکنے لگا۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہا جب تک میری ہتھیلیوں نے فرش کے قالین کو نہیں چھو لیا۔ اس مقام پر پہنچ کر میں نے پھر تین سیکنڈ کا قیام کیا، گویا اس پوزیشن میں، میں نے تمام سانس جسم سے خارج کر دی تھی۔ لحاتی قیام کے بعد (INHALE) کے ساتھ ساتھ میرا بدن پھر بلند ہونے لگا اور واپس ابتدائی حالت میں آ گیا۔ اس سادہ اور معصوم سی مشق کا ایک چکر مکمل ہوگیا تھا۔ میں نے تین چکر کی تکمیل کے بعد مشق ختم کر دی۔

اس مشق میں سانس کی آمد و شد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سانس کھینچنے یعنی (INHALE) اور سانس چھوڑنے یعنی (EXHALE) میں ایک ردھم (RHYTHM) قائم رہنا چاہیے اور اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ سانس کو ناک

کے راستے پھیپھڑوں میں اتارا جائے اور منہ کے راستے خارج کیا جائے۔

اس کے بعد میں نے (HEAD STAND) لگایا۔ یہ بہت ہی نازک، حساس اور خطرناک مشق ہے جس پر بعد میں کبھی تفصیلی روشنی ڈالوں گا۔ فی الحال اتنا جان لیں کہ جس طرح جنگل کا بادشاہ شیر ببر، پھولوں کا راجا گلاب، پھلوں کا شہنشاہ آم اور قیمتی پتھروں کا سرتاج ڈائمنڈ ہے، بالکل اسی طرح ہتھ یوگ (ہاڈی یوگا) اور راج یوگ (دماغی یوگا) میں ہیڈ اسٹینڈ (HEAD STAND) کو تمام مشقوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یوگا کی اس مشق کو ماہرینِ فن، یوگا کے دوشعبوں یعنی ''ہتھ'' اور ''راج'' یوگ میں بہ یک وقت شمار کرتے ہیں۔ میں نے ہیڈ اسٹینڈ (CANDLE POSTURE) کو بہت ہی مفید اور مشقِ کل پایا ہے۔ اس مشق کو عام اور سادہ الفاظ میں ''سر کے بل کھڑے ہونا'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس پوسچر کے درجنوں انداز اور طریقے رائج ہیں۔

ہیڈ اسٹینڈ یعنی کینڈل پوسچر کے بعد میں نے سانس کی مشقوں کا شعبہ یعنی پرانایام (PRANAYAM) آزمایا اور ''چی'' میں اپنی استعداد بڑھانے کے لیے اسٹروک بریتھنگ (STROKE BREATHING) کرنے لگا۔ میں نے بمشکل تمام پندرہ منٹ میں یوگا کا سیشن مکمل کرلیا۔ اس کے بعد کرسی پر نیم دراز ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔ پندرہ بیس منٹ بعد مجھے فلیٹ سے نکل جانا تھا۔ اس لیے میں تھوڑا ریلیکس ہو رہا تھا۔

اچانک میرے سر کو ایک جھٹکا سا لگا، جیسا اونگھنے کے دوران میں ہوتا ہے۔ میں یہی سمجھا، شاید چند سیکنڈ کے لیے واقعی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے کمرے کے ماحول کو محسوس کرنا چاہا اور دوسرے ہی لمحے مجھے چونک جانا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنے پورے وجود میں ایک سنسنی کا احساس ہوا۔

میرے چونکنے کا سبب ایک مخصوص قسم کی خوشبو تھی۔ میں اس خوشبو کو ہزاروں، لاکھوں خوشبوؤں کے درمیان شناخت کرسکتا تھا۔ یہ خوشبو ایک پراسرار ذات سے منسوب تھی اور اس کی آمد کے ساتھ ہی آتی تھی۔ میں نے بے ساختہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

کمرا خالی تھا۔ میں نے متلاشی نگاہ در و دیوار پر ڈالی لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دی جس کی مخصوص خوشبو سے کمرا بھرا ہوا تھا۔ میرا دل یک بارگی دھڑکنے لگا اور اسی لمحے میری نظر سلائیڈنگ ڈور سے باہر چلی گئی۔ یوگا کی مشق سے پہلے میں نے سلائیڈنگ ڈور کو پوری طرح کھول دیا تھا اور اس کھلے ہوئے دروازے کے باہر میں نے اس کے آثار دیکھ کر ایک جھرجھری لی۔ اس وقت تاریک رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے چھٹنے لگا تھا۔ اس نیم تاریک فضا میں وہ کسی مشعل کے مانند روشن روشن میری سمت تیزی سے بڑھتی چلی آرہی تھی پھر دیکھتے ہی دیکھتے روشنی کا وہ ہالہ سلائیڈنگ ڈور سے اندر داخل ہوگیا۔ میں کھلی آنکھوں سے اس عجوبۂ روزگار کو دیکھ رہا تھا۔ پرتوں کی وہ شہزادی، مجسمۂ حسن و جمال میرے سامنے ہوا میں معلق تھی۔ اس کے بدن سے ٹھنڈی آنچ والی دلکش و دلنشیں روشنی پھوٹ رہی تھی۔ میں یک ٹک ہمالیہ کی اس ساحرہ نیلگری کو دیکھتا چلا گیا۔

وقت گویا تھم کر رہ گیا۔ اچانک نیلگری کے یاقوتی لبوں پر ملکوتی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر میں نے ان نازک لبوں میں ان دیکھی جنبش محسوس کی۔ اسی وقت میری سماعت میں شہد کی مکھیوں ایسی بھنبھناہٹ گونج اٹھی۔

نیلگری کے کلام کا یہی طور تھا۔ وہ ہونٹوں سے کچھ نہیں بولتی تھی مگر اپنی بات کو سامنے والے تک پہنچانے کا ہنر اسے بخوبی آتا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی مرتبہ مجھ سے اسی انداز میں گفتگو کرچکی تھی۔ میں نے واضح طور پر سنا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''وجدان! کیسے ہو؟''

بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا ''جیسا بھی ہوں، تم سے پوشیدہ نہیں۔''

اس کے چہرے پر تکدّر، ظاہر ہوا۔ مجھے یوں لگا، میرے جواب نے اسے تکلیف پہنچائی ہو مگر میں بھی کیا کرتا۔ اس نے چند روز قبل لیلیٰ کے جلو میں مجھے جو چوٹ دی تھی، میں اسے کیسے بھول سکتا تھا۔ میرے لہجے میں آپوں آپ تلخی در آئی تھی۔

نیلگری نے گہری نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہ مجھے اپنے بدن سے پار ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے دیکھن اور دکھن میں ایک عجیب قسم کا طلسم پایا جاتا تھا۔ اس نے قدرے نرم اور دل جوئیانہ انداز میں استفسار کیا ''مجھ سے ناراض ہو؟''

''ہاں نیلگری!'' میں تم سے خفا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''اس خفگی کی وجہ کیا ہے؟''

''تم میری ناراضی کا سبب اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''اگر تمہارا اشارہ لیلیٰ والے واقعے کی جانب ہے تو میں یہی کہوں گا، تمہاری خفگی، ناراضی اور شکوہ جائز نہیں۔'' وہ یک دم سنجیدہ ہوگئی۔

میں نے تیز آواز میں پوچھا ''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

نیلگری کی بات نے مجھے غصہ دلا دیا تھا تاہم میں نے اس پر اپنے غصے کا اظہار کیے بغیر ہی سوال کیا تو وہ نہایت سنجیدگی سے بولی۔

''دیکھو وجدان! میں تمہیں اپنا محبوب مانتی ہوں۔ آج سے نہیں بلکہ اس روز سے جب تم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ تم پنیال کے رتنا پارک میں میرا ٹوٹا ہوا کرسٹل کا مجسمہ اٹھا کر اپنے فلیٹ پر لے گئے تھے۔ تم نے اس رات نہ صرف میری حفاظت کی بلکہ باقاعدہ اسکاچ ٹیپ سے تم نے میری ''مرہم پٹی'' بھی کر ڈالی۔''

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی ''اس کے بعد بھی تم وقتاً فوقتاً میرے کام آتے رہے جس سے میرے قلب کی نظر میں تمہاری محبوبیت بڑھتی چلی گئی۔ مجھ پر تمہارا سب سے بڑا احسان تو وہ ہے جب تم نے مجھے یوگی گوتم بھوش کے قبضے میں جانے سے بچایا۔ ''گومپو'' کی بدھ عبادت گاہ میں تم نے بدی کی قوتوں کے خلاف ایک کھلم کھلا جنگ لڑی جس میں تمہیں فتح نصیب ہوئی اور.....''

میں نے قطعی کلامی کرتے ہوئے کہا ''یہ تمام واقعات میری یادداشت میں محفوظ ہیں لہٰذا انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ تم ٹو دی پوائنٹ بات کرو اور مجھے بتاؤ، لیلیٰ والے واقعے پر میری خفگی، ناراضی اور شکوہ کیوں جائز نہیں؟''

اس کے چہرے پر دکھ کے سائے بکھر گئے۔ شکوا کناں لہجے میں بولی ''تم بڑے کٹھور ہو وجدان!''

میں خاموش نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ حسن بے مثال کی مالک ایک پراسرار ہستی تھی جس کی شکتیوں کو میں دیکھتا اور مانتا چلا آیا تھا لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے اس نے میری زندگی میں جو رول پلے کیا تھا، اس نے مجھے اس کی طرف سے خاصا بدگمان کر دیا تھا، خاص طور پر، لیلیٰ کے بنگلے پر پیش آنے والے واقعات کا تصور کرکے مجھے اپنی شکست کا احساس ہوتا تھا۔

میں بچپن سے اب تک بڑی دربدری کی زندگی گزارتا آیا تھا اور اس ٹکر ٹکر بیتنے والی زندگی میں خوبصورت لڑکیوں کی بہتات رہی تھی جن میں سے اکثر مجھ پر مرتی تھیں، بعض نے تو مجھے حاصل کرنے کی جیسی تیسی کوششیں بھی کر ڈالیں۔ چانکی دیوی، رانی روپ متی، سونیا، تھائی وانگ..... ایک طویل فہرست ہے۔ بنکاک میں، مارشل آرٹس سینٹر چلانے والی کوشلیا نامی ایک لڑکی نے تو زبردستی مجھے حاصل کرنی کی کوشش بھی کی تھی جو میں نے ناکام بنا دی تھی مگر لیلیٰ..... میں اس سرمئی حسینہ کی طلسم گری کے سامنے بے بس ہوگیا تھا۔ اس شعلہ جوالہ، آفت کی پرکالہ نے وہ کام دکھایا کہ میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔

نیلگری نے میرے خیالات پڑھ لیے۔ وہ خیال خوانی کی بھی ماہر تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے انداز سے مجھے بے چینی ہونے لگی۔ میں نے مضطرب نظر سے اسے دیکھا۔ وہ بولی۔

''وجدان! تم لیلیٰ اور اس کے ''کارنامے'' پر برہم بھی ہو اور اس کے بارے میں مسلسل سوچتے بھی جارہے ہو!''

''اس کا یہ ''کارنامہ'' تمہارا رہین منت ہے۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

وہ شوخی سے بولی ''پھر تو تمہیں میرے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''تم پھر اصل موضوع سے ہٹ رہی ہو نیلگری!''

''میں اسی کی طرف آرہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور خاموش ہوگئی۔

اس کی خاموشی اور اس کی سنجیدگی میں بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ یہ درحقیقت رعب حسن اور دبدبۂ قوت تھا۔ وہ لازوال حسن اور بے پناہ قوتوں کی مالک تھی۔ میں ٹھہری ہوئی نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ کبھی یوں محسوس ہوتا، اس نے نہایت ہی مہین لباس زیب تن کر رکھا ہے اور کبھی یہ احساس آنکھوں کا دھوکا لگنے لگتا۔ میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا، اس نے لباس کو پہن رکھا ہے یا لباس نے اسے!

''میں نے تمہیں اپنا بنانے کی ہر کوشش کر ڈالی۔'' نیلگری کی شیریں بیانی کا سلسلہ جاری ہوگیا ''مگر تم نے میری ہر کوشش ناکام بنا دی۔ اس کے بعد ہی میرے ذہن میں یہ آئیڈیا آیا کہ اب میں تمہارے پیچھے نہیں بھاگوں گی بلکہ تمہیں اپنے تعاقب میں دوڑاؤں گی۔ تم کچے دھاگے سے بندھے اور سر کے بل چلتے ہوئے میرے پاس آؤ گے..... میرے استھان پر۔ وہاں تک پہنچنے کا راستہ تمہارا دیکھا بھالا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو، میرا مسکن کہاں ہے؟ جلد یا بدیر، آج نہیں تو کل تمہیں آنا ہی ہوگا..... آنا ہی ہوگا وجدان!''

وہ خاموش ہوگئی اور بڑی فاتحانہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں گویا موتی کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اتنی روشن اور گہری آنکھیں اور کسی کی نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے بڑی معنی خیز، سحر انگیز بات کہہ کر

خاموشی اختیار کر لی تو میں اضطرار میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے الفاظ کی معنی آفرینی اور اثر پذیری سے انکار ممکن نہیں۔ جب کسی معاملے میں انکار ناممکن اور اقرار لازم ٹھہرے تو انسان کی بے کلی میں حد درجہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

''تمہاری باتوں میں بڑے پیچ و خم ہیں نیلگری!'' میں نے تڑپ کر کہا۔

''اپنے محبوب کی زبان سے میں اسے اپنی تعریف سمجھوں گی۔'' وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

میں نے بے قراری سے پوچھا ''تم آج میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟''

''صرف تمہیں یہ بتانے کہ اب میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گی۔'' وہ ایک دم بہت اداس دکھائی دینے لگی ''میں تمہارا انتظار کروں گی۔ ہمالیہ کی گود میں تمہاری راہ دیکھوں گی اور میری.....''

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے پوچھا ''.....اور میری کیا؟''

''رہنے دو..... کچھ آنے والے وقت کے لیے بھی چھوڑ دو۔'' وہ نگاہ چراتے ہوئے بولی ''مستقبل کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے کسی کتاب کی طرح کھلتا چلا جائے گا۔ انتظار کرو اس وقت کا جب مستقبل، حال میں اور حال، ماضی میں بدل جائے گا۔'' وہ چند لمحے خاموش رہ کر بڑی والہانہ نگاہ سے مجھے دیکھتی رہی پھر بڑی لگاوٹ سے بولی ''میں نے تو اپنے محبوب کو حاصل کر لیا ہے، اب تم اپنی محبوبہ کو تلاش کرتے پھرو۔ الوداع میرے محبوب، الوداع! اس کائنات کی سُپر شکتی تمہیں سلامت رکھے!''

اپنی بات ختم کر کے وہ ہوا میں تیرتی ہوئی میری جانب بڑھی، پھر وہ میرے انتہائی نزدیک پہنچ گئی۔ ان لمحات میں، میں گویا کوئی سنگی بت بن گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں حرکت کا خیال نہ آیا۔ نیلگری نے اپنے مرمریں ہاتھوں کے پیالے میں میرا چہرہ سجایا، پھر صراحی دار گردن جھکا کر اپنے شنگرفی لب میری پیشانی پر ثبت کر دیے۔

ان لمحات میں زمین کی گردش رک گئی تھی، وقت گویا ایک مقام پر تھم گیا ہو۔ میں نہیں جانتا، سیکنڈ کا وہ کون سا حصہ تھا جس میں نیلگری نے اپنی خواہش کی تکمیل کی۔ اس کا بوسہ لازوال اور باکمال تھا۔ مجھے اپنی پیشانی میں ایک لطیف احساس اترتا ہوا محسوس ہوا جس نے میری روح کو سرشار کر دیا۔ میں کیف و انبساط کی جادو نگری میں کھو کر رہ جاتا اگر نیلگری مجھے مخاطب نہ کرتی۔ اس کی شہد یلی بھنبھناہٹ نے میری سماعت کا دروازہ تھپتھپایا۔ میں نے اسے کہتے ہوئے محسوس کیا۔

''وجدان! میں جا رہی ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ کسی ابر پارے کے مانند ہوا میں تیرتے ہوئے مجھ سے دور ہونے لگی۔ اس کا رخ میری جانب تھا۔ وہ الٹے قدموں یعنی اپنے عقب میں سفر کر رہی تھی۔ اس کی فضائی چال میں سبک خرامی اور مستی کی سی کیفیت بھری تھی۔

میں نے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی ہوئی نیلگری کے نورانی پیکر سے مخاطب ہوتے ہوئے بس اتنا کہا ''جاتی ہو..... جاؤ۔ میرا اللہ تمہیں بھی سلامت رکھے..... اور یہ سلامتی تا قیامت ہو!''

''شکریہ میرے محبوب!'' اس کے ہونٹ تبسم ریز انداز میں متحرک ہوئے۔

اس کی مسکراہٹ کا ملکوتی حسن ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ مجھے اپنا دل زیر و زبر ہوتا محسوس ہوا۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک فوری اور نہایت ہی اہم سوال نے سر ابھارا۔ میری سوچ دلی کیفیت پر حاوی ہو گئی اور میں نے نیلگری سے سوال کیا۔

''جاتے جاتے میری ایک الجھن ہی ختم کرتی جاؤ!''

اس کی مسکراہٹ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تاہم آنکھوں میں سوالیہ تاثر ابھر آیا۔ میں نے محسوس کیا، وہ میری الجھن جاننا چاہتی ہے۔

میں نے کہا ''پچھلے کچھ عرصے سے ایک سفید بلی میرے ساتھ تھی۔ وہ مجھ سے اتنی مانوس اور میری مزاج آشنا ہو چکی ہے کہ میں نے خوش ہو کر اس کا نام ''ڈارلنگ'' رکھ دیا ہے۔ ویسے تو سب ٹھیک ہے مگر کبھی کبھی مجھے شک ہوتا ہے، کہیں اس کے روپ میں تم نہ ہو!''

اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی ''وجدان! تمہیں بار بار یاد دلانا پڑتا ہے کہ میں تمہیں اپنے من کا دیوتا سمجھتی ہوں۔ تم میرے محبوب ہو۔ یاد رکھو، محبوب کی قربت حاصل کرنے کے لیے جو بھی جتن کیے جاتے ہیں ان میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہم اپنے محبوب کو خوبصورت اور خوش نما نظر آئیں۔ اس عمل کے پیچھے ہماری لاشعوری کوشش ہوتی ہے کہ محبوب ہم پر نظرِ کرم کرے، ہماری جانب متوجہ ہو..... اور ہمیں اپنا محبوب بنا لے۔ اس بات کا ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔''

وہ چند لمحات کو ساکت ہو کر مجھے دیکھتی رہی پھر بڑے معنی خیز انداز میں بولی ''تم نے محبت کی راہ پر قدم رکھ دیا ہے۔ آہستہ آہستہ تمہیں بھی ان منزلوں سے گزرنا ہے۔ جب تجربے سے گزرو گے تو بات تمہاری سمجھ میں آ جائے گی۔

بہر حال، میں تمہارے نزدیک آنے کے لیے کسی حقیر جانور کا سہارا نہیں لے سکتی۔ میرے پاس حسن ہے، جوانی ہے اور بے پناہ ایسی شکتیاں ہیں جن کی مدد سے میں اور بہت کچھ حاصل کر سکتی ہوں۔ تمہیں لبھانے اور اپنی جانب مائل کرنے کے لیے میں خود کو مزید تو نکھار سکتی ہوں لیکن ایک بلی کے جسم میں روپوش نہیں ہو سکتی۔ تمہارا خیال یکسر غلط ہے۔''

''میں نے ڈارلنگ کی غیر معمولی اور پراسرار حرکتوں کے باعث ایسا سوچا تھا۔''

''ڈارلنگ غیر معمولی شے ہی کا نام ہے!'' اس نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، وہ دوبارہ اپنے فضائی سفر کو جاری رکھتے ہوئے بولی ''اور جہاں تک تمہاری ڈارلنگ کی پراسرار حرکتوں کا تعلق ہے، تو یہ راز بہت جلد تم پر کھل جائے گا۔''

''راز..... کیسا راز.....؟''

''دھیرج وجدان!'' وہ مجھ سے دور ہوتے ہوئے زیرِ لب مسکرائی ''ہر کام کا ایک سمے (وقت) مقرر ہے۔ نہ اس سمے سے پہلے اور نہ ہی بعد میں۔ ہمیں ہر حال میں اس سمے کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔ تم بھی انتظار کرو..... ڈارلنگ کا راز کھلنے کا، تمہاری محبوبہ ساحل کے ملنے کا، میرے محبوب وجدان کے ملنے کا..... انتظار، انتظار..... بس انتظار!''

اس کی آواز معدوم ہوتی چلی گئی، اس کے ساتھ ہی میری نگاہ میں اس کا نورانی پیکر بھی دھندلانے لگا۔ وہ پتا نہیں، کہاں سے آئی تھی! میں نے دور آسمان پر، بادلوں کے اندر سے اسے نمودار ہوتے دیکھا تھا اور وہ واپس انہی بادلوں کا حصہ بن گئی تھی۔

میں سلائیڈنگ ڈور سے باہر، نیلے آسمان پر نگاہ جمائے بیٹھا تھا کہ اچانک میں نے اپنے قدموں میں ایک سرسراہٹ سی محسوس کی۔ ایک کے ساتھ ہی ایک مانوس آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''میاؤں!''

میں یک لخت ڈارلنگ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ میرے قدموں میں لوٹ پوٹ ہو کر اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے اٹھا کر گود میں لے لیا۔ وہ میرے سینے پر اپنا منہ رگڑنے لگی۔ میں دھیرے دھیرے اس کے بدن پر اپنا ہاتھ پھیرتا رہا۔ میرے ہاتھ کے پیار بھرے لمس نے اس کے وجود میں سنسناہٹ دوڑا دی۔ وہ تھوڑی دیر اٹکھیلیاں کرتی رہی پھر شانت ہو گئی۔

میں نے ہاتھ سے پکڑ کر اس کا منہ اوپر اٹھایا اور بڑی توجہ سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ میں غیر ارادی طور پر ڈارلنگ کی آنکھوں میں نیلگری کو تلاش کر رہا تھا۔ اگرچہ نیلگری نے بڑے واضح الفاظ میں مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ڈارلنگ سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں مگر پتا نہیں مجھے یقین کیوں نہیں آ رہا تھا اور پھر نیلگری نے ڈارلنگ کا اسرار جلد کھلنے کی بات کر کے ڈارلنگ کی طرف سے مجھے اور زیادہ متجسس کر دیا تھا۔

ڈارلنگ میرے اس گھورنے کو پتا نہیں، کیا سمجھی۔ اس نے اپنے اگلے پنجے منہ پر رکھ لیے۔ چہرہ چھپانے کی اس کی یہ معصوم کوشش بڑی دلفریب تھی۔ مجھے بے اختیار اس پر پیار آ گیا۔ میں نے اس کے سر پر ایک رومانوی چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

''تم بہت شریر ہوتی جا رہی ہو!''

''میاؤں!'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

میں نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا ''جانتی ہو، ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کون آیا تھا؟''

ایک مرتبہ پھر مجھے ''میاؤں'' کی آواز سنائی دی۔

میں نے ایسے ہی پوچھ لیا ''کیا تم نیلگری کو جانتی ہو؟''

اس نے رٹا رٹایا جواب دیا ''میاؤں!''

میں نے اسے گود میں سے اتار کر قالین پوش فرش پر رکھ دیا۔ وہ تیز قدمی سے باہر کی جانب دوڑ گئی۔ میں نے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالی۔ کلاک پانچ پچاس کا وقت بتا رہا تھا۔ میں نے فوراً اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ وہاں بھی اتنے ہی بجے تھے۔ مجھے اس بات پر سخت حیرت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا، میں نے پونے چھ بجے یوگا کی مشق ختم کی تھی۔ تو کیا تب سے اب تک صرف پانچ منٹ ہی گزرے تھے؟ یہ کیسے ممکن تھا! کم از کم چار منٹ تو میں نے ڈارلنگ کے ساتھ بھی گفت و شنید کی تھی اور نیلگری سے گفتگو کا وقفہ تو کسی بھی طرح دس منٹ سے کم نہیں تھا۔

میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ نیلگری سے میری ملاقات وقت کی قید سے آزاد تھی۔ وہ وقت کو روکنا یا ان میں سے چند لمحات کو چرانا جانتی تھی۔ میں نیلگری کے بارے میں سوچتے ہوئے اپنا سفری بیگ ری چیک کرنے لگا۔

نیلگری نے اپنی بات چیت میں ایک دو مرتبہ ساحل کا تذکرہ بھی کیا تھا اور اس کا انداز بڑا سرسری تھا۔ نیلگری اپنے دعوے کے مطابق مجھے چاہتی تھی اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک

نہیں کہ میں دل و جان سے ساحل کا تمنائی تھا۔ اس کے اغوا کے بعد سے تو یہ تمنا اور بھی شدید ہوگئی تھی۔ اگر ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز رفتار کوئی سواری ہوتی تو میں یقیناً ساحل تک پہنچنے کے لیے اسی ذریعے کا انتخاب کرتا۔ آج صبح ساحل لاہور پہنچائی جانے والی تھی اور میری فلائٹ لگ بھگ سوا نو بجے وہاں پہنچتی۔ ہم دونوں آگے پیچھے یا ساتھ ساتھ لاہور پہنچنے والے تھے مگر یہ ''ساتھ ساتھ'' اور ''آگے پیچھے'' الفاظ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہوئے جسمانی طور پر ایک دوسرے سے دور ہی تھے..... اور اس دوری کے باوجود بھی ہم ذہنی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

یہ ملن اور جدائی کا رشتہ بھی بڑی عجیب شے ہے۔ کبھی ہجر کا مزہ وصل کی گھڑیوں پر بھاری پڑنے لگتا ہے اور کبھی شب وصال، فرقت کے لمحات کی یاد تازہ کردیتی ہے۔ اس کیفیت کا ادراک وہی لوگ رکھتے ہیں جو کبھی اس تجربے سے گزرے ہوں۔

☆☆☆

ہیلو کیب آندھی کی رفتار سے ائیر پورٹ کی جانب اڑی چلی جارہی تھی۔ میں نے نیلی شیرڈ کو اپارٹمنٹس بلڈنگ کی پارکنگ میں چھوڑ دیا تھا اور چائنا ٹاؤن والے کارنر سے یہ ٹیکسی پکڑی تھی۔ صبح کے وقت اور وہ بھی ائیر پورٹ کی طرف جاتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور منہ پھاڑ کر تقاضا کرتے ہیں۔ میں نے ڈرائیور کی خواہش پوری کرتے ہوئے ٹیکسی ہائر کی تھی۔ رقم میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا اور پھر میں اس وقت ایک ایسی ہستی کی سمت سفر کررہا تھا جس کے حصول کی خاطر دولت کی میری نظر میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔

ڈارلنگ میرے پہلو میں عقبی نشست پر بڑی شان سے براجمان تھی۔ ڈرائیور نے ایک دو مرتبہ اسے اپنے سر کے اوپر لگے آئینے میں حیرت سے دیکھا اور پھر اس سے صبر نہ ہوسکا۔ بالآخر وہ مجھ سے پوچھ بیٹھا۔

''صاحب! آپ کی بلی کے تو بہت مزے ہیں۔ لگتا ہے، آپ کو اس سے بہت محبت ہے۔''

''ہاں، وہ تو ہے۔'' میں نے اس کی باتوں میں دلچسپی نہ لیتے ہوئے کہا۔

چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے کہا ''کیا یہ آپ کی پالتو بلی ہے؟''

اس کا سوال بڑا احمقانہ تھا۔ اگر اس موقع پر میں اسے شافی جواب نہ دیتا تو وہ سارے راستے میرے کان کھاتا رہتا اور میں اس قسم کی فضول گفتگو میں الجھ کر اپنا دماغ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''دیکھو میاں!'' میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو خاصے بارعب انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا ''بلیاں صرف دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک پالتو اور دوسری فالتو! کوئی فالتو بلی نہ تو ٹیکسی میں سفر کرتی ہے اور نہ ہی بائی ائیر کراچی سے لاہور جاتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ڈارلنگ نامی یہ بلی سراسر پالتو ہے۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے میں نے تحکمانہ انداز میں کہا ''اب تم اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھ کر مجھے جلد از جلد ائیر پورٹ پہنچانے کی کوشش کرو۔ سمجھ گئے نا؟''

''جی صاحب، بالکل سمجھ گیا۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔

میں نے عقبی پشت گاہ سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر کے کل رات آخری پہر کے واقعات کو ذہن میں دیکھنے لگا۔ جہانگیر نے بڑے ہوشربا انکشاف کیے تھے ''سی ایف کے'' کا اصلی چہرہ میری نگاہ میں آیا تو اس تنظیم اور شعیب غوری کے لیے میرے دل میں نفرت کا سیل آب آ گیا۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت شعیب کو فون کر کے کھری کھری سنا ڈالوں مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا، الٹا نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ یہ تو اچھا ہوا، منہاس باقر کی سمجھ میں بھی میری بات آ گئی۔ میں لاہور سے واپسی پر شعیب غوری اور اس کی تنظیم کی طرف رخ کرنے والا تھا۔ جب تک سونے والا معاملہ بھی صاف ہو چکا ہوتا۔

شعیب غوری اور جہانگیر کے بارے میں سوچتے ہوئے رخش خیال امتیاز علی کی جانب بڑھ گیا۔ یہ شخص جتنی تیزی سے میرے قریب آیا تھا، اسی رفتار سے دائمی جدائی دے کر رخصت ہوگیا۔ میر بخش، روبی اور امتیاز علی کا اصل قاتل شعیب غوری تھا اور میں اسے کسی قیمت پر معاف نہیں کرسکتا تھا۔ میں شعیب کو ایسے عبرت ناک انجام سے دوچار کرنا چاہتا تھا جو رونگٹے کھڑے کرنے کی ایک مثال بن کر رہ جائے۔

امتیاز علی کے علاوہ روبی اور میر بخش کی موت نے بھی میرے سینے میں گہرے گھاؤ ڈالے تھے۔ میر بخش نے میری خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔ وہ ایک جانثار ساتھی تھا۔ میں اس کے زیاں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا اور شہابی رنگت کی مالک روبی! اس نے تو مجھے بھائی بنالیا تھا۔ میری کوئی سگی بہن نہیں۔ روبی سے منہ بولا رشتہ قائم ہوا تو وہ بھی قائم نہ رہ سکا۔ شعیب نے محض امتیاز علی کا پتا صاف کرنے کے لیے روبی اور میر بخش کو بھی بھینٹ چڑھا دیا۔ یہ سفاک شخص کسی بھی طور معافی کے قابل نہیں تھا۔

شروع میں، جہانگیر کے انکشاف کے بعد میرے ذہن میں فوری طور پر یہ سوال آیا تھا کہ امتیاز تو ''سی ایف کے'' کا اہم رکن تھا پھر شعیب نے اس کا قصہ کیوں تمام کردیا؟ بہت جلد ہی میں اس راز کو پا گیا۔ شعیب غوری نے یہ بات اچھی طرح محسوس کرلی تھی کہ امتیاز مجھ سے بہت کلوز ہوگیا تھا۔ اسے ڈر ہوگا کہ کہیں امتیاز مجھے تنظیم کی اصلیت سے آگاہ نہ کر دے۔ ایک دو موقع پر میں نے محسوس بھی کیا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے، کوئی بہت ہی خاص، ذاتی اور اہم بات۔ شاید وہ راز کی بات یہی تھی! مگر امتیاز کی لب کشائی سے پہلے ہی شعیب غوری نے اس کے لبوں پر دائمی مہرِ سکوت ثبت کردی تھی۔ امتیاز مجھ سے گہری دوستی کی پاداش میں جان گنوا بیٹھا تھا۔ گہری دوستی تو شعیب بھی مجھ سے ظاہر کررہا تھا بلکہ اس دوستی کے ثبوت کے طور پر اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا بھی تھا۔

اب مجھے اس کے لیے کرنا تھا۔ دوستی کا جواب دوستی سے نہ دیا جائے تو پھر مزہ نہیں۔ شعیب کی زہریلی دوستی، زہر آلود جواب ہی کی متقاضی تھی اور میں..... اس ناقابلِ فراموش جواب کے لیے ذہن و دل سے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ میرے اندر انتقام ہر بھرا ہوا تھا کہ اس کو سنبھالنے اور سمیٹنے میں شعیب غوری کی سانسیں پھول جاتی۔

میں انہی خیالوں میں گم تھا کہ ٹیکسی نے مجھے ائیر پورٹ پہنچا دیا۔ خدا کا شکر ہے، میں بروقت وہاں پہنچ گیا تھا۔ پہلے میں نے ریسٹورنٹ میں جا کر ہلکا پھلکا ناشتا کیا پھر ضروری معاملات کی انجام دہی کے لیے ائیر پورٹ کے عملے سے بھرپور تعاون کرنے لگا۔ پاکستان میں ائیر پورٹ کا اسٹاف ظاہر یہی کرتا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں پیش پیش ہے، ورنہ درحقیقت آپ ان سے تعاون کررہے ہوتے ہیں۔ اپنے دیس کی بات ہی نرالی ہے۔

میں ڈارلنگ کو اپنے بازو پر اٹھائے لائیو اسٹاک بکنگ کاؤنٹر پر پہنچا اور انہیں ڈارلنگ کی بکنگ کے بارے میں بتایا۔ میرے کاغذات اور اپنے ریکارڈ کو چیک کرنے کے بعد انہوں نے مجھے ایک چوبی پنجرہ (WOODEN CAGE) مہیا کیا۔ میں نے ڈارلنگ کو اس کیج میں داخل کردیا۔ وہ کسی سمجھ دار اور فرمانبردار بچے کی طرح شرافت سے کیج میں بیٹھ گئی۔ اس کی حرکات و سکنات سے محسوس ہوتا تھا جیسے اسے اپنے سفر کی پوری خبر ہو۔

اس پنجرے کو بند کرنے کے بعد اس کے ساتھ ضروری کارروائی کی گئی پھر اسٹاف کا ایک شخص پنجرے کو ٹرالی پر رکھ کر اس راہداری کی جانب بڑھ گیا جو سیدھی جہاز تک جاتی تھی۔ پالتو جانوروں کو بائی ائر لانے لے جانے کے لئے بڑا خوبصورت بندوبست کیا جاتا ہے۔ ہر جہاز کی دم میں، لیچ کے پیچھے لائیو اسٹاک کنٹینر موجود ہوتا ہے جس میں مختلف جانوروں کے پنجروں کو فکس کرنے کا نظام بڑے اچھے انداز سے کام کرتا ہے۔ پنجروں کو کنٹینر کی دیواروں پر اس طرح نصب کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ، کسی بھی صورت میں ہل نہ سکیں۔ جہاز کے اس حصے میں بڑی بھرپور کولنگ ہوتی ہے تاکہ لائیو اسٹاک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ پائے۔ جانوروں کے لیے انسانوں کا یہ حسنِ سلوک قابلِ رشک ہے!

میں دیگر مراحل سے بحسن و خوبی گزر کر ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ گیا۔ مجھے بورڈنگ کارڈ مل گیا تھا اور یہاں سے مجھے سیدھا جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھنا تھا۔ میں نے اس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ میرے علاوہ اور بھی بہت سے افراد وہاں موجود تھے وہ یقیناً پسنجرز تھے اور تھوڑی دیر بعد جہاز میں سوار ہونے والے تھے۔

میں وقت گزاری کے لیے انگلش میگزین کا مطالعہ کرنے لگا۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ مجھے میگزین سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیکھنا پڑا۔ کسی نے مجھے پکارا تھا اور آواز خالص نسوانی تھی۔

''ہیلو وجیہ! تم یہاں؟''

میں نے خود کو ''وجیہ'' کہہ کر پکارنے والے کی جانب دیکھا اور میرے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ وہ صدف تھی۔ بھرے بھرے جسم اور پستہ قامت والی صدف جو میڈیکل کے فائنل ائیر میں تھی۔

میں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا ''یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔ تمہیں تو اس وقت میڈیکل کالج میں ہونا چاہیے تھا!''

اس نے چونکہ مجھے ''تم'' سے مخاطب کیا تھا اس لیے میں نے بھی یہی طرز تخاطب اختیار کیا تھا۔ اس انداز میں بے تکلفی کی خاصی گنجائش ہوتی ہے۔ وہ کندھے سے بیگ کو اتار کر ایک سیٹ پر بیٹھ گئی اور میرے سوال کے جواب میں بولی۔

''اگر مجھے اس وقت میڈیکل کالج میں ہونا چاہیے تو تمہیں بھی اب تک لاہور پہنچ ہی جانا چاہیے تھا۔ میرے حساب سے تو تم کافی دن پہلے لاہور روانہ ہونے والے تھے!''

اس نے بات ختم کر کے شرارت آمیز انداز میں مجھے

دیکھا پھر میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''خیر، میں تو اپنی نھیال..... یعنی لاہور جارہی ہوں۔''

''میں بھی اپنے گھر لاہور ہی جارہا ہوں۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا ''تم اکیلی ہی ہو یا تمہارے ساتھ بھی کوئی ہے؟''

''بالکل اکیلی ہوں۔'' وہ سادگی سے بولی ''ایک ہفتے کے لیے جارہی ہوں پھر امتحانات شروع ہو جائیں گے اور فرصت نہیں ملے گی۔''

صدف خاصی بولڈ اور باتونی لڑکی تھی۔ اس نے پہلی ملاقات ہی میں میرے کان کھڑے کردیے تھے۔ یہ ملاقات چند روز قبل ''ساؤتھ'' کے نزدیک ایک خوب صورت پارک میں ہوئی تھی۔ اس کا مشاہدہ اور حافظہ بہت قوی تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ مجھے پہلے بھی دیکھ چکی ہے۔ اس کے ماموں سرفراز خان جے پور (انڈیا) میں لیدر کا بزنس کرتے تھے۔ اس نے مجھے وہیں دیکھا تھا۔ میں ان دنوں جے پور میں ٹھاکر بھانوت سنگھ اور رانی روپ متی کے ساتھ تھا اور وہاں کے ہندو پنڈتوں سے میری خوب بحثی ہوئی تھی۔ صدف نے کسی مقامی اخبار میں میری تصویر دیکھی اور ''کارنامے'' پڑھے تھے۔ اسے میرا نام بھی اچھی طرح یاد تھا مگر میں نے اس کے ان تمام سنسنی خیز انکشافات پر یہ کہتے ہوئے خطِ تنسیخ کھینچ دیا کہ نہ تو میرا نام وجدان ہے اور نہ ہی میں کسی ٹھاکر بھانوت سنگھ یا رانی روپ متی کو جانتا ہوں۔ جے پور تو کیا، میں زندگی میں کبھی انڈیا بھی نہیں گیا۔ میں نے صدف کو اپنا نام وجیہ اور تعلق لاہور سے بتایا تھا۔ انارکلی میں میرے والد کی جیولری کی دکان تھی اور ہم اچھرہ میں رہتے تھے۔

صدف نے اس روز بڑی بے یقینی سے میری وضاحت سنی تھی۔ اس کی بے یقینی مجھے محتاط رہنے پر مجبور کررہی تھی اور میری یہ محتاط روی اس وقت اسے چھیڑ چھاڑ پر اکسا رہی تھی ورنہ ہمارے درمیان بے تکلفی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں نے سوچا، صدف کے سامنے مجھے اپنے تاثرات اور حرکات و سکنات کو بالکل نارمل رکھنا چاہیے ورنہ اس کا شک یقین میں بدل جائے گا۔ ہم دونوں چونکہ ایک ہی فلائٹ سے لاہور جا رہے تھے اس لیے کنفلگو کے معاملے میں کہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ میں کسی بھی طور اس پر کھلنا نہیں چاہتا تھا۔

اپنی جانب متوجہ پا کر میں نے اس سے پوچھا ''تمہاری ننھیال تو لاہور میں ہے مگر تم نے اپنی ددھیال کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

وہ بولی ''میرے پاپا سرمد بخاری کا تعلق کراچی سے ہے۔ وہ بہت بڑے صنعت کار ہیں۔ ان کے بزنس کا تعلق شوگر انڈسٹری سے ہے۔ لیدر کا بزنس ہماری خاندانی شناخت ہے۔''

ہمارے درمیان اسی نوعیت کی چھوٹی موٹی باتیں ہوتی رہیں۔ اچانک اس نے مجھ سے پوچھا ''مسٹر وجدان! یہ کچھ عجیب سی بات ہے!''

وہ لڑکی میری توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چالاک ثابت ہو رہی تھی بلکہ اس کے لیے ''خطرناک'' کا لفظ زیادہ موزوں تھا۔ اس نے روانروی میں مجھے وجدان کہہ کر مخاطب کیا تھا تاکہ میں انجانے میں غلطی کر بیٹھوں مگر میں اسے ڈیپارچر لاؤنج میں دیکھتے ہی انجانا نہیں رہا تھا بلکہ بہت زیادہ جانا ہو گیا تھا۔

''میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ وجدان نامی شخص سے میرا کوئی تعلق نہیں۔'' میں نے اپنے لہجے میں نرمی کو برقرار رکھتے ہوئے سرزنش والے انداز میں کہا ''مگر تمہاری سوئی ابھی تک وجدان اور جے پور پر ہی اٹکی ہوئی ہے۔''

''سوری مسٹر وجیہ!'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔ اس کی معذرت میں پشیمانی یا ندامت شامل نہیں تھی جس کا یہی مطلب تھا، وہ اب بھی گڑبڑ کررہی ہے۔

مجھے خاموش پا کر اس نے کہا ''میں نے تھوڑی دیر پہلے جس عجیب بات کا ذکر کیا ہے نا، اس نے میرے ذہن کو الجھا رکھا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے، اتنی زیادہ مشابہت! اس وجدان اور اس وجیہ میں۔ میں تمہاری بات کو بھی نہیں جھٹلا سکتی اور اپنی یادداشت کو نظرانداز کرنا بھی میرے لیے ممکن نہیں۔ پلیز، ہیلپ می اس مسئلے کو حل کرو۔''

اس کی بے بسی میں اداکاری رچی بسی تھی۔ میں نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا ''صدف! اگر تمہاری جگہ اور کوئی شخص اس حیرت کا اظہار کرتا تو مجھے اچنبھا نہ ہوتا مگر تم تو میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو پھر مشابہت والا معاملہ تمہارے ذہن کو کیوں الجھا رہا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے، جے پور میں وجدان نامی کوئی شخص مجھ سے ملتی جلتی شکل وصورت کا ہو۔ اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔''

وہ میری جانب بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولی ''یہ کہیں ہم شکل والی اسٹوری تو نہیں؟''

''ہم شکل اور جڑواں والی اسٹوری فلم میں ہوتی ہے مس صدف۔''

''تم کہیں مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے ہو؟''

''اس میں میرا کیا فائدہ ہوگا؟''

''تفریح کی خاطر۔''

''میں ایسی تفریح کا قائل نہیں جس میں دوسروں کو ذہنی اذیت اور جذباتی کوفت سے گزارا جائے۔'' میں نے قدرے بیزار آواز میں کہا ''اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا تو تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میں تمہیں اپنے والدین سے ملواؤں گا پھر تمہاری تسلی ہو جائے گی کہ میں وجدان ہوں یا وجیہ۔ اگر تمہاری خواہش ہوگی تو میں تمہیں اپنا برتھ سرٹیفکیٹ بھی دکھادوں گا۔''

میں نے یہ جملے اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے کہے تھے ورنہ میں اپنے وجیہ ہونے کا ایسا کوئی خاندانی ثبوت پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میری چال کامیاب رہی اور وہ لاجواب ہو کر بے بسی سے میرا منہ تکنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی بے یقینی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ صاف ظاہر ہوتا تھا، وہ میری وضاحت سے قائل نہیں ہوئی۔

انسانی دماغ بہت ہی حیرت انگیز مشین ہے۔ کوئی دوسرا ذہن اپنے دلائل سے اسے لاجواب تو کرسکتا ہے مگر قائل کرنا ممکن نہیں، خاص طور پر اس صورت میں کہ سامنے والا کسی بہت ہی خطرناک شک میں مبتلا ہو۔ کہتے ہیں، وہم اور شک کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ صدف کسی اور زاویے سے مجھ پر کوئی اور سوال کرتی، اے ایس ایف (پرائیویٹ سکیورٹی فورس) کے تین افراد بہت تیزی سے چلتے ہوئے ڈیپارچر لاؤنج میں داخل ہوئے۔ ان کے چہروں سے حد درجہ پریشانی مترشح تھی۔ انہوں نے متلاشی نظروں سے چاروں جانب دیکھا پھر ان میں سے جو سینئر تھا، اس نے بہ آواز بلند استفسار کیا۔

''آپ میں سے مسٹر وجیہ کون ہیں؟''

اپنا اختیاری نام اس کی زبان سے سن کر مجھے ایک جھٹکا لگا اور میں نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کرتے ہوئے کہا ''میں ہوں وجیہ۔ کیا بات ہے؟''

وہ تینوں جلدی سے میرے پاس آگئے۔ اسی سینئر نے مجھ سے پوچھا ''کیا ڈارلنگ نامی بلی آپ ہی کی ہے؟''

''بالکل، وہ میری ہی بلی ہے۔''

ان تینوں نے گھبرائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی۔ میں نے پوچھا ''آپ ڈارلنگ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔ وہ خیریت سے تو ہے نا؟''

''وہ تو خیریت سے ہے مگر اس کی وجہ سے دوسرے جانوروں کی خیریت خطرے میں پڑ گئی ہے۔'' مجھے بتایا گیا۔

میں بھی الجھ گیا ''ایسا کیا ہو گیا جناب؟''

''آپ کی ڈارلنگ نے بڑی گڑبڑ کر دی ہے وجیہ صاحب۔'' سینئر نے مجھے بتایا ''متعلقہ اسٹاف نے جیسے ہی ڈارلنگ کے پنجرے کو لائیو اسٹاک کنٹینر میں پہنچایا، وہاں پہلے سے موجود جانوروں نے اودھم مچا دیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان پر بہت بڑا عذاب نازل کردیا گیا ہو۔ وہ مچل رہے تھے، پھڑک رہے تھے اور اپنے اپنے پنجروں میں اچھل اچھل کر احتجاج کررہے تھے ان کا بس چلتا تو اپنے پنجرے توڑ کر باہر آجاتے۔ مجبوراً ہمیں ڈارلنگ والے پنجرے کو کنٹینر سے باہر لانا پڑا۔'' وہ ایک لمحے کو سانس ہموار کرنے کے لیے رکا پھر جھرجھری لیتے ہوئے بولا ''لگتا ہے، آپ کی بلی میں کوئی شیطانی روح حلول کرگئی ہے۔ آپ نے یہ بلی کہاں سے لی تھی؟''

ائیرپورٹ سکیورٹی فورس کا وہ سینئر کسی شیطانی روح کا ذکر کررہا تھا اور میرا ذہن نیلگری کی پیش گوئی میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے دو گھنٹے پہلے بتایا تھا، ڈارلنگ کا اسرار بہت جلد کھلنے والا ہے..... تو کیا وہ اسرار یہی تھا؟

فلائٹ کی روانگی میں صرف دس منٹ باقی تھے اور میں سوچ رہا تھا، موجودہ صورتِ حال میں پتا نہیں، میں لاہور جا بھی سکوں گا یا نہیں؟

موسیقی کے شائقین کے لئے
اپنے طرز کی اچھوتی کتاب
ابجدِ موسیقی
سازوں کی سمت میں گانا ایک مشکل کام ہے
اس کتاب کے مطالعے سے آپ کو نہ صرف گانا بلکہ ہارمونیم بجانا بھی آجائے گا اور طبلے کے بارے میں بھی واقفیت ہو جائے گی
قیمت 150 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802551 5802551-5895313
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 بلاک III کمرشل ایریا ڈی ایچ اے فیز VII کراچی 75500

آئن اسٹائن ایک عبقری تھا، اپنے دور کا سینٹ۔ اس جہانِ رنگ و بو کی حقیقت کو اس نے بخوبی پالیا تھا۔ اس کے مطابق یہ دنیا اور اس میں پائی جانے والی ہر شے دھوکا ہے..... ایک خوبصورت اور دلفریب دھوکا۔ جو چیز جیسی نظر آتی ہے وہ ویسی نہیں ہوتی۔ انسان اپنے مقصد کے پیچھے اندھا دھند دوڑتا ہے اور گوہرِ مقصود ہاتھ آنے پر پتا چلتا ہے، یہ وہ نہیں، جس کی طلب میں ہم بے قرار تھے۔ یہ اب ویسا نہیں رہا جیسا حصول سے قبل دکھائی دیتا تھا۔ ہم ایک فریبِ مسلسل میں سانس لیتے ہوئے اس طلسم کدے میں زندگی گزار دیتے ہیں۔

ڈارلنگ کے حوالے سے سیکورٹی آفیسر کا انکشاف حیرت انگیز اور تعجب خیز تھا۔ وہ معصوم سی نرم و نازک بلی ایسی بھی ہوسکتی ہے کہ متعدد جانور اس کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہو جائیں، ایسا تو میں نے کبھی سوچا تھا اور نہ ہی اب تک محسوس کیا تھا۔ چند گھنٹے پہلے نیلگری نے صرف اتنا بتایا تھا، ڈارلنگ کا بھید بہت جلد کھلنے والا ہے۔ سیکورٹی آفیسر نے خدشہ ظاہر کیا تھا، اس بلی میں کوئی شیطانی روح حلول کرگئی ہے جس سے دوسرے جانور وحشت زدہ ہوگئے ہیں۔ اس میں کیا حقیقت تھی اور کتنا فسانہ، اس بارے میں حتمی طور پر فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ زندگی کے تجربے نے اب تک مجھے یہی سکھایا ہے کہ آئن اسٹائن جیسا سپر جینئس غلط نہیں ہوسکتا۔ اس نے جو بھی کہا ہے، کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا اور تاریخ گواہ ہے، مستند ہے اس شخص کا فرمایا ہوا!

ائرپورٹ سیکورٹی فورس کے وہ تینوں جوان یک ٹک میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان میں سے جو سینئر تھا، اس کی نگاہ میں متعدد سوالات تھے۔ اس کی فراہم کردہ اطلاع کو میں نے بے یقینی سے سنا، تھوڑا الجھا اور تامل کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے آفیسر! ڈارلنگ تو بہت تمیز دار بلی ہے۔''

''یہ ہو چکا ہے مسٹر وجیہ!'' اس نے دوٹوک لہجے میں کہا ''مجھے خواہ مخواہ جھوٹ بول کر آپ کو پریشان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے ذرا توقف کے بعد اضافہ کیا ''اور آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ ڈارلنگ نے لائیو اسٹاک کنٹینر میں کوئی بدتمیزی کی ہے! میں تو آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ جیسے ہی متعلقہ عملے نے ڈارلنگ والا کیج کنٹینر میں پہنچایا، وہاں پہلے سے موجود درجن بھر جانور بری طرح چلا اٹھے۔ وہ اسے دیکھتے ہی بے پناہ خوفزدہ ہوگئے اور اچھل اچھل کر پنجروں سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کا یہ احتجاجی شور و غل بتا رہا تھا، وہ ڈارلنگ کو اس کنٹینر میں داخل کرنے کے خلاف ہیں۔ ان کی یہ مخالفت کسی ڈر خوف کے سبب ہے یا کوئی اور وجہ رہی ہو بہرحال، آپ کی ڈارلنگ اس فلائٹ سے نہیں جاسکتی۔''

''لیکن میرا جانا بہت ضروری ہے۔'' میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا ''اور جہاز کی پرواز میں چند منٹ باقی ہیں۔''

''یہ بات ہمیں زیادہ اچھی طرح معلوم ہے کہ فلائٹ میں کتنا وقت باقی ہے۔'' سیکورٹی آفیسر نے کہا ''اگر آپ اس فلائٹ سے جانا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو اکیلے ہی جانا ہوگا، ڈارلنگ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔ فی الحال ہم نے اس کے کیج (CAGE) کو ہنگامی کاؤنٹر پر رکھوایا ہے۔ آپ فوراً فیصلہ کرلیں۔ تمام مسافروں کو بورڈنگ کارڈز جاری ہوچکے ہیں اور اب ہم انہیں جہاز میں سوار کرنے ہی والے ہیں۔''

سیکورٹی آفیسر خاموش ہوا تو میں نے کہا ''پلیز، آپ ڈارلنگ والا کیج یہاں لے کر آئیں یا مجھے وہاں لے چلیں۔ میں ڈارلنگ سے بات کروں گا، اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''آپ ایک بلی سے بات کریں گے، اسے سمجھائیں گے؟'' اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

میں نے خفیف لہجے میں کہا ''ہاں، وہ میری بات سمجھتی ہے اور میرے کہے کی تعمیل بھی کرتی ہے۔ آپ اسے میرے پاس لائیں۔ میں معلوم کرلوں گا، وہاں کنٹینر میں کیا حالات پیش آئے ہیں۔ اگر آپ کا بیان درست ہے تو پتا چل جائے گا، وہاں موجود جانوروں نے اس کی آمد کو ناپسند کیوں کیا؟ ان کے خوف کی وجہ کیا ہے؟ ان کا احتجاج کیا معنی رکھتا ہے؟''

''آپ تو یہ بات اتنے وثوق اور اعتماد سے کر رہے ہیں جیسے ڈارلنگ کسی انسان کی طرح آپ کی بات کو سنے سمجھے گی اور آپ کے سوالات کا جواب بھی دے گی!'' سیکورٹی آفیسر نے طنزیہ لہجے میں کہا ''ایسی بلی میں نے کہیں دیکھی ہے اور نہ ہی اس کا ذکر سنا ہے!''

اس کی بات سن کر مجھے غصہ آگیا۔ میں نے برہمی سے کہا ''آفیسر! آپ اپنے تجربے اور مشاہدے کو بڑھائیں۔ دنیا میں بہت کچھ دیکھنے، سننے اور پرکھنے کو موجود ہے۔ میں نے ڈارلنگ کے حوالے سے جو باتیں کی ہیں وہ مبنی برسچ ہیں۔ میں اپنے الفاظ کو ثابت کرسکتا ہوں۔''

''آپ فضول بحث کر رہے ہیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

''اپنی گفتگو کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

صدف پہلی مرتبہ ہماری بات چیت میں شامل ہوئی۔ اس نے آفیسر کی جانب دیکھتے ہوئے معتدل لہجے میں کہا ''دیکھیں جناب! ڈارلنگ، مسٹر وجیہ کی ملکیت ہے، اس کی چہیتی پالتو بلی ہے لہٰذا وجیہ سے زیادہ اس کے بارے میں اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ اگر کہہ رہا ہے کہ ڈارلنگ کو سمجھا لے گا تو یقیناً یہ ایسا کرکے دکھائے گا۔ پلیز، آپ ڈارلنگ والے کیج کو یہاں لے آئیں یا ہمیں وہاں لے چلیں، جہاں وہ کیج رکھا ہے۔''

سیکورٹی آفیسر نے کھوجتی ہوئی نظر سے اس خوبرو اور بھرپور حسینہ کو دیکھا پھر سرسری انداز میں پوچھا ''آپ بھی مسٹر وجیہ کے ساتھ ہیں؟''

''جی، میں مسٹر وجیہ کے ساتھ ہوں۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

صدف ایک موقع شناس لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ ڈارلنگ والا معاملہ اچانک ہی اس کے سامنے آیا تھا۔ میں نے ابھی تک اسے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اس نے بڑی خوب صورتی سے معاملے کو نکل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے انداز سے ناواقفیت یا کسی قسم کا تردد ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس کا رویہ میری فہم میں تھا جو میرے لیے قابلِ غور بات تھی۔

سیکورٹی آفیسر نے کہا ''آپ کو ہمارے چیف کے پاس جانا ہوگا۔ یہ معاملہ یہاں نمٹتا نظر نہیں آتا۔ آپ کی وجہ سے دوسرے مسافر خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔''

اس کے لہجے سے ظاہر تھا، وہ کسی صورت ڈارلنگ والے کیج کو یہاں نہیں لائے گا۔ وہاں موجود مسافروں کے چہروں سے تکدر اور بیزاری جھلکنے لگی۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ان کے چیف سے مل لیا جائے۔ شاید وہ شخص میری بات کو بہتر طور پر سمجھ جاتا۔

''تمہارے چیف صاحب کہاں بیٹھتے ہیں؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

وہ بولا ''آپ ہمارے ساتھ آئیں۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے ایک جانب قدم بڑھا دیے۔ اس کے دونوں ساتھی بھی اس کی تقلید کرنے لگے۔ میں نے ایک نظر صدف کی طرف دیکھا اور خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑا۔

ہم دونوں ائرپورٹ سیکورٹی فورس والوں کی راہنمائی میں ان کے چیف کے پاس پہنچ گئے۔ ہم سے پہلے ڈارلنگ کا ''قصہ'' وہاں تک رسائی حاصل کرچکا تھا۔ ہمارے ساتھ آنے والے سیکورٹی آفیسر ہمیں اپنے چیف کے کمرے میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اس نے یقیناً چیف کو ہمارے بارے میں بریف کردیا ہوگا۔ چیف کے اشارے پر ہم نے کرسیاں سنبھال لیں۔ وہ چند لمحے گہری نظر سے باری باری ہمیں دیکھتا رہا پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''مسٹر وجیہ! ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ آپ کی بلی کون ہے، کیسی ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے امن و امان کی صورت حال میں کوئی رخنہ نہ پڑے..... اور ڈارلنگ نے لائیو اسٹاک کنٹینر میں جو اودھم مچایا ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''

چیف نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔ اس کے انداز میں حد درجہ معقولیت پائی جاتی تھی۔ چہرے سے وہ ایک ذہین اور معاملہ فہم شخص نظر آتا تھا۔ میں نے اس کے خاموش ہونے پر ڈارلنگ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

''سر! حقیقت یہ ہے کہ اودھم ڈارلنگ نے نہیں بلکہ وہاں موجود دوسرے جانوروں نے مچایا ہے۔''

''بہرحال اس اودھم کی وجہ آپ کی بلی ہے!'' اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''مجھے تو ابھی اس واقعے کا یقین نہیں آرہا۔'' میں نے کہا۔

''مجھے یقین ہے، ایسا ہوا ہوگا۔'' چیف نے زور دے کر کہا ''میرے آدمی مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، خاص طور پر جو سیکورٹی آفیسر آپ کو لے کر میرے پاس آیا ہے، وہ میرا برسوں کا آزمایا ہوا قابلِ بھروسا آدمی ہے۔''

سی ایس او (چیف سیکورٹی آفیسر) کی آنکھوں سے ذہانت مترشح تھی۔ میں نے اس سے بحث مباحثہ مناسب نہ جانا اور درخواست آمیز لہجے میں کہا۔

''سر! اگر واقعی لائیو اسٹاک کنٹینر میں ایسا کوئی واقعہ ڈارلنگ کی وجہ سے پیش آیا ہے تو آپ مجھے اس سے ملنے کا موقع دیں۔ میں اسے سمجھاؤں گا۔ آپ بے فکر ہوجائیں، وہ میری بات سمجھ لے گی۔ انشاءاللہ! اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''پلیز! آفیسر، آپ ڈارلنگ والا کیج یہاں منگوائیں۔ ابھی مسئلہ حل ہوجائے گا۔'' صدف نے سی ایس او سے کہا ''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں سر!''

مجھے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ صدف پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس شیر کی بچی نے ابھی تک مجھ سے ڈارلنگ کے

بارے میں ایک بھی سوال نہیں کیا تھا اور ظاہر بھی کر رہی تھی، وہ مجھے اور میری ڈارلنگ کو برسوں سے جانتی ہے۔ وہ میری توقع سے زیادہ گہری لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔

چیف سیکورٹی آفیسر نے صدف کی بات سننے کے بعد متحمل لہجے میں کہا ''بالفرض، آپ اپنی بلی کو کسی طرح کچھ بھی سمجھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن وہاں موجود درجن بھر جانوروں کو کون سمجھائے گا۔ انہوں نے کسی بھی سبب، ڈارلنگ کی آمد پر شدید احتجاج کیا ہے، ان کے ردِعمل کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''پھر تو انہیں سمجھانے کی ضرورت ہے۔'' میں نے کہا ''ڈارلنگ کو نہیں!''

''یہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔'' وہ حتمی لہجے میں بولا ''اس لیے آپ کی بلی اس فلائٹ سے نہیں جا سکے گی۔ آپ اپنے بارے میں پانچ منٹ میں فیصلہ کر لیں۔ آپ اس بلی کے بغیر جانا چاہتے ہیں یا اس کے ساتھ ہی یہاں رہنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی وجہ سے دوسرے مسافروں کو کوفت اٹھانا پڑ رہی ہے۔''

میں نے ٹھوس انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''آفیسر! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مجھے ڈارلنگ سے چند باتیں کرنے کا موقع دیا جائے تو میں اس پیچیدگی کو حل کر لوں گا۔ مجھ سے ہدایت لینے کے بعد جب وہ لائیو اسٹاک کنٹینر میں جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی جانور اس کی وجہ سے ان ایزی (Uneasy) نہیں ہوگا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''

''میں آپ کے وعدے پر کیسے اعتبار کر لوں؟''

''میں مسٹر وجیہ کے وعدے کی گارنٹی دیتی ہوں۔'' صدف نے سنجیدگی سے کہا۔

سی ایس او نے چونک کر صدف کو دیکھا اور پوچھا ''کیسی گارنٹی مس؟''

''یہ گارنٹی کہ مسٹر وجیہ جیسا کہہ رہے ہیں، ایگزیکٹلی ویسا ہی ہوگا۔''

''آپ کے اس وثوق کو پرکھنے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟''

''آپ کو میری زبان پر یقین کرنا ہوگا۔''

''مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ میں تو آپ کو نہیں جانتا۔'' وہ الجھ کر بولا۔

صدف نے بااعتماد لہجے میں کہا ''اس سلسلے میں، میں آپ کو ایک معتبر ضمانت دے سکتی ہوں، ایک شخصی ضمانت۔''

''کس شخص کی ضمانت؟'' آفیسر نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

صدف نے کہا ''ذوالفقار زیدی صاحب کی ضمانت۔''

''اوہ! آپ کا اشارہ کہیں ائرپورٹ منیجر کی طرف تو نہیں!'' سی ایس او چہرے کے تاثرات میں تبدیلی لاتے ہوئے بولا۔

''بالکل، میں انہی ذوالفقار زیدی صاحب کی بات کر رہی ہوں۔'' صدف نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''زیدی صاحب میرے پاپا کے بہت اچھے دوست ہیں۔ آپ نے سرمد بخاری کا نام تو سنا ہوگا۔ میرے پاپا اس شہر کے معروف صنعتکار ہیں۔''

صدف کے اس تازہ ترین انکشاف نے جہاں مجھے حیرت میں مبتلا کیا، وہیں چیف سیکورٹی آفیسر کو بھی خاصی حد تک متاثر کیا۔ وہ بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اگر ائرپورٹ منیجر آپ کے اتنے کلوز ہیں تو پھر آپ کا مطالبہ پورا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' سی ایس او نے کہا ''لیکن میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اگر ڈارلنگ کے دوبارہ داخلے پر کسی قسم کی کوئی گڑبڑ ہوئی تو پھر میں کسی کی نہیں سنوں گا۔''

''آپ کو اس کا حق ہے۔'' میں نے کہا ''اب آپ جلدی سے ڈارلنگ والا کیج یہاں منگوائیں یا مجھے وہاں جا کر اس سے بات کرنے کی اجازت دیں۔''

سی ایس او کی اس معاملے میں دلچسپی خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس نے کہا ''آپ کہیں جانے کی زحمت نہ کریں، میں ڈارلنگ کا کیج یہیں منگوا لیتا ہوں۔''

پھر اس نے مذکورہ کیج کو اس کے کمرے میں لانے کے احکام صادر کر دیے۔ اس سے پہلے اس نے ائرپورٹ منیجر سے رابطہ کر کے صدف کے بیان کی تصدیق کر لی تھی۔ ذوالفقار زیدی نے اس کی تسلی کروا دی تو وہ ہمیں ٹھنڈا گرم پوچھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی آفر میں کوئی بناوٹ نہیں تھی۔

میں نے اس کی پیشکش کے جواب میں کہا ''آفیسر! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ ہمیں جلد از جلد فارغ کر دیں تاکہ ہماری وجہ سے دوسرے مسافروں کو جو پریشانی اٹھانا پڑ رہی ہے اس کا خاتمہ ہو سکے۔''

میں یہ جملے ادا کر کے فارغ ہوا ہی تھا کہ ڈارلنگ والے چوبی پنجرے کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ ڈارلنگ مذکورہ پنجرے میں بڑی معصوم صورت بنائے بیٹھی تھی۔ سی ایس او سمیت، اسے

اس حالت میں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی وجہ سے لائیو اسٹاک کنٹینر میں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ ہوا ہوگا۔ وہ ایک صلح جو اور پرامن بلی دکھائی دیتی تھی۔

چیف نے دلچسپ آمیز نظر سے ڈارلنگ کو دیکھا اور کہا ''یہ تو بڑی پیاری بلی ہے!''

میں نے ڈارلنگ والے پنجرے کو اپنے سامنے میز پر رکھ لیا اور گہری نظر سے اسے گھورنے لگا۔ چیف نے کہا ''یہاں میری موجودگی سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔ اگر آپ لوگوں کو پرائیویسی کی ضرورت ہو تو میں کچھ اور بندوبست کر دیتا ہوں۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔'' میں نے قطعیت سے کہا اور دوبارہ ڈارلنگ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

میں چند ثانیے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر دھیمے لہجے میں کہا ''ڈارلنگ! تم پر ریسرچ تو میں بعد میں فرصت سے کروں گا۔'' میرے انداز میں بڑی معنی خیزی تھی ''فی الحال تو میں یہ چاہتا ہوں، اسی فلائٹ سے لاہور پہنچ جاؤں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے اس نے میری بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھ لیا ہو۔ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے شرارت آمیز انداز میں خفیف سا مسکرائی اور جواب میں بولی ''میاؤں!''

اس کی مسکراہٹ کو سی ایس او دیکھ نہیں پایا تھا تاہم اس قسم کی دلچسپ مکالمت سے وہ حیران ضرور ہو رہا تھا۔ میں نے بدستور ڈارلنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس ''میاؤں'' سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے ہر صورت میں جلد از جلد لاہور پہنچنا ہے۔ میں اپنا راستہ کھوٹا نہیں کر سکتا۔ اگر تمہاری وجہ سے گڑبڑ ہوتی رہی تو میں تمہیں یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ کیا تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی ہو؟''

''میاؤں!'' وہ ایک ادا سے بولی۔

''میرے ساتھ جانا چاہتی ہو؟''

''میاؤں!''

وہ ایک ہی طرح کا رٹا رٹایا جواب دے رہی تھی مگر میں اس کی اس ''میاؤں میاؤں'' کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اس رفاقت سے مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ اس کی کون سی ''میاؤں'' کا مطلب ''ہاں'' ہے اور کس کا مطلب ''نہ'' ہے۔ دونوں طرح کی ''میاؤں'' کے وقت اس کے چہرے کے تاثرات میں تھوڑا سا فرق ہوتا تھا اور اس تفاوت کو صرف میں ہی سمجھ سکتا تھا۔

میں نے اس کی ''میاؤں، میاؤں'' کا مفہوم پا کر بڑی سنجیدگی سے کہا ''دیکھو ڈارلنگ! میں تمہاری خواہش پوری کرتے ہوئے تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جا رہا ہوں۔ تم بھی مجھ سے وعدہ کرو، تمہاری وجہ سے لائیو اسٹاک کنٹینر میں کسی قسم کی بدنظمی دیکھنے میں نہیں آئے گی۔''

وہ وعدہ کرتے ہوئے بولی ''میاؤں!''

اس کے بعد وہ اگلے پنجوں پر منہ رگڑنے لگی۔ میں نے سی ایس او کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر! بات بن گئی ہے۔ آپ ڈارلنگ کے کیج کو لائیو اسٹاک کنٹینر میں پہنچوا دیں۔ اب انشاء اللہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

اس نے متعجب نگاہ سے مجھے دیکھا اور بولا ''مجھے شدید حیرت ہو رہی ہے۔ آج تک میں نے انسان اور جانور کے درمیان اس قسم کی مکالمت نہیں دیکھی اور نہ ہی سنی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں۔'' وہ ذرا رک کر ڈارلنگ کو حیران کن نظر سے دیکھنے لگا پھر ٹھہری ہوئی آواز میں بولا ''اگر اب لائیو اسٹاک کنٹینر میں پہنچ کر ڈارلنگ نے آپ کی ہدایت پر عمل بھی کیا تو میری حیرت کس درجے پر جا پہنچے گی!''

''آپ یقین کریں سر، یہ میری ہدایت پر ضرور عمل کرے گی۔'' میں نے کہا۔

''دیکھ لیتے ہیں۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے ڈارلنگ والے کیج کو لائیو اسٹاک کنٹینر میں بھجوا دیا ''اس کو کنٹینر میں رکھنے کے بعد صرف تین منٹ تک دیکھا جائے گا اور فیصلہ ہو جائے گا۔''

ہم واپس ڈیپارچر لاؤنج میں آ بیٹھے۔ صدف نے تشویش ناک لہجے میں مجھ سے پوچھا ''وجیہ! کیا تمہیں یقین ہے، اب کوئی ناخوشگوار صورتِ حال پیش نہیں آئے گی؟''

''ہاں، مجھے یقین ہے۔'' میں نے پورے وثوق سے کہا۔

''کیا واقعی وہ بلی تمہاری بات کو سنتی ہے؟''

''ہاں، یہ حقیقت ہے۔'' میں نے کہا ''ڈارلنگ ایک حیرت انگیز بلی ہے۔''

''تم نے اس کے بارے میں پہلے نہیں بتایا!''

''تم نے پوچھا ہی کب تھا؟''

وہ میرے اس جواب پر تھوڑی سی جھینپ گئی۔ ہم نیچی آواز میں یہ باتیں کر رہے تھے اور وہاں موجود دیگر مسافروں میں سے اکثر ہمیں ہی دیکھ رہے تھے۔ ہماری وجہ سے فلائٹ کی روانگی میں چند منٹ کی دیر ہو رہی تھی۔ وہ بیزاری سے ہماری جانب دیکھنے میں حق بجانب تھے۔

میں نے صدف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا ''تم نے اپنی ذہانت سے صورتِ حال کو کنٹرول کرلیا ہے ورنہ یہ لوگ میرے لیے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور کھڑی کردیتے۔ تمہارے پاپا کے دوست ذوالفقار زیدی کا حوالہ خوب کام آیا۔''

''وہ حوالہ ہی کیا جو وقت پر کام نہ آئے۔'' وہ چہک کر بولی ''تم نے وہ محاورہ تو سنا ہوگا، دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے۔ انکل زیدی اگر آج میرے کام نہ آتے تو پاپا سے ایسی دوستی کا کیا فائدہ!''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا پھر پوچھا ''ایک سوال کروں، ٹھیک ٹھیک جواب دوں گی؟''

''پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

میں نے کہا ''جب پارک میں تم مجھ سے ملی تھیں تو میرا حلیہ خاصا مختلف تھا۔ اب اس بدلے ہوئے حلیے میں تم نے مجھے دیکھتے ہی کیسے پہچان لیا ہے؟''

''میں نے تمہیں دیکھتے ہی نہیں بلکہ تھوڑی محنت اور غور وفکر کے بعد پہچانا ہے۔'' وہ انتہائی سادگی سے بولی ''کوئی اور سوال؟''

''تم نے کس برتے پر میری ضمانت دی ہے؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے کہا ''اگر ڈارلنگ نے میری ہدایات کے مطابق عمل نہ کیا تو تمہاری سبکی ہوگی اور تمہارے ساتھ، تمہارے انکل ذوالفقار زیدی کی بھی۔ تم نے ایک انجانے معاملے میں قدم رکھ کر غلطی نہیں کی؟''

وہ گمبھیر آواز میں بولی ''پہلی بات تو یہ کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے امید ہے، بلی تمہارے کہنے پر ضرور عمل کرے گی۔ بالفرض محال اس نے اب بھی کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کیا کیا جاسکتا ہے بھئی! بلی تو پھر بلی ہے۔ ایک جانور سے کسی بھی قسم کے رویے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ میں نے.....'' وہ سانس لینے کو رکی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''دراصل تمہاری بلی پر نہیں، بلکہ تم پر اعتماد کرتے ہوئے گارنٹی دی ہے۔''

اس کی بات ختم ہوئی تو میں بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا ''مجھ پر اس اندھے اعتماد کی وجہ؟''

''میں نے اندھا نہیں، بلکہ آنکھیں کھول کر تم پر اعتماد کیا ہے۔''

''چاہے جیسے بھی کیا ہے، میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے کریدجاری رکھتے ہوئے کہا ''ہماری یہ دوسری سرسری ملاقات ہے۔ اتنے کم عرصے میں کسی پر اعتماد.....''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی ''کسی پر بھروسا کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے مسٹر وجدان!''

میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کی سوئی وجدان پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ میری اب تک کی ساری وضاحتیں، ساری محنت برباد ہو گئی تھی۔ میں اسے یہ یقین دلانے میں ناکام رہا کہ میں وجدان نہیں، وجیہ ہوں۔ جب اس نے میری اس بات کا یقین نہیں کیا تو پھر یہ بھی نہیں مانا ہوگا کہ میں کبھی جے پور یا اٹاری نہیں گیا، میں کسی رانی روپ متی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ کو نہیں جانتا اور یہ کہ پنک سٹی (جے پور) کے پنڈتوں اور پجاریوں سے میرا کوئی پھڈا نہیں رہا۔ وہ اپنی سوچ اور بیان پر ثابت قدمی سے جمی تھی اور..... خطرناک بات یہ تھی کہ اس کی اس سوچ اور بیان میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی!

اس دوران میں وہ بڑی گہری نظر سے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے اپنی جانب متوجہ پا کر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا ''مجھے بہلانے کے لیے کوئی نیا بہانہ سوچ رہے ہو؟''

''تم کوئی بچی نہیں ہو جو میں تمہیں بہلاؤں گا۔'' میں نے چڑ کر کہا ''اور مجھے کوئی نیا یا پرانا بہانہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں۔ تم خواہ مخواہ وجدان کا راگ آلاپ رہی ہو۔ اگر تم یہ سب کچھ سوچے سمجھے کسی منصوبے کے تحت کر رہی ہو تو تمہارا یہ منصوبہ تمہیں مبارک ہو۔ میں آئندہ اس سلسلے میں کوئی وضاحت کروں گا اور نہ ہی صفائی پیش کروں گا۔ تم میری باتوں پر یقین کرو یا مجھے جھوٹا سمجھتی رہو، اس بات سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا!'' میرے انداز میں خفگی، ناراضی اور بیزاری کی آمیزش تھی تاہم مجموعی طور پر میرا لہجہ قابلِ اعتراض یا تکلیف دہ نہیں تھا۔

''اس پوری تقریر میں، میں صرف تمہاری ایک بات سے اتفاق کرتی ہوں۔''

میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کون سی بات؟''

وہ بولی ''یہی کہ میں کوئی بچی نہیں ہوں!''

میں نے پلک جھپکتے میں اس کے سراپا کا جائزہ لیا اور میرے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہو کر رہ گئی۔ وہ واقعی بچی نہیں تھی! کوئی بچی میڈیکل کے آخری سال کی اسٹوڈنٹ کیسے ہوسکتی ہے؟

اسی وقت ڈیپارچر لاؤنج میں موجود مسافروں کو جہاز میں لے جانے کی کارروائی کا آغاز ہوگیا۔ اس سرگرمی کا واضح مطلب یہی تھا کہ ڈارلنگ نے اس مرتبہ کوئی گڑبڑ نہیں کی تھی۔ میں نے ایک اطمینان بخش سانس لیتے ہوئے فاتحانہ نظر سے صدف کی طرف دیکھا۔

وہ پُراعتماد انداز میں بولی ''دیکھا، تم پر میرا بھروسا کتنا سچا نکلا۔ ڈارلنگ نامی اس بلی نے تمہاری ہدایات پر عمل کیا ہے ورنہ کوئی اور بدمزگی یا پیچیدگی سامنے آتی۔''

''ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا اور اپنے سفری بیگ کا جائزہ لینے لگا۔ میری یہ سنجیدگی اسے پسند نہ آئی۔

''سوری مسٹر وجیہ!'' میری سماعت سے صدف کی آواز ٹکرائی ''میں نے خواہ مخواہ آپ کو وجیہ اور وجدان کے چکر میں الجھا دیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں ایک مرتبہ پھر آپ سے معذرت چاہتی ہوں۔ وجدان آپ سے ملتا جلتا کوئی اور شخص ہوگا۔ آپ تو وجیہ ہیں..... صرف وجیہ! مجھ سے سنگین غلطی ہوگئی۔''

وہ اپنی بھرپور اداکاری سے مجھے ایک مرتبہ پھر چکر دینے کا ارادہ رکھتی تھی۔ پہلے اس سے کوئی سنگین غلطی نہیں ہوئی تھی بلکہ غلطی تو وہ اب کر رہی تھی..... اس غلطی کی چغلی اس کا طرزِ تخاطب کھا رہا تھا۔ وہ فوراً ''تم'' سے دوبارہ ''آپ'' پر آگئی تھی۔

اس ذہین وفطین لڑکی سے بے تکلفی انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اگر مجھے اپنا وجیہ والا بھرم قائم رکھنا تھا تو پھر صدف سے کئی گنا زیادہ محتاط ہونا ضروری تھا!

☆☆☆

کراچی سے لاہور تک کم وبیش اسی منٹ کی فلائٹ ہے۔ اس حساب سے ہمیں مقررہ وقت کے مطابق نو بجے پر لینڈ کرلینا چاہیے تھا لیکن ڈارلنگ والے معاملے نے چند منٹ کی تاخیر کردی تھی چنانچہ وہ جہاز لگ بھگ پونے دس بجے لاہور ائرپورٹ پر اترا۔ مختلف مراحل سے گزر کر ہم ائرپورٹ کی عمارت سے باہر آئے تو صدف نے کہا۔

''وجیہ! تمہارے پاس سواری کا بندوبست ہے یا تم ٹیکسی لوگے؟''

کبیر شاہ نے جس ہوٹل میں میرے لیے بکنگ کروائی تھی اس کی ٹرانسپورٹ ائرپورٹ پر موجود تھی لیکن میں نے دانستہ اس سے استفادہ نہیں کیا تاکہ صدف کے کان نہ کھڑے ہوں۔ میں اسے اپنے تئیں کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

''میں ٹیکسی میں گھر جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

وہ جلدی سے بولی ''پھر کیوں نہ ہم ایک ٹیکسی لے لیں۔ میں تمہیں چھوڑتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلی جاؤں گی۔''

وہ نہایت ہی عیاری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس آفر کے ذریعے وہ میرا گھر دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے عمل سے میرے یقین کو پختہ کرنے کا کوئی موقع نہیں گنوا رہی تھی۔ میں اس ٹھوس نتیجے پر پہنچا کہ وہ مجھے وجیہ کی حیثیت سے کسی بھی صورت قبول نہیں کرے گی۔ وہ مجھے وجدان سمجھتی ہے اور یہی سمجھتی رہے گی۔ اس کی سوچ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ چاہے مجھے کچھ بھی سمجھتی رہتی، قابل توجہ بات یہ تھی کہ وہ پنجے جھاڑ کر میری ٹوہ میں لگ گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا، وہ میری وضاحت کو غلط اور اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے کوشاں تھی۔ اس پڑھی لکھی مگر سر پھری لڑکی کو ہینڈل کرنے میں مجھے خاصی دقت کا سامنا ہو رہا تھا۔ اس سے پیچھا چھڑانا اب بہت ضروری ہوگیا تھا۔

میں نے اس کی چال اسی پر لوٹاتے ہوئے کہا ''یہ بھی ہو سکتا ہے، میں تمہیں چھوڑتے ہوئے اپنے گھر کی طرف نکل جاؤں۔ تم اس وقت میرے شہر میں ہو، گویا میری مہمان ہو۔ اتنی سی مہمان داری کا حق تو مجھے بھی ملنا چاہیے۔''

''میں نے ایسا میزبان زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولی ''جو مہمان کی خاطر مدارات کے لیے اپنے گھر کے بجائے اسی کے گھر کو استعمال کر رہا ہو۔ خیر؟'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی اور بولی ''ایز یو وش مسٹر وجیہ!''

ہم دونوں ٹیکسی تک پہنچے۔ صدف نے مجھے بتایا تھا، اس کی ننھیال لاہور کے ایک پوش علاقے شادمان کالونی میں ہے۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے شادمان جانا ہے۔ اس کے بعد اچھرہ۔'' پھر اس نے میری جانب دیکھا اور استفسار کیا ''وجیہ! تم اچھرہ میں کس جگہ جاؤ گے؟''

میں نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا ''سلطان احمد روڈ۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ ٹیکسی ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی ''مجھے شادمان کالونی کے چائنا چوک پر ڈراپ کر کے تم مسٹر وجیہ کو اچھرہ لے جانا۔ یہ سلطان احمد روڈ پر جہاں کہیں، تم انہیں پہنچا دینا۔''

ٹیکسی ائرپورٹ کے علاقے سے نکل کر شادمان کالونی کی سمت بڑھنے لگی۔ سلطان احمد روڈ کا نام بوٹا سنگھ کے حوالے

سے میرے ذہن میں نقش تھا۔ وہ مونا سکھ اچھرہ میں سلطان احمد روڈ پر ہی رہتا تھا۔ اس مرد وفا نے خشونت سنگھ سے دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ میرے والد صاحب مرحوم کی قیمتی ڈائری کو اس نے بڑی حفاظت سے اپنے پاس سنبھالے رکھا اور جب لاہور میں ملک نوازش علی کے غنڈوں نے اس کا رخ کیا تو وہ اس ''رازدار'' ڈائری کو سینے سے لگائے کراچی پہنچ گیا۔ کروڑوں کی مالیت کے سونے کا راز اس ڈائری میں رقم تھا۔ شاید بوٹا سنگھ اس ڈائری کو مجھ تک پہنچانے کے لیے ہی اب تک زندہ تھا۔ جس روز وہ ڈائری میری تحویل میں آئی، اسی رات بوٹا سنگھ کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ وہ ملک نوازش علی کے نمک خوار، میاں زاہد حسین کے بندوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ ڈائری کی حفاظت والے جرم بے گناہی میں بوٹا سنگھ کو دردناک موت کے حوالے کر دیا گیا۔ مجھے اس کی موت سے دلی رنج ہوا تھا اور ازاں بعد میں نے اس کا بدلہ بھی لے لیا تھا۔

یہ تمام باتیں سوچتے ہی مجھے اپنے اعصاب میں تناؤ سا محسوس ہوا۔ میاں زاہد حسین اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ چکا تھا تاہم ان جرم زادوں کا باوا آدم ملک نوازش علی ابھی زندہ تھا۔ نہ صرف زندہ تھا بلکہ اس نے میری رگِ جاں پر اپنے خون آشام دانت بھی گاڑ دیے تھے۔ ساحل اب تب میں اس کے پاس پہنچنے والی تھی۔ مجھے نہ صرف اس کے قبضے سے ساحل کو نکالنا تھا بلکہ اس سے برسوں کا حساب بھی کرنا تھا۔ وہ حساب جو نسل در نسل چلتا آ رہا تھا۔ میں چوہدری نوازش کے ''قرض'' میں گردن تک ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے حرامی باپ نے میرے دادا پر..... اور خود اس نے میرے باپ پر جو ''قرض'' چڑھایا تھا۔ وہ تمام کا تمام میں نے ''ادا'' کرنا تھا..... اور سود در سود ''ادا'' کرنا تھا۔ اس ادائی میں اب زیادہ وقت نہیں بچا تھا۔

اس وقت میرے سامنے دو محاذ کھلے ہوئے تھے۔ ایک طرف مجھے شعیب خوری اور اس کی تنظیم سے نمٹنا تھا، اس کا قلع قمع کرنا تھا، مگر نہایت ہی خاموشی اور رازداری کے ساتھ۔ دوسری جانب نوازش علی تھا۔ اس محاذ پر مجھے بے دریغ اور کھلم کھلا جنگ کرنا تھی۔ وہ جنگ جو میرے دادا کے وقتوں سے جاری تھی۔ یہ جنگ مرحلہ وار آگے بڑھی تھی اور اب اس کا ڈراپ سین ہونے والا تھا۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ ٹیکسی ایک شان دار کوٹھی کے سامنے رکی۔ چانکا چوک شادمان کالونی کا بہت ہی خوبصورت اور دلکش علاقہ ہے۔ سرسبز شاداب۔ اس کے پہلو سے ایک نہر گزرتی ہے، جس کے کناروں پر استادہ بلند و پست درخت، سبک خرام اور ٹھنڈی میٹھی ہوا میں جھومتے ہیں۔ وہ فضا کی فرحت آفرینی کو اپنے تن من میں اتار کر مستی میں بے خود حرکتیں کرتے ہیں۔ ان کی شاخیں اور پتے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر اٹکھیلیاں کرتے ہیں۔ پانی کی مجوخرام سطح پر ان کا عکس بڑا دلفریب منظر پیش کرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ درخت ہوا میں نہ جھوم رہے ہوں بلکہ نہر کے پانی میں اپنے حسن کا نظارہ کر رہے ہوں!

صدف نے ٹیکسی ڈرائیور کو ادائی کے لیے پرس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو میں نے اسے اس حرکت سے روکتے ہوئے کہا ''مہمان کو یہ زیب نہیں دیتا جو تم کرنے کا ارادہ رکھتی ہو!''

اس کا ہاتھ رک گیا پھر اس نے میری جانب شکست خوردہ نظر سے دیکھتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے، اپنی منزل پر پہنچ کر ٹیکسی ڈرائیور سے تم خود ہی نمٹنا۔'' ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا ''آئندہ تم سے رابطہ کیسے ہوگا وجیہ! میں نے تو تمہارا گھر بھی نہیں دیکھا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''میں نے تو تمہارا ٹھکانہ دیکھ لیا ہے نا۔ میں خود تم سے رابطہ کروں گا۔ ویسے تم احتیاطاً یہاں کا فون نمبر بھی دے دو۔ ممکن ہے، کسی وقت مجھے تمہاری ضرورت پڑ جائے۔ بڑے بڑے افسروں سے تمہارے بہت اچھے مراسم ہیں۔''

میرا اشارہ کراچی ائرپورٹ والے واقعے کی طرف تھا۔ صدف کے پاپا سرمد بخاری کے دوست اور ائرپورٹ منیجر ذوالفقار زیدی نے واقعی ڈارلنگ والے معاملے میں ہم سے بہت تعاون کیا تھا۔

''میں ہفتہ دس دن ہی یہاں قیام کروں گی۔'' صدف نے ڈارلنگ کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''اس کے بعد اگر رابطہ کرنا ہو تو میں کراچی میں ملوں گی۔ تم وہاں کا فون نمبر بھی نوٹ کر لو۔'' پھر اس نے مجھے دونوں مقامات کے فون نمبرز لکھوا دیے اور ڈارلنگ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی ''پیاری بلی! اب اودھم والی کوئی حرکت نہ کرنا۔ انشاءاللہ! ہم پھر ملیں گے..... بہت جلد۔ ادے، سی یو!''

وہ ڈارلنگ کی طرف دیکھتے ہوئے یہ الفاظ ادا کر رہی تھی لیکن میں واضح طور پر محسوس کر رہا تھا، وہ مجھے سنانے کے لیے وہ کلمات دہرا رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنی ننھیال میں تھوڑا وقت گزارنے کی پیشکش بھی کی لیکن میں نے معذرت پیش کر دی وہ مجھے ''اللہ حافظ'' کہتے ہوئے ٹیکسی سے اتر گئی تو میرے کہنے پر ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ یقینی طور پر

اب وہ اچھرہ کی سمت سفر کر رہا تھا۔

میں لاہور پہلی مرتبہ آیا تھا اور یہاں کے بارے میں میری معلومات صفر کے انتہائی نزدیک تھی۔ جب ڈرائیور نے لگ بھگ ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیا تو میں نے اس سے کہا۔

''ٹیکسی کو مال روڈ کی طرف موڑ لو۔'' پھر میں نے اسے اپنے مطلوبہ ہوٹل کا نام بھی بتا دیا۔

کبیر شاہ نے جس ہوٹل میں میرے لیے سوئٹ (Suite) بک کروایا تھا، وہ مال روڈ (شاہراہِ قائداعظم) پر واقع تھا۔ یہ ہوٹل خاصا معروف تھا۔ میرا سوئٹ اس ہوٹل کی دوسری منزل پر تھا اور اس کا نمبر دو سو آٹھ تھا۔ اس سوئٹ میں ایک بیڈ روم، ایک سٹنگ روم کے علاوہ دیگر تمام سہولیات بھی موجود تھیں۔ یہ معلومات کبیر شاہ نے مجھے پہلے ہی فراہم کر دی تھیں۔

ڈرائیور نے میری ہدایت پر ٹیکسی کا رخ تو موڑ لیا لیکن یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا ''صاحب! آپ کو تو اچھرہ جانا تھا، سلطان احمد روڈ پر؟''

''اب مجھے مال روڈ جانا ہے، اپنے ہوٹل۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''تم اچھرہ و چھرہ کو ذہن سے نکال دو۔''

اس کے چہرے پر مجھے تذبذب کے آثار نظر آئے۔ میں نے پوچھا ''تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''وہ صاحب جی!'' وہ تامل کرتے ہوئے بولا ''بات یہ ہے کہ مال روڈ کا فاصلہ اچھرہ کی نسبت.....''

میں نے جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا ''ٹھیک ہے۔ تم فاصلے کی پروا نہ کرو۔ میں تمہیں زیادہ کرایہ دے دوں گا۔ اس بارے میں تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

وہ مطمئن ہو کر لاہور کی شفاف سڑکوں پر ٹیکسی دوڑانے لگا۔ جب میں نے مذکورہ ہوٹل پہنچ کر اپنے سوئٹ میں قدم رکھا تو میری رسٹ واچ ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔

میں کوئی لمبی فضائی مسافت طے کر کے یہاں نہیں پہنچا تھا کہ تھکن کا سوال پیدا ہوتا لیکن اس کے باوجود بھی میرا پورا وجود تکان سے چور چور تھا اور آنکھوں میں شدید قسم کی جلن بھی ہو رہی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ گزشتہ ساری رات میں بے حد ''مصروف'' رہا تھا اور مجھے ایک لمحے کو بھی آرام کا موقع نہیں مل سکا تھا، نیند لینا تو دور کی بات ہے۔ اس رات پے در پے ایسے ہنگامہ خیز حالات پیش آئے کہ مجھے مار ماری سے فرصت نہ ملی۔ اس وقت میرا اول چاہ رہا تھا، ایک بھرپور نیند کے لیے جوتوں سمیت بستر میں گھس جاؤں اور جب تک میرا جسم پھول ایسا ہلکا نہ ہو جائے، آنکھ کھولنے کا تکلف نہ کروں۔ مگر فوری طور پر اس خواہش کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔ اس سے پہلے چند ایک اہم کام نمٹانا ضروری تھے۔

میں نے واش روم میں جا کر خود کو فریش کیا اور تھوڑا ایزی ہونے کے بعد کراچی فون گھما دیا۔ ہوٹل میں قیام کی وجہ سے ظاہر ہے، یہ فون اس ہوٹل کے توسط سے ہی کیا گیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے جہانگیر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ گزشتہ شب میں نے اس کی اچھی خاصی مرمت کر ڈالی تھی جس کے نتیجے میں ہماری دوستی وجود میں آئی تھی۔ اس کا بایاں شانہ جوڑ سے خاصا متاثر ہوا تھا، اوپر کا سامنے والا ایک دانت جڑ سے اکھڑ گیا تھا اور میرے دلدار خنجر نے اس کی گردن پر متعدد مہلک کٹس (Cuts) لگائے تھے۔ اس کے کیے کی فی الحال اتنی سزا کافی تھی۔ باقی سزا وہ مرحلہ وار، مجھ سے دوستی نبھا کر کاٹ لیتا۔

تیسری یا چوتھی گھنٹی پر دوسری طرف ریسیور اٹھا لیا گیا۔ میں نے ایرپیس میں جہانگیر کی انتہائی محتاط ''ہیلو'' سنی۔ اس کی آواز میں بے پناہ خوف اور ترددپایا جاتا تھا۔

''ہیلو جہانگیر! یہ میں ہوں۔ وجدان۔'' میں نے تیز آواز میں کہا۔

''اچھا تم ہو۔'' اس کے منہ سے اطمینان بھری آواز برآمد ہوئی ''کیا تم لاہور پہنچ گئے یا ابھی کراچی ہی میں موجود ہو؟''

''میں اس وقت لاہور سے بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اوہ!'' وہ طویل سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''کیا بات ہے جہانگیر! تم کچھ گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں، بلکہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا ہوں۔'' وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

میں نے استفسار کیا ''آخر بات کیا ہے۔ تمہاری گھبراہٹ کا سبب کیا ہے؟''

''وجدان! تمہارے جانے کے بعد یہاں بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے پوچھا۔

''فواد ہاتھ سے نکل گیا ہے۔''

''یہ کیسے ہو گیا بھائی! وہ تو تمہارے فلیٹ میں بے ہوش پڑا تھا؟''

''ہاں وجدان! وہ بے ہوش پڑا تھا۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا ''لیکن پتا نہیں، اس کی بے ہوشی کب ختم ہوئی اور وہ کس وقت فلیٹ سے نکل گیا!''

میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا ''تم یہ کیسی عجیب بات کر رہے ہو۔ جب میں تمہارے فلیٹ سے رخصت ہوا تو فواد بیڈروم کے فرش پر بے سدھ پڑا تھا۔ ڈرائنگ روم والی ''میٹنگ'' کے دوران میں ہمارے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ وہ ہمارے جاتے ہی تم فواد کا ایسا ''بندوبست'' کر دو گے کہ وہ تمہارے پاس سلیم واسطی کے سامنے زبان کھولنے کے قابل نہیں رہے گا۔ کیا تم نے اس سلسلے میں کوئی غفلت برتی تھی؟''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو وجدان۔'' وہ سہمے ہوئے انداز میں بولا ''میں شدید قسم کی غفلت کا مرتکب ہو چکا ہوں اور اب سوا ایک فیصد امکان اس بات کا ہے کہ فواد یہاں سے نکلنے کے بعد باس سے رابطہ کر چکا ہوگا یا کرنے ہی والا ہوگا۔'' وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا ''مجھے محسوس ہو رہا ہے وجدان، جیسے میرا وقت پورا ہو گیا ہے۔ موت اب تب میں مجھے اپنے خونیں جبڑوں میں دبوچنے والی ہے۔ میں سخت خوفزدہ ہوں وجدان! تم سے مجھے دشمنی راس آئی ہے اور نہ ہی دوستی پھل رہی ہے۔''

وہ خوف اور گھبراہٹ کے باعث بے ربط باتیں کر رہا تھا۔ میں نے لگ بھگ چار دس پر اس کے فلیٹ کو خیر باد کہا تھا۔ اس بات کو اب سات گھنٹے سے زیادہ گزر گئے تھے۔ اس تناظر میں، میں نے جہانگیر سے سوال کیا۔

''فواد کتنے بجے وہاں سے غائب ہوا تھا؟''

''پانچ اور چھے بجے کے درمیان۔'' اس نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔

''تم اس دوران میں کیا کر رہے تھے؟'' میں نے پوچھا ''تم نے تھوڑی دیر پہلے اپنی کسی غفلت کا ذکر کیا تھا!''

وہ تامل کرتے ہوئے بولا ''وجدان! میں تمہیں دل میں اپنا سچا دوست تسلیم کر چکا ہوں اس لیے تم سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کروں گا۔'' اس نے یہاں تک پہنچ کر ایک لمحے کا توقف کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بتانے لگا ''میری اس غفلت کا تعلق تابندہ سے ہے۔ وہی کال گرل جسے تم نے باتھ روم میں بند رہنے کا حکم دیا تھا۔''

بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تاہم وضاحت کی خاطر میں نے پوچھا ''تابندہ بیچ میں کہاں سے آ گئی؟''

اس نے بتایا ''جب تم دونوں یہاں سے رخصت ہو گئے تو اسی وقت تابندہ باتھ روم سے نکل آئی۔ شاید اس نے تمہاری گفتگو سن لی تھی۔ تمہارے جاتے ہی اس نے خود کو محفوظ سمجھا اور تمہاری اجازت کے بغیر وہ باتھ روم سے باہر آ گئی..... اور اسی وقت میرے دماغ کو پتا نہیں کیا ہو گیا!''

اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور سلسلۂ کلام کو جوڑتے ہوئے بولا ''وہ حرافہ اس وقت مجھے پہلے سے کہیں زیادہ حسین و سنگین نظر آ رہی تھی۔ ہم اسے دو ہزار روپے کے عوض رات بھر کے لیے اپنے فلیٹ پر لائے تھے۔ رقم کی ادائی پیشگی اس کے ایجنٹ کو ہم کر چکے تھے۔ تابندہ فوری طور پر وہاں سے جانا چاہتی تھی۔ وہ چلی جاتی تو ہمارے دو ہزار بھی چلے جاتے۔ تابندہ کے سراپا میں ایسا خمار تھا کہ میں بے خود ہو گیا۔ فواد والے انتہائی اہم معاملے کو بھول کر میں تابندہ کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس وقت میرے سر پر صرف ایک ہی بھوت سوار تھا..... اور وہ یہ کہ مجھے اپنے دو ہزار ڈوبنے سے بچانا ہیں۔ اس رقم کی ایک ایک پائی تابندہ سے وصول کرنا ہے۔'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا ''اس کے بعد کیا ہوا ہوگا، تم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو!''

''اندازہ تو میں لگا چکا ہوں جہانگیر!'' میں نے اس کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا ''ہوس نے تمہاری آنکھوں پر ایسی دبیز پٹی باندھ دی تھی کہ تم اپنے دو ہزار پورے کرنے کے چکر میں نہایت قیمتی آدمی فواد کو گنوا بیٹھے ہو۔ وہ تمہاری اس غفلتانہ مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر رفو چکر ہو گیا۔ یہ دو ہزار روپے وصول کر کے تم نے اپنی موت کو دعوت دی ہے جہانگیر۔ وہ ہماری ابتدائی گفتگو سن چکا تھا۔ تم نے جو مجھے وجدان کی حیثیت سے اور میں نے تمہیں گرے پجارو کے حوالے سے شناخت کر لیا تھا پھر ہمارے درمیان کسی یہودی لابی اور ''سی ایف کے'' کے باہمی رابطے اور تعلق پر بھی مکالمے بازی ہوئی تھی۔ فواد نے سلیم واسطی کو اس واقعے سے باخبر کر دیا ہوگا اور اس نے بگ باس شعیب غوری تک یہ اطلاع پہنچا دی ہوگی جس کا مطلب یہ ہوا کہ شعیب غوری میری اس کارروائی اور آئندہ عزائم سے پوری طرح آگاہ ہو چکا ہے لہٰذا.....'' میں نے پرسوچ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا اور تھوڑے توقف کے بعد گمبھیر آواز میں کہا ''اب مجھے شعیب غوری کی جانب سے محتاط رہتے ہوئے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ جہانگیر! تمہاری ذرا سی جذباتی بھول اور نفسانی خواہش نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا ہے۔ بتاؤ، اب میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں!''

''وجدان! تم بہت باتدبیر انسان ہو۔'' وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولا ''خدا کے واسطے مجھے بگ باس کے عتاب سے بچا

لو۔ میں حرام موت نہیں مرنا چاہتا۔''

اس کا گڑگڑانا سن کر مجھے غصہ آنے لگا۔ میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''اگر تم اپنے دل میں زندہ رہنے کی خواہش رکھتے ہو تو اب تک اس فلیٹ میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ فواد ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں۔ موت کسی بھی لمحے تمہیں اپنے نیلیلے پنجوں میں دبوچ سکتی ہے۔ کیا تم بھیانک اور حسرت ناک موت کا انتظار کر رہے ہو؟''

اس کی سراسیمہ آواز سے میں نے محسوس کیا کہ اس نے میری بات کے اختتام پر ایک خوفناک جھرجھری لی ہوگی۔ ایر پیس...(EARPIECE) میں اس کی ڈری سہمی آواز ابھری ''وجدان! تم ہی بتاؤ، میں کہاں جاؤں۔ اوپر خدا ہے اور نیچے تم..... تم دونوں کے سوا میرا کوئی سہارا اور آسرا نہیں!''

میں نے کہا ''اوپر والے پر بھروسا رکھو اور میری ہدایت پر عمل کرو۔ انشاء اللہ نتیجہ تمہارے حق میں برآمد ہوگا۔''

''تم مجھے حکم دو، میں کیا کروں!''

''تمہیں فوری طور پر اس منحوس فلیٹ کو چھوڑ دینا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں نکل رہا ہوں۔'' وہ فرماں برداری سے بولا ''بتاؤ، یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں؟''

میں نے اسے منہاس باقر کے دفتر کا پتا سمجھایا اور کہا ''جب تک میں وہاں فون کر کے تمہارے بارے میں آسانیاں فراہم نہ کر دوں، تم اس دفتر سے ہلنا بھی نہیں۔ یہ فیصلہ بعد میں کریں گے کہ اس کے بعد تمہیں کہاں جانا ہے۔''

''او کے وجدان! میں تمہارا یہ احسان بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔''

''تم یہ بات کہہ کر اس دوستی کی توہین کر رہے ہو جو ہمارے درمیان قائم ہو چکی ہے۔'' میں نے برہمی سے کہا ''دوستوں پر احسان نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے کام آنا فرض اوّلین ہوتا ہے۔''

وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا ''میں آیندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔''

فون بند کرنے سے پہلے میں نے اس سے چند ایک ضروری سوال کیے۔ میں نے کہا ''آج صبح، تمہارے بیان کے مطابق پاکستان کے ایک دوست یورپی ملک کا سفیر مسٹر جم براؤن کراچی پہنچنے والا تھا۔ اس کے جہاز نے ٹھیک دس بجے لینڈ کرنا تھا اور ہوٹل پہنچنے سے قبل ہی ''سی ایف کے'' کے دو دہشت گردوں نے مہمان سفیر کو نرسری کے مقام پر قاتلانہ حملے کے بعد موت کے گھاٹ اتارنا تھا۔ اس سلسلے میں تازہ ترین رپورٹ کیا ہے؟ قاتلوں نے تمہارے فلیٹ پر پناہ لینا تھی۔ کیا وہ تمہارے پاس پہنچ گئے ہیں؟''

جہاں گیر کی اب تک کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا، وہ اس وقت فلیٹ پر بالکل اکیلا تھا۔ اگر وہ اکیلا تھا تو اس کا واضح مطلب یہی تھا، نرسری والے ''آپریشن'' میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی اور وہ دونوں قاتل جہاں گیر کے پاس پہنچنے سے قاصر رہے تھے۔ دس گزرے ہوئے بھی..... ڈیڑھ گھنٹا بیت گیا تھا۔

جہاں گیر نے میرے سوالات کے جوابات میں بتایا ''اس سلسلے میں خود میں بھی بہت پریشان ہوں۔ نجیب اللہ اور سراج احمد نے جم براؤن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد مختلف مراحل سے گزر کر ٹھیک ساڑھے دس بجے میرے پاس آنا تھا لیکن ابھی تک نہ تو وہ آئے ہیں اور نہ ہی اوپر سے کسی قسم کے احکام۔ لگتا ہے، کوئی لمبی ہی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''ہاں، لگتا تو یہی ہے۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''جتنی لمبی گڑبڑ ہو چکی ہے اس سے بھی کہیں زیادہ طویل و عریض گڑبڑ ہونے والی ہے لہٰذا تم فی الفور اس فلیٹ سے نکل کر میرے بتائے ہوئے مقام پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں بعد میں پھر کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔''

پانچ منٹ کے وقفے سے میں نے دوسرا فون منہاس باقر کو کیا۔ اس وقت میری رسٹ واچ گیارہ پچاس بجا رہی تھی۔ منہاس سے فوراً رابطہ ہو گیا کیونکہ وہ دفتر ہی میں موجود تھا۔ فون پر میری آواز سنتے ہی وہ جوشیلے لہجے میں بولا۔

''وجدان! تمہارے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔''

''جم براؤن کا ایک بال بھی بانکا نہیں ہوا۔ ہے نا؟''

''رائٹ یو آر!'' وہ اپنے جوش کو دباتے ہوئے بولا ''تفصیلات بڑی سنسنی خیز ہیں۔ ہم نے متوقع قاتلوں کو گرفتار کر لیا ہے..... ہم سے مراد، ہماری پولیس ہے۔''

میں نے سراہنے والے انداز میں کہا ''مبارک ہو منہاس صاحب! آپ کی زبانی اس کامیابی کی تفصیل سننے سے پہلے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ابھی تھوڑی دیر بعد جہاں گیر آپ کے دفتر پہنچنے والا ہے۔ اس کی جان کو سخت خطرہ ہے۔ آپ اسے پناہ دیں گے اور اس کی حفاظت کا بھی بندوبست آپ ہی کے ذمے ہے۔ اس کے بارے میں تفصیلی بات بعد میں ہوگی۔ فی الحال آپ ذہن میں یہ بات رکھیں کہ جہاں گیر کی حیثیت میرے ایک دوست کی سی ہے!''

''تم جہاں گیر کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ وجدان!'' وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا ''اس کی حفاظت اور نگہداشت اب میرے ذمے ہے۔ وہ تمہارا دوست ہے، میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔''

میں نے مطمئن ہونے کے بعد کہا ''ٹھیک ہے منہاس صاحب! اب آپ مجھے سفیر مسٹر جم براؤن کے بارے میں بتائیں؟''

وہ بتانے لگا ''تمہاری فراہم کردہ اطلاعات نے میرے اندر کھلبلی مچادی تھی۔ کوئی اور شخص اگر مجھے اس بارے میں بتاتا تو میں اس کی بات پر دھیان نہ دیتا مگر تمہاری تو بات ہی دوسری ہے۔ میں تم پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے لگا ہوں وجدان!''

''یہ آپ کی محبت ہے منہاس صاحب!'' میں نے اس کے خاموش ہوتے ہی کہا۔

وہ بولا ''محکمۂ پولیس کے ایک ڈی ایس پی خورشید شاہ سے میرے دوستانہ مراسم ہیں۔ خورشید ایک ایمان دار اور فرض شناس پولیس آفیسر ہے۔ تمہارے جاتے ہی میں نے خورشید کو فون کیا اور اسے تازہ ترین متوقع پیش آمدہ صورتِ حالات کے بارے میں بتایا۔ اس نے فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً مجھ سے ملنے چلا آیا۔ خورشید شاہ جم براؤن کی آمد سے آگاہ تھا اور حسنِ اتفاق دیکھو وجدان کہ خورشید شاہ پروٹوکول کے اس دستے میں شامل تھا جو سفیر جم براؤن کے ساتھ ائر پورٹ سے ہوٹل تک پہنچنے والا تھا۔ خورشید شاہ نے پہلی فرصت میں اپنے اعلیٰ آفیسرز سے رابطے کیے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر مہمان یورپی سفیر کی حفاظت اور متبادل قیام کا بندوبست کرلیا گیا۔''

''متبادل قیام.....؟'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

اس نے بتایا ''ہاں وجدان! اعلیٰ عہدوں پر فائز ذمے دار افراد نے آپس میں ہنگامی میٹنگ کی اور یہ طے پایا کہ مہمان سفیر کو اس کی طے شدہ قیام گاہ کے بجائے کہیں اور پہنچایا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ہوٹل ائر پورٹ کا انتخاب کیا گیا اور نہایت ہی رازداری کے ساتھ وہاں مہمان سفیر جم براؤن کو ٹھہرانے کے انتظامات کردیے گئے۔ مذکورہ ہوٹل ائر پورٹ سے چند قدموں کی دوری پر ہے لہٰذا جم براؤن کو بہ حفاظت وہاں پہنچادیا گیا ہے۔''

وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا تو میں نے پوچھا ''منہاس صاحب! آپ نے بتایا ہے کہ متوقع قاتلوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ وہ لوگ کس طرح پولیس کے ہتھے چڑھ گئے؟ انہوں نے تو نرسری کے قریب گھات لگا کر جم براؤن کو شکار کرنا تھا!''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو وجدان!'' وہ تائید کرتے ہوئے بولا ''مہمان کو بحفاظت ہوٹل ائرپورٹ پہنچانے کے ساتھ یہ پروگرام بھی طے پایا تھا کہ ملک دشمن متوقع قاتلوں کو ضرور گرفتار کیا جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر نرسری کے پورے علاقے کو سادہ لباس پولیس والوں نے اپنی نگاہ میں رکھ لیا۔ خاص طور پر لال کوٹھی سے لے کر گورا قبرستان تک شارعِ فیصل کی دونوں جانب چوکنا نظر رکھنے والا مسلح پولیس اہلکار متعین کردیے گئے تاکہ کسی بھی غیر معمولی حرکت پر وہ فوراً عقاب کے مانند جھپٹا مار کر مشتبہ افراد کو اپنی گرفت میں لے لیں۔''

منہاس باقر کے بیان میں خاصا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ کامیابی اور ناکامیابی ایک انتہائی جذباتی اور حساس معاملہ ہوتا ہے۔ اس میں انسان خود پر اختیار نہیں رکھ پاتا۔ بعض اوقات کسی خوشی کے موقع پر فرطِ جذبات سے انسان کے آنسو نکل آتے ہیں اور کبھی غم کی صورتِ حالات میں آنکھ سے ایک قطرہ نہیں ٹپکتا۔ غم و خوشی اور کامیابی و ناکامیابی انسان کو بے اختیار کردیتی ہے۔ منہاس باقر بھی اس وقت کچھ اسی قسم کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔

وہ بات کو جاری رکھتے ہوئے بولا ''وجدان! متوقع قاتلوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پولیس کو ایک ڈراما اسٹیج کرنا پڑا۔ مہمان سفیر جم براؤن کو تو چپکے سے ائرپورٹ سے نکال کر ہوٹل پہنچا دیا گیا تھا لیکن ڈمی پروٹوکول کو ائرپورٹ سے اس ہوٹل کی جانب روانہ کیا گیا جہاں پہلے جم براؤن کے قیام کا پروگرام تھا۔ اس پروٹوکول میں وہ گاڑی شامل نہیں تھی جو سفیر کو ہوٹل لے جانے کے لیے استعمال ہوتی۔

''تم جانتے ہو وجدان! پروٹوکول کی گاڑیاں ہائی اسپیڈ پر چلتی ہیں تاکہ کہیں سے انہیں نشانہ نہ بنایا جاسکے۔ ایک سو ساٹھ سے اوپر رفتار کو ٹارگٹ بنانا ناممکنات میں سے ہے پھر جو تم نے بتایا تھا کہ نرسری کے مقام پر کوئی مصنوعی ایمرجنسی پیدا کرکے اس پروٹوکول کی اسپیڈ کو کم کرنے یا انہیں روکنے کی کوشش کی جائے گی تو بالکل ویسا ہی ہوا۔ پروٹوکول میں سب سے آگے ٹریفک پولیس کا دستہ ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے پولیس والوں کا دستہ۔ پولیس والوں کے عقب میں مہمان شخصیت کو رکھا جاتا ہے۔ اس ڈی ڈی آئی پی شخصیت کے پیچھے پھر پولیس کا ایک کورنگ (COVERING) دستہ موجود ہوتا ہے۔ ہمارے اس ڈرامے میں جم براؤن کی گاڑی موجود نہیں تھی

چنانچہ طے یہ پایا تھا کہ پولیس کے دونوں دستوں میں فاصلہ بڑھا دیا جائے اور اگر نرسری کے کسی مقام پر رکاوٹ پیدا کی جائے تو وہاں ضرور بریک لگائے جائیں۔ متوقع قاتلوں کو پکڑنا مقصود تھا اس لیے ہر قسم کی صورتِ حال کے لیے سب کو ذہن تیار تھے۔ جم براؤن کی گاڑی کو غیر موجود پاکر قاتل بوکھلا جاتے اور اس بوکھلاہٹ میں ان سے کوئی ایسی فاش غلطی سرزد ہوجاتی جس کی بنا پر وہ پولیس کی پکڑ میں آجاتے۔''

منہاس باقر ذرا دیر کو رکا تو میں نے کہا ''قاتلوں کو پکڑنے کا منصوبہ خاصا دلچسپ ہے لیکن خطرناک بھی۔ پولیس نے اس قسم کا فیصلہ کرکے ہائی رسک لیا تھا۔''

''وجدان! عام طور پر ہماری پولیس کسی طرح کا رسک لینے کی عادی نہیں۔'' منہاس باقر نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن ڈی ایس پی خورشید شاہ کا شمار ان پولیس آفیسرز میں ہوتا ہے جو اپنے مقصد کے حصول کی خاطر جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے پھر جم براؤن والا معاملہ ملکی عزت و وقار کا مسئلہ تھا۔ اگر اس یورپی سفیر کو کچھ ہوجاتا تو پوری دنیا میں پاکستان کی بہت رسوائی ہوتی۔ ان حالات میں پولیس کو ہائی رسک (HIGH RISK) لینا پڑا۔ جانتے ہو، اس چال کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ متوقع قاتلوں کو کیسے گرفت میں لیا گیا؟''

میں نہیں جانتا تھا اس لیے جلدی سے کہا ''آپ بتائیں منہاس صاحب!''

اس نے بتایا ''پروٹوکول میں شامل ٹریفک پولیس کے ہر اول دستے نے جیسے ہی نرسری کا پل کراس کیا، فٹ پاتھ کے قریب کھڑا ایک نوعمر لڑکا بھاگتا ہوا سڑک پر آنکلا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو بالٹیاں اٹھا رکھی تھیں۔ ایک بالٹی میں بجھے ہوئے چنے اور دوسری میں بھنی ہوئی مکئی تھی۔ لڑکے کی عمر بارہ تیرہ سال رہی ہوگی۔ اس عمر کے بچوں کو تم نے بالٹیاں اٹھائے شہر میں مونگ پھلی، مکئی اور چنے بیچتے دیکھا ہوگا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس لڑکے کے تعاقب میں ایک شخص بھی سڑک پر آگیا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے مسلسل باآواز بلند گالیاں دے رہا تھا اور ساتھ ہی اسے ''جیب کترا، چور، حرامی'' اور جانے کیا کیا کچھ کہتا چلا جارہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر پہلی نظر میں یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ اس آدمی کی جیب کاٹ کر فرار ہورہا تھا۔

''سڑک کے عین وسط میں پہنچ کر بالٹی بردار لڑکا منہ کے بل گرا۔ بالٹیاں اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور جا گریں اور ان میں موجود مکئی و چنے کے دانے سڑک پر دور دور تک بکھر گئے۔ وہ لڑکا اپنے متعاقب کی پروا کیے بغیر بڑی تیز رفتاری سے اپنے ''مال'' کو سمیٹنے میں مصروف ہوگیا۔

وہاں موجود ٹریفک پولیس والے چیخ چیخ کر انہیں روڈ سے ہٹنے کو کہہ رہے تھے مگر وہ دونوں جیسے کسی کی بات پر دھیان نہیں دے رہے تھے۔ لڑکا تن دہی سے اپنے کام میں مصروف تھا اور اس کے پیچھے آنے والا شخص لڑکے کو پکڑنے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ یہ پورا واقعہ بمشکل پانچ سیکنڈ میں پیش آیا ہوگا۔ اگلے ہی لمحے پولیس کی گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں پھر ان کے ٹائروں کی تیز چرچراہٹ فضا میں گونجی۔ طے شدہ پروگرام کے تحت پولیس والوں نے گاڑیاں روک لی تھیں۔

بریکس کی آواز کے ساتھ ہی سروس روڈ سے ایک ہونڈا ون ٹو فائیو تیزی سے نکلی۔ اس موٹر سائیکل پر دو افراد سوار تھے جنہوں نے اپنے چہروں کو چھپانے کے لیے ہیلمٹ لگا رکھے تھے۔ پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کے ہاتھ میں ایک خطرناک گن واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ موٹر سائیکل کا رخ شارعِ فیصل کی جانب تھا۔ وہ یقینی طور پر جم براؤن کی گاڑی پر فائرنگ کی خاطر آگے بڑھے تھے لیکن اسی اثنا میں پولیس والوں کا پچھلا دستہ بھی موقع پر پہنچ گیا۔ پولیس والے متوقع قاتلوں کی سازش سے پیشگی آگاہ تھے اور یہ سارا ڈراما محض انہیں گرفتار کرنے کے لیے رچایا گیا تھا لہٰذا موٹر سائیکل سوار فوراً ان کی نگاہ میں آگئے۔ پہلے سے ریڈ الرٹ پولیس والوں نے ہونڈا ون ٹو فائیو کے ٹائروں کو نشانہ بناتے ہوئے اپنی تیار گنوں کے دہانے کھول دیے۔ اس فائرنگ میں ان دونوں کے پاؤں بھی شدید زخمی ہوگئے اور موٹر سائیکل سڑک کے کنارے الٹ گئی۔ مستعد پولیس والوں نے پیچھے بیٹھے ہوئے مسلح شخص کو گن سیدھی کرنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا پھر چند سیکنڈ میں ان دونوں موٹر سائیکل سواروں کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے کر آہنی زیور سے آراستہ کردیا۔ گن بردار کا نام سراج احمد اور اس کے ساتھی کا نام نجیب اللہ معلوم ہوا ہے۔ پولیس کی تفتیش جاری ہے تاہم ابھی تک انہوں نے زبان نہیں کھولی لیکن ان کی مزاحمت طول نہیں پکڑے گی۔ پولیس زبان بندی اور لب کشائی کے ایک سو ایک ''ہنر'' جانتی ہے۔''

میں حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ منہاس باقر کی رپورٹ سن رہا تھا۔ جہاں گیر نے مجھے متوقع قاتلوں کے یہی نام بتائے تھے جو پولیس والوں کے ہتھے چڑھے تھے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ میرا ملک ایک بہت بڑی بدنامی سے بچ گیا تھا۔ میں نے منہاس باقر سے پوچھا۔

''وہ مکئی والے لڑکے اور اس کا غصیلا تعاقب کرنے

والے شخص کا قصہ کیا ہوا؟ وہ اس معاملے کے اہم کردار ہیں۔''

''پولیس نے ان دونوں کو بھی گرفتار کرلیا ہے۔'' منہاس باقر نے بتایا ''انہیں اس ڈرامے میں کردار ادا کرنے کے لیے خریدا گیا تھا۔ بھاری معاوضے کے لالچ نے انہیں یہ خطرناک رول کرنے پر مجبور کردیا۔ لڑکے کا نام بخت واحد ہے اور دوسرے شخص کا نام امداد علی پتا چلا ہے۔ بخت واحد کا تعلق ایک مفلوک الحال گھرانے سے ہے اور چنے مکئی وغیرہ بیچنا اس کا ذریعۂ روزگار ہے۔ بخت واحد اور امداد علی نے وہ خطرناک ''حرکت'' نجیب اللہ وغیرہ کے کہنے پر ہماری رقم کے لالچ میں کی تھی۔''

''حصولِ رزق حلال کو اسی لیے عین عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''ورنہ پیٹ کا دوزخ جانے کیسے کیسے شرمناک چکروں میں پھنسانے کے لیے تیار رہتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو وجدان!'' وہ تائیدی انداز میں بولا ''اب پولیس اس غریب چنے بیچنے والے لڑکے کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کردے گی۔''

ہمارے درمیان اس تازہ ترین موضوع پر مزید چند باتیں ہوئیں پھر منہاس باقر نے پوچھا ''تم تو خیریت سے لاہور پہنچ گئے ہو نا!''

میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا ''اب تک تو اس طرف مکمل خیریت ہے۔''

''انشاء اللہ! آئندہ بھی خیریت ہی رہے گی۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولا ''فرید پاشا میرا بہت ہی پرخلوص دوست ہے۔ میں نے آج صبح فون کرکے اسے تمہارے بارے میں بتادیا ہے۔ اس سے کسی قسم کی مدد لینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرنا۔ وہ تمہارے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔''

میں نے پوچھ لیا ''مثلاً کس سلسلے میں وہ مفید ثابت ہوسکتا ہے؟''

''بھئی، تمہارے مشن کے سلسلے میں!''

میں چونکا ''میں آپ کی بات سمجھا نہیں؟''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''وجدان! تم اپنی ساتھی ساحل کی بازیابی کے لیے لاہور گئے ہو نا۔ وہ تمہارے ایک دیرینہ دشمنِ اول کے قبضے میں پہنچ چکی ہے یا پہنچنے والی ہے۔ تمہارا دشمن لاہور کے ایک سرحدی گاؤں موضوع رکھا والی کا باشر زمیں دار اور چوہدری ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں جناب۔'' میں ابھی تک الجھن زدہ تھا ''مگر آپ کے دوست فرید پاشا کا رکھاں والی یا چوہدری نوازش علی سے کیا تعلق ہے؟''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''ان دونوں چیزوں سے بلاشبہ اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن وہ اس سلسلے میں تمہاری بھرپور مدد کرسکتا ہے۔ دراصل فرید پاشا ایک صاحبِ حیثیت زمیں دار خاندان کا فرد ہے۔ اس کے خاندان کے دیگر افراد اب بھی گاؤں میں رہتے ہیں اور زمیں داری کرتے ہیں۔ ان کا گاؤں لاہور کے نواح میں واقع ہے۔ سیاست میں بھی ان لوگوں نے خوب ہاتھ پاؤں پھیلا رکھے ہیں۔ صرف فرید پاشا ہی نے شہر کا رخ کیا اور وہ بھی میڈیا کی نگری کا رخ۔ فرید کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی لہٰذا اس نے فلم انڈسٹری میں کشش محسوس کی اور آج کل وہ ایک کامیاب پروڈیوسر کی حیثیت سے فلمیں بنا رہا ہے۔ لاہور میں اس کی ایک عالیشان رہائش گاہ ہے جہاں کا میں نے تمہیں پتا لکھ کر دیا تھا۔ میں جب بھی لاہور جاتا ہوں تو اسی کے یہاں ٹھہرتا ہوں۔ فرید اگرچہ بہت مصروف رہتا ہے لیکن دوستوں کے لیے وقت نکالنا اسے خوب آتا ہے۔ حسینوں کے جھرمٹ میں گھرے اس شخص سے مل کر تمہیں یقیناً خوشی ہوگی۔ کسی فلم پروڈیوسر کی اپروچ سے تم بخوبی آشنا ہو۔ مجھے یقین ہے، فرید پاشا ہر حوالے سے تمہارے لیے مفید ثابت ہوگا۔ تم رکھاں والی مشن میں اس سے مدد لے سکتے ہو۔''

''ٹھیک ہے، میں اس کام کے بندے سے ضرور ملوں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو ہوں وجدان!''

''شکریہ منہاس صاحب۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر اضافہ کرتے ہوئے اسے بتایا ''آپ کو جہاں گیر کی حفاظت اور پناہ کا بندوبست کرنے کے ساتھ ایک اور اہم کام بھی کرنا ہوگا۔ تازہ ترین صورتِ حالات کے پیشِ نظر میں نے کچھ ہنگامی فیصلے کیے ہیں۔''

''ہاں کہو، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' وہ یک دم سنجیدہ ہوگیا۔

میں نے کہا ''یہودی لابی اور ''سی ایف کے'' یا بقول آپ کے ''سی پی ایف'' کے سلسلے میں آپ کو میرا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے آپ کو ''سی ایف کے'' والوں کے دو اڈوں ''ساؤتھ'' اور ''ایسٹ'' کے بارے میں تفصیلاً بتادیا ہے۔ وہاں کا ایڈریس اور قائم مقام کا نام آپ کے پاس درج ہے۔ تیسرے اڈے ''ملیر'' کے بارے میں جہاں گیر کو ہر قسم کی معلومات حاصل ہیں کیونکہ اس کا تعلق ''ملیر'' ہی سے تھا۔ آپ اپنے دوست ڈی ایس پی خورشید شاہ اور دیگر فرض شناس پولیس آفیسرز کو اعتماد میں لے کر ان اڈوں پر ریڈ (RAID) کریں اور اس خبیث تنظیم کو جتنا زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اس میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کریں۔ ان لوگوں کو موقع دینا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔'' میں نے ایک لمحے کے توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے مزید کہا ''اب تو آپ کے لیے اس جواب دہی کا مسئلہ بھی نہیں رہا کہ ان خطرناک لوگوں کے بارے میں آپ کو کہاں سے معلومات حاصل ہوئیں۔ ''سی ایف کے'' کے ''ساؤتھ'' والے اڈے سے واسطہ دو افراد قاتلانہ حملے کے الزام میں پولیس کے قبضے میں ہیں۔ ان پر دباؤ ڈال کر بہت کچھ اگلوایا جاسکتا ہے۔ اگر پولیس کا کوئی با اختیار اعلیٰ آفیسر آپ کی بات کو سمجھ جائے تو آپ کامیابی کے بہت سے جھنڈے اپنے نام سے گاڑ سکتے ہیں۔''

''یہ سب تو میں کرلوں گا۔'' وہ متذبذب انداز میں بولا ''مگر تم نے اچانک اپنے پروگرام میں تبدیلی کیوں کر ڈالی۔ ہمارے درمیان یہی طے ہوا تھا نا، جب تم لاہور سے واپس آؤ گے تو.....''

''قطع کلامی کے لیے معذرت چاہتا ہوں منہاس صاحب!'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا ''اب حالات یکسر بدل چکے ہیں اس لیے مجھے بھی اپنے پروگرام کو تبدیل کرنا پڑ رہا ہے۔''

''حالات کی تبدیلی کی کچھ وضاحت کروگے؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے کہا ''ایک تو پولیس براہِ راست اس معاملے میں کود پڑی۔ آپ کے یا میرے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہال کی کھال اور کھال کے بال ضرور نکالیں گے۔ نجیب اللہ اور سراج احمر ننگے ہاتھوں موقع پر گرفتار ہوئے ہیں۔ پولیس والے اپنی مخصوص تفتیش سے ان دونوں کے ''آباؤ اجداد'' کو بھی کھوج نکالیں گے۔ اس کے بعد شعیب غوری اور اس کی شیطانی تنظیم ''سی ایف کے'' کے خلاف قانونی کارروائی لازم ہوجائے گی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جہاں گیر کا ساتھی فواد منظر سے غائب ہوگیا ہے۔ اس قسم کی انڈر گراؤنڈ تنظیموں میں ہر رکن ''ریڈ'' پر نگران ہوتا ہے۔ فواد کی موجودگی میں میرے اور جہاں گیر کے درمیان کچھ اس نوعیت کی گفتگو ہوئی تھی جس میں ان کا باس شعیب غوری میرے سامنے ایک مجرم کی حیثیت سے عیاں ہوگیا۔ وہ اب تک میری دوستی کا دم بھرتا رہا ہے مگر اس کی اصلیت مجھ پر کھل جانے کے بعد وہ میرا بدترین دشمن بن جائے گا۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ میری مکمل ''صفائی'' کے لیے وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ فواد کا پراسرار غیاب یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اپنے باس کو رپورٹ پیش کردی ہوگی اور پھر ملیر کا کرتا دھرتا نے شعیب کو سب کچھ بتادیا ہوگا۔ حالات کی یہ نئی کروٹ بہت احتیاط کی متقاضی ہے۔ ہمیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ میں از خود شعیب غوری سے ملوں گا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی رابطہ رکھوں گا۔ اگر اس نے رابطہ کیا تو میں موقع محل کی مناسبت سے اسے ٹریٹ کروں گا۔ فواد کی روپوشی نے بڑی گڑبڑ پیدا کردی ہے۔ آپ تو سمجھتے ہیں، ایسی تنظیموں میں راز کی کتنی اہمیت ہوتی ہے!''

''ہاں، میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔'' منہاس باقر کی گمبھیر آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''تم نے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ وہ بہت توجہ طلب اور قابلِ فکر ہے۔ شعیب غوری اب واقعی تمہارا دشمن اول بن جائے گا۔ تمہیں حد سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''وہ میں کرلوں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''آپ فوراً سی ایف کے کے خلاف ایکشن میں آجائیں۔ بعد میں، میں بھی کراچی آکر آپ کو جوائن کرلوں گا۔''

''ایک بات کا خیال رکھیں منہاس صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''کہیں بھی، کسی بھی مرحلے پر میرا ذکر نہیں آنا چاہیے۔ آپ اپنے کرائم رپورٹر شہزاد کو سامنے رکھ کر یہ کھیل بڑی خوبصورتی سے کھیل سکتے ہیں۔ شہزاد ایک بیدار مغز اور خاصا چلتا پھرتا پرزہ قسم کا بندہ ہے۔ مجھے امید ہے، وہ ضرور کوئی بڑا کام کر دکھائے گا۔ ویسے میں بھی گاہے بہ گاہے آپ سے رابطہ کرتا رہوں گا۔''

وہ جذباتی ہوگیا ''او کے مائی سن۔ میں کچھ کرتا ہوں۔''

منہاس کا ''مائی سن'' کہنا مجھے بہت اچھا لگا۔ سنگاپور والا انسپکٹر چیانگ شو بھی مجھے اسی انداز میں پکارتا تھا جو مجھے بہت بھلا لگتا تھا۔ اس انداز میں جو اپنائیت اور خلوص پنہاں ہے اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

الفاظ چاہے کسی بھی زبان کے کیوں نہ ہوں۔ وہ انسانی جذبات اور احساسات کی مکمل ترجمانی یا عکاسی نہیں کرسکتے۔ الفاظ کو محض ایک وسیلے یا سہارے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ وہ جذبات کا نعم البدل نہیں ہوسکتے۔ اپنے محبوب سے بے پناہ محبت کا اظہار ممکن نہیں، یہ کہہ کر کام چلا لیا جاتا ہے..... جاں تم پر نثار کرتا ہوں!

میری سماعت سے منہاس باقر کی اپنائیت آمیز آواز ٹکرائی ''وجدان! تمہیں رقم وغیرہ کی ضرورت پڑے.....''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''منہاس صاحب! میرے پاس اچھی خاصی رقم موجود ہے۔ اگر مجھے مزید رقم کی ضرورت پڑی تو اس کے حصول کے لیے میرے پاس آن لائن بینکنگ کارڈز موجود ہیں۔ ان میں ایک سلور اور ایک گولڈ کارڈ ہے۔ انشاءاللہ ملک کے کسی بھی حصے میں اور ملک سے باہر پوری دنیا میں مجھے رقم وغیرہ کا مسئلہ کبھی نہیں پیش آئے گا۔ آپ کی پیشکش کا بہت بہت شکریہ۔''

''تم نے میری ایک بہت بڑی فکر ختم کر دی ہے۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

اے ٹی ایم کارڈ (آٹومیٹڈ ٹیلر مشین کارڈ) موجودہ دور کی ایک حیرت انگیز اور سہولت بخش ایجاد ہے۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی نے جس تیز رفتاری سے ہماری زندگی میں جگہ بنائی ہے اور مزید جگہ بنا رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے بلاتردد کہا جا سکتا ہے، عنقریب کمپیوٹر انسانوں پر حکمران ہو جائے گا۔ ہم اب بھی خاصی حد تک کمپیوٹر کے محتاج ہو چکے ہیں۔ اس عفریت کی مکمل حکمرانی میں زیادہ عرصہ باقی نہیں۔ آنے والے وقت میں یہ جن انسانوں کو اپنے اشاروں پر نچائے گا۔

یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ ہے کہ آیا مشین نے اتنی ترقی کر لی ہے یا حضرت انسان بتدریج اپنے مقام و مرتبے سے گرتا چلا جا رہا ہے یا پھر یہ تن آسان مخلوق خداوندی اپنا ذہن اور صلاحیت دیدہ و دانستہ مشین کے حوالے کر کے چین کی بانسری بجانے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہے۔!

بہرحال، ATM Card خاصے کی چیز ہے۔ کمپیوٹر کے ماہرین نے Automated Teller Machine بنا کر اکاؤنٹ ہولڈرز کے لیے بہت آسانیاں پیدا کر دیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بعض عقل کل قسم کے لوگ اے ٹی ایم کارڈ کو آل ٹائم منی کہہ کر اپنی علمیت جھاڑتے رہتے ہیں!

منہاس باقر نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ''وجدان! کتنا ہی اچھا ہوتا کہ تم شبانہ کی شادی کے موقع پر میرے پاس ہوتے۔ اس کی رخصتی میں اب چند روز باقی ہیں۔''

''مجھے اس غیر حاضری کا سخت افسوس ہے جناب۔'' میں نے تہہ دل سے کہا ''میری دلی دعا ہے، آپ خوش اسلوبی سے اپنا فریضہ ادا کر سکیں۔ آپ میری مجبوریوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔''

الوداعیہ کلمات کے بعد میں نے ریسیور کو کریڈل کر دیا۔

صبح کراچی ائرپورٹ پر میں نے ہلکا پھلکا ناشتا کیا تھا۔ اب مجھے ٹھیک ٹھاک بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے روم سروس کو کہہ کر اپنے کمرے میں ہی لنچ منگوا لیا۔ گرما گرم خوش ذائقہ کھانا معدے میں اترا تو بدن میں سوئی ہوئی تھکن انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی۔ کوئی جائے فرار نہ پا کر میں بیڈ پر دراز ہو گیا اور آئندہ پانچ منٹ میں، میں نیند کی حسین اور کیف آور وادی میں قدم رکھ چکا تھا۔

☆☆☆

ٹیلی فون کی گھنٹی پر میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے آنکھیں ملتے ہوئے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالی۔ کلاک تین کا وقت بتا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میں بمشکل ڈیڑھ گھنٹا سویا ہوں گا۔ مجھے سونے سے قبل ہوٹل والوں کو یہ ہدایت کر دینا چاہیے تھی کہ نیند کے دوران میں وہ کوئی کال نہ دیں۔ اسی بھول کا خمیازہ تھا کہ فون کی گھنٹی نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ان خیالات کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!'' میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری جانب ہوٹل کا آپریٹر تھا۔ اس نے جلدی سے کہا ''سر! آپ کے لیے کراچی سے کال ہے۔ شعیب خوری صاحب بات کریں گے۔''

شعیب خوری کے نام نے مجھے چونکا دیا اور میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''ٹھیک ہے، لائن تھرو کرو۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں آپریٹر سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے شعیب کی تھرتھراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''ہیلو وجدان!''

''ہاں شعیب، کیا ہوا؟ تم خاصے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو!'' میں نے حتی الامکان معتدل لہجے میں کہا

وہ میری بات کا جواب دینے کے بجائے ایک مطمئن سانس لیتے ہوئے بولا ''شکر ہے، تم ہوٹل میں مل گئے ورنہ میں ڈر رہا تھا، کہیں تم لاہور پہنچتے ہی رکھاں والی روانہ نہ ہو گئے ہو!''

میں نے اپنے دلی جذبات اور احساسات کو چھپاتے ہوئے پوچھا ''یار! اس میں ڈرنے والی کون سی بات ہے۔ اگر میں رکھاں والی روانہ ہو چکا ہوتا تو کون سی قیامت آ جاتی؟''

''تم نے برمحل لفظ بلکہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ اس کے اندر سے اضطرار اور عدم اطمینان جھلکتا تھا۔ بات کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا ''اگر اس وقت میں تم سے رابطہ کرنے میں کامیاب نہ ہوتا تو سمجھو، واقعی ایک قیامت ٹوٹ پڑتی۔''

آج شعیب خوری کا لب و لہجہ اور انداز بہت بدلا ہوا تھا۔ میں نے ہمیشہ اسے پرسکون اور تحمل مزاج پایا تھا لیکن

اس وقت کی گفتگو کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا، وہ بڑی حد تک متفکر اور نروس ہے۔ گھوم پھر کر میرا دھیان فواد کی طرف جاتا تھا۔ لو بے فیصد امکان اس بات کا تھا کہ شعیب خوری کو حقیقت حال کی خبر ہو چکی ہو گی۔ اس باخبری کے بعد اس کا خاموش بیٹھے رہنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے بات چیت کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ ''شعیب! میں تمہاری پریشانی کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں ذرا کھل کر بتاؤ، آخر مسئلہ کیا ہے؟''

''میں پریشان نہیں بلکہ متذبذب ہوں۔'' وہ بڑی سرعت سے بولا۔

میں نے پوچھا ''اس تذبذب کا سبب کیا ہے؟''

''تم فوراً کراچی چلے آؤ، پھر تفصیل سے بات ہو گی۔''

گویا بالی تھیلے سے باہر آ گئی۔ میں سمجھ گیا، وہ جلد از جلد مجھے کراچی کیوں بلوانا چاہتا ہے۔ میں گزشتہ رات جن حالات سے گزرا تھا ان کے پیش نظر یہ اندازہ لگانا بہت آسان تھا کہ شعیب خوری پہلی فرصت میں مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا۔ میں پلک جھپکتے میں ریڈ الرٹ ہو گیا۔

میں نے معتدل اور محتاط انداز میں کہا ''تم جانتے ہو شعیب! میں کتنے اہم اور حساس مشن پر کراچی سے لاہور پہنچا ہوں اور..... اب تم مجھے فوراً واپس بلا رہے ہو!''

''یار، بات ہی کچھ ایسی ہے کہ تمہیں پہلی فرصت میں کراچی آ جانا چاہیے۔''

''آخر ایسی کیا بات ہو گئی؟''

''وجدان! تمہارے لیے میرے پاس دو نہایت ہی اہم اور سنسنی خیز خبریں ہیں۔'' اس کا لب و لہجہ واپس لوٹ آیا۔ اس کا مطلب یہی تھا، وہ اب تک اپنے تئیں بھرپور اداکاری کر رہا تھا۔ اگر میں حقیقت حال سے آگاہ نہ ہوتا تو اس کی ایکٹنگ کو سچ مان لیتا۔ میں نے کہا۔

''شعیب، وہ دو خبریں جلدی سے مجھے سنا دو۔''

''ایک خبر خوشی کی ہے اور دوسری افسوس ناک۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے کہا ''تم جانتے ہو، میں کوئی کمزور انسان نہیں ہوں۔ بری سے بری خبر کو بھی نہایت تحمل سے سن سکتا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر مجھے کوئی بھی اچھی بری خبر سنا سکتے ہو۔''

''میں نے سن رکھا ہے، جب آپ کے پاس کسی لیے یہ یک خوشی اور غمی کی خبریں موجود ہوں تو پھر پہلے خوشی کی خبر سنانا چاہیے اور بعد میں غمی کی۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولا ''پہلی خبر ذہن پر جو تاثر قائم کرے گی اس کے مل بوتے پر دوسری خبر سے نمٹا جا سکتا ہے اس لیے میں تمہیں فون پر صرف خوشی کی خبر سناؤں گا، دوسری خبر کراچی آنے پر تم تک پہنچائی جائے گی۔''

میں نے اس کھیل میں اپنی شراکت جاری رکھتے ہوئے کہا ''کیا خوشی کی خبر اتنی ہی زیادہ اہم ہے کہ میں اپنا مشن نامکمل چھوڑ کر فوراً کراچی آ جاؤں؟''

''اس خبر کا تعلق براہِ راست تمہارے مشن ہی سے ہے؟'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' میں اچھل کر رہ گیا۔

وہ بولا ''میں نے تمہاری ساتھی ساحل کو ٹریس کر لیا ہے۔ وہ ادھر کراچی ہی میں ہے۔ جنہم مکانی میاں زاہد حسین نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں بے ساختہ کہا۔

وہ حتمی لہجے میں بولا ''یہ ہو چکا ہے وجدان۔ میں بھلا کیا تم سے جھوٹ بولوں گا۔ تم یہاں آ کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ آج رات کو میں تمہاری ساتھی کو بحفاظت اپنی تحویل میں لے لوں گا۔ تھوڑی سی پلاننگ کے بعد میں ساحل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ تم سیدھے ساؤتھ چلے آؤ۔ میں نے کبیر شاہ کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں۔''

میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سمجھ گیا کہ شعیب مجھے گھیرنے کے لیے ایک گہری سازش کے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ مجھے جلد از جلد اپنے ''ہاتھ'' میں لینا چاہتا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے شکار کرنے کے لیے ساحل سب سے زیادہ دلکش چارا ثابت ہو گی۔ اس نے جہانگیر اور فواد کو پیش آنے والے واقعات کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ ہی ساؤتھ کے ناکامیاب مشن کا کوئی تذکرہ کیا تھا۔ اس کی سوچ تمام تر اس نقطے پر فوکس تھی کہ کسی طرح مجھے اپنے قابو میں کر لے۔ اس کے ارادے اس کی بدنیتی کی چغلی کھاتے تھے۔

میں نے ..... لوہا لو ہے کو کاٹتا ہے کے مصداق شعیب سے کہا ''یار! یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔ تم اتنے یقین سے بتا رہے ہو تو مجھے بھی مان لینا چاہیے۔ تم نے متعدد مواقع پر میرا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ میں تم جیسے مخلص دوست پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کر سکتا ہوں لیکن.....''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا وہ جلدی سے بولا ''لیکن کیا وجدان؟''

میں نے تامل کرتے ہوئے کہا ''لیکن پتا نہیں، فوری طور پر کراچی کے لیے کوئی فلائٹ مل بھی سکے گی یا نہیں اور اس ہوٹل

میں بھی دو دن کی بکنگ تھی پھر.....''

''ہوٹل کی بکنگ کو جہنم میں ڈالو وجدان۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا ''اور فلائٹ وغیرہ کے لیے تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہاری واپسی کا بندوبست کردیا ہے۔''

''وہ کیسے شعیب؟'' میں نے حیرت کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

شعیب غوری جیسے بااثر شخص کے لیے یہ چنداں مشکل نہیں تھا کہ کراچی میں رہتے ہوئے لاہور سے میری بکنگ کروا دے مگر میں حیرت کا اظہار کر کے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر رہا تھا۔ ہمارے درمیان جو کھیل شروع ہو چکا تھا۔ اس میں اعتماد اور اداکاری کی بہت اہمیت تھی۔ اعتماد اپنی ذات پر اور اداکاری دوسرے کے سامنے اِلّا یہ کہ ہم کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتے۔ شعیب جب تک بندرہ کر کھیلتا رہتا، میں بھی اس کے سامنے کھلنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا ''وجدان! تمہیں فون کرنے سے پہلے میں نے تمہارے لیے ٹکٹ اور پہلی ممکنہ فلائٹ میں کراچی آنے کا انتظام کردیا ہے۔ تمہیں صرف اتنی زحمت کرنا ہوگی کہ اپنے کمرے سے نکل کر ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچو۔ وہاں مختلف ٹریول ایجنسیز والے ایک قطار سے آفس سجائے بیٹھے ہیں۔ تمہیں صمد ٹریولز میں جانا ہے۔ وہاب صمد بخاری صاحب سے میرا ریفرنس استعمال کر کے ملو۔ وہ تمہیں ٹکٹ دے دیں گے۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''تمہاری فلائٹ میں لگ بھگ ڈھائی گھنٹا باقی ہے۔ اب تم وہاں کمرے میں ایک سیکنڈ ضائع نہیں کرو گے اوکے!''

''اوکے مائی ڈیئر!'' میں نے منافقت آمیز لہجے میں کہا ''میں نکل رہا ہوں۔'' پھر میں نے پوچھا ''کیا میں باقاعدہ چیک آؤٹ ہو جاؤں یا.....''

''کوئی ضروری نہیں ہے۔'' وہ جلدی سے بولا ''سب سے اہم یہ ہے کہ تمہیں ہوٹل سے نکلنا ہے۔ بس اسی پر توجہ دو۔''

''اور وہ بری خبر!'' میں نے اچانک پوچھا ''اس کے بارے میں کوئی کلیو نہیں دو گے؟''

''میں چاہتا ہوں، خوش خبری تمہارے ذہن پر اپنا تاثر پختہ کر لے تو میں تمہیں اس بری خبر سے آگاہ کروں۔'' اس نے دوستانہ انداز میں کہا ''جب تک میں تمہاری ساتھی ساحل کو تمہارے پاس نہیں پہنچا دیتا، وہ بری خبر میرے ہونٹوں سے نکل کر تمہاری سماعت سے رسائی حاصل نہیں کرے گی۔''

''اتنا تو بتا سکتے ہو، اس خبر کا تعلق کس چیز سے ہے؟'' وہ گمبھیر آواز میں بولا ''متروک کنوئیں سے برآمد والے سونے سے۔''

''سونے کو کیا ہوا ہے؟'' میں نے تشویش ناک لہ کہا۔

''جو بھی ہوا ہے، میں سنبھال لوں گا۔'' وہ گہری سے بولا ''تم اس خوشی کے موقع پر اپنے ذہن پر کوئی ڈالو۔ میں ہوں نا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ او کے! دلی لک وجدان!''

پھر اس سے قبل کہ میں کوئی اور سوال کرتا، اس فون تک رابطہ منقطع کر دیا۔ بے اختیار میرے منہ سے غوری کے لیے خاصے سخت الفاظ نکل گئے۔ اس کی احوال اب پوری طرح مجھ پر عیاں ہو چکا تھا۔ میں نے دیر پہلے جن معاملات میں نوے فیصد اندازہ قائم کیا شرح اب صد فیصد کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

شعیب غوری نے جلد از جلد مجھے قابو کرنے کے ساحل کا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا، میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے، اس کی حیثیت میرے لیے ایک اٹوٹ انگ ایسی ہے، اس کے بارے میں سنے میں آنکھیں بند کیے دوڑا آؤں گا لیکن میں اب اس فریب میں آنے والا نہیں تھا بلکہ اسے فریب دینے کا فیصلہ چکا تھا۔ ساحل کے حوالے سے میں میاں زاہد حسین کے آ بیان کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ موت کے سامنے کھڑے بھی شخص سے دروغ گوئی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ میاں حسین کی شہ رگ میرے خنجر کی دھار تلے دبی تھی۔ وہ ان لمحات میں کسی بھی قیمت پر جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ اس بالکل سچ بتایا تھا، میری ساحل کو چوہدری نوازش علی کی طر روانہ کر دیا گیا تھا، اور مجھے اسی سمیت میں سفر کرنا تھا۔ میری ساحل گئی تھی۔ شعیب غوری اپنی چال بازی سے راستہ کھوٹا کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اس کی چال میں آنے نہیں تھا۔

دوستی کی آڑ میں انسان اپنی گردن بھی کٹوا دیتا ہے۔ ہیں، اگر آپ کسی کا سر قلم کرنا چاہتے ہیں تو ایک ہاتھ میں اور دوسرے میں پھولوں کا ہار لے کر اس کی طرف بڑھو۔ کی گردن میں پھول پہنانے کے لیے ہار والا ہاتھ آ بڑھاؤ۔ جب سامنے والا ہار پہننے کے لیے اپنی گردن جھکا تو بجلی کی سرعت سے اس کی گردن مار لو۔

دوستی پھولوں کے ہار ایسی ہوتی ہے۔ شعیب غوری نے کثیر المالیت سونے تک پہنچنے کے لیے مجھ سے دوستی کی اور بہت کم عرصے میں میرا اعتماد حاصل کرلیا پھر جیسے ہی اسے پتا چلا، میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکا ہوں، اس نے پینترا بدل لیا۔ چند روز قبل وہ بڑی شدومد سے سونے کی بازیابی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ کل رات ہی اس نے مجھے بتایا تھا، مسٹر نیل آرمر نے اپنی ٹیم کی مدد سے وہ سونا حاصل کرلیا تھا اور اب مجھے اسی سونے سے متعلق کوئی بری خبر سنانے والا تھا۔ اگر میں نے اس کا اصل چہرہ نہ دیکھ لیا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ ممکن ہے، اس سلسلے میں واقعی کوئی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہوگی مگر اب تو اس کی ہر بات مجھے فریب دکھائی دینے لگی تھی۔ میں نے پلک جھپکتے میں فیصلہ کرلیا کہ سونے والے معاملے میں اس کی نیت خراب ہو چکی ہے حالانکہ ابھی تک اس نے مجھے کسی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا تھا تاہم کسی بدنیت اور دھرتی دشمن شخص پر آنکھیں کھول کر بھی ایک لمحے کے لیے بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے اس کی دوستی پر بھروسا کر کے سونے والا راز اس تک پہنچا دیا تھا۔ اس نے دوستی کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا، وجدان دوستی میں اگر جان دے سکتا ہے تو دشمنی میں جان لے بھی سکتا ہے۔ شعیب غوری کی تمام تر دوستی کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ اب میں اس کا دشمن تھا، کھلا دشمن! دوستی کو یاد نہ بھی رکھا جائے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا مگر دشمنی کو ہر حال میں یاد رکھنا پڑتا ہے..... اپنی بقا کے لیے ..... دشمن کی فنا کے لیے!

شعیب غوری اگر یہ سمجھ رہا تھا کہ چھل فریب یا چکر بازی سے وہ سارا سونا ہڑپ کر جائے گا تو یہ اس کی بھول تھی۔ پہلے تو میں ایک مخصوص حصے پر آمادہ تھا لیکن اب، شعیب کی نیت کھل جانے کے بعد مجھے اس سے سارا سونا حاصل کرنا تھا۔ وہ ایک بسکٹ بھی ہضم نہیں کرسکتا تھا۔ میں اس کے جبڑے چیر کر، حلق میں ہاتھ ڈال دیتا اور معدے سمیت اس کی آنتیں کھینچ کر باہر لے آتا۔ وجدان کی دشمنی دارا، تارا اور میاں زاہد کو کب راس آئی تھی جو شعیب بچ کر نکل جاتا۔ میں اس کی یہودیت نوازی اور سی ایف کے کوناک کے راستے نکالنے کا پختہ عزم کر چکا تھا۔

یہی سب سوچتے ہوئے میں نے اپنا بیگ ریڈی کیا۔ اس دوران میں ڈارلنگ یک ٹک مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے سوچا تھا، ذرا فرصت ملے گی تو میں ڈارلنگ کا راز جاننے کے لیے ریسرچ کروں گا۔ ڈارلنگ پر کام کرنے کے لیے ارتکاز کی ضرورت تھی۔ میں اپنی ''جی'' کی قوت کو استعمال کر کے اس کے اندر اتر سکتا تھا اور اس کے اندر پوشیدہ اس سربستہ راز کو افشا کرسکتا تھا جس نے پچھلے کچھ عرصے سے مجھے حیرت آمیز الجھن میں ڈال رکھا تھا ''جی'' کی ایڈوانس مشقیں میں باقاعدگی سے کر رہا تھا جس کے نتیجے میں، اس قوت میں بڑا خوشگوار اضافہ بھی ہو رہا تھا۔

میں نے ڈارلنگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میرے تو پاؤں میں چکر ہے۔ میرے ساتھیوں کو اس چکر میں دردر کی ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں۔ رفتہ رفتہ تم بھی عادی ہو جاؤ گی۔''

''میاؤں!'' اس کی مخصوص آواز میری سماعت تک پہنچی۔

شعیب غوری سے رابطہ کے بعد میں جلد از جلد اس ہوٹل کو خیرباد کہہ کر شہر کے ہنگاموں میں گم ہو جانا چاہتا تھا تاکہ وہ کہیں بھی میرا سراغ نہ پا سکے۔ میں نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے حیرت انگیز پراسراریلی سے کہا۔

''ڈارلنگ! ہم اس ہوٹل کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ آر یو ریڈی؟''

اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو، کہاں جا رہے ہیں؟ اس کے ساتھ ہی اس نے بڑی ادا سے آواز نکالی ''میاؤں!''

میں نے کہا ''یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔ باہر نکل کر فیصلہ کروں گا۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر ''میاؤں'' کیا اور ایک طویل انگڑائی لے کر جسم کو کھینچنے کے بعد تیار ہوگئی۔ یہ سچ ہے، اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا کہ میری اگلی منزل کیا اور کہاں ہو گی۔ بہرحال، اس ہوٹل کو چھوڑنا ناگزیر تھا۔ اس کے ساتھ ہی شعیب کو فریب میں مبتلا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا، میں صمد ٹریولز سے اپنا ٹکٹ حاصل کرلوں تاکہ شعیب آئندہ تین چار گھنٹوں کے لیے میری جانب سے بےفکر ہو جائے۔

صمد بخاری کے پاس میں نے صرف دس منٹ گزارے اور اپنا ٹکٹ لے کر اس کی ایجنسی سے باہر آ گیا۔ صمد ٹریولز میں مختصر وقت میں مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ شعیب غوری بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اسی بوکھلاہٹ اور جلد بازی میں اس سے سنگین قسم کی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔ میں نے صمد بخاری کے سامنے اپنی کسی الجھن کا مظاہرہ نہیں کیا اور خاموشی سے باہر آ گیا۔

شعیب غوری نے میرا ٹکٹ وجدان کے نام سے بنوایا تھا۔ ذہنی ابتری اور افراتفری میں یہ بات اس کی یادداشت سے نکل گئی کہ میں دستاویزی طور پر وجیہ کی شخصیت اختیار کر

چکا حالانکہ تبدیلی کے تمام مراحل اس کے ہاتھوں طے ہوئے تھے، دوسرے وہ میری ڈارلنگ کی بکنگ کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ شعیب سے میں اس قسم کی غلطیوں کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔ میرے سامنے ایک نیا شعیب ظاہر ہو رہا تھا جو کل والے شعیب سے بہت مختلف تھا۔ یہ تمام حقائق ایک ہی طرف اشارہ کرتے تھے کہ حالات کی اس نیڑھی کروٹ نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

میرے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس نے ڈارلنگ کی بکنگ کیوں نہیں کروائی تھی یا یہ کہ میرا ٹکٹ بنواتے ہوئے اس نے وجیہ کے بجائے وجدان کیوں لکھوا دیا تھا۔ مجھے تو کسی بھی قیمت پر فی الحال واپس کراچی نہیں جانا تھا، لہٰذا ان امور کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

میں انہی سوچوں میں گم ٹہلتے ہوئے مین مال روڈ (شاہراہِ قائداعظم) پر پہنچ گیا اور اسی وقت مجھے چونک جانا پڑا۔ میرے قریب ہی سے ایک نیلی شیرڈ تیزی سے مڑ کر ہوٹل کے مین گیٹ کی جانب بڑھی تھی۔ وہ گاڑی بالکل نیو برانڈ تھی، میری نیلی شیرڈ کی طرح مگر میرے چونکنے کا سبب وہ نیلی شیرڈ نہیں بلکہ اس میں موجود ہستی تھی۔

یقیناً اس کی نظر مجھ پر نہیں پڑی تھی ورنہ ٹائروں کی چرچراہٹ فضا میں ضرور بلند ہوتی۔ اس گاڑی میں دو لڑکیاں موجود تھیں۔ ایک نے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا اور دوسری پسنجر سیٹ پر براجمان تھی اور میں اسی چہرے کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ وہ صدف تھی!

صدف قدم قدم پر مجھے اچنبھے میں ڈال رہی تھی۔ لگ بھگ پانچ گھنٹے پہلے میں نے اسے شادمان کالونی کے چائنا چوک پر ڈراپ کیا تھا بہ الفاظِ دیگر میں نے بمشکل اس سے جان چھڑائی تھی لیکن یہ میری خام خیالی تھی، وہ تو اب بھی میرے پیچھے پڑی نظر آتی تھی۔ اس ہوٹل تک اس کی آمد خالی از علت نہیں ہوسکتی تھی۔ مجھے تعجب اس بات پر تھا کہ اتنی جلدی اس نے میرا سراغ کیوں کر لگا لیا!

ایک لمحے کو میرے جی میں آئی، میں چپ چپاتے وہاں سے کھسک لوں۔ صدف نے مجھے وہاں کھڑے نہیں دیکھا تھا اور دوبارہ ہوٹل جانے کا میرا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔ صدف سے جان چھڑانے کا اس سے موزوں موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میرے ذہن نے اس کی نفی کر دی۔ میں نے سوچا، اس طرح بھاگنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ پھر کسی نہ کسی راستے مجھ تک پہنچ جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا برائے معلوم کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس پر ابہام کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح کی آنکھ مچولی کو فروغ دینے سے کوئی خطرناک صورتِ حالات جنم لے سکتی تھی۔ بعض اوقات متعاقب کا تعاقب کرنے سے بھی مسئلہ حل ہوتا ہے۔

میں وہیں کھڑے ہو کر نیلی شیرڈ کا انتظار کرنے لگا پندرہ منٹ بعد میرا انتظار رنگ لے آیا۔ وہ ہوٹل میں اپنی ''تفتیش'' کے بعد واپس آ رہی تھی۔ میں نے شیرڈ کے، اپنے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ہاتھ کے اشارے سے صدف کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

میرا اشارہ اس تک پہنچا تو اس کے چہرے پر ایک خوشگوار چمک نمودار ہوئی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود اپنی ساتھی کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ کہا۔ وہ بھی دلچسپ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ صدف کی آواز تو مجھ تک نہیں پہنچ سکی تھی البتہ اگلے ہی لمحے نیلی شیرڈ میرے پہلو میں آ کر ایک جھٹکے سے رک گئی۔

صدف نے شیشہ گرا کر بڑی سرعت سے سر باہر نکالا اور اضطراری لہجے میں بولی ''مسٹر اچھر ہوی! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس کے طنز میں شرارت پنہاں تھی۔ میں نے ایک بھرپور نظر ڈرائیونگ سیٹ والی پر ڈالی پھر صدف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔ چائنا چوک والی اس ہوٹل میں کیا کرنے آئی تھی؟'' اس کے ساتھ ہی میں نے مذکورہ عظیم الشان ہوٹل کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

صدف نے گاڑی کے پچھلے دروازے کا لاک ہٹا دیا پھر زیرِلب مسکراتے ہوئے بولی ''وجدان! اندر آ جاؤ۔ یوں لبِ سڑک کھڑے ہو کر سوال و جواب کرنا اچھا نہیں لگتا!''

میں دروازہ کھول کر شیرڈ کی عقبی آرام دہ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈارلنگ کو بھی میں نے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ سفری بیگ میرے قدموں میں پڑا تھا۔ میں ڈرائیور کے پیچھے اور ڈارلنگ صدف کے عقب میں تھی۔ دوسرے ہی لمحے شیرڈ ایک جھٹکے سے آگے بڑھی اور شاہراہِ قائداعظم کے سیلِ آب ٹریفک میں شامل ہوگئی۔

صدف نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''وجدان! یہ میری کزن نادیہ ہے۔ میرے ماموں کی اکلوتی بیٹی جیسے میں اکلوتی ہوں۔ ہم میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں اس لیے ہم میں بڑی انڈراسٹینڈنگ بھی ہے۔''

''ماشاءاللہ!'' میں نے جواباً بس اتنا ہی کہا۔

اس کا بےدریغ مجھے وجدان کہہ کر مخاطب کرنا ظاہر کر رہا

تھا کہ وہ اپنی دھن کی پکی تھی۔ وہ اپنی کزن سے کہہ رہی تھی ''نادیہ! میں تمہیں وجدان اور اس کی ڈارلنگ کے بارے میں تو تفصیلاً بتا چکی ہوں۔ دیکھ لو، میں انہیں ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوگئی۔''

نادیہ ڈرائیونگ کو جاری رکھتے ہوئے بولی ''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے صدف۔ یہ تو ایک انسان اور ایک جانور کا کیس تھا۔''

''تم نے میرا سراغ کس طرح لگایا صدف؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

وہ بولی ''یہ کہانی بہت طویل ہے۔ مختصراً اتنا جان لو کہ میں نے اس ٹیکسی کا نمبر اپنے ذہن میں نوٹ کرلیا تھا جو ہمیں ائرپورٹ سے لے کر آئی تھی اور..... یہ کہ نادیہ کے ڈیڈی اورنگ زیب خان، میرے ماموں ڈی ایس پی ٹریفک ہیں۔ اب اس سے زیادہ کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ ٹیکسی کا سراغ لگانے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ تم اس ہوٹل پہنچے تھے۔ میں نادیہ کے ساتھ یہاں آگئی پھر ہوٹل کے اندر تو نہیں البتہ ہوٹل کے باہر تم سے ملاقات ہوگئی۔''

''ہوٹل والوں نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟''

''انہوں نے کہا، مسٹر وجیہ سیر و تفریح کے لیے ہوٹل سے باہر گئے ہیں۔ جیسے ہی واپس آئیں گے، انہیں میرے بارے میں بتا دیا جائے گا۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔ ''تم اس ہوٹل کے سوئٹ نمبر دو سو آٹھ میں ٹھہرے ہوئے ہو اور مذکورہ سوئٹ میں تمہارا قیام دو روز کا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ لڑکی شرلک ہومز کی خالہ ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا ''اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے تلاش نہیں کیا بلکہ میں خود تمہارے ہاتھ آیا ہوں۔''

''کیا مطلب!'' وہ میری طرف گردن گھماتے ہوئے بولی ''کیا تم اس ہوٹل میں نہیں ٹھہرے ہوئے؟ کیا ہوٹل والوں نے مجھ سے غلط بیانی کی ہے؟''

میں نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں۔ ہوٹل والوں نے تمہیں مس گائیڈ نہیں کیا۔ ان کی فراہم کردہ معلومات بالکل درست ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔''

''حالات میں کیا تبدیلی آئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی کہ میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا ہے۔'' میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ''اور اگر میں تمہیں ازخود اشارہ نہ کرتا تو تم میری گرد کو نہیں پا سکتی تھیں۔''

''مم..... مگر ہوٹل والے تمہارے چیک آؤٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے!''

''میں نے کہا نا، ان کی معلومات اب پرانی ہو چکی ہیں۔''

وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''کہیں تم مجھے ایک مرتبہ پھر الو بنانے کے چکر میں تو نہیں؟''

''اللہ نے تمہیں ایک پرکشش اور حسین لڑکی بنایا ہے۔'' میں نے فرخدائی سے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''میں تمہیں الو بنانے والا کون ہوتا ہوں؟''

''اب تک تم متعدد بار مجھے بے وقوف بنا چکے ہو۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولی ''وجیہ، اچھرہ، جیولری کی دکان، انارکلی، وغیرہ وغیرہ..... یہ سب کیا ہے وجدان!''

میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''اس سے پہلے کہ ہم اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں، تم مجھے بتا دو کہ اس ملک کے اور کون کون سے بڑے لوگوں سے تمہاری رشتے داری یا تمہارے ڈیڈی کی شناسائی ہے۔ کراچی ائرپورٹ پر ذوالفقار زیدی نے تمہاری سفارش نما ضمانت دی اور یہاں پہنچتے ہی ڈی ایس پی ٹریفک تمہارے ماموں نکل آئے!''

''نکل نہیں آئے۔'' نادیہ نے پہلی مرتبہ ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ''میرے ڈیڈی پہلے صدف کے ماموں ہیں اور بعد میں ڈی ایس پی ٹریفک۔ صدف نے تم سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔''

میں نے نادیہ سے کہا ''تم تو مجھے خاصی معقول لڑکی دکھائی دیتی ہو۔ یہ تمہاری کزن کو کیا ہوگیا ہے۔ یہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے؟ اسے تو اپنی میڈیکل کی موٹی موٹی کتابوں میں سر کھپانا چاہیے۔ اس نے خواہ مخواہ کے ''پی ایچ ڈی'' کے لیے مجھے کیوں منتخب کرلیا۔ آخر میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میں وجیہ ہوں یا وجدان اس سے مطلب؟''

''کسی نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔'' صدف نے سنجیدگی سے کہا ''تم خود کو وجدان تسلیم کرلو، میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔''

''اگر تمہارا مطالبہ یہیں تک ہے تو چلو، میں وجدان ہوں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا ''اتنی آسانی سے جان چھوٹ سکتی ہے تو ایک جھوٹ بولنے میں کوئی قباحت نہیں۔ میں وجیہ ہوں، وجیہ ہی رہوں گا۔ ایک جھوٹ سے وجدان نہیں بن جاؤں گا۔'' صدف کی گردن میری ہی جانب مڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں کی گہرائی ناپتے ہوئے کہا

''کہو، اب تو تمہاری تسلی ہوگئی؟''

صدف تفتیشی نظر سے مجھے ٹٹولتی رہی۔ نادیہ نے کہا ''مسٹر وجدان! بات دراصل یہ ہے کہ صدف بہت ہی متجسس لڑکی واقع ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے، اس نے زندگی میں کبھی ہار کا منہ نہیں دیکھا۔ اسے اپنے مشاہدے پر اندھا اعتماد ہے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے تمہیں جے پور (انڈیا) میں دیکھا تھا یعنی اخبارات میں تمہاری تصاویر دیکھی تھی اور تمہارے کارناموں کے تذکرے پڑھے تھے۔ اسے سو فیصد یقین ہے کہ تم وجدان ہو لیکن تمہارا مسلسل انکار اس کے مشاہدے کی نفی کر رہا ہے جو صدف کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک یہ تمہیں وجدان ثابت نہیں کرلے گا، چین سے نہیں بیٹھے گی۔ میں نے اس کی قوتِ مشاہدہ کے بہت سے نمونے دیکھے ہیں۔''

''لیکن یہ تو بلاوجہ کی ضد ہوئی۔'' میں نے چڑ کر کہا ''اس کا مشاہدہ کیا ہوا، کوئی حدیث شریف ہوگئی جو کسی بھی صورت غلط نہیں ہوسکتی۔ میرے خیال میں تو اسے میڈیکل چھوڑ کر پولیس کے انویسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ میں چلے جانا چاہیے۔ یہی شعبہ اسے سوٹ کرسکتا ہے۔ اگر یہ ڈاکٹر بن گئی تو صحت مند افراد کے اندر وہ بیماریاں بھی ڈھونڈ نکالے گی جو تا حال دریافت نہیں ہوئیں۔''

نادیہ نے کہا ''وہ اپنے شک میں بڑی حد تک حق بجانب بھی ہے۔ تمہارے متعدد جھوٹ اور پھر اس لگژری ہوٹل کے عالی شان سوئٹ میں قیام سے ثابت ہوتا ہے، تم اچھرہ جیسے متوسط علاقے میں رہنے والے وجیہ نہیں ہوسکتے۔ وہاں رہنے والے بیشتر افراد کی ماہانہ آمدنی اس ہوٹل کے دو روزہ قیام کے اخراجات سے بھی کم ہوتی ہے!''

وہ دونوں مجھے بری طرح گھیر چکی تھیں۔ میں نے صدف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''اب تو میں خود کو وجدان تسلیم کر چکا ہوں۔ تمہارے تجسس کی تسکین ہوگئی؟''

وہ مجھے کھوجتی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی ''وجدان! تم بہت پراسرار ہو۔ تمہاری طرح تمہاری ڈارلنگ بھی عجوبۂ روزگار ہے۔ میں اس کے چمتکار کی گواہ ہوں۔ کراچی ائرپورٹ پر لینڈنگ اس نے جس نوعیت کا ہنگامہ کھڑا کیا تھا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میرے اندر سے کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے، تم وہ نہیں ہو، جو نظر آتے ہو!''

''اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہوگا لیکن مجھے پڑتا ہے۔'' وہ بغور میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہارے اسرار کو کھول کر رہوں گی۔ میرے اندر تجسس کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔''

آخری جملہ اس نے ایک ادا سے ادا کیا تو میرے جی میں آئی کہہ دوں، تمہارے اندر تو بارود کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کہیں سے ڈاکٹر نہیں لگتی ہو۔ ڈاکٹر تو ایک مسیحا ہوتا ہے، دکھ درد کی دوا کرتا ہے۔ تم تو اپنے آتش فشانی انداز سے ہوش و خرد پر بجلیاں گراتی ہو اور دل و دماغ کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتی ہو..... لیکن یہ خیالات میری سوچ تک محدود رہے، میں انہیں الفاظ کے قالب میں نہ ڈھال سکا۔ صرف اتنا کہہ کر رہ گیا۔

''مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ اب میں اجازت چاہوں گا..... پلیز!''

صدف نے معنی خیز لہجے میں کہا ''تم نے نیم دلی یا بددلی سے خود کو تسلیم کیا ہے۔ وجدان کی حیثیت سے اقرار کرنے کا مطلب یہی ہے کہ تم کچھ عرصہ قبل پنک سٹی (جے پور) میں موجود تھے اور اپنے دوست ٹھاکر بھانوت سنگھ کی مدد سے تم نے وہاں کے پنڈتوں اور پجاریوں کی اینٹ سے اینٹ بجا رکھی تھی۔ کیا تم اس دشنی پر کچھ روشنی ڈالو گے؟''

''میں تمہاری ہر فرمائش پوری کرنے کا پابند نہیں ہوں۔'' میں نے مصنوعی رکھائی سے کہا۔

وہ بولی ''چلو اتنا ہی بتا دو، پاکستان میں کس مشن پر آئے ہو؟''

''میں نے کہا نا، میں اب تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔''

''چلو، سوال کا جواب نہ دو مگر اتنا تو کرو، جب تک میں لاہور میں ہوں، تم مجھ سے رابطے میں رہو۔'' وہ مفاہمانہ انداز میں بولی۔

میں نے پوچھا ''تم مجھ سے بچ میں کیوں رہنا چاہتی ہو؟''

''تمہارے بارے میں جاننے کے لیے میرے اندر بے پناہ تجسس ہے۔''

''تم اپنے تجسس کو اسٹڈی میں استعمال کرو تو تمہارے لیے مفید رہے گا۔'' میں نے مشورۃً کہا ''میڈیکل کی ایک اسٹوڈنٹ کو اس قسم کے فضول کاموں میں اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے اور وہ بھی ایسی اسٹوڈنٹ کہ جس کا فائنل ائیر چل رہا ہو۔ ایک سال بعد تم ڈاکٹر بننے والی ہو۔ تمہیں اپنے پروفیشن پر توجہ دینا چاہیے۔''

وہ بے پروائی سے بولی ''میڈیکل میں تو مجھے پاپا نے

پھنسا دیا ہے۔ پتا نہیں، میں ہر سال کس طرح پاس ہو جاتی ہوں۔ ویسے میں نے فیصلہ کرلیا ہے، ڈاکٹر بننے کے بعد پریکٹس نہیں کروں گی۔''

''پھر کیا کرو گی؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

وہ بولی ''گھوموں پھروں گی، سیر سپاٹا کروں گی۔ مجھے مہم جوئی سے بھرپور زندگی پسند ہے جیسی زندگی تم گزار رہے ہو۔''

''تم نے تو کھوتا ہی کھوہ میں ڈال دیا۔'' میں نے افسوس ناک انداز میں کہا ''تمہارے ڈیڈی نے تو تمہیں ڈاکٹر بنانے کے لیے لاکھوں روپیا خرچ کیا ہی ہے۔ کیا تم جانتی ہو، ایک ڈاکٹر کی تیاری پر گورنمنٹ کتنا خرچ کرتی ہے؟''

''ہاں، مجھے سب معلوم ہے۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا ''اگر ڈاکٹر بننے کے بعد تم نے اس پروفیشن کو خیر باد کہہ دیا یا باقاعدہ اختیار نہ کیا تو ایک طرح سے تم بہت بڑی زیادتی کی مرتکب ہوگی۔''

''کیسی زیادتی؟'' اس نے حیرت سے میری جانب دیکھا۔

میں نے کہا ''اگر تم میڈیکل کالج کے لیے ایٹمپٹ نہ کرتیں تو آج تمہاری جگہ کوئی اور ڈاکٹر بن رہا ہوتا۔ کوئی ایسا اسٹوڈنٹ جو چند نمبروں کی کمی کے باعث میڈیکل کالج نہیں پہنچ سکا۔ تم نے ایک اسٹوڈنٹ کا راستہ روکا ہے یعنی اس کے مستقبل کو بہت بڑی چوٹ پہنچائی ہے۔''

پوری بات سننے کے بعد وہ بولی ''کیا تم کسی تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی کام کر چکے ہو؟''

میں نے صدف کو نظر انداز کرتے ہوئے نادیہ سے پوچھا ''تم کیا اسٹڈی کر رہی ہو؟''

''میں انگلش میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔''

''کیا تعلیم مکمل کرنے کے بعد تم بھی کوئی سلائی کڑھائی کا اسکول کھولنے والی ہو؟ یا پھر تم نے بھی عملی زندگی کو سیر وتفریح کی نذر کرنا ہے؟'' میں نے خاصے تیکھے لہجے میں دریافت کیا ''صدف نے بتایا ہے کہ تم دونوں بہت ہم خیال اور ہم مزاج ہو!''

وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''آگے چل کر میرا سی ایس ایس کرنے کا پروگرام ہے۔ میرے ڈیڈی بہت سخت ہیں۔ میں صدف کی طرح لاابالی پن کا مظاہرہ نہیں کرسکتی۔ ڈیڈی قیامت کھڑی کردیں گے۔''

''اپنی کزن کو بھی ایسی ہی کسی قیامت کا خوف دلاؤ۔'' میں نے کہا ''اور اگر ہو سکے تو اپنے پھوپا کے بھی کان ضرور بھر دو۔ ممکن ہے، تمہاری بات سرمد بخاری کی سمجھ میں آجائے اور وہ اپنی چہیتی بیٹی کو سمجھانے میں کامیاب ہو جائے!''

میری اس بات پر صدف نے گھور کر مجھے دیکھا، میں نے نادیہ سے کہا ''اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو گاڑی ایک سائیڈ پر روک دو۔ میں آپ لوگوں کو مزید وقت نہیں دے سکتا۔''

اس وقت نادیہ کی نیلی شیرڈ چیئرنگ کراس سے گزر کر ریگل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ میں اپنے ہوش میں پہلی مرتبہ لاہور آیا تھا اور یہاں کی عمارتوں سڑکوں اور دیگر مقامات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا البتہ ازاں بعد تھوڑے ہی عرصے میں، میں نے لاہور کے بارے میں ہر قسم کی معلومات حاصل کرلی تھیں لہٰذا اس داستانِ حیات میں خود کو لاہور سے شناسا ظاہر کروں گا اگرچہ شناسائی رفتہ رفتہ ہوئی تھی۔

نادیہ نے گاڑی روڈ کے بغیر کہا ''یہاں ریگل کے نزدیک ہی ایک بہت عمدہ ریسٹورنٹ ہے۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے ہیں، کچھ کھاتے پیتے ہیں پھر جہاں تمہارا دل چاہے، چلے جانا۔''

نادیہ کا آئیڈیا مجھے پسند آیا۔ میں اس وقت چائے کی شدید طلب محسوس کر رہا تھا۔ میں نے خوش دلی سے کہا ''او کے، ڈن!''

چند منٹ بعد ہم تینوں پرسکون ماحول کے حامل ایک معیاری ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ میری فرمائش پر چائے آرڈر دیا گیا۔ چائے کے ساتھ لوازمات بھی ضروری تھے، وہ بھی منگوا لیے گئے۔ اس دوران میں ہمارے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری رہی۔

کچھ دیر بعد ریسٹورنٹ میں چار افراد داخل ہوئے اور ہال کے کونے میں ایک میز سنبھال کر بیٹھ گئے۔ میں سرسری انداز میں ان پر ایک نظر ڈال کر اپنی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان چاروں نے ہماری جانب توجہ نہ دی۔ میری طرح نادیہ اور صدف نے بھی نوواردافراد کو دیکھ لیا تھا اور نادیہ ان کی آمد سے کچھ بے چین سی ہوگئی تھی۔ میں نے اس کی بے چینی خاص طور پر نوٹ کی اور کہا۔

''کیا بات ہے نادیہ! تم اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ کن انکھیوں سے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

صدف نے کہا ''کچھ تو ہے نادیہ۔ میں نے محسوس کیا ہے، تم اچانک مضطرب اور گھبرائی ہوئی لگنے لگی ہو؟''

بات ختم کرتے ہی صدف نے بھی اس میز کی طرف دیکھا جہاں وہ چاروں بیٹھے تھے۔ نادیہ کی بے کیفی کا تعلق انہی لوگوں سے تھا۔ میں نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نادیہ سے پوچھا ''کیا تم ان چاروں کی وجہ سے پریشان ہوگئی ہو؟''

''چاروں نہیں، صرف ایک کی وجہ سے۔''

''کون ایک؟'' صدف نے استفسار کیا۔

وہ بولی ''سکندر..... ان چاروں میں سکندر بھی موجود ہے۔''

''اوہ!'' صدف نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''وہی سکندر نا، جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا، وہ ایک ایم پی اے لالہ بشیر کا بگڑا ہوا بیٹا ہے اور تمہارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے؟''

نادیہ نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

صدف نے پوچھا ''ان چاروں میں سکندر کون ہے؟''

''وہ جس نے سرخ ٹی شرٹ پہن رکھی ہے۔''

''تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں نادیہ۔'' صدف نے گمبھیر آواز میں کہا ''آج ہم اس لالہ کے پنجے کو چٹکی کاٹنے کا دودھ یاد دلا کر رہیں گے۔'' پھر وہ میری جانب دیکھتے ہوئے نادیہ سے بولی ''میں تمہیں وجدان کے کارناموں سے آگاہ کر چکی ہوں۔ جے پور کے اخبارات اس کی خبروں کے ساتھ اس کی صلاحیتوں کا تذکرہ بھی بطورِ خاص کرتے رہے ہیں اور تم تو جانتی ہو کہ میرا حافظہ کس بلا کا ہے۔ میں ان خبروں کی جزئیات کو بھی ابھی بھول نہیں پائی ہوں۔ وجدان مارشل آرٹس اور یوگا کا بہت بڑا ماہر ہے۔ یوگا کی مشقیں کرتے ہوئے تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔''

میرے ذہن میں فوراً وہ صبح تازہ ہوگئی جب ساؤتھ کے قریب ایک خوبصورت پارک میں، میں نے یوگا کی چند مشقیں کی تھیں۔ میں اور کبیر شاہ ڈیفنس کے ایک بنگلے میں زبردست مارا ماری کے بعد واپس ساؤتھ پہنچے تھے۔ بنگلہ غربی بی تھری ایٹ سے میاں زاہد حسین ہمیں چل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ تاہم جمال اور بھولا ناتھ اپنے عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔

یہ خیالات ایک لمحے میں میرے ذہن سے گزر گئے۔ میں صدف کی حاضر دماغی، مشاہدے اور حافظے کا معترف ہوگیا۔ وہ ہماری پہلی ملاقات تھی اور ملاقات بھی چند لمحوں کی مگر اس ملاقات کا ایک ایک اسٹیپ اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔

میں نے ایک اور بات خاص طور پر نوٹ کی اور وہ یہ کہ نادیہ سکندر کی آمد سے خاصی ڈسٹرب بلکہ خوفزدہ ہوگئی تھی لیکن صدف پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ وہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش اور چاق وچوبند تھی بلکہ تھوڑی دیر قبل اس کو جس سنجیدگی نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا اب وہ بھی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کے انداز میں شوخی سی در آئی تھی۔ یا تو وہ اتنی ہی باحوصلہ اور پراعتماد تھی یا پھر وہ میری موجودگی میں وہ ہر خوف اور چنتا سے بے نیاز ہوگئی تھی۔

شاید ہماری اس معنی خیز اور گمبھیر گفتگو کی تاثیر ان کی میز تک پہنچ گئی۔ میں نے سکندر نامی اس آوارہ نوجوان کو وہاں سے اٹھ کر ہماری جانب آتے دیکھا۔ اس نے جینز پر سرخ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ چھے فٹ قد اور صحت قابلِ رشک تھی۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیوں کو دیکھ کر پہلی نظر میں اندازہ ہو جاتا تھا، وہ باقاعدگی سے باڈی بلڈنگ کرتا ہوگا۔

ہمارے قریب آکر اس نے باری باری ہم تینوں پر ایک نگاہ ڈالی پھر نادیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا ''میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس ریسٹورنٹ کے باہر تمہاری گاڑی کھڑی دیکھی تو تمہیں دیکھنے اندر چلا آیا۔ بھئی، تم نے اپنی گاڑی کا ایسا نمبر لیا ہے کہ نظر پڑتے ہی انسان چونک اٹھتا ہے۔'' پھر اس نے بڑے بھونڈے انداز میں نیلی شیرڈ کا نمبر دہرایا ''نائن ون ون۔ اسٹیٹس میں نائٹ ڈبل ون ایمرجنسی پولیس کالنگ کے لیے استعمال ہوتا ہے تم بھی کسی ایمرجنسی سے کم نہیں ہو!''

بات ختم کرتے ہی اس نے بے ہودہ انداز میں ایک نیچا قہقہہ لگایا۔

یہاں تک اس کی بات درست تھی کہ ''نائن ڈبل ون'' فون نمبر امریکا میں فوری مدد کے حصول کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس بات میں سچائی ہوتی تو وہ ریسٹورنٹ میں داخل ہونے کے بعد سیدھا ہماری طرف آتا۔ وہ چاروں بڑی بے پروائی سے اندر آکر ایک میز کے گرد بیٹھ گئے تھے۔ وہ میز چونکہ میری نظر کے بالکل سامنے تھی اس لیے میں نے ان کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کرلیا۔ ابھی چند لمحے پہلے سکندر اچانک نادیہ کی جانب دیکھ کر چونکا تھا۔ اس کے بعد ہی وہ اٹھ کر ہماری طرف بڑھا تھا۔ نیلی شیرڈ اور نائن ڈبل ون کا حوالہ اس نے فلوک (Fluke) میں دیا تھا جو اتفاق سے بالکل درست تھا۔ مذکورہ گاڑی ریسٹورنٹ سے باہر موجود تھی۔

نادیہ جز بز ہوتے ہوئے بولی ''میں اس وقت اپنے معزز مہمانوں کے ساتھ ہوں۔ تم یہ بے ہودگی بند کرو اور یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔''

''معزز مہمان!'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا ''پھر میری جانب اشارہ کر کے نادیہ سے پوچھنے لگا ''یہ پنچھی کہاں سے پکڑا ہے تم نے؟''

''اسٹوپڈ..... یو بلڈی۔'' نادیہ غصے سے بولی۔

''نو..... نو.....'' وہ بچوں کی طرح اسے پچکارتے ہوئے بولا ''انگلش میں ماسٹرز کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم ہر جگہ ''گٹ پٹ، گٹ پٹ'' کرتی پھرو۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے بڑی بدتمیزی سے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا اور نادیہ کے گال کو چھونے کی ناکام کوشش کی۔ ناکام یاب اس لیے کہ اس کا ہاتھ حرکت میں آتے ہی میرے تن بدن میں ایک آگ سی بھر گئی تھی پھر اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی یادگار سبق سکھانے کے لیے اپنی جگہ سے جنبش کرتا، میری آنکھوں نے ایک تحیر خیز منظر دیکھا۔

صدف کا دایاں ہاتھ بجلی کی سرعت سے حرکت میں آیا۔ واقعی میری نگاہ میں ایک بجلی سی کوندی تھی۔ پلک جھپکنے سے قبل صدف کے ہاتھ نے، سکندر کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کو ایک طرف جھٹکا اور پھر ایک دھواں دھار پنچ اس کی ناک پر پڑا۔ صدف نے رائٹ بلاک کے بعد لیفٹ اسٹریٹ پنچ (Straight Punch) چلایا تھا۔

صدف کے پنچ میں طوفانی طاقت تھی، سکندر جیسا ہٹا کٹا باڈی بلڈر لڑکھڑا کر پیچھے کی جانب گیا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ ناک پر چلا گیا۔ صدف نے ایک پنچ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ سکندر کی ناک پر سلامی دیتے ہی وہ کرسی کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر دونوں ہاتھ میز پر ٹکا کر اس نے کسی جمناسٹ کی طرح اپنی باڈی کو ہوا میں جھلایا اور اس کی ڈبل کک زنی سکندر کے ٹھوڑے پر پڑی۔ وہ آنِ واحد میں پشت کے بل زمین پر جا گرا۔

صدف کی ان لمحاتی حرکات نے مجھے بتا دیا، وہ مارشل آرٹس میں مہارت رکھتی تھی۔ یہ لڑکی مجھے حیران کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طویل سانس خارج کی۔ اسی لمحے وہ اچھل کر میز سے کود گئی۔

سکندر میز سے اٹھ کھڑا ہوا ہی تھا کہ صدف نے اس کے سینے پر ایک زوردار فرنٹ کک رسید کردی۔ اس نے اپنے تئیں ایک ہائی کک چلائی تھی لیکن دونوں کی قامت میں واضح فرق ہونے کے سبب صدف کا پاؤں سکندر کے سینے تک ہی پہنچ پایا۔ صدف کا قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس کے بھرے بھرے وجود میں بجلی بھری ہوئی تھی۔

صدف کی کک کھانے کے بعد سکندر ایک قدم پیچھے ہٹا پھر اس نے بڑے وحشیانہ انداز میں صدف کو راؤنڈ ہاؤس کک ماری۔ صدف نے ایک اسٹیپ اندر آ کر کک کو بلاک کیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ہاتھوں کا پش اس کے ڈیا فرام پر رسید کر دیا۔ اس ایک کے نتیجے میں سکندر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بیک فٹ پر جاتے ہی صدف نے ایک بھرپور سائیڈ کک اس کے پیٹ میں رسید کردی۔

سکندر ایک مرتبہ پھر چاروں خانے چت ریسٹورنٹ کے فرش پر پڑا تھا۔ صدف کی کارکردگی میرے لیے اطمینان بخش تھی، میں نے اپنے قریب بیٹھی نادیہ سے کہا ''تمہاری کزن واقعی غلط شعبے میں چلی گئی ہے۔ اسے میڈیکل فیلڈ میں نہیں بلکہ مارشل فیلڈ میں ہونا چاہیے۔''

وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی ''وجدان! میں جانتی ہوں، صدف ایک اچھی مارشل آرٹسٹ ہے لیکن ریسٹورنٹ میں اسے کوئی پھڈا مول نہیں لینا چاہیے تھا۔ سکندر کے ساتھ نہ لڑے اور بھی ہیں اور وہ تینوں بڑے باپوں کے بیٹے ہیں۔ خواہ مخواہ کوئی مصیبت کھڑی نہ ہو جائے۔''

''تم ان چاروں سے خوفزدہ ہو یا ان کے باپوں کے اثر و رسوخ سے؟''

وہ بولی ''ان کے باپوں سے تو میرا باپ نمٹ لے گا۔ مجھے ڈر ہے، اگر سکندر کے ساتھی بھی صدف پر پل پڑے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ مجھے دنگا فساد اور لڑائی جھگڑے کا کوئی تجربہ نہیں۔''

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''فی الحال تو مقابلہ ون ٹو ون چل رہا ہے اور صدف، سکندر پر بھاری پڑ رہی ہے۔ اگر اس کے ساتھی بیچ میں کود ے تو میں انہیں دیکھ لوں گا۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی۔ ریسٹورنٹ میں ہمارے علاوہ درجن بھر افراد اور بھی موجود تھے جن میں مرد و زن کی تعداد برابر تھی۔ وہ سب لائیو فائٹ کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ البتہ ریسٹورنٹ کا منیجر خاصا حواس باختہ اور پریشان نظر آتا تھا۔

سکندر جلدی سے اٹھ کر صدف کے مدِمقابل کھڑا ہو گیا پھر اس نے نفرت انگیز انداز میں صدف کو ایک نازیبا اشاعت گالی دی۔ صدف کے ہاتھ پاؤں میکانکی انداز میں حرکت میں آ گئے۔ وہ کسی پھرکی کی مانند اپنے جسم کو حرکت دیتے ہوئے سکندر پر لات کے برسانے لگی۔ اس کے اسٹیپس (Steps) سے ظاہر ہوتا تھا، مارشل آرٹس کے ساتھ ساتھ جمناسٹک میں بھی اسے خاصی مہارت حاصل ہے۔ اپنے ہاتھ پاؤں کی نپی تلی ضربوں سے اس نے حریف کا کباڑا کر دیا۔ اس کے ساتھیوں کو جوش آ گیا۔

وہ تینوں طیش کے عالم میں اٹھے اور بھاگتے ہوئے صدف کی جانب بڑھے لیکن میں ان کے راستے میں ایک دیوار بن گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک کے پیٹ میں گھٹنا رسید کیا، دوسرے کے منہ پر کہنی ماری اور تیسرے کو اپنے کندھے کے اوپر سے گزار کر دور اچھال دیا۔

وہ دراز قامت دبلا پتلا نوجوان ہوا میں پرواز کرتے ہوئے ایک میز کی ٹاپ پر گرا۔ اس میز پر ایک جوز اموجود تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ لڑکی کے حلق سے تو ایک سریلی چیخ بھی برآمد ہوئی تھی۔ میز خاصی مضبوط ثابت ہوئی تاہم اس پر رکھے ہوئے برتن اپنی اپنی اصل کے مطابق آواز پیدا کرتے ہوئے ریسٹورنٹ کے فرش پر ادھر ادھر بکھر گئے۔ میں نے ایک نظر اپنے مجروح شکار پر ڈالی۔ اس کی کمر پر شدید چوٹ آئی تھی۔ وہ میز کی ٹاپ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

اسی وقت مجھے اپنی گردن پر کسی کے دباؤ کا لمس محسوس ہوا۔ مجھے غافل پا کر کہنی کھانے والے نوجوان نے میری گردن کو اپنے بازو میں کسنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے پیٹ میں، میں نے گھٹنا رسید کیا تھا وہ بھی اٹھ کر تیزی سے میری جانب بڑھا۔

میں نے اپنے عقب میں موجود حریف کے بازو اور اپنی گردن کے درمیان ہاتھ پھنسایا اور دونوں پاؤں فضا میں بلند کرتے ہوئے ایک ڈبل جرکی کک سامنے سے آنے والے کے سینے پر ثبت کردی۔

اس ڈبل کک میں کسی دزنی ہتھوڑے ایسی ضرب پوشیدہ تھی۔ سینے پر کک کھانے والا توپ میں سے نکلنے والے گولے کے مانند بیک گیئر میں سفر کرتے ہوئے دور تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔ اس کک کی تکمیل کے ساتھ ہی میں نے اپنی پشت پر موجود شخص کے بازو کو گرفت میں لیا اور اپنی باڈی کو ٹوئسٹ کرتے ہوئے اسے تھرو مار دیا۔ وہ میرے سر کے اوپر سے ہوتے ہوئے میرے سامنے فرش پر گرا۔ تھرو (Throw) اگر پوری ٹیکنیک کے ساتھ مارا جائے تو اپنے سے دس گنا بھاری شخص کو بھی زمین پر پٹخا جا سکتا ہے۔

مجھ سے پٹنے والا ابھی اٹھ کر کھڑا بھی نہیں ہو پایا تھا کہ سکندر دھڑام سے اس کے اوپر آ کر گرا۔ صدف نے بھی تھرو ہی کا کوئی انداز استعمال کرتے ہوئے سکندر کو یہاں پہنچایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی لپک کر ''جائے وقوعہ'' پر پہنچ گئی۔

میں نے کہا ''صدف! حریفوں کا تبادلۂ فائٹ کے لطف کو دوبالا کر دیتا ہے۔ تم سکندر کو میرے لیے چھوڑ دو اور ان دونوں کی طرف چلی جاؤ۔'' اس کے ساتھ ہی میں نے میز پر پڑے اور کراہتے ہوئے شخص کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

وہ گہری سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے میری بتائی ہوئی سمت کی جانب بڑھ گئی۔ اسی وقت میں نے اپنے پاؤں کے نزدیک ایک حرکت محسوس کی۔ سکندر نے میرے ٹخنوں کو گرفت میں لیتے ہوئے مجھے گرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ میرے پاؤں کو اتنے زور سے جھٹکا دے چکا تھا کہ اگر میں بروقت کارروائی نہ کرتا تو میرا زمین بوس ہونا لازمی تھا۔

میں نے اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے ہوا میں جمپ کی اور بڑی تیز رفتاری سے بیک سمر سالٹ (Back Somersault) لگا دیا۔ سکندر کے دونوں ہاتھ میرے پاؤں کے ساتھ ہی فضا میں بلند ہوئے، وہ میرے ٹخنوں پر گرفت قائم نہ رکھ سکا اور میرے پاؤں اس کی ٹھوڑی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا کر سمر سالٹ کی تکمیل کے لیے روانہ ہو گئے۔ سکندر ایک تیز چیخ کے ساتھ پیچھے کو الٹ گیا۔

سکندر مارشل آرٹس سے نابلد نہیں تھا۔ میں نے صدف کے مقابل اسے ہاتھ پاؤں چلاتے دیکھا تھا لیکن اس غم کا کوئی علاج نہیں تھا کہ اس کا واسطہ مجھ سے پڑ گیا۔ میرے حصے میں آنے والا دوسرا شخص بھی مارشل آرٹس جانتا تھا البتہ صدف نے اب جس طرف رخ کیا تھا، وہ دونوں اسٹریٹ (Street) اور دیسی قسم کے فائٹر تھے۔

وہ دونوں بہ یک وقت مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ ایک دائیں سے اور دوسرا بائیں سے۔ انہوں نے مجھ پر راؤنڈ ہاؤس کِکس (Round House Kicks) چلائیں۔ میں نے بڑی سرعت سے اپنے بازوؤں کو کام میں لاتے ہوئے آؤٹر (Outer) بلاک کیا پھر سکندر کے منہ پر ایک کریسنٹ (Crescent) ماری۔ یہ لیفٹ کریسنٹ کک تھی۔ جیسے ہی میرا پاؤں زمین پر آیا، میں نے گھوم کر ایک وہیل کک چلائی جو سیدھی جا کر دوسرے مدِمقابل کی کنپٹی پر لگی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر جھومنے لگا۔

وہیل کک (Wheel Kick) بڑی خطرناک کک ہے۔ یہ گراؤنڈ ہو یا فلائنگ، ہر صورت میں اپنے ٹارگٹ کا سوا ستیاناس مار کر رکھ دیتی ہے اور خاص طور پر سر میں لگنے والی کک تو مدِمقابل کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

مجھ سے کنپٹی پر کک کھانے والا تھوڑا جھوما، لڑکھڑایا اور اناج کی بوری کی مانند دھپ سے زمین پر جا گرا۔ اس کے بے حس و حرکت جسم کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا، وہ کچھ عرصے کے لیے فرش نشین ہی رہے گا۔ میں سکندر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

وہ بڑے خونخوار انداز میں مجھ پر جھپٹا۔ پے در پے پہنچے

والی چوٹوں نے اس کے مارشل آرٹس کی سٹی گم کردی تھی۔ اس کے جارحانہ انداز میں کہیں بھی مارشل آرٹس کی جھلک نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے چہرے کو اپنے کہنے کا نشانہ بنانا چاہا، میں نے نیک جرک (Neck Jerk) سے چہرے کو بچایا، اس نے دوسرا مکا میرے سینے پر مارا پھر دونوں بازوؤں کے گھیرے میں مجھے مقید کرنے کی کوشش کی۔

میں نے اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں کا گھیرا مکمل ہونے سے پہلے ہی بڑی سرعت سے اس کی کلائیوں کو اپنے ہاتھوں کی آہنی گرفت میں جکڑ لیا پھر ایک جھٹکے سے باہر کو مروڑ دیا۔ اس عمل میں سکندر کا سینہ کھل گیا۔ ابھی وہ کلائیاں مڑنے کی تکلیف کو پوری طرح محسوس بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس کے کھلے ہوئے سینے پر میں نے فرنٹ تھرسٹ کک ماری۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی کلائیوں کو آزاد کردیا۔

تھرسٹ کک (Thrust Kick) میں ایک خوفناک دھکا پوشیدہ تھا پھر سکندر کی کلائیاں آزاد ہوتے ہیں۔ اس دھکے کے اثرات میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ وہ ہوا میں پیچھے ہوتے ہوئے صدف کے نزدیک پہنچ گیا۔ اسی لمحے مجھے صدف کی طرف دھیان دینے کا موقع ملا۔ اس نے پستہ قامت اسٹریٹ فائٹر کو لمبا لٹا دیا تھا اور دراز قد دبلے پتلے حریف سے نبرد آزما تھی۔ یہ شخص پہلے ہی میز سے ٹکرا کر اپنی کمر پر شدید چوٹ کھائے بیٹھا تھا۔ اس سے نمٹنے میں صدف کو زیادہ مشکل پیش نہیں آرہی تھی۔

صدف کو اپنے نزدیک دیکھ کر سکندر پر جنون سوار ہوگیا۔ وہ اس کے لیے دشمن اول کا درجہ رکھتی تھی۔ صدف ہی نے اس گرم جنگ کا آغاز کیا تھا۔ سکندر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک کرسی اٹھائی اور اسے بڑے وحشیانہ انداز میں صدف کے سر پر دے مارا۔

اسی لمحے نادیہ کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ خارج ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کی دانست میں سکندر کے ہاتھ میں موجود کرسی نے صدف کی کھوپڑی پچکا دی تھی مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔

صدف کی پھرتی..... بروقت پھرتی نے ایک لمحے کے لیے مجھے بھی ساکت کردیا۔ جیسے ہی سکندر نے کرسی کو فضا میں بلند کیا، صدف فرنٹ رول (Front Roll) کرتے ہوئے میز کے اوپر سے گزر گئی۔ کرسی صدف کی کھوپڑی کے بجائے میز پر لگی اور اس کے اعضا چاروں جانب بکھر گئے۔

سکندر نے اپنی ناکامیابی پر جھنجلا کر صدف کو ایک غیر اخلاقی لقب سے نوازا اور غرا کر اس کی جانب بڑھا۔ صدف رولنگ کے بعد اٹھ کر کھڑی ہوچکی تھی۔ اس نے اندھے بیل کے مانند اپنی جانب بڑھے ہوئے سکندر کو ڈاج دیا۔ وہ اپنی ہی جھونک میں آگے بڑھ گیا۔ صدف نے بڑی تکنیک سے پیچھے بیٹھ کر اس کے پاؤں میں اپنی ٹانگ پھنسادی۔ صدف کی ہاف سوئپ (Half Sweep) نے بڑا عمدہ کام دکھایا۔ سکندر طوفانی رفتار سے منہ کے بل ریسٹورنٹ کے پختہ فرش پر گرا۔

اسی وقت سکندر کے دبلے پتلے ساتھی نے اپنے لباس میں سے ایک خطرناک پسٹل نکال کر صدف کو نشانے پر رکھا اور وحشت ناک انداز میں غرایا۔

''ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا ورنہ میں گولی چلادوں گا۔''

صدف اسٹل (Still) ہوگئی۔ ریسٹورنٹ میں موجود ہر شخص کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ بڑی دلچسپی سے یہ فائٹا فائٹی دیکھ رہے تھے لیکن پسٹل کی رونمائی کے بعد ان کے چہرے سراسیمگی کی لپیٹ میں آگئے۔

میں نے پسٹل بردار پر ایک تجزیاتی نگاہ ڈالی اور پلک جھپکنے میں بھانپ لیا کہ وہ فائرنگ کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فرار کی خواہش ہلکورے لے رہی تھی۔ شاید صدف کو دھمکا کر وہاں سے رفو چکر ہونے کے چکر میں تھا۔

صدف نے اپنے چہرے سے یوں ظاہر کیا جیسے وہ اس کی دھمکی میں آگئی مگر دوسرے ہی لمحے اس نے وہ حرکت کی جس کی میں توقع نہیں کررہا تھا۔ یقیناً اس نے مسلح شخص کے عزائم اس کی آنکھوں میں پڑھ لیا تھا ورنہ وہ اتنا بڑا رسک نہ لیتی۔ وہ سہم کر بڑے بزدلانہ انداز میں ایک قدم پیچھے سرکی پھر اس نے اپنے دائیں پاؤں کے نزدیک پڑی ہوئی ایک کرسی پر زوردار ٹھوکر ماری۔

کرسی فٹ بال کے مانند ٹھوکر کھا کر ہوا میں اچھلی اور سیدھی پستول بردار کی جانب پرواز کرگئی۔ اگلے ہی لمحے صدف اچک کر اس کے پاس پہنچ گئی۔

ایک نرم و نازک پانچ فٹ کی حسین و جمیل لڑکی سے اس قسم کی مردانہ حرکت کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ صدف ثابت کررہی تھی کہ وہ ایسی کرسیوں اور میزوں کو اپنے پاؤں کی ٹھوکروں میں اڑانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ مارشل آرٹس میں یہ مرحلہ بہت دیر سے آتا ہے اور خاص طور پر لڑکیاں ان دقت آمیز کٹھنائیوں میں نہیں پڑتیں۔

کرسی سیدھی جا کر پسٹل پر لگی۔ اس سے پہلے پستول

بردار بوکھلاہٹ میں صدف کے لیے حملے کی راہ ہموار کرچکا تھا۔ کرسی کو اپنی جانب آتے دیکھ کر بچاؤ کے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ فضا میں بلند ہوئے۔ ان لمحات میں وہ یہ بھول گیا کہ اس کے ایک ہاتھ میں پسٹل بھی موجود ہے۔ اس نے اپنے چہرے کو بچانے کے لیے عین فطری انداز سے ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

صدف نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھ کر اس کے پیٹ، سینے اور چہرے پر مکوں کی برسات کردی۔ کرسی کے خوفناک ٹکراؤ کے سبب پسٹل اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا، صدف کے پے در پے حملوں نے چند لمحوں میں اسے ادھ موا کردیا۔ اس کی کمر پہلے ہی شدید زخمی تھی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہوگیا۔

اسی وقت ریسٹورنٹ کے باہر پولیس کے مخصوص سائرن کی آواز ابھری۔ اگلے ہی لمحے ریسٹورنٹ کے دروازے کے قریب کسی بھاری گاڑی کے رکنے کی آواز آئی پھر چار گن بردار پولیس والے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے اور انہوں نے آتے ہی وہاں موجود ہر شخص کو ''ہینڈز اپ'' کردیا۔

ان چاروں میں ایک عہدے کے لحاظ سے سب انسپکٹر تھا۔ باقی تین کانسٹیبل رینک کے تھے۔ سب انسپکٹر کے ہاتھ میں ریوالور تھا جب کہ باقی تین پولیس اہلکاروں نے کلاشنکوفز اٹھا رکھی تھیں۔ وہ کسی اتفاق سے ادھر نہیں آنکلے تھے بلکہ انہیں باقاعدہ فون کرکے ریسٹورنٹ میں پیش آنے والے حالات سے آگاہ کیا گیا تھا..... اور یہ حرکت ریسٹورنٹ کے منیجر کے سوا کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھی۔ پولیس کی آمد کے بعد وہی بڑھ چڑھ کر بولنے لگا۔ ہماری ''مصروفیت'' کے دوران میں اسے پولیس کو بلانے کا موقع مل گیا تھا۔

پولیس والوں نے جائے فساد کا تفصیلی جائزہ لیا اور ریسٹورنٹ کے منیجر سمیت ہم سب کو پولیس اسٹیشن چلنے کے احکام صادر کردیے۔

میں نے سب انسپکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''آفیسر! ریسٹورنٹ کا منیجر اس واقعے کا عینی شاہد ہے۔ آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں، ہم قصوروار نہیں۔ انہی بدمعاشوں نے ہمیں ہاتھ اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔''

''کون بدمعاش ہے اور کون شریف، اس کا فیصلہ تو تھانے چل کر ہی کیا جائے گا۔'' ایس آئی نے سخت لہجے میں کہا ''ہم منیجر کو بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی لے کر جارہے ہیں۔ جو بھی بیان دینا ہے، وہیں چل کر دینا۔''

سکندر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا ''سب انسپکٹر صاحب! میرا نام سکندر ہے۔ میں لالہ بشیر کا بیٹا ہوں۔ ہمیں تھانے لے جانا آپ کو بہت مہنگا پڑے گا۔ میرے یہ تینوں ساتھی بھی معمولی نہیں ہیں۔ بابر معروف صنعت کار فرقان خان کا بیٹا ہے، توصیف کے باپ مجیب راٹھور کو کون نہیں جانتا۔ یہ سیاست کے میدان کا ایک جانا پہچانا نام ہے اور سلیم کے والد ایک تھانے میں ایس ایچ او ہیں۔ ملک برکت علی کا نام، آپ نے ضرور سنا ہوگا؟'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر بڑے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''اگر آپ کو تھانے لے جانے کا زیادہ ہی شوق ہے تو ان تینوں کو لے جائیں۔'' پھر اس نے بے ہوش پڑے اپنے ساتھیوں کی جانب اشارہ کیا ''نقصان ہمارا ہوا ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ان تینوں میں سے کسی کو کچھ ہوگیا تو آپ کے لیے مصیبت کھڑی ہوسکتی ہے۔''

سکندر بڑے واضح الفاظ میں سب انسپکٹر کو دھمکا رہا تھا اور میں نے دیکھا ''ایس آئی اس کی دھونس میں آچکا تھا۔ وہ بہت متفکر نظر آنے لگا۔ اس وقت وہ تمام قانون کو فراموش کر کے صاحب رسوخ افراد سے مرعوب نظر آتا تھا۔

اس نے ہماری جانب اشارہ کرتے ہوئے کانسٹیبلز کو حکم دیا ''اوئے، ان تینوں کو پکڑ کر موبائل میں ڈالو..... اور منیجر کو بھی اٹھالو۔ ہم اتنی کھلی غنڈا گردی نہیں ہونے دیں گے۔''

میں نے آفیسر سے کہا ''یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ آپ قانون کے محافظ ہیں۔ اگر آپ ہی قانون شکنی کریں گے تو یہ ملک کیسے چلے گا؟''

''اوئے، تم مجھے قانون سکھاؤ گے؟'' سب انسپکٹر نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا ''یہ ملک چل رہا ہے اور بہت خوبصورتی سے چل رہا ہے۔ تمہارے مشوروں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔''

''یہ ملک چل نہیں رہا، جل رہا ہے۔'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا ''اور اس کو جلانے والے تمہارے ہی جیسے قانون شکن ہیں جو طاقتور افراد سے مرعوب ہوکر مجرموں اور جرائم کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔''

سب انسپکٹر بے یقینی سے مجھے تکنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس کے سامنے ایسی زبان درازی بھی کرسکتا ہے۔ اس نے مجھے کھا جانے والی نظر سے گھورا اور سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لگتا ہے تمہارا کبھی کسی پولیس سے واسطہ نہیں پڑا!''

''بہت پڑا ہے۔'' میں نے جواباً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''صرف یہاں ہی کی نہیں بلکہ دنیا کے کئی

ممالک کی پولیس کو میں بھگت چکا ہوں مگر یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔''

وہ طنزیہ انداز میں ہنسا ''یہی باوا آدم تمہیں تھانے لے کر جائے گا اور قانون سے گفتگو کرنے کے آداب بھی سکھائے گا۔''

''تھانے جانا ہے تو سب جائیں گے۔'' میں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا ''تم ان امیر اور وزیرزادوں سے خصوصی برتاؤ نہیں کر سکتے۔'' میرا لہجہ خود بخود ترش ہو گیا۔ میں نے نازیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''تمہارے لالہ بشیر کے سپوت سکندر نے میری اس ساتھی سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم نے جو کچھ بھی کیا، اپنی حفاظت میں کیا ہے۔ اس واقعے کے یہاں کئی گواہ ہیں۔'' پولیس کی آمد کے بعد وہاں موجود افراد کو نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''آپ یہاں موجود افراد کا بیان لے سکتے ہیں۔ ریسٹورنٹ کے منیجر کا بیان بھی ہمارے حق میں جائے گا۔'' میں نے تھوڑا سا توقف کیا پھر ٹھوس لہجے میں کہا ''آفیسر! آپ میری ساتھی نادیہ کو کوئی معمولی لڑکی نہ سمجھیں۔ یہ ایک حاضر ڈیوٹی ڈی ایس پی کی بیٹی ہے۔''

سب انسپکٹر نے چونک کر مجھے دیکھا ''ڈی ایس پی؟''

''ہاں، ڈی ایس پی ٹریفک اورنگ زیب خان۔'' نادیہ نے فخریہ انداز میں بتایا۔

نادیہ کے جملے نے سب انسپکٹر کا چہرہ متغیر کر دیا۔ وہ بے چارہ اچانک پاٹن کے میں آ گیا تھا۔ اگر وہ ڈی ایس پی کی بیٹی یا اس کے ساتھیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا تو یہ، آ بیل مجھے مار والی بات ہوتی۔ دوسری طرف وہ سکندر کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس صورت میں کہ زیادہ نقصان بھی سکندر اور اس کے ساتھیوں کو ہی پہنچا تھا۔

موقع پرست سب انسپکٹر نے ایک چال چلی اور وہاں موجود افراد سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا ''آپ لوگ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟''

وہ سب ہماری حمایت میں بولنے لگے۔ جب وہ اپنا غبار نکال چکے تو سب انسپکٹر نے ان کے نام پتے نوٹ کیے اور تحکمانہ انداز میں کہا ''اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ اگر کسی مرحلے پر آپ کی ضرورت پڑی تو بلا لیا جائے گا۔ میں دونوں پارٹیوں کو اپنے ساتھ تھانے لے جاؤں گا۔ ان کے بیانات وہیں چل کر ہوں گے۔''

عام شہریوں میں پولیس کا تصور یہی ہے کہ وہ عوام کو خواہ مخواہ پریشان کرتی رہتی ہے اور بے قصور کو بھی گھیر گھار کر الٹے سیدھے کیس میں الجھا دیتی ہے۔ اس وقت پولیس کا ایک سب انسپکٹر انہیں بڑی نرمی اور شرافت سے جانے کی اجازت دے رہا تھا۔ انہوں نے اسے موقع غنیمت جانا اور خاموشی سے کھسک لیے۔

اس دوران میں سب انسپکٹر کے ساتھی کانسٹیبلز نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے ہلا جلا کر باہر، تو صیف اور سلیم کو ہوش دلا دیا تھا۔ دبلے پتلے، دراز قامت تو صف کے پسٹل کو بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ معروف سیاست داں بیرسٹر رانا ٹھور کے بگڑے ہوئے اس بیٹے کو اچھا خاصا سبق مل چکا تھا۔ وہ بڑی کینہ توز نظر سے صدف کو گھور رہا تھا۔ بابر اور سلیم کے چہروں سے بھی ہمارے لیے بے پناہ نفرت جھلک رہی تھی۔ انہوں نے اپنے اس حشر کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا!

سب انسپکٹر مجھے اور سکندر کو ایک طرف لے گیا اور نہایت ہی رازدارانہ لہجے میں بولا ''آپ لوگ ایک دوسرے کا بہت کچھ بگاڑ سکتے ہیں لیکن میں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تھانے پہنچتے ہی دونوں پارٹیوں کے لواحقین کی طرف سے ٹیلی فونز کا تانتا بندھ جائے گا۔ حاصل وصول کچھ نہیں، یہ بات تم لوگ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپس میں تصفیہ کر لو۔ منیجر کو مطمئن کرنے کے لیے میں تم سب کا موبائل میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس طرح قانونی کارروائی بھی عمل میں آ جائے گی۔ تھانے پہنچنے تک تم لوگ کوئی فیصلہ کر لو۔''

''تصفیہ تو میں کسی صورت نہیں کروں گا۔'' سکندر نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا ''میرا اور میرے ساتھیوں کا بہت نقصان ہوا ہے۔ میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔''

میں نے سکندر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''تم نے میرے ساتھی نادیہ کی نہ صرف انسلٹ کی ہے بلکہ اسے درجن بھر افراد کے سامنے تماشا بھی بنایا ہے۔ اس ''کارنامے'' پر تمہیں کوئی بہت بڑا ''انعام'' ملنا چاہیے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی تھوڑی بہت مرمت تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی، تم اس سے کہیں زیادہ کے مستحق ہو مگر.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے کہا ''اس کے باوجود بھی میں تصفیے کے لیے تیار ہوں۔'' میں خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

''تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو۔'' وہ نفرت آمیز نظر سے مجھے گھور کر بولا ''تم مجھے جانتے نہیں ہو، میں لالہ بشیر کا بیٹا ہوں۔ ایم پی اے لالہ بشیر۔''

میں نے اسے مزید سلگانے کے لیے کہا ''کیا ہی اچھا ہوتا اگر تمہارے پاس اپنی کوئی شناخت ہوتی۔ میں مانتا ہوں، تمہارا باپ ایم پی اے ہو گا مگر تم کیا ہو، یہ حقیقت مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ میں نے تو ابھی ابھی تم سے دو دو ہاتھ کیے ہیں!''

وہ مجھ سے بری طرح درگت بنوائے بیٹھا تھا۔ ان طنزیہ الفاظ نے نمک پاشی کا کام کیا، وہ تڑپ کر بولا ''تمہیں تو میں دیکھ لوں گا رستم خان کے پتر..... اور تمہاری اس ساتھی کو بھی۔''

اس نے صدف کی جانب اشارہ کیا پھر نادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کینہ پن سے ہنسا ''تم کب تک مجھ سے بچو گی!'' بات ختم کرتے ہی اس نے نادیہ کے لیے چند نازیبا الفاظ ادا کیے۔ وہ پولیس کو خاطر میں ہی نہیں لا رہا تھا۔

صدف اچھل کر آگے بڑھی لیکن وہ حملے کے ارادے سے نہیں بڑھی تھی۔ سکندر یہی سمجھا کہ وہ اس پر وار کرنے والی ہے۔ وہ سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''اب اگر تم نے کوئی بکواس کی تو.....!''

صدف نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے کہا ''صدف! بس آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ایک سب انسپکٹر کے سامنے لالہ بشیر کا صاحب زادہ تم سے گت بنوا کیا اچھا لگے گا۔ زندگی رہی تو پھر سامنا ہو گا اور..... جب سامنا ہو گا تو تم رہے سہے ارمان بھی نکال لینا۔''

سکندر نے اپنی رسوائی ہوتے دیکھی تو کھسیانی بلی کے مانند کھمبا نوچنے لگا۔ وہ سب انسپکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہنے لگا۔

''ان دونوں کو لے جا کر تھانے میں بند کر دیں۔'' اس کا اشارہ صدف اور میری جانب تھا۔ ''انہی کی وجہ سے ساری گڑبڑ ہوئی ہے۔ پتا نہیں، نادیہ نے یہ مصیبتیں کہاں سے اٹھائی ہیں؟''

صدف نے تفریح لیتے ہوئے کہا ''میں نادیہ کی سگی کزن ہوں۔ اس کی سگی پھوپی کی سگی بیٹی صدف۔'' پھر اس نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہ وجدان ہے، میرا کلاس فیلو۔ ہم کراچی سے آئے ہیں۔ اتنے اہم لوگوں کو مصیبتیں کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟''

بات کے اختتام پر صدف کا لہجہ بڑا زہریلا ہو گیا تھا۔ جذبات بھرے مکالمات کے دوران میں وہ ایک سنگین غلطی کر بیٹھی تھی۔ اس نے مجھے وجدان کے طور پر پیش کیا تھا۔ وہ تو غنیمت تھا، وہاں وجدان یعنی میرا کوئی شناسا نہیں تھا ورنہ کوئی نئی افتاد ٹوٹ پڑتی۔ میں نے صدف کی اس حماقت پر اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور کمان سے نکلے ہوئے تیر واپس نہیں آ سکتے۔

صدف کے طنز کے جواب میں سکندر بھی بڑھ چڑھ کر بولنے لگا نتیجتاً سب انسپکٹر ہمیں تھانے لے جانے پر مجبور ہو گیا۔ وہ بے چارہ ہمارے درمیان سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ دونوں پارٹیوں کو اپنے تھانا انچارج کے روبرو پہنچا دے۔ تاہم اتنا ہوا کہ ہم لوگ پولیس کی موبائل کے بجائے اپنی اپنی گاڑیوں میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ سکندر اور اس کے تینوں ساتھیوں کے پاس ایک نئے ماڈل کی کھلی جیپ تھی جسے موٹے پائپس اور رنگین لائٹس کی مدد سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ ایک ایک کلاشنکوف بردار کانسٹیبل دونوں گاڑیوں میں سوار ہو گیا۔

میں نیلی شیرڈ کی عقبی نشست پر پہنچا تو ڈارلنگ اچھل کر میری گود میں چڑھ گئی۔ میں ریسٹورنٹ میں جاتے ہوئے اپنا سفری بیگ اور ڈارلنگ کو گاڑی میں چھوڑ گیا تھا۔ گن بردار کانسٹیبل عقبی نشست پر میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ڈارلنگ سے دلداری کو جی مچل گیا لیکن کانسٹیبل کی موجودگی میں خاموش رہنا زیادہ بہتر تھا لہٰذا میں ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے ڈارلنگ کی پشت کو سہلانے لگا۔

تھانے میں کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی جس کا خاص طور پر ذکر کیا جائے۔ قارئین بخوبی واقف ہیں کہ جب بااختیار اور بااقتدار افراد کی اولادیں ان کے ہتھے چڑھتی ہیں تو وہ ان سے کس طرح ''پیچھا'' چھڑاتے ہیں۔ دونوں جانب سے سورس کا بھرپور استعمال ہوا اور شام چھے بجے ہمیں پندرہ منٹ کے وقفے سے یکے بعد دیگرے تھانے سے ''رخصت'' کر دیا گیا۔

واپسی میں ڈی ایس پی بہ صد اصرار مجھے اپنے ساتھ لے آیا ''رات کا کھانا کھائے بغیر میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ تم نے میری بیٹی اور بھانجی کی بہت مدد کی ہے۔''

نادیہ نے کہا ''ڈیڈی! وہ لوگ ہم سے پندرہ منٹ پہلے نکلے ہیں۔ راستے میں، ہمیں گھیرنے کی کوشش تو نہیں کریں گے!''

''اس بات کے امکانات صفر سے زیادہ نہیں۔'' صدف نے کہا ''بالفرض محال، اگر انہوں نے ایسی غلطی کی تو اس کا خمیازہ بھی بھگتیں گے۔''

ڈی ایس پی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''بیٹی! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے پہلے ہی مجھے اس

لفنگے کے بارے میں بتا دیا ہوتا تو یہ نوبت ہی نہیں آتی۔ اب تو میں لالہ بشیر کے اس گندے خون کو ایسا فٹ کروں گا کہ ساری زندگی یاد کرے گا اور بھول کر بھی تمہاری طرف دیکھنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ میں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں جھک نہیں ماری۔ میرے مراسم کی بلندی بھی کچھ کم نہیں۔''

میں نہیں جانتا تھا، صدف نے اپنے ماموں کو میرے بارے میں کیا بتا رکھا تھا۔ اس نے اورنگ زیب خان ہی کی مدد سے میرا سراغ لگایا تھا اس لیے یہ تو ممکن نہیں تھا، کچھ بھی نہ بتایا ہو۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ اگر ڈی ایس پی نے براہِ راست مجھ سے گفتگو شروع کر دی تو میں کس حیثیت میں اس سے بات چیت کروں گا۔ وجدان یا وجیہ؟ ڈی ایس پی اورنگ زیب ایک گھاگ پولیس والا تھا۔ وہ سوال کر کر کے میرا ناطقہ بند کر دیتا۔

شاید ڈی ایس پی نے غیر محسوس انداز میں میرے خیالات پڑھ لیے تھے یا کوئی اور بات تھی کہ اس نے میرا ہی موضوع چھیڑا۔ اپنی بھانجی صدف سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''صدف! مسٹر وجیہ تک پہنچنے میں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟''

میرے سینے سے ایک اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ صدف نے یہ عقلمندی دکھائی تھی کہ مجھے وجیہ کے طور پر اپنے ماموں سے متعارف کرایا تھا۔

وہ بولی ''نہیں ماموں جان! ہم سیدھے اس کے ہوٹل پہنچے تھے جہاں وجیہ سے ملاقات ہو گئی..... اور اسے ہار ماننا پڑی یعنی اس نے تسلیم کر لیا کہ میں اپنی دھن کی پکی ہوں۔''

یہ ایک گول مول جواب تھا۔ صدف خاصی موقع شناس اور باتدبیر ثابت ہو رہی تھی۔

''مسٹر وجیہ! میری بھانجی بہت ضدی ہے۔'' ڈی ایس پی نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''اس سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ اس نے یہاں پہنچتے ہی مجھے تمہارے بارے میں بتایا، تم اس کے کلاس فیلو ہو۔ اتفاق سے تم دونوں ایک ہی فلائٹ سے لاہور پہنچے ہو لیکن صدف کو تنگ کرنے کے لیے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ تم مسٹر وجیہ ہو۔ یہ اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے پیچھے پڑ گئی پھر میری مدد سے اس نے تمہارا کھوج لگا لیا'' ایک لمحے کو رک کر اس نے سنجیدگی سے پوچھا ''تم ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہو۔ کیا لاہور میں تمہارا کوئی عزیز رشتے دار یا دوست نہیں ہے؟''

صدف نے بڑی ذہانت اور چالاکی سے اپنے ماموں کو میرے بارے میں ایک فرضی کہانی سنائی تھی تاکہ اس کے جذبۂ تجسس کی تسکین بھی ہو جائے اور میرا بھید بھی نہ کھلنے پائے۔ وہ اپنے ایک انتہائی قریبی رشتے دار کے سامنے میری طرف داری کیوں کر رہی تھی، اس بات نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا۔ اس نے میرا پردہ رکھنے کے لیے اپنے ماموں سے غلط بیانی کی تھی۔ میں نے سوچا، موقع ملتے ہی میں صدف سے اس بارے میں استفسار کروں گا۔ البتہ یہ بات واضح تھی کہ اس نے اپنی کزن نادیہ کو میرے بارے میں کچھ بتا دیا تھا۔ نادیہ جے پور کے حوالے سے مجھ سے گفتگو کر چکی تھی اور متعدد بار اس نے مجھے وجدان کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

یہ خیالات بجلی کی سی سرعت سے میرے ذہن سے گزرے اور میں نے ڈی ایس پی اورنگ زیب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''میں اس ہوٹل میں اپنے ایک پرانے شناسا سے ملنے گیا تھا۔ اس کے رشتے دار کراچی میں رہتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے کچھ پیغامات اور تحائف بھیجے تھے۔ وہ اس تک پہنچانا ضروری تھے، مجھے یہ جھوٹ بولتے ہوئے ندامت کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا، بعد میں کسی مناسب موقع پر میں ڈی ایس پی کے سامنے اس کی وضاحت پیش کر دوں گا۔

اس نے پوچھا ''لاہور میں کتنے دن کا قیام ہے اور کہاں ٹھہرو گے؟''

''یہاں گلبرگ میں میرے ایک دوست رہتے ہیں۔'' میں نے فوری طور پر جان چھڑانے کے لیے فرید پاشا کا حوالہ دے دیا ''وہ درحقیقت میرے والد کے دوست ہیں اور ایک فلم پروڈیوسر ہیں۔ آپ نے شاید ان کا نام سنا ہو؟'' پھر میں نے فرید پاشا کا نام لے دیا۔

ڈی ایس پی نے کہا ''سوری مسٹر وجیہ! مجھے فلم اور فلم والوں سے زیادہ دلچسپی نہیں اس لیے پروڈیوسر فرید پاشا کے بارے میں نہیں جانتا۔''

میں نے کہا ''میں فرید پاشا کے پاس ہفتہ بھر ٹھہروں گا۔ مجھے فلم کی شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق ہے پھر فرید پاشا کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے ہے۔ میں اس کے گاؤں جا کر دیہاتی زندگی کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔'' ڈی ایس پی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''لاہور میں تمہیں کوئی مسئلہ ہو یا کبھی میری مدد کی ضرورت پیش آئے تو کسی قسم کا تکلف یا مظاہرہ نہیں کرنا۔''

میں نے کہا ''ٹھیک ہے جناب! اگر ایسا کوئی موقع آیا

میں آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔''

''بھئی! آج تم نے ان بچیوں کی مدد کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔'' اس نے کہا ''میں تمہارے اس سلوک کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

میں نے کہا ''جناب! میں نے ان کی کیا مدد کی ہے۔ یہ سارا کریڈٹ تو صدف کو جاتا ہے۔ اس نے جمناسٹک اور مارشل آرٹس کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ میں دنگ رہ گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا، یہ اتنی بڑی مارشل آرٹسٹ ہو گی۔'' میں نے بات کے اختتام پر تحقیقی حیرت سے صدف کی طرف دیکھا۔

''تم اس کے کلاس فیلو ہو اور تمہیں اس کی اس صلاحیت کی خبر نہیں؟'' ڈی ایس پی نے مجھ سے پوچھا۔

''اس نے کبھی اپنی اس جنگجویانہ صلاحیت کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔'' میں نے اپنی کہی ہوئی بات کو نبھاتے ہوئے کہا ''میں کیا، کلاس میں کسی اور کو بھی یہ بات معلوم نہیں۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا ''مجھے بھی صرف اتنا پتا ہے، صدف نے کچھ جوڈو کراٹے اور سیلف ڈیفنس سیکھ رکھا ہے۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے کبھی عملی مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے کارناموں کا تذکرہ سننے میں آیا۔ آج یہ پہلا موقع ہے۔''

اسی نوعیت کی گفتگو کرتے ہوئے ہم چائنا چوک کے نزدیک واقع ڈی ایس پی اورنگ زیب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈی ایس پی نے کہا۔ وہ مجھ سے مخاطب تھا۔

''مجھے چند ضروری کام نمٹانا ہیں اس لیے دو تین گھنٹوں کے لیے جاؤں گا۔ انشاءاللہ ڈنر پر پھر ملاقات ہو گی'' پھر وہ صدف اور نادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''آپ لوگوں کو کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ میں لالہ بشیر کے بیٹے سکندر ہی کے سلسلے میں کوئی مناسب بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔ جب تک سانپ کا زہر نہ نکال لیا جائے، اس کی طرف سے ڈسنے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ میں پہلی فرصت میں اس موذی کے دانت توڑ دینا چاہتا ہوں۔''

ڈی ایس پی رخصت ہو گیا تو موقع ملتے ہی میں نے صدف کو گھیر لیا۔ اس گھر میں ڈی ایس پی اورنگ زیب خان، اس کی بیوی شائستہ بیگم، نادیہ، نادیہ کی نانی زہرہ بیگم کے علاوہ صرف ملازمین تھے۔ زہرہ بیگم ستر سے متجاوز تھی، زہرہ بیگم کو اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ بلڈ پریشر اور شوگر کی مریضہ تھی اور اس قسم کی خبروں سے انہیں دور رکھا جاتا تھا۔ شائستہ بیگم اپنی بیٹی نادیہ کے ساتھ باتیں کرنے لگی

چنانچہ مجھے تنہائی میں صدف سے بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

''تم نے وہ کیا حماقت کی تھی؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

وہ چونک کر بولی ''کون سی حماقت؟''

''ایک پولیس آفیسر سب انسپکٹر اور لالہ بشیر کے تلنگے بیٹے کے سامنے میرا تعارف کروانے کی کیا ضرورت تھی۔ تم نے مجھے وجدان کی حیثیت سے متعارف کروا ڈالا!''

وہ جلدی سے بولی ''میں جوش میں آ گئی تھی۔ سچ کہتے ہیں، جوش میں ہوش نہیں رہتا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال، سوری۔''

''کس کس بات کی سوری کرو گی؟'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کیوں؟ کیا اور کوئی غلطی بھی ہو گئی؟''

''تم نے ڈی ایس پی صاحب کو میرے بارے میں کیا الٹی سیدھی کہانی سنا ڈالی۔ مجھے اپنا کلاس فیلو بتا کر تم نے میرے لیے مشکلات کھڑی کر دیں۔''

میں نے کہا ''اپنوں سے جھوٹ اور غیروں سے سچ بولنا کہاں کا دستور ہے۔ تمہیں دوست اور دشمن کا فرق نہیں معلوم؟''

وہ بڑی رسان سے بولی ''اگر میں ماموں کو تمہاری ہسٹری سنانے کے بعد اپنا ''عزم'' ظاہر کرتی تو وہ کبھی بھی مجھے اس کی اجازت نہ دیتے بلکہ وہ الٹا ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑ جاتے۔ تم جانتے ہو، وہ پولیس والے ہیں اور تم جیسی ہنگامہ خیز اور ولولہ انگیز شخصیت ان کے لیے گہری دلچسپی کا باعث ہوتی، تمہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتی اور جہاں تک وجدان کی حیثیت سے تمہارے تعاون کی بات ہے تو میں اس کے لیے سوری کر چکی ہوں لہٰذا زیادہ بگڑنے کی ضرورت نہیں!''

اس کی باتوں میں وزن تھا۔ وہ دوٹوک اور جارحانہ انداز میں بات کرتی تھی۔ ایسی مدلل باتوں کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بوجھل سانس خارج کی تو اس نے داشگاف الفاظ میں کہا۔

''وجدان! ایک بات کو اپنے ذہن میں نقش کر لو اور وہ یہ کہ مجھے دوست اور دشمن کی خوب پہچان ہے۔ غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اور وہ کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟''

اس بارے میں، میں نے اپنا کوئی خیال ظاہر کرنے کے بجائے اس سے پوچھا ''نادیہ کی باتوں سے میں نے محسوس کیا ہے کہ تم اسے میرے بارے میں بڑی تفصیل سے بتا چکی ہو۔

اگر اس نے اپنے ڈیڈی کو میری اصلیت سے آگاہ کر دیا تو تمہیں اپنے ماموں کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' وہ یقین سے بولی ''نادیہ میری کزن ہی نہیں بلکہ ایک رازدار گہری دوست بھی ہے۔ ہم ایک دوسرے سے ہر قسم کی بات شیئر کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے، وہ تمہارے سلسلے میں احتیاط برتے گی۔ بہرحال، میں اسے خاص طور پر سمجھا دوں گی۔''

میں نے ڈی ایس پی کی فیملی کو خاصا آزاد خیال اور مارڈن پایا۔ صدف کی بے باکی میں پہلے ہی مشاہدہ کر چکا تھا۔ یہ بے باکی اور آزاد خیالی درحقیقت ایک اعتماد تھا۔ جو ان لوگوں کو اپنی ذات پر تھا۔ وہ تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت لوگ تھے۔ علم، دولت اور اختیار انسان کو بے پناہ اعتماد بخشتا ہے اور یہ تینوں خوبیاں اس فیملی میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ صدف کے سامنے ''وجدان اور وجیہ'' کا مسئلہ اٹھانا فضول ہے۔ اب تک کا تجربہ یہی تھا کہ اس نے میری کسی وضاحت کو مان کر نہیں دیا ہے۔ ویسے وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس پر بھروسا کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں تھی لہٰذا میں نے اسے اور اس کی سوچ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ آگے جو ہوتا، میں اسے بھی بھگت ہی لیتا!

مجھے خاموش پا کر اس نے کہا ''کیا سوچ رہے ہو؟ ایک دم سنجیدہ کیوں ہو گئے؟''

''میں سنجیدگی سے تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں؟'' میں نے کہا۔

''میرے بارے میں کون سی بات تمہیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے؟''

''تمہارا مارشل آرٹس اور فائٹ کا انداز۔''

''اوہ۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے ''یہ کوئی خاص بات نہیں۔''

''تم تو چھپی رستم نکلی ہو!'' میں نے کہا ''کیا تم ہمیشہ ایسے ہی اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہو؟''

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''نہیں، اس کا موقع کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔ اب تو میں ان فنون کو بھولتی جا رہی ہوں۔ کافی عرصے سے باقاعدہ ایکسرسائز نہیں کی۔''

''ایکسرسائز نہ کرنے پر یہ عالم ہے!'' میں نے سراہنے والے انداز میں مسکرا کر کہا۔

وہ بولی ''میں نے آٹھویں کلاس میں ایک کراٹے کلب جوائن کیا تھا۔ انٹرنس تک یہ شوق بڑے ذوق سے جاری رہا۔ جوڈو کراٹے کے ساتھ ساتھ میں نے جمناسٹک بھی سیکھا ہے مگر میڈیکل کالج میں جانے کے بعد سب شوق ایک طرف رکھے رہ گئے۔ میڈیکل میں اتنا اسٹڈی کرنا پڑتا ہے کہ سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی، شوق کیسے پورے کیے جائیں اور پھر مارشل آرٹس یا کوئی بھی اسپورٹس ایک فل ٹائم جاب ہے۔ اسے لولا لنگڑا اور پارٹ ٹائم جاری رکھنے میں مزہ نہیں آتا۔ میرا یہ شوق بھی مجھ سے چھن گیا۔ بس کبھی کبھار ہاتھ پاؤں سیدھا کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔''

اس وقت وہ نہایت ہی سنجیدگی اور مدبرانہ انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا، وہ پہلے والی ایک چلبلی لڑکی ہے۔ اس کا سارا لاابالی پن رخصت ہو چکا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مارشل آرٹس سے اسے دلی لگاؤ رہا تھا۔ مارشل آرٹس ایسی ہی شے ہے۔ پوری توجہ، لگاؤ اور انوالومنٹ مانگتا ہے۔ یہ شوقیہ فنکاروں کے قابو میں آنے والے جن نہیں! صدف اپنی پستہ قامتی کے باوجود بھی دور مار ایکٹ کرتی تھی۔

میں نے صدف کے چٹکی لیتے ہوئے کہا ''تم نے بتایا تھا، میڈیکل میں تمہیں زبردستی دھکیلا گیا ہے اور یہ کہ پڑھائی میں تمہارا کوئی خاص دل نہیں لگتا۔ تمہیں خود معلوم نہیں کہ ہر سال کس طرح پاس ہو جاتی ہو۔'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اس صورت میں تو تمہارے پاس وقت کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ تم جی جان سے مارشل آرٹس اور جمناسٹک کی پریکٹس جاری رکھ سکتی ہو۔''

''سب کہنے کی باتیں ہیں۔'' وہ خلا میں دیکھتے ہوئے بولی ''میڈیکل میں چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ پڑھو، آگے بڑھنے کے لیے اتنا وقت دینا ہی پڑتا ہے کہ کسی اور چونچلے کی گنجائش نکالنا ممکن نہیں رہتا بہرحال۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر خالصتاً امریکی انداز میں کندھے اچکائے اور خاموش ہو گئی۔

''تم نے ووڈ بریکنگ (Wood Breaking) بھی کی ہے؟''

''ہاں کی ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''ووڈ بریکنگ کے ساتھ ساتھ میں نے ٹائل بریکنگ (Tile Breaking) بھی کی ہے مگر تم نے یہ اندازہ کس بات سے لگایا؟''

میں نے کہا ''تم نے جس بے خوفی سے کرسی کو کک مار کر پستول بردار توصیف کی طرف اچھالا تھا میں اس منظر کو بھول نہیں سکتا۔ یہ اعتماد کافی عرصے کی کٹھن محنت اور ریاضت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔''

وہ چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی ''تم تمہارا فائٹنگ اسٹائل بالکل جداگانہ ہے۔ لگتا ہے، تم کسی (Kung-Fu) میں بہت اوپر تک گئے ہو۔ میں تو کراٹے (Karate) میں بلیک بیلٹ سے آگے نہیں بڑھ سکی۔''

''بھی بہت ہے۔'' میں نے کہا ''ایک ڈاکٹر کو شاید ہی زندگی میں کبھی مارشل آرٹس کی ضرورت پیش آتی ہو۔ جب تم تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنا کلینک کھولو گی تو تمہیں یہ سب کچھ قصۂ پارینہ لگے گا۔''

وہ مضبوط لہجے میں بولی ''مگر میں اسے قصۂ ماضی نہیں بننے دوں گی بلکہ اپنے فن کو آگے بڑھاؤں گی۔'' پھر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھڑلے سے پوچھا ''کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرو گے؟''

''میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' میرے لہجے میں بوکھلاہٹ تھی۔

وہ پوری سنجیدگی سے بولی ''تم مجھے کنگ فو اور یوگا کے گُر سکھا سکتے ہو۔ میں تمہیں گرو بنانا چاہتی ہوں۔''

''میں نہ تو کوئی گرو ہوں اور نہ ہی مجھے چیلے چیلیاں پالنے کا شوق ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا ''ایک کو ہاتھ پاؤں چلانا سکھایا تو وہ.....!''

باتوں ہی باتوں میں آپوں آپ میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا اور میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ وہ تو ہر وقت میرے دھیان میں براجمان رہتی تھی۔ میں نے محاورتاً یہ بات کہی ہے، ورنہ ساحل تو میرے دل پر کندہ تھی اور میری روح میں کسی خوش بو کے مانند نفوذ ہو چکی تھی۔ میں اسی کی فضا میں سانس لیتا تھا۔ اس وقت صدف کے سامنے ساحل کا ذکر کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا لیکن میرے اس طرح اچانک خاموش ہو جانے نے اس تجسس کی ماری کو پھڑکا دیا، میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بڑے سنسنی خیز انداز میں پوچھنے لگی۔

''تو وہ..... کیا؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے کہا۔

''کچھ نہ کچھ ضرور ہے وجدان!'' وہ کریدنے والے انداز میں بولی ''شاید تم اپنے کسی شاگرد کے بارے میں بتانے جا رہے تھے جو تمہیں دھوکا دے کر چلا گیا یا چلی گئی!''

اس نے اپنے طور پر تجزیہ کر کے ایک اندازہ قائم کر لیا تھا جو کہ حقیقت سے بہت دور تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''ایسی کوئی بات نہیں صدف۔''

''پھر کیسی بات ہے؟'' اس کی تشویش جاری رہی۔

میں نے کہا ''دراصل بات کرتے کرتے مجھے کچھ یاد آ گیا تھا۔ اس لیے میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔ تم خواہ مخواہ کے نتائج اخذ کر کے اپنی توانائی ضائع نہ کرو۔'' پھر میں نے بات کو گھما دیا اور مزاح کے رنگ میں کہا ''تمہیں اپنی توانائی کی ایک ایک کیلوری بچا کر رکھنا ہے۔ میڈیکل کے فائنل ایگزامز تمہارے سر پر منڈلا رہے ہیں۔''

وہ سمجھ گئی کہ میں دانستہ اسے ٹال رہا ہوں۔ اس نے بھی زیادہ زور نہیں دیا اور خلافِ عادت موضوع گفتگو بدل دیا، سنجیدگی سے بولی۔

''تم نے اپنے والد کے جس پروڈیوسر دوست کا ذکر کیا ہے، اس کہانی میں کس حد تک سچائی ہے؟''

صدف کو میں نے اب تک ایک ضدی اور اولوالعزم لڑکی پایا تھا۔ وہ اپنی ہٹ سے ہٹنے والی نہیں تھی۔ اس نے اگر موضوع بدلا تھا تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا، اس میں کوئی بڑی تبدیلی واقع ہو رہی تھی یا پھر یہ بھی اس کی کوئی چال تھی، وہ مجھے کسی اور زاویے سے گھیرنا چاہتی تھی۔

میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''فرید پاشا واقعی ایک فلم پروڈیوسر ہے اور اس کی شاندار کوٹھی یہاں گلبرگ میں واقع ہے۔''

''اور تم اس کے پاس ہفتہ بھر رکو گے؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولی ''اسٹوڈیو جا کر فلموں کی شوٹنگ دیکھو گے اور ازاں بعد اس کے گاؤں جا کر دیہاتی زندگی کا نظارہ بھی کرو گے؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

''فرض کرو۔'' وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولی ''اگر یہی دونوں شوق مجھے بھی شدت سے ہوں تو تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گے!''

''میں فرض نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا ''یہ میچ نہیں ہے کہ میں ''ایکس'' وغیرہ سے کام چلاتا رہوں۔''

وہ جھٹ سے بولی ''چلو فرض نہ کرو۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں، یہ حقیقت ہے۔ اب بولو؟''

وہ میرا سایہ بننے پر تلی ہوئی تھی۔ میں نے کہا ''تم مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتی ہو؟''

''میں آٹھ دس دن لاہور ہی میں ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''ایک آدھ دن کے لیے مجھے بھی اپنی کمپنی دے دو۔ اسی بہانے میں فلم اسٹوڈیو اور دیہاتی زندگی کو دیکھ لوں گی۔'' اس نے ذرا رک کر روا چڑھاتے ہوئے کہا ''تم تو جانتے ہی ہو، ماموں کو فلموں اور فلم انڈسٹری سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہیں اور اپنی پیشہ ورانہ زندگی سے وہ اتنا وقت نہیں نکال سکتے کہ مجھے گاؤں دیہات گھماتے پھریں۔ ابھی تو میں اتفاق سے لاہور آئی ہوئی ہوں۔ پتا نہیں پھر کب گھر سے نکلنا ہو!''

اس کے بعد وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی ''ویسے بھی بقول تمہارے میرے سرپرمیڈیکل کا فائنل منڈلا رہا ہے!''

اگر میں اس سے یہ کہتا کہ تمہارے ڈی ایس پی ماموں کے ایک اشارے پر درجن بھر افراد تمہاری یہ خواہش پوری کرنے کے لیے دن رات ایک کر سکتے ہیں تو بحث کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا اور میں کھلے ہوئے دروازوں کو بند کرنے کے موڈ میں تھا۔ ڈنر میں چونکہ اچھا خاصا وقت باقی تھا اس لیے میں وقت گزاری کے لیے صرف صدف سے بات چیت کر رہا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اسے خود پر سوار کر لوں۔ صدف کے عزائم کچھ اسی نوعیت کے دکھائی دیتے تھے۔

میں نے کہا ''دیکھو صدف! میں اس حوالے سے کوئی حتمی بات نہیں کر سکتا۔ میں پہلے فرید پاشا سے پوچھ لوں پھر تمہیں بتاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ مفاہمانہ انداز میں بولی پھر پوچھا ''فرید پاشا کی کوٹھی گلبرگ میں کس طرف ہے؟''

میں اس کے تیور بھانپ گیا اور کہا ''کوٹھی کا پتا معلوم کرنے کے بعد تم وہاں کا فون نمبر جاننا چاہو گی اس لیے.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنی جیب میں سے ایک تہ شدہ کاغذ نکالا اور اسے کھول کر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''.....نوٹ کر لو دونوں چیزیں۔ فرید پاشا کی کوٹھی کا ایڈریس اور فون نمبر۔ وہ ایک مشہور و معروف فلم پروڈیوسر ہے۔ تم پوچھتے پاچھتے بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہو!''

وہ اس کاغذ پر ایک بھرپور گہری نظر ڈالنے کی بعد بولی ''اس کی ضرورت نہیں۔ تم خود فرید پاشا سے بات کر کے مجھے فون نمبر بتا دینا۔ میں نے تمہیں ماموں کی کوٹھی کا فون نمبر صبح ہی لکھوا دیا تھا۔''

میں سمجھ گیا، وہ کاغذ کے مندرجات کو ذہن میں نقش کر چکی تھی۔ صرف مجھے مطمئن کرنے کے لیے بے اعتنائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ میں اس کی چالوں کو سمجھنے لگا تھا۔

میں نے اسی کے انداز میں کہا ''جیسے تمہاری مرضی!''

پھر نادیہ بھی وہیں چلی آئی اور ہمارے درمیان ریسٹورنٹ میں پیش آنے والے واقعے پر تبادلۂ خیالات ہونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا ''میں ایک دو فون کرنا چاہتا ہوں۔ کیا یہاں سے یہ ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں۔'' نادیہ جلدی سے بولی۔

پھر وہ مجھے ایک ایسے کمرے میں لے آئی جو اپنی وضع قطع اور فرنیچنگ کے اعتبار سے بیڈروم نظر آ رہا تھا۔ اس کے بیڈ سائیڈ پر رکھے ہوئے ایک انڈر گراؤنڈ ٹیلی فون سیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم اطمینان سے یہاں بیٹھ کر فون کر سکتے ہو۔ ضرورت محسوس کرو تو بیڈروم کا دروازہ بھی بند کر لو۔''

''تھینک یو۔'' میں نے شائستگی سے کہا ''تم جاتے ہوئے خود ہی دروازہ بند کر دو ورنہ تمہاری کزن کو اچانک کچھ آ گیا تو وہ وجیہ نمبر کی بس پکڑ کر وجدان نام کے اسٹاپ پر جائے گی۔

وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی اور بولی ''صدف کریزی ہے، ایک دم پاگل..... اور تم گریزی ہو، ایک دم محتاط!''

پھر وہ دروازہ بند کر کے بیڈروم سے نکل گئی۔ نادیہ ابھی جس ذہانت اور حاضر دماغی کا ثبوت دیا تھا اس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس نے اردو اور انگلش کو خوبصورتی سے ہم آہنگ کیا تھا۔ کریزی اور گریزی کا استعمال مجھے لطف دے گیا۔

نادیہ کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ قد ساڑھے پانچ فٹ تھا۔ موزوں قامت اور متناسب اعضا نے اس کی شخصیت کو نکھار دیا تھا۔ اس پر بڑی بڑی آنکھیں اسے دلکش اور جاذب نظر بنانے کے لیے ہر وقت چہرے پر موجود تھیں۔ نادیہ کے دائیں گال پر، ہونٹوں سے تھوڑا دور مسور کے برابر گہرے بھورے رنگ کا ایک تل بھی تھا، وہ مقناطیس سے کم پرکشش نہیں تھا۔

میں نے نادیہ کے بارے میں سوچتے ہوئے فرید پاشا کا نمبر ڈائل کیا۔ اس وقت رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ گھر پر ہوگا۔ شوبز نس کے لوگ سرِشام گھروں سے نکل جاتے ہیں اور رات گئے تک ان کی واپسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض اوقات تو وہ دوسری صبح ہی لوٹتے ہیں۔ فلم اسٹوڈیو ایک ایسی نگری ہے جہاں کے دن سونے اور راتیں جاگتی ہیں!

دوسری گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا گیا۔ میں نے اپنا تعارف کروانے کے بعد فرید پاشا کے بارے میں استفسار کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دوسری طرف فرید پاشا موجود تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے خوش دلی سے کہا۔

''یار! تم لوگ کراچی والے بڑا انتظار کرواتے ہو۔ منہاس نے صبح فون کر کے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور تم اب رابطہ کر رہے ہو۔ میں تو تمہاری خاطر آج اسٹوڈیو بھی نہیں گیا۔ گھر میں جما بیٹھا ہوں۔ منہاس نے تمہارا تعارف کچھ اس انداز سے کرایا ہے کہ تم سے ملنے اور تم سے

دیکھنے کو بے چین ہو گیا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟''

فرید پاشا کے انداز اور لب و لہجے میں زندہ دلی اور دوستانہ پن پایا جاتا تھا۔ میں نے کہا ''پاشا صاحب! اس انتظار اور کوفت کے لیے میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں، بس میں پے در پے اپنے مسائل میں الجھتا چلا گیا کہ آپ سے رابطہ کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔''

''اس معذرت و عذرت کی ضرورت نہیں یار۔'' وہ بڑی محبت سے بولا ''تم منہاس کے بھیجے ہوئے ہو اس لیے ہماری آنکھوں کے تارے ہو۔ سارے مسائل کو لپیٹو اور اپنے ساتھ لے کر فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ میں ان مسائل کو خود حل کر لوں گا۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا ''ٹھہرو! تمہیں اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے لیے گاڑی بھیج رہا ہوں۔ تم مجھے اپنا پتا بتاؤ۔''

میں نے کہا ''میں اس وقت چائنا چوک، شادمان کالونی کی ایک کوٹھی میں ہوں۔'' پھر میں نے کوٹھی کا نمبر دہراتے ہوئے کہا ''یہاں ڈی ایس پی ٹریفک اور مگ زیب خان کی رہائش ہے مگر میں فوری طور پر آپ کے پاس نہیں آ سکتا۔''

''اس کی وجہ؟'' وہ جلدی سے بولا ''کیا وہاں بھی تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ درپیش ہے؟ چائنا چوک گلبرگ سے زیادہ دور نہیں۔ میں فوراً وہاں پہنچ سکتا ہوں۔''

میں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا ''کوئی مسئلہ نہیں پاشا صاحب! میں اس وقت اپنے خیر خواہوں کے درمیان ہوں۔ بات اتنی سی ہے کہ میں میزبان کی خواہش پر ڈنر کے بعد یہاں سے رخصت ہو سکوں گا۔ لگ بھگ دس بجے رات۔''

''دس بجنے میں تو ابھی پورے دو گھنٹے باقی ہیں۔'' فرید پاشا نے کہا ''ٹھیک ہے، تم وہاں ضرور ڈنر کرو مگر تمہیں میرے ساتھ بھی ڈنر کرنا ہوگا، یہ بات ذہن میں رکھنا۔'' پھر اس نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا ''تم درحقیقت میرے مہمان ہو۔ ڈی ایس پی صاحب تو تمہیں درمیان سے لے اڑے۔ میرے پاس صبح ہی سے تمہاری ایڈوانس بکنگ ہو چکی ہے۔''

وہ فلم انڈسٹری سے وابستہ ہونے کے ناتے سنیما انڈسٹری کی ٹرمز (Terms) بڑے فراٹے سے استعمال کر رہا تھا۔ زندہ دلانِ لاہور کے بارے میں، میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ میں نے بھی جواباً خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے پاشا صاحب! میں اپنے معدے میں گنجائش رکھوں گا۔''

''شاباش!'' اس نے حوصلہ افزا لہجے میں کہا ''میں ٹھیک دس بجے تمہیں لانے کے لیے گاڑی بھیج دوں گا۔''

فرید پاشا سے رابطہ ختم کرنے کے بعد میں نے منہاس باقر کے نمبر ڈائل کیے۔ حال احوال کے بعد میں نے اس سے جہانگیر کے بارے میں پوچھا ''سی ایف کے کے ڈال سے ٹوٹا ہوا یہ بات آپ تک پہنچ گیا منہاس صاحب؟''

اس کے جواب نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ''نہیں وجدان! تا حال جہانگیر کی کوئی خبر نہیں۔''

''اس کا ایک ہی مطلب ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا ''وہ شکار ہو گیا۔''

''میں تمہارے ہی انداز میں سوچ رہا ہوں۔'' منہاس نے کہا ''جہانگیر یا تو اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا یا پھر سی ایف کے والوں کے ہتھے چڑھ کر کسی عقوبت خانے میں پہنچ گیا ہے۔ فواد کی پراسرار روپوشی نے کوئی نہ کوئی رنگ تو دکھانا ہی تھا۔''

میں نے کہا ''فی الحال جہانگیر کے قصے کو پس پشت ڈال کر ہم تازہ ترین صورتِ حال پر بات کرتے ہیں۔''

''کیا کوئی نئی بات ہو گئی؟'' منہاس نے پوچھا ''تم فرید پاشا کے پاس پہنچ گئے یا.....''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میں آپ کے دوست کے پاس پہنچنے ہی والا ہوں اس سلسلے میں تو آپ بے فکر ہو جائیں۔ آپ اپنی تمام تر توجہ سی ایف کے اور شعیب خوری پر مرکوز کر دیں۔''

''یہ بات تو تم پہلے بھی کہہ چکے ہو اور میں نے اس سلسلے میں کوششیں شروع بھی کر دی ہیں۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا ''مگر تمہاری آواز سے لگتا ہے، صورتِ حال نے اچانک کوئی نئی کروٹ لے لی ہے۔''

میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ''ایسی ہی بات ہے منہاس صاحب۔ دوپہر میں آپ سے فون پر بات کرنے کے بعد شعیب خوری سے بھی میں نے رابطہ کیا تھا..... بلکہ یوں کہیں، شعیب نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے مجھے ہوٹل فون کیا تھا۔ مذکورہ ہوٹل کی بکنگ اسی کے توسط سے ہوئی تھی اس لیے رابطہ کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ شعیب سے ہونے والی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ میری طرف سے نہ صرف محتاط ہو گیا ہے بلکہ فوری طور پر مجھے اپنے قابو میں بھی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے فوراً کراچی بلایا ہے۔''

پھر میں نے منہاس باقر کو شعیب خوری کی ان عجلت

پروازیوں کے بارے میں تفصیل سے بتایا جو میرے ٹکٹ اور ڈارلنگ کی بکنگ کے سلسلے میں اس کے کھاتے میں آئی تھیں پوری بات سننے کے بعد منہاس نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو وجدان۔ تم نے شعیب کو بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ وہ تمہاری طرف سے بری طرح ہراساں اور محتاط ہوگیا ہے اور اسی بوکھلاہٹ میں اس سے اس نوعیت کی سنگین غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رکا پھر حیرت آمیز لہجے میں بولا ''اس نے تمہیں کراچی کیوں بلایا ہے؟''

''تاکہ مجھے ساحل سے ملوا سکے۔''

''مگر.....'' منہاس کچھ کہتے کہتے رکا پھر بولا ''وجدان! تمہاری ساحل کو تو اغوا کے بعد تمہارے ایک دشمن دیرینہ چوہدری نوازش علی کے پاس پہنچایا جانے والا تھا جس کی بازیابی کے لیے تم نے کراچی سے لاہور تک کا سفر کیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''پھر شعیب غوری کی بات کیا معنی رکھتی ہے؟''

''جھانسا معنی!'' میں نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

وہ میری بات کی تہ میں پہنچتے ہوئے بولا ''اوہ! وہ تمہیں دھوکے سے کراچی بلانا چاہتا ہے!''

''ہاں۔'' میں نے کہا ''تاکہ مجھے اپنی دوستی اور ہمدردی کی بھینٹ چڑھا سکے۔''

منہاس نے پوچھا ''وہ تمہیں کب اور کہاں ساحل سے ملوانے والا ہے؟''

''اس نے مجھے ساؤتھ بلایا ہے۔'' میں نے جواب دیا ''اس کا کہنا ہے، ساحل کو کراچی میں دیکھا گیا ہے۔ میں جیسے ہی اس کے اڈے ساؤتھ پر پہنچوں گا، وہ ساحل کو مجھ تک پہنچا دے گا۔ میں جانتا ہوں، وہ اس گہری سازش کے ذریعے مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے لیکن میں اب اس کے دام میں آنے والا نہیں ہوں۔ ایک بار دھوکا کافی ہے۔ آزمائے ہوئے کو آزمانا حماقت کے زمرے میں آتا ہے اور میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس کی فرمائش پر دوڑا دوڑا کراچی چلا آؤں۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' میری بات کے اختتام پر اس نے استفسار کیا۔

میں نے پرعزم لہجے میں کہا ''میں اپنے مشن کی تکمیل سے پہلے ہرگز کراچی کا رخ نہیں کروں گا۔ اس وقت تک کراچی کے معاملات کو آپ ہی دیکھیں گے۔''

''مجھے فوری طور پر کیا کرنا ہوگا؟'' وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''میں آپ کو سی ایف کے کے ساؤتھ والے ٹھکانے کے بارے میں پوری تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ وہاں کا نظام شعیر کا اسسٹنٹ کبیر شاہ چلاتا ہے جسے ''شاہ جی'' بھی کہا جاتا ہے۔ میں نے ساؤتھ کی لوکیشن اور اس کی اندرونی مکانی کے بارے میں بھی آپ کو بتایا تھا۔ جم براؤن کو گھیر کر کرنے والا پروجیکٹ ساؤتھ ہی کی زیرنگرانی تکمیل تک پہنچ جانے والا تھا جسے ہم نے..... بلکہ آپ نے اپنی حکمت سے ناکامیاب بنا دیا۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''آپ نہایت ہی رازداری سے ساؤتھ کی نگرانی کروائیں اور اگر ممکن ہو سکے تو اس اڈے کے اندرونی حالات سے بھی باخبر ہونے کی کوشش کریں۔ یہ پتا چلانے کے لیے جو بھی چال بچھایا جا رہا ہے اس کا تعلق سلاٹر اور کبیر شاہ سے ہے۔ آپ اپنے کرائم رپورٹر شہزاد علی کو اس کام کی نگرانی سونپ سکتے ہیں۔ وہ خاصا مستعد اور جواں امنگ بندہ ہے۔ مجھے امید ہے، کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ میں دشمن کی چالوں کو اسی پر لوٹانے کا عادی ہوں۔ جب تک شعیب کو میں اپنا دوست سمجھتا تھا، اس کی طرف سے میں آنکھیں بند کر رکھی تھیں لیکن اب میں چار آنکھوں سے اس واچ کر رہا ہوں۔ ممکن ہے، وہ مجھے ٹریپ کرنے کے لیے نقلی ساحل کا سہارا لینے کی کوشش کرے گا!''

''نقلی ساحل!'' منہاس باقر کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''وہ کسی اور لڑکی کو ساحل کے گیٹ اپ اور میک اپ میں سامنے لا سکتا ہے۔'' میں نے کہا ''وہ مجھے اپنے شکنجے کسنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے منہاس صاحب۔ اگر کسی کو ساحل کا چکر چلنے کا امکان ہو تو ایسی لڑکی کی نگرانی کرنے والوں کی نگاہ میں فوراً آ جائے گی۔ آپ نے ساحل کو دیکھ رکھا ہے، شہزاد علی کو اس کے قد کاٹھ اور حلیے کی تفصیل بتا دی جائے گی۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے شعیب کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا ''تھوڑی دیر پہلے تک تو وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ میں کراچی پہنچنے والا ہوں۔ عین ممکن ہے، ائرپورٹ پر بھی اس نے اپنے بندے لگا رکھے ہوں۔ جب میں فلائٹ سے کراچی نہیں پہنچوں گا تو وہ زیادہ شدومد سے تلاش میں لگ جائے گا۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟''

وہ مضبوط لہجے میں بولا ''میں تمہاری بات اور اپنا فرض سمجھ رہا ہوں۔ تم کراچی کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر اپنا مشن پر دھیان دو۔ میں تمہیں بہت جلد سرخ رو ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''انشاء اللہ! آپ کی زبان مبارک ثابت ہوگی۔''

''میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔'' وہ دل کی گہرائی سے بولا۔

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا ''منہاس صاحب! آپ نے اپنے دوست فرید پاشا کو میرے بارے میں کیا پٹی پڑھا دی ہے کہ وہ مجھ سے ملنے کا مشتاق ہو گیا ہے؟''

''وہ کچھ کہہ رہا تھا؟'' منہاس نے سرسری انداز میں کہا۔

''ابھی تو صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ شدت سے میرا انتظار کر رہا ہے۔'' میں نے کہا ''تھوڑی دیر پہلے اس سے فون پر میری بات ہوئی تھی۔ وہاں جاؤں گا تو اس کی بے تابی کی تفصیل معلوم ہوگی۔''

منہاس نے کہا ''میں نے تمہاری صلاحیتوں کی تھوڑی تعریف اس سے کر دی تھی اور بس۔ یا پھر یہ کہا تھا کہ تم ایک بنے بنائے ہیرو ہو۔''

''مروا دیا منہاس صاحب!'' بے ساختہ میرے ہونٹوں سے یہ جملہ ادا ہوا۔

اس نے کہا ''فرید پاشا ایک کامیاب فلم پروڈیوسر ہے اور.....اور میں نے کوئی تمہاری جھوٹی تعریف بھی نہیں کی۔''

اب میں منہاس باقر کو کیا بتاتا کہ مجھے فلموں میں کام کرنے کا چنداں..... شوق نہیں ہے۔ میں کسی اور ہی دنیا اور کسی اور ہی راہ کا مسافر ہوں۔ ہر مسافر کی کوئی منزل بھی ہوتی ہے لیکن میں تو ایک ایسا مسافر تھا کہ جس کی منزل کا تعین کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہر منزل میرے لیے کسی نئی منزل کی تلاش کا پیغام لے کر آتی تھی!

چند ضروری باتوں کے بعد میں نے ٹیلی فونک رابطہ ختم کر دیا۔

☆☆☆

فلم پروڈیوسر فرید پاشا کی کوٹھی گلبرگ تھری میں واقع تھی۔ یہ ایک شاندار اور پوش علاقہ تھا۔ فرید پاشا نے حسب وعدہ ٹھیک دس بجے میرے لیے گاڑی بھیج دی تھی جس نے چند منٹ میں مجھے جائنا چوک سے گلبرگ پہنچا دیا۔

ڈی ایس پی اورنگ زیب نے میری شان میں بڑا بھرپور ڈنر دیا تھا۔ نہایت ہی کم وقت میں درجنوں ڈشوں کا بندوبست کر لیا گیا۔ میں نے تقریباً ہر ڈش کو چکھ لیا مگر ہاتھ روک کر یکیں کہ فرید پاشا کی ''دھمکی'' میرے ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ مجھے اس کے ساتھ بھی دوبارہ ڈنر کرنا تھا۔ اورنگ زیب نے نیک خواہشات کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ اس موقع پر نادیہ کی آنکھوں میں تشکرانہ تاثرات تھے جب کہ صدف کے چہرے سے کسی خفیہ دھمکی کا اعلان ہو رہا تھا جیسے کہہ رہی ہو، چھوڑو گی نہیں! میں نے مسکرا کر سب کو الوداع کہا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔

فرید پاشا نے میرا پرتپاک استقبال کیا اور بیرونی گیٹ سے اپنے ساتھ کوٹھی کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ وہ دہری ازدواجی زندگی گزار رہا تھا یعنی اس نے دو شادیاں کر رکھی تھیں۔ ایک شہری بیوی اس کے ساتھ کوٹھی میں رہتی تھی جب کہ پہلی بیوی کی رہائش گاؤں میں تھی۔ وہ دونوں بیویوں سے پوری طرح انصاف کرتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہمارے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم ہو گئی۔ پاشا ایک زندہ دل اور مخلص انسان تھا۔ اس کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھی تاہم صحت کے اعتبار سے وہ تیس سے زیادہ کا نہیں لگ رہا تھا۔ چھے فٹ سے نکلتے ہوئے قد نے اس کی شخصیت کے تاثر کو اور بڑھا دیا تھا۔ اس نے میرے لیے ایک پرتکلف ڈنر کا انتظام کر لیا تھا۔ اس کی ڈائننگ ٹیبل خاصی طویل و عریض تھی۔

میں نے کہا ''پاشا صاحب! میں تو بس آپ کا ساتھ دوں گا۔ کھانا تو آپ ہی کھائیں گے۔ میں وہاں بھی اچھا خاصا کھا کر آیا ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے یار۔'' وہ خوش دلی سے بولا ''وہاں کھا آئے ہو، یہاں بھی کھاؤ۔ شاید تمہیں پتا نہیں.....''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑا اور ایک پلیٹ میں میرے لیے کوئی خاص شے نکالنے لگا پھر بولا ''اللہ نے انسانوں کے لیے جتنی نعمتیں پیدا کی ہیں، معدے میں اتنے ہی خانے بھی بنائے ہیں۔ ہر نعمت کے لیے ایک الگ خانہ موجود ہے اس لیے تھوڑا تھوڑا سب کچھ کھانا چاہیے۔ جو ڈشیں وہاں موجود نہیں تھیں، تم ان کے ساتھ یہاں انصاف کر سکتے ہو۔''

''آپ کا فلسفہ عجیب اور دلچسپ ہے پاشا صاحب۔'' میں نے کہا۔

''اس فلسفے پر عمل کرنے سے یہ اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔'' پاشا نے زور دیتے ہوئے کہا ''آزمائش شرط ہے۔''

ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران میں کھانا چلتا رہا۔ پاشا کی شہری بیوی نائلہ بھی ہمارے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھی۔ اس کی عمر پچیس سے زیادہ نہیں تھی۔ نائلہ نہایت ہی حسین و جمیل اور طرح دار عورت تھی بلکہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی

شادی ہو چکی ہے، تو وہ ایک لڑکی ہی لگتی ہے۔ اس کے بارے میں بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک بنی بنائی ہیروئن ہے لیکن پاشا نے مجھے بتایا ''نائلہ ایک مرتبہ بھی فلم کیمرا کے سامنے نہیں گئی، باقاعدہ شاٹس دینا تو دور کی بات ہے۔''

''پاشا صاحب! یہ تو زیادتی نہیں کیا؟'' میں نے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا ''میں نے بڑی مشکل سے نائلہ کو حاصل کیا ہے۔ اب کیا اسے کیمرے کے حوالے کر دوں!'' پھر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''نہ بابا! نائلہ صرف اور صرف میرے لیے مخصوص ہے۔ اسٹوڈیو کے سیٹ پر جانے کے بعد ہیرو یا ہیروئن، کسی کا کام نہیں رہتا۔ یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا۔ نائلہ گھر کے سیٹ پر ہی سیٹ ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے پایا ہے۔''

نائلہ کو حاصل کرنے والی بات کو اس نے دہرایا تھا، میں پوچھے بنا نہ رہ سکا ''پاشا صاحب! آپ نے ان کو کہاں سے حاصل کیا ہے؟'' بات ختم کرتے ہی میں نے کن انکھیوں سے نائلہ کی جانب دیکھا۔ وہ خاصی جز بز ہو رہی تھی۔ اس کیفیت میں اس کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔

''بہت لمبی اور سنسنی خیز داستان ہے۔'' وہ خیال انگیز لہجے میں بولا ''فرصت میں بیٹھ کر سناؤں گا یار۔ ایسے جلدی میں کیا خاک مزہ آئے گا۔''

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ نائلہ نے اس دور میں اس حد تک ہمارا ساتھ دیا کہ چائے کی پیالی خالی ہونے تک وہاں بیٹھی رہی۔ جیسے ہی اس نے پیالی میز پر رکھی، پاشا نے کہا۔

''نائلہ تم جا کر آرام کرو۔'' پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''یار! آج صبح ہی سے اس کے سر میں درد ہے۔''

''کیا اس درد کی وجہ یہ تو نہیں کہ آج آپ گھر پر ہیں؟'' میں نے مذاق کے رنگ میں کہا۔

میرے اس مذاق کو دونوں نے انجوائے کیا، خاص طور پر نائلہ کا چہرہ میری بات سنتے ہی مسکرا اٹھا تھا۔ جس سے پتا چلا، اس کا ذوق بھی اعلیٰ ہے۔

فرید پاشا مجھے ایک عالی شان بیڈروم میں لے آیا۔ مذکورہ بیڈروم کوٹھی کی بالائی منزل پر واقع تھا۔ اس کمرے کی کھڑکیاں باہر کو کھلتی تھیں اور کوٹھی کا سامنے والا حصہ دور دور تک نظر آتا تھا۔ ڈارلنگ بھی میرے ساتھ بالائی منزل پر پہنچ گئی تھی۔

''تم اس بیڈروم میں آرام کرو گے۔'' فرید پاشا نے کہا ''کل تمہیں پوری کوٹھی کا معائنہ کراؤں گا۔ میں نے یہ کوٹھی بڑے چاؤ سے بنوائی ہے۔ اس کی تکمیل میں کروڑوں روپے اور ایک سال کا عرصہ خرچ ہوا ہے۔''

وہ میرے پاس ایک گھنٹے تک بیٹھا رہا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اصل موضوع پر آ گیا ''یار! یہ باتیں تو چلتی رہیں گی۔'' اس نے کہا ''تم مجھے اپنے مشن کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تاکہ میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو۔''

''آپ کے ذہنی بوجھ کا تعلق میرے مشن سے ہے؟'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ بولا ''ہاں یار! منہاس نے تمہارے بارے میں مجھے اتنی تاکیدیں کی ہیں کہ میں ذہن پر دباؤ محسوس کر رہا ہوں۔ جب تک میں تمہارے کام نہیں آ جاؤں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ منہاس باقر نے مجھے بہت کم کام کہے ہوں گے۔ اور اتنی تاکید پہلے کبھی نہیں کی۔ لگتا ہے، تم کسی خاص اہم مشن پر ہو!''

''آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا ہے پاشا صاحب!'' میں نے کہا ''میرا مشن واقعی بہت خاص ہے۔ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو سمجھ لوں گا، میں نے زندگی میں سب کچھ پا لیا۔'' ساحل کے تصور نے میری آواز کو خاصا رنجیدہ کر دیا۔

فرید پاشا ایک مردم شناس شخص تھا، میرے چہرے کے تاثرات اور آواز کے بوجھل پن سے اس نے بھانپ لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے، رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''مجھے تو کوئی دل کا معاملہ معلوم ہوتا ہے؟''

''ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں فرید پاشا مجھے اپنا اپنا سا محسوس ہونے لگا تھا۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پل بھر میں دل میں اتر جاتے ہیں۔ پاشا کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ منہاس کا گہرا دوست تھا اور منہاس سے ساحل والے واقعے اور معاملے سے پوری طرح آگاہ تھا اس لیے فرید پاشا سے کوئی بات چھپانا مناسب نہیں تھا۔ وہ اس مشن میں میرا معاون بھی بننے والا تھا اس کے استفسار پر میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے چوہدری نوازش علی سے اپنی دشمنی اور ساحل سے گہری وابستگی کے بارے میں بتایا اور یہ کہ ساحل کراچی سے اغوا کر کے نوازش علی کے پاس رکھاں والی پہنچا گیا ہے۔ میں نے اسے حاصل کرنے کے لیے ہی ادھر کا رخ کیا ہے..... وغیرہ وغیرہ۔ شعیب خوری کا تذکرہ میں نے دانستہ گول کر دیا تھا۔

پوری بات توجہ سے سننے کے بعد اس نے کہا ''میں چوہدری نوازش علی اور رکھاں والی سے بخوبی واقف ہوں رجدان۔ میرا گاؤں رکھاں والی سے صرف پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے بلکہ یوں سمجھو کہ اگر لاہور سے جائیں تو ہمارے گاؤں سیدپور سے گزر کر رکھاں والی جانا پڑتا ہے۔ ہمارا گاؤں راستے میں پڑتا ہے۔''

پھر اس نے مجھے چوہدری نوازش علی کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں جن میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ چوہدری نوازش سے ان لوگوں کی ہلکی پھلکی دشمنی چلتی رہتی تھی۔ فرید پاشا کا باپ پرانا سیاست داں تھا اور چوہدری نوازش کا پس منظر بھی سیاسی تھا۔ وہ دونوں آپس میں حریف بھی تھے کیوں کہ وہ دو مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھتے تھے۔

''یار! تم مجھے صرف ایک دن کی مہلت دے دو۔'' فرید پاشا دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا ''میں کل شام سے پہلے پہلے تمہاری تمام مطلوبہ اور تازہ ترین معلومات حاصل کر لیتا ہوں۔ پہلے پتا لگایا جائے کہ تمہاری ساتھی رکھاں والی پہنچی بھی ہے یا نہیں۔ اگر وہ چوہدری نوازش کی حویلی میں پہنچ چکی ہے تو پھر باقاعدہ پلاننگ کر کے اسے وہاں سے نکالنا ہوگا۔ جلد بازی میں اٹھایا ہوا کوئی قدم ہمارے لیے بھی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' وہ تھوڑی دیر رک کر بولا ''اور تمہاری ساحل کے لیے بھی!''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں ساحل کے معاملے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔'' میں نے دل کی گہرائی سے کہا۔ ''وہ میرے لیے بہت قیمتی ہے، میری جان سے بھی زیادہ۔''

وہ پرسوچ انداز میں بولا ''میں ابھی نوید کو فون کرتا ہوں۔ نوید پاشا میرا چھوٹا بھائی ہے اور آئندہ الیکشن میں کھڑا ہونے والا ہے۔ سیاست میں رہتے ہوئے آنکھیں، کان اور زبان تینوں کو کھلا رکھنا پڑتا ہے۔ مجھے تو اس شعبے سے زیادہ دلچسپی نہیں مگر نوید اباجی کا سچا جانشین ثابت ہو رہا ہے۔ اس نے بہت ہی کم عرصے میں بہت زیادہ سیاسی ترقی کر لی ہے اسی لیے اباجی اب پس پردہ رہ کر نوید کے ذریعے چوہدری نوازش علی کو پٹخنا چاہتے ہیں۔ اس وقت چوہدری نوازش علی کی پارٹی کی گورنمنٹ ہے یعنی ان کی پارٹی کی حکومت ہے لیکن عوام میں سیاسی بیداری بڑھ رہی ہے اور ہوا کا رخ تبدیل ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ آنے والے الیکشن میں چوہدری کو ہار کا منہ دیکھنا

کیا

آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کی اہمیت کو تسلیم کریں؟

آپ لوگوں سے اپنے احکامات کی تعمیل کروانا چاہتے ہیں؟

ہر انسان میں ایک مقناطیسی قوت ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے۔ اس قوت سے کام لینے کیلئے ٹیلی پیتھی اور ہپناٹزم کی طرح مشقیں نہیں کرنا پڑتیں:

جدید اور سائنٹیفک اصولوں پر مبنی حیرت انگیز کتاب

مقناطیسیت

آپ کی شخصیت میں انوکھا نکھار پیدا کر دیگی
آپ خود میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کرینگے

اس کتاب کا مطالعہ کیجئے
اور اپنے وجود کو ایک بہتر ذات بنا لیجئے!

قیمت 50 روپے ڈاک خرچ 23 روپے

پڑے گا۔ نوید اسے بری طرح شکست دے گا۔''

مجھے سیاست یا سیاست دانوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے خوشی کی بات صرف اتنی ہی تھی کہ میں چوہدری نوازش علی کے مخالف دھڑے سے آملا تھا جو پہلے ہی اس کی طرف سے بہت سا ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اب مجھے چوہدری کا قرض ادا کرتے ہوئے بہت لطف آتا۔ دو قرض دار ایک قرض خواہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑنے والے تھے۔

فرید پاشا کہہ رہا تھا ''میں کل کا دن نوید کو تفتیش و تحقیق کے لیے دے دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے وہ تمہاری ساتھی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلے گا۔ ہمارے کچھ خاص آدمی رکھاں والی میں موجود ہیں، جیسا کہ دنیا کی ہر سیاست میں ہوتا ہے، مخالف کیمپ میں اپنے بندے چھوڑنا پڑتے ہیں تاکہ وہ وہاں کی صورتِ حال سے آگاہ کرتے رہیں، جیسے ہی نوید کو یہ کنفرم ہوا کہ ساحل چوہدری نوازش علی کی حویلی میں موجود ہے، وہ سیدھا یہاں چلا آئے گا پھر تم اس کے ساتھ ''رکھاں والی مشن'' پر روانہ ہو جانا۔ سید پور میں ہماری بہت بڑی حویلی ہے۔ تم وہاں رہتے ہوئے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر لینا۔ نوید تمہارے مشن کے لیے بہت ہی مفید اور معاون ثابت ہوگا۔'' وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو کر میرے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا ''یا اگر تمہارے ذہن میں کوئی اور آئیڈیا ہو تو بتاؤ۔ اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔''

''فی الحال آپ کی تجویز پر عمل کرنا زیادہ موزوں نظر آرہا ہے۔'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''میں بہت سوچ سمجھ کر چوہدری نوازش علی پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے جوش و جذبات میں کوئی قدم اٹھانا ہوتا تو میں لاہور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سیدھا رکھاں والی پہنچ جاتا اور چوہدری کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ چوہدری سے میری دشمنی کوئی سال چھے مہینے سے نہیں ہے، یہ برسوں کا قصہ ہے اور اس دوران میں ہم نے ایک دوسرے کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہم دونوں پول میچ، کوارٹر فائنل اور سیمی فائنل کھیل چکے ہیں۔ اب فائنل کا مرحلہ ہے۔ میں اس فائنل راؤنڈ کو بہت سوچ سمجھ کر کھیلنا چاہتا ہوں اور اس طرح کھیلنا چاہتا ہوں کہ یہ میچ ایک یادگار کی حیثیت حاصل کرلے۔ ہارنے والا اپنے زخم چاٹ کر اسے یاد رکھے اور جیتنے والا شاد یانے بجا کر اس کی یاد کو تازہ کرے۔''

''انشاءاللہ! ایسا ہی ہوگا۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا ''اب تم آرام کرو، کل ملاقات ہوگی۔ میں تمہارے چہرے اور آنکھوں میں تھکن کو واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تم نے ایک خطرناک جماہی بھی لی تھی۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' میں نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''گزشتہ دو روز سے مجھے آرام کا موقع نہیں ملا اور اچھی خاصی نیند بھی جمع ہو چکی ہے پھر آج کے ڈبل ڈنر نے نیند کے خمار میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ میں صبح تک سکون سے سونا چاہتا ہوں۔''

''یہاں تمہیں سکون ہی سکون ملے گا۔ وجدان!'' وہ دوستانہ انداز میں بولا ''منہاس جب بھی لاہور آتا ہے تو میرے پاس ہی ٹھہرتا ہے..... اسی بیڈروم میں اس کا قیام ہوتا ہے۔''

میں نے کہا ''ایک بات تو بتائیں پاشا صاحب! آپ کو میں نے انتہائی زندہ دل اور خوش مزاج پایا ہے، بات بات پر ہنسنے مسکرانے اور قہقہہ اچھالنے والا جب کہ منہاس باتر ایک سنجیدہ اور کسی حد تک خشک مزاج شخص ہے۔ آپ دونوں کی دوستی کس طرح قائم ہے؟ دوستی کے لیے بنیادی شرط ہم مزاج اور ہم خیال ہونا ضروری ہے۔''

''میں تمہاری آدھی بات سے اتفاق کروں گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''یعنی دوستی کے لیے ہم خیال ہونا ہی کافی ہے اور جہاں تک منہاس کے مزاج کا تعلق ہے تو وہ دہری شخصیت بلکہ دہرے مزاج کا بندہ ہے۔ وہ عام طور پر جیسا خشک اور ٹو دی پوائنٹ نظر آتا ہے، بے تکلف دوستوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ مجھ سے وہ میرے ہی انداز میں ملتا ہے۔''

پاشا کی بات میری سمجھ میں آرہی تھی۔ منہاس کو ابتدائی ملاقاتوں میں، میں نے جیسا پایا تھا، اب اس میں خاصا فرق آگیا تھا یا یوں کہہ لیں کہ اب ہمارے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم ہو چکی تھی۔ یہود اور یہودیت کے خلاف سرگرمیوں نے ہمیں بہت قریب کر دیا تھا۔

فرید پاشا نے ڈارلنگ کی جانب اشارہ کیا اور کہا ''تمہاری اس لاڈلی کے لیے مجھے شب بسری کا علیحدہ بندوبست کرنا ہوگا یا.....؟''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تو میں سمجھ گیا، وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''ڈارلنگ میرے ساتھ اسی بیڈروم میں رات گزارے گی۔ کوئی بھی شخص اپنی ڈارلنگ کو خود سے جدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں۔ یہ ہر معاملے میں ''ٹرینڈ'' ہے۔ اس نے کبھی میرے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔''

اس نے بڑی محبت سے ڈارلنگ کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا ''تمہاری ڈارلنگ تمہیں مبارک ہو۔ میں تو اپنی

ڈارلنگ کے پاس جا رہا ہوں۔ شب بخیر!''

''گڈ نائٹ!'' میں نے کہا۔ وہ بیڈروم سے رخصت ہو گیا۔

فرید پاشا کے جاتے ہی ڈارلنگ میرے پاس آگئی۔ میں نے اسے پیار کیا اور گھوم پھر کر بیڈروم کا جائزہ لینے لگا۔ وہ خاصا کشادہ بیڈروم تھا۔ میں نے وہاں موجود ہر شے کو تنقیدی اور تفتیشی نظر سے دیکھا اور مطمئن ہونے کے بعد دروازہ بند کر کے واش روم میں گھس گیا۔ پندرہ منٹ میں، میں لباس تبدیل کر کے فریش اپ ہو چکا تھا۔ اس وقت دیوار گیر کلاک اور میری رسٹ واچ میں سوا ایک بجے تھے یعنی نئے دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ میں بیڈ پر دراز ہوا تو ڈارلنگ میرے پہلو میں آکر لیٹ گئی۔

میں نے اپنے ہاتھوں کے گگنگلس کو اس کے وجود میں اتارنا شروع کیا۔ وہ کسی دلنشین محبوبہ کی مانند مست ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور دھیرے دھیرے اپنے منہ کو میری پسلی پر مساج کے انداز میں رگڑ رہی تھی۔ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اسے پکارا ''ڈارلنگ!''

اس کی بند آنکھوں کے پیچھے سے جواب آیا ''میاؤں!''

''تم میری ڈارلنگ ہو نا!''

''میاؤں۔''

''ڈارلنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کھلتی نہیں۔'' میں نے بدستور اس کے بدن پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''لیکن میں کسی بند شے کے ساتھ بہت بے چینی محسوس کرتا ہوں۔ تم جب سے میری زندگی میں آئی ہو، مجھے تم نے قدم قدم پر حیران کیا ہے۔ یہ مسلسل حیرانی مجھے الجھا رہی ہے، مجھے پریشان کر رہی ہے۔ میں تمہاری حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔ تمہیں کھولنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے، تم کوئی عام بلی نہیں ہو۔ میں تمہارے اسرار کو پانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے یہ موقع بہترین ہے۔ میں آج رات تمہارے اندر اتر کر سب کچھ جان لوں گا..... سب کچھ!''

اس نے شدت سے میرے پہلو میں اپنا منہ رگڑا پھر آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اپنی مخصوص آواز میں بولی ''میاؤں!''

اس کی آواز تو وہی تھی تاہم میں نے اس کی کھلی آنکھوں میں تبدیل شدہ تاثر واضح طور پر نوٹ کیا۔ اس ''میاؤں'' میں ''نہ'' کی کیفیت پائی جاتی تھی، گویا وہ کھلنے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے اس کے وجود میں اضطراب سا محسوس کیا۔ میں بھی اس وقت ضد پر اتر آیا تھا۔ ایسی تنہائی، سکون اور فرصت جانے پھر کب میسر آتی!

''میں کھولوں گا، تمہیں ضرور کھولوں گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بڑی شدت سے ''میاؤں میاؤں'' کرتے ہوئے اپنے چہرے میرے پہلو میں رگڑنے لگی لیکن مجھ پر ایسی ضد سوار ہوئی تھی کہ میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ التجائیں کرتی رہ گئی۔ وہ زبان سے انسانوں کی طرح الفاظ تو ادا نہیں کر سکتی تھی تاہم میں اس کے اعضا کی حرکات و سکنات کو اچھی طرح سمجھنے لگا تھا۔ وہ اس وقت سراپا احتجاج بنی ہوئی تھی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے اپنے سامنے قالین پوش فرش پر رکھ دیا۔ اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے وہاں سے فرار ہونے کا ارادہ رکھتی ہو۔ میں نے سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں اس کے ارادے کو بھانپ لیا پھر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتی، میری آنکھیں اس کی آنکھوں سے چپک گئیں۔

ہم دونوں ساکت نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو اپنے ٹرانس میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چند سیکنڈ تک ہمارے درمیان نظر بازی اور تسخیر کا یہ مقابلہ برابر رہا پھر میں اس پر حاوی آنے لگا۔ اس وقت میں پورے ارتکاز کے ساتھ اپنے کام میں مشغول تھا۔ ''چی'' کی قوت نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میں ڈارلنگ کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے، اپنے ذہن میں اس کے لیے سجیشنز (ترغیبات) بھی تخلیق کرنے لگا۔ یہ سارا کھیل ہی خیالات اور ترغیبات کا ہے۔ اگر خیالات توانا اور ترغیبات مضبوط ہوں تو تسخیر چٹکیوں کا عمل بن کر رہ جاتا ہے، میری

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں
بزرگانِ دین کے ایمان افروز واقعات
روشنی کے مینار
قیمت 150/- روپے
ڈاک خرچ 25/- روپے
مصنف: ضیاء تسنیم بلگرامی
کتابیات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس 23 کراچی نمبر 1

Suggestions (ترغیبات) کام دکھا رہی تھیں۔ میرے ذہن میں تخلیق پانے والے خیالات کی لہریں ڈارلنگ کے دماغ پر اثر انداز ہونے لگیں۔ میں نے خاموشی کی زبان میں سوچا۔

''تمہاری آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں..... تمہیں نیند آ رہی ہے۔''

عام ہپناٹزم میں آواز کی بڑی اہمیت ہے۔ سجیشن آواز کی محتاج ہوتی ہے مگر اس وقت ڈارلنگ ایک مخصوص قسم کے ہپناٹزم کے تجربے سے گزر رہی تھی جس میں سجیشن کے لیے آواز کی ضرورت نہیں تھی، صرف سوچنا ہی کافی تھا۔ ''چی'' بہ زبان خاموشی اپنا کام کر رہی تھی اور بہت خوب کر رہی تھی!

میں نے ترغیبات کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج اس اسرار سے پردہ اٹھ جانا چاہیے تھا جو سایہ بن کر میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کوئی بچہ آپ کی انگلی پکڑ کر چلتا رہے اور آپ یہ نہ جانتے ہوں..... وہ بچہ کس کا بچہ ہے؟ تو عجیب سی بے سکونی دماغ کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ ڈارلنگ کے حوالے سے میں اپنے دماغ کو ہر حصار سے نکالنا چاہتا تھا۔

وہ یک ٹک مجھے دیکھ رہی تھی۔ میری طرح اس کا وجود بھی ایک دم ساکت تھا۔ ہمارے جسموں کے اندر دل دھڑک رہے تھے یا پھر بیڈروم میں ہمارے سانس لینے کی مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی، باقی ہر طرف سکون ہی سکون اور خاموشی ہی خاموشی تھی۔

''نیند نے تمہاری آنکھوں کو تکان زدہ اور تمہارے پپوٹوں کو بوجھل بنا دیا ہے۔'' میں خاموشی کی زبان میں پورے اعتماد سے سوچ رہا تھا۔ میرے چٹانی خیالات کی لہروں (Thought Waves) کو ''چی'' کی قوت نے مہمیز کیا اور ڈارلنگ کی آنکھوں میں، میں نے سرخ ڈورے نمودار ہوتے دیکھے۔

پچھلے چند روز سے میں یوگا کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ چی کی ایڈوانس مشقیں بھی کر رہا تھا جس سے میری باطنی قوتوں اور حواس میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ ان تجربات کا احساس بڑا نیا، انوکھا اور نرالا تھا۔

ڈارلنگ کی آنکھوں میں نمودار ہونے والے سرخ ڈورے بھیگنے لگے، گویا اس کی آنکھوں میں پانی اترنے لگا تھا۔ میں نے ترغیبات میں شدت پیدا کرتے ہوئے سوچا۔

''ان بوجھل آنکھوں اور بھاری پپوٹوں کا صرف ایک ہی علاج ہے۔''

ڈارلنگ کی پلکیں بے اختیار جھپک گئیں۔

''اور وہ علاج ہے..... نیند۔ گہری نیند!'' میں نے کوشش جاری رکھتے ہوئے سوچا ''تمہیں اپنی تکلیف اور مرگ سے نجات پانے کے لیے سونا ہوگا..... گہری نیند سونا ہوگا اور تم سونے جا رہی ہو۔'' اس کی پلکیں دوبارہ جھپکیں اور اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں ''..... تم سو رہی ہو تمہاری نیند گہری ہو رہی ہے اور گہری..... اور گہری..... سمندر سے بھی زیادہ گہری..... گہری گہری..... اور گہری.....

میں نے نتیجہ خیز نظر سے ڈارلنگ کا جائزہ لیا۔ وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کا نگاہ کا رابطہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کی ترغیبات اس کے دماغ نے براہ راست میرے دماغ میں وصول کی تھیں۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ڈارلنگ کے قریب فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ دیکھنے میں وہ بے جان نظر آ رہی تھی۔

سانس اتنی مدھم چل رہی تھی کہ میں نے بڑی مشکل سے اس کی زندگی کا سراغ لگایا۔ اسے زندہ پا کر مجھے خوشی ہوئی۔ یہ خوشی اس بات کی تھی کہ اس کا اسرار مجھ پر عیاں ہونے میں اب چند لمحات کی دیر تھی۔

میں نے بے سدھ ڈارلنگ کو بڑی حفاظت سے اٹھایا اور لے جا کر ایک میز پر رکھ دیا پھر یہ آہستگی ایک کرسی کھینچ کر میز اس سے تین فٹ کی دوری پر بیٹھ گیا۔ مجھے ''چی'' کی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے اسرار کے بند کھولنا تھے۔ چی کی قوت سے کام لینے کا یہی فائدہ ہے کہ ذہنی رابطہ منقطع ہونے کے بعد دوبارہ قائم کیا جا سکتا ہے چاہے آپ کا معمول ہوش میں ہو یا بے ہوش۔

میں نے ایک طویل سانس کھینچ کر پھیپھڑوں کو تازہ ہوا سے بھرا، چی کو جسم کے زیریں حصے میں مرتکز کیا اور نظر ڈارلنگ کے ساکت جسم پر گاڑ دی۔

اسی وقت میری سماعت سے ایک دلخراش چیخ ٹکرائی اور میرے ارتکاز کو پاش پاش کر گئی۔ وہ ایک نسوانی چیخ تھی اور کوٹھی کی زیریں منزل سے ابھری تھی۔

میرے اعصاب تن گئے۔ ڈارلنگ پر سے میری توجہ ہٹ گئی۔ زیریں منزل پر صرف ایک عورت تھی، فرید پاشا کی بیوی نائلہ۔ یکبارگی میرا ذہن وسوسوں سے بھر گیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ دی۔ وہ کسی فوری فیصلے کا وقت تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی عملی قدم اٹھاتا، کوٹھی کے زیریں حصہ سماعت شکن فائرنگ سے گونج اٹھا!

ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں بیڈروم سے نکل آیا۔

ہالائی اور زیریں منازل کے درمیان ایک خوبصورت اور طرح دار زینہ حائل تھا، یہی زینہ انہیں آپس میں ملانے کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ میں تیز قدموں سے اس زینے کو پاٹنے لگا۔ سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ جو بھی قدم اٹھانا تھا، فی الفور اور آن واحد میں اٹھانے کی ضرورت تھی۔ وہ دل خراش نسوانی چیخ نائلہ کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ نائلہ کے سوا اس کوٹھی میں اور کوئی عورت موجود نہیں تھی۔ برسٹ فائر کی ساعت شکن آواز سے میں نے اندازہ لگا لیا، نیچے کوئی سنگین نوعیت کی گڑبڑ ہو چکی ہے۔

دو دو اسٹیپس پھلانگ کر میں چند سیکنڈ میں زیریں منزل پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہونے سے قبل بے ساختہ میری نگاہ مین گیٹ کی جانب اٹھ گئی۔ گیٹ کے ساتھ ہی سیکیورٹی گارڈ کا کمرا بنا ہوا تھا۔ کمرا اپنی جگہ موجود تھا مگر سیکیورٹی گارڈ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آیا کہ گارڈ فائرنگ کی آواز سن کر صورت حال جاننے کے لیے کوٹھی کے اندر پہنچا ہوگا۔ میں نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا۔

اسی لمحے اندرونی حصے میں کچھ اس قسم کی آوازیں ابھریں جیسے اندر اٹھا پٹخ کی جا رہی ہو۔ میں نے جست بھر کر ایک دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ دھماکے کی آواز پیدا کرتے ہوئے ایک جھٹکے سے کھل گیا۔

کھلے ہوئے دروازے میں سے دو افراد برآمد ہوئے۔ ان کی حرکات و سکنات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ انسان ہیں ورنہ اپنی حالت سے وہ کالی بلائیں نظر آتے تھے۔ دونوں نے سیاہ چست لباس پہن رکھے تھے جو ان کے اجسام پر چپک کر رہ گئے تھے اور لباس سر تا پا تھے۔ یوں لگتا تھا، کپڑے کو ان کے بدن پر رکھ کر سلائی کی گئی ہو، صرف آنکھوں کے سامنے سے دیکھنے کے لیے جگہ چھوڑ دی گئی تھی ورنہ بدن کا کوئی حصہ کھلا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماضی کی ایک انگلش فلم ''گولڈ مین'' میں فلم کے ہیرو ڈینجر ڈیولوک نے اسی قسم کا چست سیاہ لباس زیب تن کر کے بیش قیمت نگینوں سے مرصع ایک تاریخی تمثال کو چرایا تھا۔

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا لہٰذا مجھے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑا۔ وہ دونوں کالی آندھی کے مانند اندر سے برآمد ہوئے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ان میں سے ایک ٹھٹکا۔ دوسرے کی گردن جھکی ہوئی تھی اور اس جھکاؤ کا سبب اس کے کندھے پر لدا ہوا ایک بوجھ تھا۔ وہ بوجھ ایک بیڈشیٹ میں لپٹا ہوا تھا اور پہلی ہی نگاہ میں اپنی حقیقت کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک انسانی جسم تھا جسے بیڈشیٹ میں لپیٹ کر وہاں سے کہیں اور لے جایا جا رہا تھا۔ کندھے پر لدے ہوئے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی جس کا مطلب تھا، وہ بے ہوش ہے!

میرے ذہن میں جو پہلا خیال چمکا وہ یہی تھا کہ فرید پاشا کی خوب رُو بیوی نائلہ کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ اس کوٹھی میں فرید پاشا اور نائلہ کے علاوہ صرف سیکیورٹی گارڈ تھا۔ میں نے چادر میں لپٹے ہوئے جسم کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ کوئی عورت ہی ہو سکتی تھی۔

یہ تمام خیالات اور اندازے بڑی سرعت سے پایۂ تکمیل کو پہنچے تھے اور اغوا والے خیال نے جیسے میرے ہاتھ پاؤں کو 'آن' کر دیا۔ نگاہ ملنے پر ٹھٹکنے والے شخص کو میں نے آڑے ہاتھوں لیا۔ میری رائٹ فرنٹ پش کک چلی۔ میرے پاؤں کے تلوے نے مذکورہ سیاہ لباس شخص کے سینے پر بوسہ دیا۔ وہ پیچھے کو الٹ کر دوسرے شخص سے ٹکرایا۔

اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اس شخص کے کندھے پر لدی ہوئی نائلہ (متوقع) ہوا میں اچھلی اور چادر میں لپٹے لپٹے کسی بوری کی مانند دھپ سے زمین پر جا گری۔ پختہ فرش سے تصادم پر چادر کے اندر سے ایک نسوانی کراہ بلند ہوئی اور پوشیدہ جسم میں کچھ حرکت دیکھنے میں آئی۔ اگر اس چادر کے اندر نائلہ تھی تو خدا کا شکر ہے، وہ تا حال زندہ تھی۔

اس دوران میں وہ دونوں چھلاوے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور بڑی خوفناک نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی آنکھوں میں مجھے شناسائی کی جھلک دکھائی دی۔ مجھے ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے میں نے وہ آنکھیں ماضی قریب میں کہیں دیکھی ہوں۔ یہ وہی شخص تھا جس سے دروازہ کھلنے کے بعد میری آنکھیں چار ہوئی تھیں اور وہ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔ وہ ایک دراز قامت اور صحت مند شخص تھا۔

اچانک وہ دونوں بہ یک وقت مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ دراز قامت 'اجنبی شناسا' نے مجھ پر راؤنڈ ہاؤس چلائی، دوسرا عقب سے مجھ پر پل پڑا۔ میں نے جس اثنا میں راؤنڈ ہاؤس کو بلاک کیا، دوسرے کی سائیڈ کک میری پسلیوں سے ٹکرا چکی تھی۔ میں تھوڑا سا لڑکھڑایا تو عقب میں موجود شخص نے مجھے اٹھا کر پٹخنے کی کوشش کی۔

میں نے، گرفت میں لینے کے لیے آگے بڑھے ہوئے اس کے بازوؤں کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دراز قامت کے پیٹ میں لات رسید کر دی۔ وہ

دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر چلے گئے۔ اسی وقت دراز قامت نے جانے اپنے لباس کے کون سے حصے میں ہاتھ ڈالا، اگلے لمحے مجھے اس کی ہاتھ میں ایک خطرناک پسٹل نظر آیا۔ اسی دوران میں دوسرا دوبارہ چادر میں لپٹی ہوئی نائلہ کی جانب پیش قدمی کر چکا تھا۔ پستول بردار نے اسے اشارہ کیا کہ وہ نائلہ کو پہلی فرصت میں کندھے پر ڈال کر وہاں سے نکل جائے۔

میں سمجھ گیا، وہ ہر صورت میں نائلہ کو وہاں سے لے کر جانا چاہتے تھے۔ اگر میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا تو مارنے مرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ میں نے پسٹل کو دیکھ کر یوں ظاہر کیا جیسے میں ڈر گیا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بپھرائی کے انداز میں ایک قدم اٹھایا۔ پستول بردار سمجھا، میں وہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہا ہوں لیکن میری وہ حرکت محض ایک جھانسا تھی۔ وہ میرے جھانسے میں آ گیا۔

مجھ پر سے نگاہ ہٹا کر وہ اپنے ساتھی کی جانب متوجہ ہوا۔ اس کی یہ توجہ لمحے بھر کی تھی اور میرے لیے وہ لمحہ صدیوں کے برابر تھا۔ میں نے مہیا اس لمحے کے دسویں حصے میں حرکت کی۔ میرا جسم ہوا میں بلند ہوا۔ یہ ایک ہائی جمپ تھی۔ پستول بردار دراز قامت شخص مجھ سے پانچ فٹ کی دوری پر تھا۔ ہوا میں بلند ہوتے ہی میں نے ایک زوردار سائیڈ فلائنگ کک اس کے پسٹل والے ہاتھ پر رسید کی۔ پسٹل اس کی ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ پسٹل نے جس سمت پرواز کی، ادھر اچھا خاصا اندھیرا تھا۔ اس لیے اس کی لوکیشن کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

سائیڈ فلائنگ کک کھانے والے دراز قامت شخص نے ردِعمل کے طور پر پسٹل کی جانب دوڑ لگا دی مگر میں اب اسے کوئی مہلت یا سہولت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کے دوڑتے ہوئے قدموں پر میں نے بڑی سرعت سے ایک بیک سوئپ ماری۔ نتیجے کے طور پر وہ منہ کے بل پختہ فرش پر گرا۔ اس کے حلق سے ایک دردانگیز آواز خارج ہوئی۔

میں نے زمین سے کھڑا ہوتے ہی دراز قامت کے ساتھی کی مزاج پرسی کی۔ وہ اس وقت تک متوقع نائلہ کو دوبارہ اپنے کندھے پر ڈال چکا تھا۔ چادر کے اندر لپٹی ہوئی نائلہ نے احتجاجی انداز میں ہاتھ پاؤں کو حرکت بھی دی تھی۔ یہ ایک خوش آئند علامت تھی۔ نائلہ کی زندگی کے آثار مضبوط اور یقینی ہوتے جا رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ شخص اپنے عقب میں میری موجودگی سے آگاہ ہوتا، میں نے جن بتھا ڈال دیا۔ وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں میری گرفت سے نکلنے کے لیے زور مارنے لگا۔ اس کی زور آزمائی میں، چادر میں لپٹی ہوئی نائلہ پر سے اس کی پکڑ ڈھیلی پڑ گئی۔ میں نے اسے دائیں بائیں اس طرح جھٹکا دیا جیسے کسی تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میں اپنی اس چال میں کامیاب رہا۔ نائلہ کا لپٹا ہوا بدن اس کے ہاتھوں سے آزاد ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے نائلہ کو تھامتے ہوئے اس شخص کی 'تشریف' پر ایک تھرسٹ (Thrust) ککٹ رسید کر دی۔

وہ توپ میں سے نکلے ہوئے گولے کی مانند ناک کی سیدھ میں 'روانہ' ہو گیا۔ چادر میں لپٹا ہوا بدن میرے بازوؤں میں آیا تو اس کے خال وخط نے تصدیق کر دی، وہ نائلہ ہی تھی۔ میں نے اپنی تسلی کے لیے اس کے چہرے سے چادر کھینچ کر دیکھا اور اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ خبیث کالی بلائیں نائلہ کو اغوا کر کے لے جا رہی تھیں۔

میں نائلہ کو بہ آہستگی فرش پر رکھنے کے بعد ان کی طرف متوجہ ہونے کے لیے سیدھا ہوا ہی تھا کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ پہلے میری سمجھ میں یہی آیا کہ وہ دونوں وہاں سے فرار ہونے کی کوشش میں تھے لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنا خیال رد کرنا پڑا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز کا رخ کوٹھی کے بیرونی حصے سے ہماری جانب تھا۔ اگلے ہی لمحے میری نگاہ میں ایک کالی بلا کا اضافہ ہو گیا۔ نووارد انہی کا ساتھی تھا۔ اس نے بھی بالکل انہی جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ اندھیرے میں اس کی دھیمی مگر خونخوار آواز ابھری۔ وہ اپنے ساتھیوں سے استفسار کر رہا تھا۔

''اتنی دیر کیوں ہو گئی۔ تم لوگ ابھی تک.....'' اچانک اس کی آواز میں تحیر شامل ہو گیا۔ ''نائلہ کہاں ہے۔ تم دونوں خالی ہاتھ کیوں ہو؟''

وہ تینوں مجھے نظر آ رہے تھے مگر میں نائلہ کو فرش پر رکھتے ہی ایک ستون کی آڑ میں آ گیا تھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ اپنے سیاہ لباس کے سبب اندھیرے کا ایک متحرک حصہ ہی لگتے تھے۔ اس شخص کے سوال کے جواب میں دراز قامت نے سرگوشی کے انداز میں بتایا۔

''ادھر بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ نائلہ کو ہم سے چھین لیا گیا ہے۔''

''کس نے چھینا ہے؟'' اس شخص نے محتاط انداز میں دریافت کیا۔

دراز قامت کے ساتھی نے بتایا ''پتا نہیں، وہ شیطانی کون ہے اور اچانک کہاں سے آن ٹپکا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے وہ میری سمت دیکھتے ہوئے بولا ''پتا نہیں، کہاں چلا گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ وہاں تھا۔ وہ دیکھو، نائلہ چادر میں لپٹی وہیں پڑی ہے۔''

''اس شیطان کو ڈالو جہنم میں۔'' نووارد نے غصیلے لہجے میں کہا ''ہم نائلہ کو اٹھانے آئے ہیں۔ وہ سامنے پڑی ہے۔ فوراً اسے اٹھا لو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں، ساجد باہر گاڑی میں ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ تم نے گارڈ اور پاشا کا بندوبست تو کر دیا ہے نا؟''

''ہاں، وہ دونوں اس وقت انتہائی غفیل ہیں۔'' دراز قامت نے بتایا۔

''پھر دیر کس بات کی ہے۔ فوراً نائلہ کو اٹھا لو۔''

''مگر وہ شیطان.....'' دراز قامت نے متذبذب انداز میں کچھ کہنا چاہا۔

''اس شیطان کی تو میں ایسی کم تیسی کرتا ہوں۔'' نووارد چیلنج کرنے والے انداز میں بولا ''تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔''

میں سمجھ گیا، وہ نائلہ کو ساتھ لے جائے بغیر نہیں ٹلیں گے اور میں انہیں کسی بھی قیمت پر اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نووارد کے پاس مجھے آتشیں اسلحے کے نام پر کسی ہتھیار کی جھلک نظر نہ آئی۔ اگر اس کے پاس ایسی کوئی شے موجود تھی تو وہ اس نے اپنے سیاہ پراسرار لباس میں چھپا رکھی ہو گی۔ میں ستون کے پیچھے تن کر کھڑا ہو گیا۔ ان چند گنے چنے لمحات میں درجنوں فوری فیصلے کرنے کی ضرورت تھی اور میں اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا۔

سب سے آگے نووارد تھا اس لیے پہلے وہی میرا نشانہ بنا۔ ستون کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے جیسے ہی نائلہ کی سمت قدم اٹھایا، میں اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ وہ ابھی پوری طرح ٹھٹک بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے ایک دھواں دھار پنچ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔ وہ حلق سے 'اوں' کی آواز نکالتے ہوئے پیچھے کو الٹا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا اور سنبھلتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔

میں اس حملے کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔ اس کا حملہ بڑا دیسی قسم کا تھا۔ اس نے پہلوانوں کے انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بیٹھک کے انداز میں غوطہ لگاتا اور کھڑے ہوتے ہی اس کے چہرے پر ایک اور پنچ جڑ دیا۔

اس دوران میں دوسرے دونوں بھی مجھ پر پل پڑے۔ دراز قامت نے سامنے سے مجھے کک کا نشانہ بنانا چاہا، میں نے بیک فٹ پر جا کر اپنے چہرے کو بچانے کی کوشش کی تو عقب سے دوسرے نے مجھے دبوچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زور لگانا شروع کر دیا۔ وہ شاید میری کمر کو توڑنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کی گرفت میں بڑی سختی تھی۔

میں نے اپنے جسم کے زیریں حصے کو ہوا میں اٹھایا اور دونوں پاؤں پش اسٹائل میں دراز قامت کے سینے پر رسید کر دیے۔ میری اس حرکت سے دو فوری نتیجے برآمد ہوئے۔ دراز قامت میری زبردست ڈبل ککٹ کھا کر پشت کے بل زمین پر گرا جب کہ مجھے دبوچنے والے کے بازوؤں کو زبردست جھٹکا لگا اور میری کمر اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ میں نے گردن کو خم دے کر ایک دھانسو قسم کی بیک ککٹ اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھامتے ہوئے لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے لیفٹ، رائٹ راؤنڈ ہاؤس کِکس سے نہلا دیا۔ میری ٹانگیں اس رفتار سے چل رہی تھیں کہ اسے بلاک کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دیوار کے قریب پہنچ کر میں نے حتمی فیصلہ کیا اور میری فرنٹ پش ککٹ نے اسے چاروں خانے چت کر دیا۔

اسی وقت مجھے اپنے عقب میں دھمکی آمیز آواز سنائی دی ''ہینڈز اپ۔ اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو بھیجا اڑا دوں گا۔''

بھیجا اڑا دوں گا کا ایک ہی مطلب تھا اور وہ یہ کہ دھمکی دینے والا مسلح تھا۔ آواز سے میں نے پہچان لیا، وہ ان لوگوں کا تیسرا ساتھی نووارد تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنے جسم کو گھما کر سیدھا کر لیا۔ میرا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ نووارد کے ہاتھ میں ایک خطرناک پسٹل نظر آ رہا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ دراز قامت کا کھویا ہوا پسٹل ہی تھا یا کوئی دوسرا۔

پستول بردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا ''نائلہ کو اٹھاؤ اور فوراً باہر لے جا کر گاڑی میں ڈال دو۔ میں اس بدمعاش کو دیکھتا ہوں۔''

وہ دونوں پستول بردار کی بات ختم ہوتے ہی آگے بڑھے۔ میں نے اپنے اور پستول بردار کے درمیانی فاصلے کو نگاہ میں ناپا۔ ہم دونوں لگ بھگ بارہ فٹ کی دوری پر تھے اور وہ ستون جس کے پیچھے تھوڑی دیر پہلے میں چھپا تھا، وہ مجھ سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر تھا۔ میں کسی اسپرنگ کی مانند اچھل کر ستون کے پیچھے پہنچ گیا۔

یہ ایک فوری اور خطرناک حرکت تھی اور اس کی خطرناکی فوراً ظاہر ہوگئی۔ پستول بردار نے میری سمت فائر کردیا۔ میں نشانے پر نہیں رہا تھا، گولی ستون کے ایک کنارے کو توڑتے ہوئے نکل گئی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی میں نے بڑی سرعت سے بیک فلیک لگائی۔ بیک فلیک کی تکمیل پر میں ہوا میں اچھلا اور بیک سمر سالٹ لگاتے ہوئے پستول بردار کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ میری ان حرکات پر بوکھلا کر رہ گیا پھر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ مجھے گولی سے نشانہ بنانے کی کوشش کرتا، میں نے زمین پر آتے ہی اسے گھونسوں پر رکھ لیا۔ میرے تابڑتوڑ مکوں نے اس کی ناک اور منہ سے خون چھڑا دیا۔ میں نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ایک بھرپور ٹھوکر مار کر اسے غیر مسلح کردیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک سائیڈ کک مار کر اسے دور پھینک دیا۔

دوسرے دونوں اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر تذبذب میں پڑ گئے۔ وہ چادر میں لپٹی نائلہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ میں غرا کر ان کی جانب بڑھا۔ اسی لمحے کھلے ہوئے دروازے میں مجھے فرید پاشا کی جھلک دکھائی دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر ڈگمگاتے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی زبان پر صرف ایک ہی جملہ تھا۔

''نائلہ! تم کہاں ہو؟..... نائلہ! تم کہاں ہو؟''

تھوڑی دیر پہلے ان تینوں کالی بلاؤں کی گفتگو سے مجھے پتا چلا تھا، فرید پاشا اور سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کو انہوں نے بے ہوش کردیا تھا۔ فرید پاشا کی حالت سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا، وہ بے ہوشی سے نکل کر آیا ہے۔ اس کی متلاشی نظر اندھیرے میں نائلہ کو تلاش کررہی تھی۔

میں نے بآواز بلند فرید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''پاشا صاحب! آپ کی بیوی نائلہ ادھر فرش پر بے ہوش پڑی ہے۔'' پھر میں نے اس کی جانب اشارہ بھی کردیا ''آپ اسے سنبھالیں۔ میں ان کالی بلاؤں کو جہنم کی راہ دکھا کر آتا ہوں۔''

بات ختم کرتے ہی میں حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نائلہ کو وہاں سے اٹھا کر لے جانے والے دونوں افراد ایک ساتھ میری جانب پلٹے۔ میں ان کے وار کے لیے تیار تھا۔ دراز قامت کا پنچ بڑی تیزی سے میرے چہرے کی طرف آیا۔ میں نے آؤٹر بلاک کے بعد اسے ہینڈ پش سے دور دھکیل دیا۔ دوسرے کی ایک نیچی فرنٹ کک میری کمر میں لگی۔ میں نے بڑی سرعت سے گھوم کر اس کا پاؤں نخنے کے مقام سے گرفت میں لیا اور خوفناک ٹوئسٹ دے کر اسے ایک طرف پھینک دیا۔

دراز قامت اس کی راہ میں کھڑا تھا۔ دونوں میں زبردست تصادم ہوا اور وہ ایک دوسرے کو لیتے ہوئے زمین بوس ہوگئے۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ ان کا جوشیلا ساتھی اچانک کہیں غائب ہوگیا تھا۔ میں نے اس کی ناک اور منہ کی بری طرح لہولہان کردیا تھا۔ اگر وہ اندھیرے میں سے پلٹ کر نہیں آیا تھا تو اس کا یہی مطلب تھا، وہ یا تو جائے وقوعہ سے فرار ہوگیا تھا یا پھر کہیں بے سُدھ پڑا تھا۔

زمین بوس ہونے والے دونوں افراد اٹھ کر کھڑے ہوئے تو میں کسی چیتے کی مانند ان پر جھپٹا۔ ان کے انداز میں پیش قدمی کے بجائے مجھے پسپائی نظر آئی۔ میں نے ان کے گریز کی پروا کیے بغیر انہیں ہاتھ اور پاؤں کی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ مجھ سے بے تحاشا پٹتے ہوئے قدم قدم پیچھے سرکتے گئے پھر اچانک مجھے اپنے عقب میں فرید پاشا کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ سیاہ پوش حملہ آوروں سے مخاطب تھا۔

''اگر اپنے باپ کے خصم ہو تو، دم دبا کر بھاگنا نہیں، میں ابھی تمہاری لاشیں گراتا ہوں۔''

بات ختم کرتے ہی پاشا نے ایک ہوائی فائر کردیا۔ میں نے بے اختیار پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ فرید پاشا کے ہاتھ میں مجھے ریوالور نظر آیا۔ نائلہ کو وہ اندر کہیں چھوڑ آیا تھا کیوں کہ اب اس مقام پر دکھائی نہیں دے رہی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ بیڈ شیٹ میں لپٹی پڑی تھی۔

پاشا کی للکار کا حملہ آوروں پر الٹا اثر ہوا یعنی وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس عمل سے انہوں یہ بھی ثابت کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے خصم نہیں تھے۔

پاشا نے ان کی طرف ریوالور کا رخ پھیر کر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے۔ اندھیرے کے باعث اس کا نشانہ خطا گیا۔ پاشا نے ان کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ مجبوراً مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ ہم دوڑتے ہوئے کوٹھی کی عقبی سمت نکل آئے کیوں کہ وہ دونوں اسی جانب گئے تھے۔ ہمارے درمیان تیس سے زیادہ قدموں کا فاصلہ تھا لیکن یہ فاصلہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ لگتا تھا، انہی وہاں سے فرار ہونے کی بہت جلدی ہو کیوں کہ وہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے کوٹھی کی عقبی دیوار کے پاس پہنچ گئے تھے۔ اس دوران میں پاشا نے یکے بعد دیگرے پر تین گولیاں بھی چلا ڈالیں اور دھمکی آمیز انداز میں انہیں للکارتا بھی رہا مگر انہوں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور نہ فائرنگ کی کوشش کی۔ وہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر سرپٹ بھاگ رہے۔

جب بھگوڑوں نے عقبی دیوار پھلانگنے کے لیے دیوار پر چڑھنا شروع کیا تو پاشا نے ایک مرتبہ پھر انہیں گولی کا نشانہ بنانا چاہا پھر اس کے ریوالور سے گولی کے بجائے 'کھٹ' کی آواز برآمد ہوئی۔ وہ اپنے ریوالور کے چیمبرز کی تمام گولیاں فائر کرچکا تھا۔ ہمارے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ میں دوڑ کر انہیں دیوار پھلانگنے سے نہیں روک سکتا تھا اس کے باوجود بھی میں نے یہ کوشش ضرور کی لیکن مجھے اس کوشش میں کامیابی نہ ہوئی۔ جب میں دیوار کے قریب پہنچا تو وہ دونوں دوسری طرف کود چکے تھے۔

میں نے دیوار پر چڑھنے کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ عقب سے پاشا کی آواز آئی ''رک جاؤ جدان۔ اب وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔ تعاقب کا کوئی فائدہ نہیں۔''

فرید پاشا کی بات ختم ہوئی تھی کہ کوٹھی کے باہر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ سڑک پر ٹائروں کی مخصوص چرچراہٹ ابھری اور گاڑی کا انجن شور مچاتا ہوا ہماری سماعت سے دور جانے لگا۔

''بھاگ گئے کم بخت۔ کسی بزدل کی اولاد۔'' فرید پاشا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے قریب آکر پوچھا ''پاشا صاحب! یہ کون لوگ تھے اور آپ کی بیوی کو کیوں اغوا کرکے لے جا رہے تھے؟''

''تمہارے تمام سوالوں کا جواب میں بعد میں دوں گا۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولا ''پہلے اندر چلو، نائلہ کو اس وقت میری اشد ضرورت ہے۔''

''آپ کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے، آپ حملہ آوروں کو شناخت کرچکے ہیں؟''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، آپ اندر جائیں۔'' میں نے مصلحتاً سعید سے اجتناب برتا ''میں ذرا سیکیورٹی گارڈ کی خبر لے لوں۔'' پھر میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''آپ نے گارڈ خادم حسین کو کہیں دیکھا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے حیرت زدہ انداز میں گردن کو نفی میں جھٹکا ''میں خود سوچ رہا ہوں، گارڈ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ اندر کیسے آگئے!'' پھر وہ وہیں سے پکارنے لگا ''خادم حسین..... خادم حسین!''

میں نے کہا ''پاشا صاحب! آپ نائلہ کے پاس جائیں۔ میں خادم حسین کو دیکھتا ہوں۔ وہ یہیں کہیں بے ہوش پڑا ہوگا۔''

''بے ہوش!'' فرید پاشا بڑبڑاتے ہوئے کوٹھی کے اندرونی حصے میں غائب ہوگیا۔

میں سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کی تلاش میں ادھر ادھر جھانکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس تیسرے شخص کی بھی تلاش تھی جو پہلے دو کی مدد کرنے وہاں پہنچا تھا۔ اس پستول بردار کی میں نے اچھی خاصی مرمت کر ڈالی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ایک ٹھیک ٹھاک سائیڈ کک مار کر اسے اندھیرے میں اچھال دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دکھائی نہیں دیا۔ ہم نے صرف دو افراد کو دیوار پھلانگ کر فرار ہوتے دیکھا تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد سیکیورٹی گارڈ مجھے نظر آ گیا۔ وہ اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دیوار کے ساتھ، مور پنکھ کے پودے کے پیچھے پڑا تھا۔ مور پنکھ کے پودے کے قریب ہی مختلف پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے اور بے سُدھ گارڈ ان پودوں کے پیچھے چھپ کر رہ گیا تھا۔ میں نے گارڈ کے بدن کو ٹٹول کر دیکھا اور چند لمحوں میں مجھے اندازہ ہوگیا، اسے بے ہوش کرنے کے لیے کنپٹی پر کسی ٹھوس شے سے وار کیا گیا تھا۔ اس کی کلاشنکوف بھی تھوڑے فاصلے پر پڑی تھی۔

میں نے بڑے ماہرانہ انداز میں گارڈ کو ہلایا جلایا اور اس کی گردن پر موجود ایک مخصوص نس پر ہلکا سا مساج کیا۔ میرے ہاتھ کی حرارت اس کی زندگی کی حرارت میں شامل ہوئی تو چند لمحات کے بعد اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول لیں۔

میں نے شانہ تھپتھپا کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور اس جانب بڑھ گیا جدھر میں نے کک مار کر پستول بردار کو پھینکا تھا۔ اس سے پہلے دراز قامت سیاہ پوش کا پسٹل بھی ادھر اندھیرے ہی میں کہیں غائب ہوا تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد، وہ دونوں مجھے پستول مل گئے لیکن بھگوڑوں کے ساتھی کا نام پتا نہ مل سکا، اس سے میں نے یہی اندازہ قائم کیا کہ وہ شخص ان سے پہلے ہی کوٹھی سے رفو چکر ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی ایسی دُھلائی کی تھی کہ اس نے وہاں رکنے پر فرار کو فوقیت دی۔ اسی شخص کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ ساجد نامی کوئی شخص باہر گاڑی میں ان کا انتظار کررہا تھا۔ گویا، نائلہ کو اغوا کرنے کے لیے چار افراد اس کوٹھی میں پہنچے تھے۔

میں اور سیکیورٹی گارڈ ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ فوراً ہی فرید پاشا تک ہماری رسائی ہوگئی میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں فرید پاشا کو ان حالات سے آگاہ کیا جو خادم حسین کو دیکھ کر میری ذہن میں آئے تھے۔ اس نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وجدان! تم اندر چلو..... اندر کمرے میں۔ تم سے میں

بعد میں بات کروں گا۔ پہلے خادم حسین سے پوچھ گچھ کر لوں۔''

میں سمجھ گیا، وہ خادم حسین سے کس قسم کی پوچھ تاچھ کرنا چاہتا تھا۔ سیکیورٹی گارڈ کا مطلب ہوتا ہے، جان و مال کی حفاظت کرنے والا۔ خادم حسین کے ہوتے ہوئے تین خطرناک افراد کوٹھی کے اندر گھس آئے تھے۔ نہ صرف وہ اندر داخل ہوئے تھے بلکہ انہوں نے اس کوٹھی کی نہایت اہم شخصیت نائلہ کو اغوا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اگر میں بروقت وہاں پہنچ کر ان کی راہ کی رکاوٹ نہ بنتا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔

اس کوٹھی میں مالکان اور سیکیورٹی گارڈ کے علاوہ صرف دو افراد کا آنا جانا تھا۔ ان میں ایک تو گھریلو ملازمہ اللہ رکھی تھی اور دوسری اللہ رکھی کی بیٹی آمنہ۔ یہ دونوں دن بھر کوٹھی میں کام کرنے کے بعد اپنے گھر چلی جاتی تھیں۔ ان کا جھونپڑی نما گھر ایک نزدیکی بچی آبادی میں تھا۔ کوٹھی کے اندر ایک اور شخص بھی رہتا تھا اور وہ تھا خانساماں اللہ دتا۔ اس بے چارے کا دنیا میں کوئی نہیں تھا اسی لیے کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں اس نے مستقل ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ پاشا کے مطابق اللہ دتا، پاکستانی اور انگلش کھانے بنانے کا ماسٹر تھا۔ میں فرید پاشا کے کہنے پر اندرونی کمرے میں آ بیٹھا۔

لگ بھگ دس منٹ بعد پاشا میرے پاس آیا اور مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہ کمرا اپنی ترتیب کے اعتبار سے ڈرائنگ روم کم بیڈروم نظر آتا تھا۔ مجھے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ کمرے سے نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے صرف اتنا کہا تھا۔

''وجدان! تم اطمینان سے یہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔''

''پاشا صاحب، آپ کی اہلیہ.....''

میں نے نائلہ کی خیریت دریافت کرنا چاہی تو اس نے جلدی سے کہا ''نائلہ ہوش میں آ چکی ہے اور بالکل خیریت سے ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو پھر میں تم سے تفصیلی بات کروں گا۔''

وہ مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تو میں نائلہ اور ناکامیاب اغوا کنندگان کے بارے میں سوچنے لگا۔ گھوم پھر کر میرا خیال پاشا کی ایک بات کی طرف چلا جاتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد پاشا نے گفتگو کے دوران میں دو تین مرتبہ کہا تھا کہ نائلہ کو اس نے بڑی مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔ حاصل کیا تھا کا مطلب یہی نکلتا تھا کہ جن لوگوں سے نائلہ، پاشا کے پاس پہنچی تھی، اب وہ اسے واپس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ممکن ہے، یہ ادھورا اغوا بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہو!

تھوڑی دیر بعد فرید پاشا میرے پاس آ گیا اور دونوں بازو کھول کر میری جانب بڑھا اس کے معانقانہ انداز کو دیکھ کر میں کھڑا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے مجھ سے بغلگیر ہوتے ہوئے پوری قوت سے بھینچا پھر میری پشت کو تھپک کر بولا۔

''وجدان! آج تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے، میں اسے زندگی بھر یاد رکھوں گا۔''

''پاشا صاحب! میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''تم نے کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ کیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر تم ان خبیثوں کی راہ میں بروقت رکاوٹ نہ ڈالتے تو وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جاتے۔ تم نے میری نائلہ کو اغوا ہونے سے بچایا ہے..... گویا، میرے جسم کو روح سے خالی ہونے سے بچایا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کی مدد سے میں تمہارا شکریہ ادا کر سکوں۔''

''آپ مجھے شرمندہ نہ کریں پاشا صاحب!'' میں نے کہا ''آپ میرے محسن میزبان ہیں۔ آپ کی عزت میری عزت ہے۔ میں نے اپنی عزت کو بچانے کی کوشش کی ہے اور..... تو میرا فرض تھا۔''

وہ ممنونیت آمیز لہجے میں بولا ''تم جتنے خوبرو ہو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت باتیں کرتے ہو۔ تمہاری سیرت، صورت پر حاوی ہے۔ تم نے مجھے خرید لیا ہے وجدان۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے، اس وقت میرے دل میں تمہارے لیے کون سے جذبات ہیں!''

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا ''میں آپ کے جذبات سے بہ خوبی آگاہ ہوں۔ چہرہ دل کی کتاب ہوتا ہے اور میں آپ کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہا ہوں اس لیے آپ کے دل کا حال مجھ سے پوشیدہ نہیں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کرتے ہوئے استفسار کیا ''باقی باتیں بعد میں، پہلے یہ بتائیے کہ وہ کون لوگ تھے! آپ ان سے شناسائی کا اقرار کر چکے ہیں۔''

''یہ میرے تازہ ترین دشمن ہیں۔'' فرید پاشا نے بتایا۔

میں نے کہا ''نائلہ کو اغوا کرنے کے حوالے سے میرے دھیان آپ کی اس بات کی طرف جاتا ہے کہ آپ نے نائلہ کو بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے۔ کیا میں غلط سوچ رہا ہوں۔''

''تمہاری سوچ کا رخ بالکل درست ہے۔'' وہ تصدیقی انداز میں بولا ''ان لوگوں سے میری دشمنی کی وجہ نائلہ ہی ہے۔ میں نے نائلہ سے شادی کر کے ان کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ رانا عظمت نائلہ کو اپنی جاگیر سمجھتا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نائلہ اس کے بجائے میرے حق میں فیصلہ دے گی۔ اس کا خیال ہے، میں نے نائلہ کو ورغلایا ہے۔ اسے رانا عظمت کے خلاف کر کے حاصل کر لیا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ دلوں کے سودے ہیں یار۔ اس میں زور زبردستی تھوڑی چلتی ہے۔''

وہ چند لمحات کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا ''ہمارے درمیان ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ تو ہوتی رہتی ہیں۔ اس قسم کا اوچھا وار رانا عظمت نے پہلی مرتبہ کیا ہے۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا ''پاشا صاحب! وہ تینوں توسرتا پاجامہ لباس میں چھپے ہوئے تھے پھر آپ نے کس بات سے اندازہ لگایا کہ وہ رانا عظمت کی طرف سے آئے تھے؟''

اس نے بتایا ''میں نے اندر آنے والے افراد میں سے ایک کو پہچان لیا تھا۔ وہ جوقد میں خاصا اونچا تھا۔''

پاشا کی بات سنتے ہی میرے ذہن میں دراز قامت سیاہ پوش کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ آنکھیں، مجھ پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک اٹھی تھیں۔ مجھے بھی ان آنکھوں میں شناسائی کی جھلک نظر آئی تھی لیکن بہتیرا سوچنے کے باوجود یہ یاد نہیں آ سکا تھا کہ میں نے ان آنکھوں اور ان آنکھوں کے حامل شخص کو پہلے کہاں دیکھا تھا!

میں نے اضطراری انداز میں کہا ''پاشا صاحب! عجیب بات ہے، جس دراز قامت کا آپ ذکر کر رہے ہیں، مجھے لگتا ہے میں پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکا ہوں۔ وہ بھی مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا تھا۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ قطعیت سے بولا ''تم آج پہلی مرتبہ لاہور آئے ہو۔ اس لیے اس شخص سے تمہاری شناسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔''

میری یادداشت اور مشاہدے نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا۔ اس لیے میں فرید پاشا کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''پاشا صاحب! آپ مذکورہ شخص کے جغرافیے اور تاریخ وغیرہ کے بارے میں کچھ بتائیں۔ میری یادداشت نے کبھی گڑبڑ نہیں کی۔ میں اس بات پر شرط لگانے کو تیار ہوں کہ مجھے کوئی دھوکا نہیں ہوا۔''

وہ بولا ''میں نے جس دراز قامت شخص کا ذکر کیا ہے۔ وہ رانا عظمت کا بھتیجا ہے اور اس کا نام ہے، سکندر!''

سکندر کا نام سنتے ہی میں اچھل پڑا اور بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا ''وہی سکندر نا، جو کسی ایم پی اے لالہ بشیر کا بگڑا ہوا بیٹا ہے؟''

''تم لالہ بشیر اور سکندر کو کس طرح جانتے ہو؟'' وہ حیرت سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے اس کی الجھن نما حیرت کے پیش نظر مختصر الفاظ میں اسے ریسٹورنٹ میں پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ میں نے اور صدف نے جس دھواں دھار انداز میں سکندر اور اس کے ساتھیوں کی پٹائی کی تھی اس کا احوال سن کر فرید پاشا کو بے حد مسرت حاصل ہوئی۔ ان واقعات کے ذیل میں ڈی ایس پی ٹریفک اورنگ زیب خان اور اس کی اکلوتی بیٹی نادیہ کا ذکر بھی آیا۔ پوری بات سننے کے بعد فرید پاشا نے کہا۔

''وجدان! سکندر اور اس کا خاندان تو ہمارا مشترک دشمن نکل آیا۔ اب ان سے دو دو ہاتھ کرنے میں بہت مزہ آئے گا۔''

''ہاں، اگر ایسے کسی معرکے کا موقع آیا تو واقعی بہت مزہ آئے گا۔'' میں نے کہا ''آپ نے ابھی تک مجھے رانا عظمت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

وہ بولا ''نائلہ کے حصول اور رانا عظمت سے دشمنی کا قصہ تو بہت دلچسپ اور فرصت سے سننے سنانے کا ہے۔ فی الحال میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ رانا عظمت میری طرح ایک فلم پروڈیوسر ہے اور ایم پی اے لالہ بشیر کا چھوٹا بھائی ہے۔ جب سے لالہ بشیر وزیر بنا ہے، رانا عظمت کی بدمعاشیوں اور تخریب کاریوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ وہ بڑے بھائی کی طاقت اور اختیار کے بل بوتے پر پتا نہیں کیا کچھ کرتا پھر رہا ہے۔ ہم پیشہ ہونے کے باوجود بھی میرے اور رانا کے درمیان کبھی ٹسل بازی نہیں ہوئی کیوں کہ ہم دونوں کے پروڈیوسر ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

وہ ایک لمحے کو سانس ہموار کرنے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میں فلم انڈسٹری اور تماشائیوں کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاحی اور تفریحی فلمیں بناتا ہوں کہ جب رانا عظمت اول تو فلم بناتا ہی نہیں اور اگر کبھی کبھار اس کی کوئی فلم ریلیز ہو بھی جاتی ہے تو بس عریانی اور فحاشی کے سبب تھوڑی بہت چل جاتی ہے۔ وہ اپنی ذہنیت کی

عکاس فلمیں بناتا ہے لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ کسی فلم کی کامیابی میں سب سے زیادہ ہاتھ اسٹوری اور گانوں کا ہوتا ہے۔ اگر فلم کی اسٹوری جاندار اور اس کے گانے مسحور کن دھنوں پر مشتمل ناقابلِ فراموش ہوں تو وہ فلم بہت کم عرصے میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیتی ہے۔ دوسرے نمبر پر اداکاری آتی ہے مگر رانا عظمت کی پروڈیوس کی ہوئی فلموں میں نہ اسٹوری ہوتی ہے، نہ یادگار گانے اور نہ ہی ڈھنگ کی اداکاری۔ لچر پن اور فحش ڈانسز کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مکالمے بھی انتہائی گھٹیا اور عامیانہ رنگ لیے ہوتے ہیں اس لیے نتیجے کے طور پر فلم چند ہفتوں میں بیٹھ جاتی ہے۔''

''اس کے باوجود بھی رانا عظمت فلم انڈسٹری میں موجود ہے۔'' میں نے متعجب انداز میں پاشا کی طرف دیکھا'' پے در پے نقصانات اٹھانے کے بعد اسے اس کام سے توبہ کر لینا چاہیے۔ میرا خیال ہے، ایک فلم کی تیاری پر کروڑوں روپیا خرچ آتا ہے!''

''ہاں۔'' پاشا نے اثبات میں سر ہلایا'' معقول قسم کی ٹیم اور معروف کاسٹ کے ساتھ فلم بنائی جائے تو واقعی فلم کا بجٹ کروڑوں میں پہنچ جاتا ہے لیکن رانا بہت کائیاں اور بدمعاش شخص ہے، وہ ایک ڈبا فلم بنا کر بھی فائدے میں رہتا ہے۔''

میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں'' وہ کس طرح پاشا صاحب؟ اور یہ ڈبا فلم کیا ہوتی ہے؟''

وہ متحمل انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا'' ڈبا فلم انڈسٹری کی اصطلاح میں ایسی فلم کو کہا جاتا ہے جو نمائش کے چند روز بعد بری طرح فلاپ ہو کر واپس ڈبے میں بند ہو جائے یعنی ایک انتہائی ناکامیاب فلم۔''

''ایسی فلاپ فلمیں بنا کر رانا فائدے میں کس طرح رہتا ہے؟'' میری حیرت دوچند ہو گئی۔

''اس طرح کہ'' فرید پاشا نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا'' وہ غیر معروف کاسٹ اور ایکسٹراز سے کام چلا لیتا ہے اپنے جسم کی نمائش کرنے والی ڈانسرز اور شوقیہ اداکاری کے مارے ہوئے اداکار دے دلا کر پروڈیوسر بن جاتے ہیں اور اس طرح چند لاکھ میں فلم تیار ہو کر نمائش کے لیے پیش کر دی جاتی ہے۔''

''لیکن فلم فلاپ ہونے کی صورت میں یہ چند لاکھ کا نقصان تو ہوتا ہو گا نا!''

''ہاں، ہوتا ہے۔'' وہ تصدیقی انداز میں بولا'' مگر یہ نقصان رانا کا نہیں بلکہ اس پارٹی کا ہوتا ہے جیسے گھیر گھار کر رانا فلم میں سرمایہ کاری کے لیے پھانس لیتا ہے اور اگر گہرائی میں جائیں تو اس پارٹی کا بھی کچھ نہیں جاتا۔ سب فائنانسر رہتے ہیں۔''

''آپ کی وضاحت میں بہت تضاد پایا جاتا ہے صاحب!'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے ممکن ہے، میں آپ کی بات کو پوری طرح سمجھ نہ پا رہا ہوں۔''

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا'' دھیمی روشنیوں کی یہ نگری بڑی نرالی ہے۔ سلور اسکرین پر نظر آنے والے ہیروز کی اکثریت حقیقی زندگی میں کسی دیوتا سے کم نہیں۔ اسی طرح فلم میں جن اداکاروں کو ولین کے رول دیے جاتے ہیں ان میں سے زیادہ تر نجی اور معاشرتی زندگی میں ہیرو سے کم نہیں ہیں۔ سب دھوکا ہے، ایک کھلا دھوکا اور دھوکا جاننے والے بھی کھاتے ہیں اور انجان بھی۔''

بولتے بولتے اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔ میں اس کے مزید کلام کے انتظار میں خاموش بیٹھا بڑی توجہ سے اسے دیکھ رہا۔ چند لمحے خیالات میں ڈوبے رہنے کے بعد اس نے پھر شروع کیا۔

''میں بھی ہیروز اور ویلنز کی کیا کہانیاں لے بیٹھا وجدان! دراصل، میں تمہیں رانا عظمت اور اس کی فلم سازی کے بارے میں بتا رہا تھا۔'' اس پر پھر تھوڑا سا توقف کیا بات کو جاری رکھتے ہوئے بولا'' تم یوں سمجھ لو کہ شیطان کی ایک ٹولا ہے جس کا سرغنہ رانا عظمت ہے۔ یہ لوگ فلم سازی نہیں کرتے بلکہ اپنی ہوس کی تسکین کے لیے اس پیشے کا استعمال کرتے ہیں۔ شوبز کی کشش سے ہر شخص واقف ہے رانا عظمت کا فلم ساز ادارہ کسی پھندے سے کم نہیں۔ فلم میں کام کرنے کی شائق لڑکیوں اور عورتوں کو بہلا پھسلا کر اونچے خواب دکھا کر یہ لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ٹولا منشیات کے دھندے میں بھی ملوث ہے۔ اب میں تمہیں کیا کیا بتاؤں وجدان!'' اس کے لہجے میں بے چارگی اتر آئی'' میں نے نائلہ جیسی ہیرالڑکی کو بڑی کوششوں کے بعد رانا عظمت کے چنگل سے نکال کر اپنایا ہے..... اس واقعے کی تفصیل میں پھر کبھی بتاؤں گا۔''

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کی آواز میں موہوم سا کرب شامل ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گیا، نائلہ کے اس کے پاس پہنچنے کے درمیان بہت سے پیچ و خم ہیں، بہت اور ناخوشگوار یادیں ہیں جن کا ذکر پاشا کو ملول اور آزردہ کر دیتا ہے۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا، آئندہ میں پاشا کے سامنے نائلہ کا اس حوالے سے ذکر نہیں چھیڑوں گا۔ اگر از خود کچھ بتایا تو دوسری بات ہے۔ میں اتنا اندازہ لگا چکا تھا، وہ نائلہ سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس نے اپنی محبت کو کس طرح حاصل کیا تھا، یہ تفصیل جاننے کی کیا ضرورت تھی!

پاشا کی محبت کے بارے میں سوچتے ہوئے آپوں آپ میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا۔ میں اپنی رگِ جاں سے میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا۔ میں اپنی رگِ جاں سے جدا کر دیا گیا تھا۔ اس کی قربت میں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ مجھے نڑپاتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرا سینہ اعضائے رئیسہ سے خالی ہو گیا ہو۔ محبوب کے بچھڑنے کا غم وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو کبھی محبت کے عملی تجربے سے گزرے ہوں۔

ساحل کے بارے میں اگر میں زیادہ سوچتا تو شاید یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ سوچ کا البم جب ماضی قریب کے عکس دکھاتا ہے تو ہجر و فراق میں بڑی تندی آ جاتی ہے۔ ساحل تک پہنچنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے میں اپنے دل و دماغ کو حاضر و ناظر اور نارمل رکھنا چاہتا تھا۔ اگر میں اس کے تصور میں نکل جاتا تو یادوں کا طوفانی ریلا مجھے اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ میں کسی ریلے میں بہنا نہیں چاہتا تھا، کسی ملبے میں کھونا نہیں چاہتا تھا اس لیے ضروری تھا، میں اپنے جذبات پر کنٹرول رکھوں۔ یہ کنٹرول حاصل کرنے کے لیے مجھے ساحل کی یاد سے حتی الامکان دور رہنا تھا اور میں اسی قسم کی کوششیں کر رہا تھا، گویا خود کو دھوکا دے رہا تھا!

ساحل تو میرے جسم کے ایک ایک مسوت پر کندہ تھی۔ اس کے مخملیں لمس نے میرے تصور کو گدرا رکھا تھا۔ میں اس کو اور اس کے خیال کو اپنے اندر سے کیسے نکالتا۔ یہ تو بالکل ایسا ہوتا جیسے کوئی شخص اپنا دل و دماغ، گردے پھیپھڑے نکال کر جسم سے باہر پھینک دے اور پھر بھی زندہ رہے۔ میں صرف خود کو بہلا رہا تھا۔ بہلاوا اور امید بھی عجیب چیزیں ہیں۔ دھوکے کے دو خوبصورت نام جن کے سہارے زیست قدرے آسان محسوس ہونے لگتی ہے..... اور میں بھی انہی سہاروں سے کام چلا رہا تھا۔

میری زندگی میں بے پناہ جذباتی موڑ آئے ہیں لیکن میں نے خود کو اتنا بے بس اور بے قرار کبھی محسوس نہیں کیا جو حال، ساحل کی جدائی نے کیا تھا۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے لیے ساحل کے بغیر زندگی کا تصور محال تھا۔

فرید پاشا کے جذباتی کلمات نے مجھے خاصا دلگیر کر دیا تھا۔ میں نے اس کیفیت سے نکلنے کے لیے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

''پاشا صاحب! آپ نے سیکیورٹی گارڈ سے پوچھ گچھ کر لی۔ اس نے اس واقعے کے بارے میں کیا بتایا ہے؟''

فرید پاشا نے مجھے بتایا کہ سیکیورٹی گارڈ کے مطابق، وہ حسبِ معمول اپنے کیبن میں موجود تھا کہ اسے کوٹھی کے عقبی حصے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ وہ صورتِ حال جاننے کے لیے اس طرف بڑھا تو دیوار کے نزدیک مورپنکھ کے پودوں کے پاس اسے دو ہیولے نظر آئے۔ اس نے انہیں للکار کر رکنے کو کہا لیکن وہ رکے بغیر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے۔ تب گارڈ نے انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کی۔ اسی لمحے عقب سے کسی نے اس کی کنپٹی پر وار کر دیا۔ وہ کٹے ہوئے کسی شاہ تیر کی مانند زمین پر جا گرا۔ ازاں بعد میرے ہوش دلانے پر اس نے آنکھ کھولی تھی۔''

سیکیورٹی گارڈ کے بیان میں مجھے دروغ گوئی نظر آئی۔ میں نے اپنے شک کی تصدیق کے لیے پاشا سے پوچھا'' اور کوٹھی کے اندر کیا واقعہ پیش آیا تھا؟''

''میں اس وقت واش روم میں تھا جو وہ دونوں محترم تشریف ہمارے بیڈروم میں داخل ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی نائلہ کو قابو میں کر لیا۔ میں نائلہ کی مزاحمت کی آواز سن کر واش روم سے نکلا تو ایک عجیب منظر نے میری نگاہ کا سامنا کیا۔ دراز قامت یعنی سکندر کی مدد سے دوسرا شخص نائلہ کو بیڈ شیٹ میں لپیٹ کر کندھے پر ڈال رہا تھا۔ مجھے بیڈروم میں موجود پا کر سکندر میری جانب بڑھا۔ میں نے اس کی آواز اور آنکھوں سے اسے پہچان لیا۔ جب میں نے اس کا نام لے کر ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو سکندر مجھ سے گتھم گتھا ہو گیا۔ ایک نازک موقع پر، وہ مجھ پر غالب آ رہا تھا کہ سکندر کے ساتھی نے نائلہ کو بیڈ پر ڈال کر میرا رخ کیا اور میرے سر پر کسی وزنی آہنی شے سے بھرپور ضرب لگائی۔ میری آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے۔ اس دوران میں نائلہ چادر میں سے اپنا منہ باہر نکال چکی تھی۔ اس نے مجھ پر ٹوٹنے والی قیامت دیکھی تو اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ برآمد ہوئی۔ میری سماعت سے ٹکرانے والی وہ آخری آواز تھی، اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا۔ سر پر لگنے والی قیامت خیز چوٹ نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔'' اس نے ایک جھرجھری لی اور بات مکمل کرتے ہوئے بولا'' میں نہیں جانتا، میرے بے ہوش ہونے کے بعد انہوں نے نائلہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اٹھک پٹخ کی آوازوں سے جب میری آنکھ کھلی تو میں اپنا ریوالور لے کر بیڈروم سے باہر آ گیا۔ اس کے بعد پیش آنے والے واقعات تمہارے سامنے ہیں وجدان!'' اس کے لہجے میں حد درجہ شکر گزاری بھری ہوئی تھی'' تم نے بروقت مداخلت کر کے نائلہ کو اغوا ہونے سے بچایا ہے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا، کس زبان

سے اور کن الفاظ میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔''

''آپ کو یہ سمجھنے اور جاننے کی ضرورت بھی نہیں پاشا صاحب!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''اور وعدہ کریں، آئندہ آپ اس حوالے سے کوئی ذکر کر کے مجھے نادم نہیں کریں گے۔ میں آپ کو اپنا محسن سمجھتا ہوں اور محسنوں پر احسان نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے کام آ کر اپنا فرض ادا کیا جاتا ہے۔ میں ایک مرتبہ پھر یہی کہوں گا، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، صرف اپنا فرض نبھایا ہے۔''

وہ بے حد جذباتی ہو گیا ''میں بھی پھر اپنا فرض نبھاؤں گا اور اس طرح نبھاؤں گا کہ چوہدری نوازش علی کی سات پشتیں کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر یاد کریں گی اور آنسو بہا بہا کر فریاد کریں گی۔ میں کل شام سے پہلے پہلے تیاری مکمل کر لوں گا۔ انشاءاللہ پرسوں صبح ہم سید پور روانہ ہو جائیں گے۔ سید پور میں رہتے ہوئے ہم چوہدری نوازش علی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔'' وہ ذرا توقف کرنے کے بعد ہیجان خیز لہجے میں بولا ''وجدان! تم میری بات کا کوئی غلط مطلب نہ نکالنا۔ میں خلوص دل سے کہہ رہا ہوں اور یہ کوئی بدلہ چکانے والی بات نہیں۔ تم نے میری نائلہ کو بچایا ہے، میں تمہاری ساحل کو صحیح سلامت چوہدری کے قبضے سے نکال کر تمہارے حوالے کروں گا۔ اس لیے کہ چاہے مجھے کسی بھی انتہا سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ تم دیکھ لینا..... تم دیکھنا وجدان! میں کیا کر دکھاتا ہوں۔''

وہ اس وقت انتہائی جذباتی ہو رہا تھا اس لیے میں نے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر کہا ''پاشا صاحب! پرسوں کی صبح ابھی خاصی دور ہے۔ اس سے پہلے ہمیں یہاں بہت سے ضروری کام نمٹانا ہیں۔''

''مثلاً کون سے ضروری کام؟'' وہ استعجابیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا ''رانا عظمت اور اس کے شیطان خیر خواہوں کا بندوبست میں کر دوں گا، کہیں تمہارا اشارہ اس طرف تو نہیں!''

میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا ''میرا اشارہ سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کی طرف ہے۔''

''کیا مطلب وجدان!'' وہ چونکا نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''مجھے یقین ہے خادم حسین نے اپنے بیان میں دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ وہ حقیقت کو مسخ کر کے پیش کر رہا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، وہ یا تو آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا ان کا خیر خواہ بنا ہوا ہے۔''

''وجدان! تم ناقابلِ یقین بات کر رہے ہو۔'' دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا ''خادم حسین میرا برسوں کا آ... ہوا ہے۔ یہ ریٹائرڈ فوجی ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ ... چوبند اور فرض شناس پایا ہے۔ تمہاری باتیں مجھے ... ڈال رہی ہیں۔''

میں نے گمبھیر آواز سے کہا ''پاشا صاحب! وہ آ... برسوں کا آزمایا ہوا ہو گا لیکن وہ ایک ہی واقعے میں ... آزمائش پر پورا نہیں اترا۔ اس کی باقی خصوصیات کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ انسان عجیب و غریب مخلوق ہے۔ اسے ... ہوئے دیر نہیں لگتی۔ کل کے بااعتماد آج بے اعتماد بھی ... سکتے ہیں۔

''تم جتنے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہو اس سے ... ہے، تمہارے ذہن میں کوئی خاص نکتہ ہے۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولا ''کیا تم مجھے اس بارے میں کچھ بتاؤ گے؟''

میں نے کہا ''ضرور بتاؤں گا۔'' پھر چند لمحے سوچنے ... بعد میں نے سنجیدہ لہجے میں بتایا ''مجھے اچھی طرح یاد ہے ... نے پہلے ایک دلخراش نسوانی چیخ سنی تھی۔ اس کے کچھ دیر ... زیریں منزل پر فائرنگ کی آواز گونجی تھی۔ اس تناظر ... سیکیورٹی گارڈ کا بیان مشکوک ہو جاتا ہے۔''

''ذرا وضاحت کرو!'' وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا ''آپ کے مطابق آپ کے سر پر کسی ... شے سے ضرب لگائی گئی تو اس منظر نے نائلہ کو چیخنے پر مجبور ... جب کہ گارڈ کا کہنا ہے کہ وہ سیاہ پوش افراد کو روکنے کے ... اس نے ہوائی فائرنگ کی تھی۔ ان دونوں بیانوں میں بہت ... تضاد ہے۔ میں آپ کو جھٹلا نہیں سکتا اس لیے سیکیورٹی گارڈ ... مشکوک نظر آتا ہے۔ اگر سیکیورٹی گارڈ کی بات کو درست ... لیا جائے تو پھر پہلے فائرنگ کی آواز اور بعد میں چیخ کی آ... آنا چاہیے کیوں کہ ان لوگوں نے کوٹھی کے اندر داخل ... کے بعد نائلہ کو قابو کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب کہ ابتدا ... ہے۔ چیخ کی آواز پہلے بلند ہوئی اور فائرنگ کی آواز بعد ... ابھری ہے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے، آپ کے بے ... ہونے کے بعد فائرنگ کی گئی ہے۔''

اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی نمودار ہوئی، ... سے بولا ''وجدان! کیا تمہیں یقین ہے، تم نے فائرنگ ... آواز نائلہ کی چیخ کے بعد سنی تھی؟''

''مجھے اس بات کا ایک سو ایک فیصد یقین ہے ... صاحب!'' میں نے تیقن سے کہا۔

وہ پرسوچ انداز میں بولا ''اگر تمہاری بات کو سچ مان لیا جائے تو پھر سیکیورٹی گارڈ کی بے ہوشی کس کھاتے میں جائے گی۔ تم نے خود اسے پودوں کے عقب سے برآمد کیا ہے اور اس کی کنپٹی پر کسی وزنی شے سے لگائی جانے والی ضرب کا نشان بھی موجود تھا جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے اسے بے خبری میں ضرر پہنچا کر بے ہوش کیا گیا تھا!''

''آپ کا اعتراض بجا ہے۔'' میں نے مصلحت آمیز لہجے میں کہا ''اگر سیکیورٹی گارڈ سچا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سیاہ پوش اغوا کنندہ آپ کے بیڈروم تک باآسانی کیسے پہنچ گئے۔ کیا آپ اپنی کوٹھی کے اندرونی حصے میں موجود تمام کمروں کے دروازے کھلے چھوڑ کر سوتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔'' وہ بڑی شدت سے نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا ''میں سونے سے پہلے تمام دروازے چیک کرتا ہوں، خاص طور پر ہمارا بیڈروم تو ضرور لاک کیا جاتا ہے۔ کوٹھی کے اندرونی حصے میں کسی سے رابطہ کرنے کے لیے انٹرکام سسٹم موجود ہے۔ کسی ہنگامی صورتِ حال میں مجھے بیڈروم میں بھی کال کیا جا سکتا ہے۔''

''جب کہ سیکیورٹی گارڈ نے انتہائی ہنگامی صورتِ حال میں بھی آپ کو مطلع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اغوا کنندگان نے آپ کے بیڈروم تک کس طرح رسائی حاصل کی۔''

وہ تشویش ناک لہجے میں بولا ''اس تناظر میں تو خادم حسین کی ہی طرف شک جاتا ہے۔ میں ابھی اسے بلا کر تمہارے سامنے.....''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''آپ ابھی اسے نہ چھیڑیں..... اس پر بہت سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ واقعی آپ کے دشمنوں سے ملا ہوا ہے تو کچا ہاتھ ڈالنے سے وہ محتاط ہو جائے گا۔ آپ اسے میرے لیے چھوڑ دیں۔ میں کل رات اس پر 'کام' کروں گا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ایک بات کا خیال رہے، خادم حسین کو اس بات کا شک نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس کی طرف سے محتاط ہو چکے ہیں۔''

''تم بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس کے ساتھ نارمل رویہ رکھوں گا۔''

ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھا ''پاشا صاحب! کیا آپ کا باری تعالیٰ کو کوئی نشہ وغیرہ بھی کرتا ہے؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا ''تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟''

میں نے کہا ''یہاں کوٹھی میں گھنٹے، ڈیڑھ گھنٹے سے مارا ماری ہو رہی ہے اور وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔ آپ نے تو بتایا تھا، وہ یہیں ایک سرونٹ کوارٹر میں رہتا ہے۔''

''میں نے تمہیں غلط نہیں بتایا تھا۔'' فرید پاشا نے کہا ''آج جمعرات ہے بلکہ اب تو جمعہ شروع ہو چکا ہے۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب وہ کوٹھی سے غیر حاضر رہتا ہے۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

فرید پاشا نے بتایا ''یہاں لاہور میں ایک بہت بڑے روحانی بزرگ اور ولی اللہ کا مزار ہے جو داتا دربار کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے مزار پر جمعرات کی رات محفلِ سماع ہوتی ہے۔ اللہ دتا رات داتا دربار پر گزارتا ہے۔ یہ اس کا برسوں کا معمول ہے۔ میں نے بھی کبھی اسے منع نہیں کیا۔ جہاں سے دلی سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہو، اس راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔''

''یہ اللہ دتا تو بہت ہی دلچسپ شخصیت ہے۔'' میں نے کہا ''اگر مجھے کبھی فرصت ملی تو اس سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔''

فرید پاشا نے کہا ''اللہ دتا دیکھنے میں کھسکا ہوا لگتا ہے مگر کبھی کبھی بڑی معرفت کی بات کرتا ہے۔ تم اس سے بات چیت کر کے حیران رہ جاؤ گے۔''

میں نے گفتگو کے موضوع کو تھوڑا تبدیل کرتے ہوئے کہا ''پاشا صاحب! آپ نے سیاہ پوشوں کے تعاقب میں پوری چھے گولیاں فائر کر ڈالیں مگر آس پاس سے کسی نے یہاں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کی فائرنگ سے پہلے سیکیورٹی گارڈ کی کلاشنکوف بھی گرجی تھی۔ آپ کے پڑوسی اپنے ماحول سے اتنے لاتعلق ہیں؟''

''پہلی بات تو یہ ہے وجدان کہ میرے پڑوس کی دونوں کوٹھیاں آج کل خالی ہیں۔'' فرید پاشا نے بتایا ''ایک کے مالکان پچھلے دو ہفتوں سے اسٹیٹس گئے ہوئے ہیں اور دوسری کوٹھی ''برائے فروخت'' کے ذیل میں خالی پڑی ہے۔ دوسرے یہ صاحب ثروت لوگوں کی رہائش کا علاقہ ہے۔ گلبرگ تھری اور دوسرے پوش علاقوں میں بسنے والے اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑانے کی کوشش نہیں کرتے۔'' پھر پاشا نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی اور ایک طویل جماہی لیتے ہوئے بولا ''ویسے بھی اس وقت رات کے تین بج رہے ہیں!''

وقت گزرنے پر مجھے یاد آیا کہ رات ڈیڑھ بجے میں

ڈارلنگ کی اصلیت جاننے کے لیے 'چی' کی قوت کو آزمانے میں مصروف تھا۔ زیریں منزل پر تیزی سے بدلتی ہوئی صورتِ حال نے مجھے نیچے آنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس بات کو لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹا بیت چکا تھا۔ کیا ڈارلنگ اب تک بے ہوشی کی حالت میں ٹیبل پر پڑی ہوگی؟

اس سوال نے مجھے یک لخت کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ فرید پاشا میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''کیا ہوا وجدان؟'' اس کے استفسار میں گہری تشویش تھی۔

''میں ذرا اوپر جا رہا ہوں۔'' میں نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

''خیریت تو ہے، ایسی کیا بات ہوگئی؟''

''ابھی آ کر بتاتا ہوں۔''

میں کوٹھی کے اندرونی حصے سے نکل کر خوش نما اور طرح دار زینے کی جانب بڑھ گیا۔ بالائی منزل پر قدم رکھنے سے پہلے مجھے معلوم ہو گیا، فرید پاشا بھی میرے تعاقب میں چلا آیا تھا۔ میں نے اس کی جانب توجہ دیے بغیر اس کمرے میں قدم رکھ دیا جو شب بسری کے لیے مجھے دیا گیا تھا۔

بیڈروم میں قدموں سے پہلے میری نگاہ داخل ہو چکی تھی اور یہ نگاہ کمرے میں موجود ہر شے کو فراموش کر کے سیدھی اس میز تک جا پہنچی جہاں کچھ دیر میں نے ڈارلنگ کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑا تھا۔

وہ میز خالی تھا۔ ڈارلنگ کا وجود اس پر کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس منظر نے میری نگاہ کو دھچکا پہنچایا۔ ایک بے نام سے اضطراب نے میرے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا۔ میں متلاشی نظر سے بیڈروم کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لینے لگا۔ چند لمحات کی تلاش سے مجھے اندازہ ہو گیا، ڈارلنگ اس میز پر تو کیا، اس کمرے ہی میں کہیں موجود نہیں تھی۔ میرے ذہن نے تشویش کے عالم میں سوچا ''یہ پراسرار بلی کہاں چلی گئی؟''

اپنے اس خیال پر مجھے ہنسی بھی آئی۔ اگر میں ڈارلنگ کو ایک پراسرار بلی تسلیم کر رہا تھا پھر ''کہاں چلی گئی؟'' کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی تھی۔ جو چیز اسرار سے بھری ہو، وہ کہیں بھی، کسی بھی وقت جا سکتی ہے۔

اپنے عقب میں مجھے فرید پاشا کی آواز سنائی دی ''وجدان! تم مجھے خاصے پریشان نظر آ رہے ہو۔ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟''

''ڈارلنگ کی۔'' بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

''ڈارلنگ!'' اس نے حیرت سے دہرایا پھر اسے فوراً یاد آ گیا، میں کس ڈارلنگ کا تذکرہ کر رہا ہوں، جلدی سے بولا ''اچھا اچھا، تم اپنی بلی کو ڈھونڈ رہے ہو۔ کہاں چلی گئی تمہاری وہ چہیتی بلی؟''

''اگر مجھے یہ معلوم ہوتا، ڈارلنگ کہاں گئی ہے تو میں اسے وہیں جا کر تلاش کرتا۔''

اس نے میری اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور ڈارلنگ کی تلاش میں میرا ساتھ دینے لگا۔ اگلے پندرہ منٹ میں ہم نے کوٹھی کی ہر اس جگہ کو دیکھ لیا جہاں ڈارلنگ کے پائے جانے کے امکانات ہو سکتے تھے مگر وہ ہمیں کہیں ملی اور نہ ہی اس کی کوئی سراغ ہاتھ آیا۔ اسی تلاشی میں ٹہلتے ہوئے ہم سیکیورٹی گارڈ کے پاس بھی گئے۔ اس سے ڈارلنگ کے بارے میں استفسار کیا۔ اس کے جواب سے مجھے مایوسی ہوئی۔ اس نے ڈارلنگ کو کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''تم تھوڑی دیر پہلے ایک سنگین حادثے سے گزرے ہو۔ اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اب وہ لوگ واپس نہیں آئیں گے، تم آرام سے سو جاؤ۔''

''میں ٹھیک ہوں سر۔'' وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولا ''بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔ یہ تکلیف قابلِ برداشت ہے۔ فوج کی ملازمت کے دوران میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی چوٹیں آئی ہیں۔ میں اگر سو گیا تو یہ فرائض میں کوتاہی ہوگی۔''

اس کے لہجے میں مجھے مکاری کی بُو آئی۔ فرید پاشا سے ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تم اسی کیبن میں رہ کر تھوڑا سا آرام کر لو اور چوکنا نظر سے گرد و پیش کا جائزہ بھی لیتے رہو۔ سو کے لیے کل کا دن پڑا ہے۔'' پاشا کے لہجے میں رکھائی واضح تھی۔

ہم گیٹ کے پاس سے واپس کوٹھی کے اندرونی حصے آ گئے۔ میرے ذہن میں ایک ہی جملے کی گردان تھی ڈارلنگ کہاں غائب ہوگئی؟

ڈارلنگ کے غیاب سے مجھے وہ رات یاد آ گئی جب سرمئی رنگت والی لیلیٰ نے مجھے تسخیر کیا تھا۔ میں کے ڈی اسکیم کے اس بنگلے میں گزاری ہوئی رات کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ پراسرار شکتیوں کی مالک نیلگری نے رات لیلیٰ کے جلو میں مجھے پچھاڑا تھا اور ڈارلنگ آج اس طرح غائب ہوگئی تھی۔ تو کیا نیلگری پھر کوئی چمتکار دکھانے والی تھی؟

اس سوال نے مجھے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ میں تجربے کو کسی بھی قیمت پر دہرانے کے حق میں نہیں تھا۔

خوشگوار تجربات ایسے ہوتے ہیں جن کے مابعد اثرات میں تلخیوں اور سنگینیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس رات تو لیلیٰ نے جام امید نامی کندنی مشروب کی مدد سے مجھے ہوش و خرد سے بیگانہ کر کے کمزور بنا دیا تھا اس لیے بیلگری یہ آسانی مجھے شکار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اب ایسی کوئی صورتِ حال پیش نہیں آسکتی تھی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، میں ایک ایک قدم سنبھل کر اٹھانا چاہتا تھا۔ تاکہ بلندی اور پستی میں امتیاز باقی رہے۔

اچانک فرید پاشا کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا ''وجدان! تم کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کیا تم پریشان ہو؟''

''ہاں، میں تھوڑا سا پریشان ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''ڈارلنگ کی اچانک روپوشی نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔''

میں فرید پاشا کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ ڈارلنگ کوئی عام بلی نہیں بلکہ اسرار و رموز میں لپٹا ہوا ایک سلگی تھان ہے جس کی ایک ایک تہ میں ناز و ادا کی بھول بھلیاں ہیں ان پیچ در پیچ بھول بھلیوں میں انسان کھوتا نہیں بلکہ پھسلتا ہے اور پھسل کر اس طرح چاروں خانے چت ہوتا ہے کہ چشم فلک مسکرا اٹھتی ہے۔ اس حیرت آفرین اور دلنشین بلی کا اسرار مجھ پر کھلنے ہی والا تھا کہ وہ منظر سے غائب ہوگئی۔ میں یہ تفصیل پاشا کے سامنے لا سکتا تھا اور نہ ہی لانا چاہتا تھا۔

وہ مجھے خاموش پا کر گمبھیر آواز میں بولا ''یار وجدان! تمہاری حالت دیکھ کر تو لگتا ہے، ڈارلنگ کی روپوشی نے تمہیں گہرے صدمے سے دوچار کر دیا ہے۔''

''ڈارلنگ کی جدائی ایسا ہی سسٹم ڈھاتی ہے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اس سلسلے میں، میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔'' میں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''وہ جس طرح گئی ہے ویسے ہی واپس بھی آجائے گی۔''

''کیا پہلے بھی وہ اس قسم کی حرکت کر چکی ہے؟''

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ بولا ''پھر تو زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔ تم اوپر جا کر آرام سے سو جاؤ۔ رات تو اب ختم ہونے والی ہے۔ تم کل رات دیر تک سونا تاکہ فریش ہو کر دشمنوں کا سامنا کر سکو۔ اب کئی حوالوں سے ہمارے دشمن مشترک ہو گئے ہیں، خاص طور پر سکندر اور اس کا ایم پی اے باپ لالہ بشیر سیٹھ!''

اچانک میرا دھیان صدف کی طرف چلا گیا۔ میں فرید پاشا کے پاس اور صدف نادیہ کی کوٹھی میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہاں پر تو اتفاقیہ سکندر سے میری آنکھیں چار ہوگئی تھیں۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، فرید کی کوٹھی پر مجھ سے سامنا ہو جائے گا مگر صدف کو وہ کوئی بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ صدف ہی نے ریسٹورنٹ میں اسے سب سے زیادہ رسوا کیا تھا۔ اپنی رسوائی کے بدلے میں کوئی بھی اوچھا ہتھکنڈا آزما سکتا تھا۔ اگرچہ وہ ڈی ایس پی اورنگ زیب خان کی کوٹھی میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا تاہم ایسے کمین فطرت لوگوں سے کچھ بعید نہیں ہوتا اور اب تو وہ مجھے فرید پاشا کی کوٹھی میں نہ صرف دیکھ چکا تھا بلکہ اچھی خاصی درگت بھی بنوا کر گیا تھا۔ اس کی جانب سے بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔

میں نے فرید پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''کیا میں آپ کا فون استعمال کر سکتا ہوں؟''

''اس کوٹھی کی کوئی بھی شے استعمال کرنے کے لیے تمہیں مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں یار۔ یو آر آنریبل پرمیٹیڈ۔'' فرید پاشا گفتگو کے دوران میں کبھی کبھار کوئی انگلش کا جملہ بھی ٹانک دیا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا ''ویسے رات کے آخری پہر تم کسے فون کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''میں ذرا صدف اور نادیہ کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

سکندر کے حوالے سے میں نے فرید پاشا کو نادیہ، صدف اور ڈی ایس پی اورنگ زیب خان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔

اس نے کہا ''ٹھیک ہے، تم ان کی خیریت معلوم کر لو تاکہ مطمئن ہونے کے بعد تم گہری اور پرسکون نیند سو سکو۔''

ایک لمحے کو میرے ذہن میں آیا کہ رات کے اس پہر فون کر کے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں۔ اگر میں نے صدف یا کسی اور سے سکندر کے تازہ ترین ناکامیاب مشن کے بارے میں کوئی بات کی تو وہ خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے اور ان کا باقی حصہ آنکھوں میں کٹ جائے گا مگر ان لوگوں کی خیریت معلوم ہونا بھی ضروری تھا۔

میں نے فرید پاشا سے کہا ''پاشا صاحب! میں اورنگ زیب خان کی کوٹھی کا نمبر ملاتا ہوں بات آپ کریں۔ اگر ان میں سے کسی نے میری آواز سن لی تو گفتگو کا ایک دفتر کھل جائے گا اور وہ بے چارے الجھن میں پڑ جائیں گے۔''

''میں کیا بات کروں گا؟'' فرید پاشا نے پوچھا۔

میں نے کہا ''جو بھی شخص ریسیور کرے اس پر آپ

کوٹھی کے فون اس نے کیا ہے۔ ظاہر ہے، فون اس نے ظاہر کریں کہ فون اس نے کیا ہے۔ ظاہر ہے، فون اس نے ظاہر کریں گے اس لیے آپ کو دوسری جانب سے جھنجلاہٹ نہیں کیا ہوگا اس لیے آپ کو دوسری جانب سے جھنجلاہٹ نہیں سننا پڑیں گی۔ اس سے کم از کم یہ تو اندازہ ہو جائے گا، ادھر کیا صورتِ حال ہے۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا ''یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں لیکن مجھے خدشہ ہے کہ وہ لوگ میری آواز پہچان لیں گے۔''

میری بات فرید پاشا کی سمجھ میں آگئی اور اگلے دو منٹ میں اس نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نہایت ہی صفائی سے یہ معلوم کر لیا کہ چائنا چوک والی کوٹھی میں سب خیریت ہے، میں مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھا اور کوٹھی کی بالائی منزل پر آگیا۔ بیڈروم میں قدم رکھتے ہی میں چونک اٹھا۔

وہ آفت کی پرکالہ، شیر کی خالہ بڑے طمطراق سے بیڈ پر براجمان تھی۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی وہ بڑی ادا سے مسکرائی اور اس نے اپنے حلق سے بڑی کراری آواز نکالی ''میاؤں!''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ چڑانے کے لیے مسکرائی ہو۔ میں اسے گہری نیند میں پہنچا کر اس کے اسرار کے بند کھولنے والا تھا لیکن زیریں منزل والی ہنگامی صورتِ حال نے مجھے اس کا موقع نہ دیا بلکہ ہاتھ آئے ہوئے اچھے خاصے موقع کو ضائع کر دیا تھا۔ اگر مجھے ڈارلنگ پر کام کرنے کے لیے پندرہ بیس منٹ اور مل جاتے تو میں اس کی حقیقت کو پالیتا۔

میں بیڈ کی جانب بڑھا تو وہ یہ سمجھی کہ میں اسے پکڑنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس نے ایک زقند بھری اور دور پڑی میز پر جا بیٹھی۔ یہ وہی میز تھی جہاں میں نے دو گھنٹے قبل اسے لٹایا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ اس کی گہری نیند کیسے ٹوٹی تھی اور ازاں بعد تلاش کرنے پر وہ مجھے ملی کیوں نہیں تھی۔

''تم کہاں غائب ہوگئی تھیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے نگاہ چراتے ہوئے آواز نکالی ''میاؤں!''

میں نے واضح طور پر محسوس کیا، ڈارلنگ مجھ سے نگاہ نہیں ملا رہی تھی شاید اس لیے کہ وہ مجھ سے نگاہی ملاپ کے نتائج دیکھ چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کے اسرار تک پہنچ پاؤں۔ دو گھنٹے قبل جب میں نے اسے اپنے ٹرانس میں لانے کا آغاز کیا تھا تو ڈارلنگ نے حتی المقدور مزاحمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ تو 'چی' کی قوت نے میرا ساتھ دیا اور میں اسے اپنے دام میں لانے میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا ورنہ ڈارلنگ ہماشا کے بس کی نہیں تھی۔

میں نے اسے پچکارتے ہوئے زبان سے کہا ''ادھر آؤ میرے پاس!''

وہ شرارت آمیز انداز میں مسکرائی اور میز پر سے اچھل کر بیڈروم کے دور افتادہ کونے میں پہنچ گئی اور میری سماعت سے اس کی مانوس آواز ٹکرائی ''میاؤں!''

آج وہ مجھ سے دور بھاگ رہی تھی، میری پکار پر دوڑی چلی آنے والی کترا کر فاصلہ بڑھا رہی تھی مگر اس کے فرار اور گریز میں نافرمانی یا سرکشی کا شائبہ تک نہیں تھا بلکہ اس کی ان اٹکھیلیوں نما حرکات میں شوخی تھی جیسے وہ ناز و عشوہ دکھا کر اپنا بھاؤ بڑھا رہی ہو۔ اس وقت وہ کسی شریر اور دل پذیر بیوی سے کم نظر نہیں آتی تھی۔

میرا پورا بدن تھکن اور نیند سے چور ہو چکا تھا۔ پچھلے اڑتالیس گھنٹوں میں مجھے آرام کرنے کا کوئی معقول موقع نہیں ملا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں خود کو نیند کی دیوی کے حوالے کر دیتا، ڈارلنگ نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

میں اس کی ''میاؤں'' پر اٹھ کر بیٹھا تو وہ قلانچیں بھرتی ہوئی ایک پردے کے پیچھے جا چھپی اس کے انداز میں ایک کھلا چیلنج تھا کہ کیچ می، اف یو کین! ڈارلنگ اس وقت مجھے مشہور انگریز شاعر رابرٹ براؤننگ (Robert Browning) کی محبوبہ لگی۔ موصوف کا اپنی محبوبہ سے عشق کا بیشتر حصہ پردوں کی اوٹ پر مشتمل ہے۔ پردے کے پیچھے پہنچ کر بھی ڈارلنگ کو چین نہ آیا اور وقفے وقفے سے اس کی ''میاؤں، میاؤں'' جاری رہی مگر میں اس کی چال میں نہ آیا۔ وہ مجھے اپنے پیچھے دوڑانے کے موڈ میں تھی۔ میں اس قسم کی خواری کے بعد اسے پکڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ بلی کو زبردستی پکڑنے والوں کے انجام سے میں واقف ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا، صبح فرید پاشا کے سامنے مجھے جواب دہ ہونا پڑے۔ وہ میرے حلیے اور حشر کو دیکھ کر پوچھ سکتا تھا ''وجدان! یہ تو بتاؤ، تم نے بلی پکڑی کیسے!''

میں نے ڈارلنگ اور اس کی ''میاؤں، میاؤں'' کو نظر انداز کر دیا۔ یہ بات یقین کی طرح میرے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔ جب اسے میرے قریب یا آس پاس ہی رہنا تھا تو پھر کسی اور مناسب موقع پر اسے ٹرائی کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال نیند پوری کرنا اور تھکن اتارنا زیادہ ضروری تھا۔

میں نے چند گہری سانسیں لے کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر اپنے دماغ کو ہدایت دی۔ ''میں نہایت ہی پرسکون، میٹھی اور گہری نیند سوؤں گا اور جب تک میں ذہنی و جسمانی طور پر فریش نہیں ہو جاتا، سوتا رہوں گا البتہ اگر اس بیڈروم اور اس کوٹھی میں، میری نیند کے دوران میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش

آنے کے اسباب نمودار ہوئے تو میری آنکھ فوراً کھل جائے گی۔''

میں سونے سے قبل اپنے دماغ کو مخصوص قسم کی ہدایات دینے کا عادی تھا اور میرے دماغ نے کبھی نافرمانی نہیں کی۔ دماغ اور جسم کے مختلف حصوں کو ترغیبات (Suggestions) اور ہدایات (Instructions) دینے کا طریقہ کار مجھے ماسٹر ہپناٹزم پائی نے سکھایا تھا۔ ماسٹر ہپناٹزم پائی یوگا اور مارشل آرٹس کا متبحر تھا۔ میں نے اس شخص سے جو کچھ سیکھا وہ ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

تھکن اور نیند کے خمار نے میرے جسم اور دماغ کو سونے کے لیے پہلے ہی ہموار کر رکھا تھا اس لیے ''ہدایات'' کے اختتام پر میں نیند کی حسین و پرکیف وادی میں داخل ہوگیا۔

☆☆☆

دوسرے دن قبل از دوپہر میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے ایک طویل انگڑائی لے کر بدن کو کھینچا پھر آہستہ آہستہ تناؤ کم کرتے ہوئے نارمل حالت میں آگیا۔ اسی وقت دیوار گیر کلاک پر میری نظر گئی۔ کلاک کے ڈائل پر ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ میں نے کم از کم آٹھ گھنٹے کی نیند لی تھی۔ اگرچہ یہ جمع شدہ نیند کا ازالہ تو نہیں تھا تاہم اس بھرپور نیند کے بعد میں خود کو ہلکا پھلکا اور فریش محسوس کر رہا تھا۔

میں نے بستر چھوڑ دیا اور بیڈ سے اترنے لگا تو مجھے اپنے پاؤں کے قریب مخملیں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ نیچے فرش پر، میرے پاؤں کے پاس ڈارلنگ موجود تھی۔ وہ گویا سلیپرز سے لگی بیٹھی میرے بیدار ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے گداز لمس نے میرے وجود میں گدگدی جگادی۔ میں نے جھک کر ڈارلنگ کو بازوؤں میں اٹھایا پھر گود میں لے کر پیار کیا۔ میرا شفقت بھرا ہاتھ اس کے بدن پر مخصوص حرکت کرنے لگا تو وہ آنکھیں موند کر شانت ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اسے فرش پر چھوڑ دیا۔

وہ تیزی سے دوڑتے ہوئے بیڈروم کے داخلی دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے اس کی فطری ضروریات کا احساس کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا، وہ جھپاک سے باہر نکل گئی۔ میں دروازہ کھلا چھوڑ کر واش روم میں گھس گیا۔

آدھے گھنٹے بعد جب میں فریش اپ ہو کر واش روم سے نکلا تو فرید پاشا بیڈروم میں موجود تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ فراخ دلی سے مسکرایا اور دوستانہ انداز میں بولا۔

''وجدان! اگرچہ صبح کو گزرے ہوئے کافی وقت بیت گیا ہے مگر پھر بھی میں یہی کہوں گا، گڈ مارننگ!''

''مارننگ پاشا صاحب!'' میں نے جواباً کہا۔

''تمہارے چہرے سے لگتا ہے، نیند اور تھکن کو تم کہیں دور دھکیل آئے ہو۔''

''کوشش تو یہی کی ہے۔'' میں نے کہا پھر رسمی انداز میں پوچھا ''کیا خبریں ہیں؟''

''خبریں خاصی گرما گرم ہیں۔'' وہ جوش بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا ''آپ کا انداز بتا رہا ہے، آپ کے پاس میرے لیے کوئی خاص خبر ہے۔''

''خبر نہیں، خبریں ہیں۔'' وہ ہیجان خیز لہجے میں بولا ''تم نیچے چلو، پھر پتا چلے گا، کیسی کیسی خبر تمہاری منتظر بیٹھی ہے۔''

ایک لمحے کو رک کر اس نے جلدی سے اضافہ کیا ''اور ہاں، وہ تمہاری لاڈلی بلی بھی مجھے تھوڑی دیر پہلے نظر آئی تھی۔ میں نے اسے دیوار پھلانگ کر باہر جاتے دیکھا ہے۔''

''ڈارلنگ نے رات میرے ساتھ بیڈروم میں گزاری ہے۔'' میں نے شوز پہنتے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''وہ رات جیسے اچانک غائب ہوئی تھی ویسے ہی ظاہر ہوگئی۔''

''وجدان! تمہاری ڈالنگ بڑی حیرت انگیز بلی ہے!'' فرید پاشا نے کہا۔

میں نے اس کی رائے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پوچھا ''پاشا صاحب! آپ کی وائف کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''ایک دم نارمل۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا ''نائلہ بڑی ہمت والی ہے۔ بحرانی صورتِ حال نے اسے وقتی طور پر زدوں کر دیا تھا مگر اب سب ٹھیک ہے۔ وہ تمہاری بے حد شکر گزار ہے اور ڈائننگ ٹیبل پر تمہارا انتظار کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہے۔''

''کیا مطلب!'' میں اس کی بات سن کر چونکا ''کیا کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود ہیں؟''

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ منہ سے کچھ کہنا ضروری نہ سمجھا۔

میں نے پوچھا ''وہاں اور کون کون ہے؟''

''نیچے چل کر خود ہی دیکھ لو یار۔'' وہ بے تکلفی سے بولا ''اب کیا میں ساری ''اسٹوریاں'' تمہیں یہیں سنا دوں۔ کچھ باتیں لوکیشن اور سیٹ کے لیے بھی رہنے دو۔''

میں سمجھ گیا وہ مجھے کس قسم کا سرپرائز دینا چاہتا تھا اسی لیے کھل کر بات نہیں کر رہا تھا۔ میں نے بھی اسے کریدنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی معیت میں زینہ اترتے ہوئے پوچھا ''کیا

آپ لوگوں نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟''

''یار وجدان! تم بھی بعض اوقات عجیب سوال کرتے ہو۔'' پاشا نے مذاق کے رنگ میں کہا۔ ''میں میزبان ہیں، مہمان سے پہلے کیسے کھا پی سکتے ہیں؟''

میں نے اس کے مذاق کو مذاق ہی سمجھا اور زیریں منزل پر چلا آیا۔ ڈائننگ روم میں طویل و عریض میز پر انواع و اقسام کی نعمتیں موجود تھیں۔ تھوڑی دیر بعد پاشا کی بیوی نائلہ بھی وہاں پہنچ گئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی رات والے واقعے پر اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔

میں نے کہا ''بھابی! آپ کے یہ شوہر نام دار پہلے ہی مجھے اس قدر شرمندہ کر چکے ہیں کہ اب مزید شکریے کی گنجائش باقی نہیں۔''

''آپ کو گنجائش نکالنا ہوگی۔'' وہ قطعیت سے بولی ''میں آپ کا شکریہ ادا کیے بغیر رہ نہیں سکتی۔ آپ یہ شکریہ اپنے دل سے قبول کر لیں۔ دل میں گنجائش ہو تو دنیا جہاں کی چیزیں اس میں سما سکتی ہیں۔ میرا یہ چھوٹا سا شکریہ کیا معنی رکھتا ہے۔''

''آپ نے مجھے لاجواب کر دیا بھابی!'' میں نے تہ دل سے کہا ''میرے دل میں بے پناہ وسعت ہے۔ میں آپ کے لاکھوں کروڑوں شکریے وصول کرنے کو تیار ہوں۔''

فرید پاشا نے کہا ''ایسی باتیں کرنے میں نائلہ کا جواب نہیں۔ یہ بڑی حاضر جواب ہے۔''

''میری نظر میں یہ خود بھی لاجواب ہیں!'' میں نے نائلہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔ پتا نہیں، میری تعریف نے کس طور اس پر اثر کیا تھا۔ میں نے فرید پاشا کی طرف رخ پھیرتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

''آپ تو کہہ رہے تھے، ڈائننگ ٹیبل پر کچھ اور لوگ بھی میرے منتظر ہیں۔'' میں نے استفساریہ انداز میں کہا ''مگر یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا۔''

''ابھی نظر آ جائے گا۔ تم ذرا.....''

فرید پاشا کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ گھریلو ملازمہ ثمرکھی دو جانی پہچانی ہستیوں کو لے کر ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔ وہ صدف اور نادیہ تھیں۔ میں انہیں وہاں دیکھ کر چونکا ضرور مگر اس پر مجھے زیادہ حیرت نہ ہوئی۔ صدف ایسی منہ زور اور تند لڑکی تھی کہ وہ کہیں بھی پہنچ سکتی تھی۔ اللہ رکھی انہیں وہاں چھوڑ کر واپس چلی گئی۔

ہمارے درمیان ''ہیلو ہائے'' کا تبادلہ ہوا اور وہ دونوں کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئیں۔ فرید پاشا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''وجدان! یہ تمہاری دوست صبح سے تین مرتبہ فون کر چکی ہے۔'' اس کا اشارہ صدف کی طرف تھا ''میں نے ہر بار اسے یہی بتایا کہ تم سو رہے ہو اور یہ واقعہ بھی ہے پھر تھوڑی دیر پہلے یہ اپنی کزن کے ساتھ خود یہاں چلی آئی۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر انتظار کرنے کو کہا کیوں کہ تم اس وقت واش روم میں تھے اور اب۔'' اس نے ذرا توقف کر کے ان کی طرف دیکھا اور بولا ''تمہارا انتظار کرنے والیاں تمہارے سامنے ہیں لہٰذا ہمیں ناشتا نما لنچ یا لنچ نما ناشتا شروع کرنے میں کسی تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔''

''الکل! ہم بھرپور ناشتا کر کے آئے ہیں۔'' صدف نے فرید پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اس لیے آپ کے ساتھ صرف چائے چلے گی۔''

میں اس وقت بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ فرید پاشا نے تھوڑی دیر پہلے مجھے وجدان کے نام سے مخاطب کیا تھا گویا، صدف کے یقین کو مزید پختگی حاصل ہوگئی تھی۔ پھر پاشا نے صدف کو میری دوست کہا تھا۔ یہ پٹی یقیناً صدف ہی نے پاشا کو پڑھائی ہوگی۔ پتا نہیں، اس دوران میں اس قیامت لڑکی نے کیا کیا حشر برپا کیے ہوں گے۔ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پاشا نے کہا۔

''وجدان! تم کہاں گم ہوگئے۔ کھانا شروع کرو۔ کیا لنچ کو ڈنر کے ساتھ ملانے کا پروگرام ہے!''

آدھے گھنٹے بعد ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو چائے کا دور چلا۔ اس دور کے لیے ہمیں نائلہ کے مشورے پر عمل کرنا پڑا۔ اس کی خواہش تھی، ہم سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پئیں۔ اس طرح وہ یہ چاہتی ہوگی، میں آنے والیوں سے زیادہ کھل کر بات کر سکوں گا۔ اس کا ثبوت اس نے اس طرح دیا کہ خود کسی کام کے بہانے غائب ہوگئی۔

چائے کی پیالی خالی کرتے ہی پاشا بھی اٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ''وجدان! تم لوگ گپ شپ لگاؤ، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ مجھے چند ضروری فون کرنا ہیں۔''

میں نے واضح طور پر محسوس کیا، وہ ہمیں بات چیت کا موقع دینے کے لیے وہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اس کے جاتے ہی صدف میری طرف متوجہ ہوگئی۔

''وجدان! گزشتہ رات اس کوٹھی میں اتنا بڑا واقعہ پیش آ گیا اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں جب کہ اس واقعے کے کرداروں میں سکندر بھی شامل تھا؟''

میرے سینے سے ایک بوجھل سانس خارج ہوئی ''تو تمہیں سب پتا چل گیا!''

''مجھے فرید انکل نے اس افسوس ناک واقعے کے بارے میں مختصراً بتایا ہے۔''

''انہوں نے تمہیں اور کیا کیا بتایا ہے؟'' میرے انداز میں بیزاری تھی۔

وہ چٹکی لیتے ہوئے بولی ''میں نے جو پوچھا، انہوں نے بتا دیا۔''

یہ خاصی خطرناک صورتِ حال تھی۔ صدف سے مزید گفتگو کرنے سے پہلے پاشا کو سچ کرنا ضروری تھا۔ میں نے صدف کو اپنی سوچ سے آگاہ نہیں ہونے دیا اور اسے باتوں میں لگاتے ہوئے وہاں سے اٹھنے کا بہانہ سوچنے لگا۔

''ہاں صدف، یہ ایک اتفاق ہی ہے۔'' میں نے کہا ''سکندر، فرید پاشا کا دشمن نکل آیا۔ سکندر کے چچا رانا عظمت سے پاشا کا کوئی تنازع چل رہا ہے۔ نائلہ کا نا کامیاب اغوا اسی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔''

پھر میں نے اپنے چہرے کے تاثرات سے یہ ظاہر کیا جیسے اچانک مجھے کوئی نہایت ہی اہم بات یاد آ گئی ہو۔ میں نے بڑی سرعت سے اٹھتے ہوئے کہا ''ایکسکیوزمی! میں ابھی آیا۔''

پھر اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے کوئی مجھ سے سوال کرتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں، میں ڈرائنگ روم سے نکل آیا۔ چند لمحات بعد میں فرید پاشا کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔

''کیا ہوا وجدان! تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟''

''ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا ''آپ نے صدف کو میرے بارے میں کیا بتا دیا ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہمارے درمیان زیادہ بات چیت نہیں ہوئی۔ وہ میری کیفیت کو بھانپتے ہوئے بولا ''کل تم نے، یہاں آنے سے پہلے فون پر مجھے بتایا تھا کہ اپنے خیر خواہ ڈی ایس پی اورنگ زیب خان کی کوٹھی پر ہوا ورڈنر کے بعد آؤ گے پھر رات والے واقعے کے بعد تمہاری زبانی مجھے پتا چلا کہ کل جب تم صدف اور نادیہ کے ساتھ مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے تو سکندر سے تمہاری خوب مار ماری ہوئی تھی۔ میں تو یہی سمجھا کہ صدف وغیرہ تمہارے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''تمہاری نیند کے دوران میں جب دو تین مرتبہ تمہارے لیے صدف کا فون آیا اور اس نے اپنے تعارف کے ذیل میں بتایا کہ وہ تمہاری دوست ہے تو میں نے اسے تمہاری دوست ہی سمجھا اور اسی حوالے سے، اس کی یہاں آمد پر میں نے انہیں ٹریٹ کیا ہے۔ یہ تو ان سے بات چیت کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ نادیہ، صدف کی کزن اور ڈی ایس پی کی بیٹی ہے۔ ہمارے درمیان اب تک نارمل انداز میں گفتگو ہوئی ہے۔ میں سمجھ نہیں سکا، تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''ابھی تک تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی پاشا صاحب!'' میں نے تامل کرتے ہوئے کہا ''لیکن کوئی بھی بڑی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ آپ یہ بتائیں، نارمل انداز میں آپ لوگوں کے درمیان کس قسم کی باتیں ہوئی ہیں؟ خاص طور پر صدف نے آپ سے اور آپ نے صدف سے کیا کہا ہے؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ سے صدف ہی نے گفتگو کی ہے۔'' وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولا ''نادیہ نے تو جیسے اپنے ہونٹوں پر خاموشی سجا رکھی ہے۔ اس کی حیثیت مجھے شامل باجا سے زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔'' ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا ''صدف سے بھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ اس نے فلم انڈسٹری اور گاؤں کا ماحول دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ فلم کی شوٹنگ اور دیہات کے فطری ماحول کو دیکھنے کی شائق ہے اور مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس سلسلے میں اس سے تعاون کروں۔''

''پھر آپ نے کیا کہا؟'' میں نے سوالیہ نظر سے پاشا کو دیکھا۔

وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا ''میں کیا کہتا وجدان! ظاہر ہے فلم انڈسٹری اور گاؤں دیہات کی سیر میری رسائی میں ہے۔ میں تمہاری دوست کو کیسے انکار کر سکتا تھا۔ میں نے صدف سے وعدہ کیا ہے، اس کی خواہش پوری کرنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟''

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''آپ نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ میں کل ''رکھاں والی'' روانہ ہونے والا ہوں، میرا مطلب ہے، میں آپ کے گاؤں سے پور جانے والا ہوں؟''

''نہیں، ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' وہ قطعیت سے بولا پھر پوچھا ''وجدان! میں ابھی تک تمہاری اور صدف کی دوستی کو کسی مروج خانے میں فٹ نہیں کر پایا ہوں۔

تمہاری حالیہ پوچھ تاچھ سے اندازہ ہوتا ہے، تم صدف پر زیادہ بھروسا نہیں کرتے؟''

''پاشا صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود ابھی تک صدف کے بارے میں حتمی رائے قائم نہیں کر سکا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''اس کی حیثیت میرے ایک دوست کی سی ہے لیکن میں اپنے نجی معاملات اس سے شیئر نہیں کر سکتا۔ ہماری ملاقات کو چند روز سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ میں نہیں چاہتا، اسے ساحل یا ''رکھاں والی'' کے معاملات کی بھنک بھی پڑے۔''

''تم اس سلسلے میں بے فکر ہو جاؤ وجدان!'' پاشا نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''تم ان دونوں سے نمٹ کر فارغ ہو جاؤ پھر تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔''

میں نے ''ضروری باتوں'' کے ذکر پر چونک کر فرید پاشا کو دیکھا، وہ میری سوالیہ نظر کا مطلب سمجھتے ہوئے بولا۔

''ان باتوں کا تعلق سیکیورٹی گارڈ خادم حسین اور چوہدری نوازش علی سے ہے۔''

''سیکیورٹی گارڈ اور چوہدری میں کیا تعلق ہو سکتا ہے!''

''ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''میرے پاس، تمہارے لیے ان دونوں سے متعلق کچھ اہم اطلاعات ہیں۔''

میں فرید پاشا کے پاس سے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آنے لگا تو ایک خیال کے تحت میں نے پاشا سے کہا ''اگر کل میرا یہاں سے روانہ ہونا یقینی ہو جاتا ہے تو میرے جانے کے بعد صدف آپ کے کان اور دماغ کھائے گی لیکن آپ کسی بھی صورت اسے میرے پروگرام اور عزائم کے بارے میں نہیں بتائیں گے البتہ اگر ممکن ہو تو اسے ایک آدھ فلم کی شوٹنگ دکھانے ضرور لے جائیں۔''

''میں نے کہا نا، تم ان معاملات کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میں صدف سے ہونے والی مختصر گفتگو سے اس کے ''منصوبہ جات'' کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ یار! میں ایک کامیاب فلم پروڈیوسر ہوں۔ اعلیٰ کوالٹی کے اداکاروں سے دن رات میرا واسطہ رہتا ہے۔ میں نے فن کاروں کے کون کون سے رنگ ڈھنگ نہیں دیکھے۔ طرح طرح کی کہانیاں اور ان کہانیوں میں آنے والے پیچیدہ پوشیدہ موڑوں پر میری نگاہ رہتی ہے۔ میں ایک چاول کو دیکھ کر دیگ کا حال بتا سکتا ہوں۔ تمہاری کہانی کے تمام گوشے بھی مجھ پر آشکار ہو چکے ہیں۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے معنی خیز انداز میں مجھے دیکھا۔ اس کے دیکھنے میں بڑی خطرناک پنہاں تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی نظر سے میرے دل و دماغ کی اسکیننگ کر رہا ہو۔

میں نے محتاط انداز میں دریافت کیا ''مثلاً کون سے گوشے؟''

''گھبرا گئے!'' وہ میری حالت کے پیش نظر ایک نیچا قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ''یار! تمہارا معاملہ تو کھلی کتاب کے مانند ہے۔ یہ ایک ہیرو اور دو ہیروئن کی کہانی ہے۔ ہیرو ایک ہیروئن کی تلاش میں دنیا جہاں کی خاک چھانتا پھر رہا ہے جب کہ دوسری ہیروئن اس کی توجہ حاصل کرنے اور اس کے دل تک رسائی پانے کے لیے اس کا سایہ بننے کی کوشش میں ہے۔ ہیرو جسے چاہتا ہے، وہ اس سے دور ہے اور جو ہیرو کو چاہتی ہے، ہیرو اس سے دور بھاگتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

اس کے سوال میں بڑی شدت تھی۔ میں مکمل طور پر انکار نہ کر سکا اس لیے صرف اتنا کہا۔ ''پاشا صاحب! آپ کا خیال بڑی حد تک درست ہے مگر میں کسی فلمی سچویشن میں نہیں پڑنا چاہتا میرے پاس اتنی فرصت نہیں۔''

''مگر لگتا ہے، صدف کے پاس بہت فرصت ہے۔''

''یہ اس کا پاگل پن ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''وہ ایک بے وقوف اور سر کی ہوئی لڑکی ہے۔'' پتا نہیں کیوں، میں صدف کے لیے اس وقت خاصے سخت الفاظ استعمال کر بیٹھا تھا۔ میں نے پاشا کو بتایا ''صدف میڈیکل کے فائنل ائیر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ کچھ عرصے بعد اس کے امتحانات ہونے والے ہیں اور اس جنونی لڑکی کو اس نازک موقع پر مہم جوئی کی سوجھی ہے۔''

پاشا زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولا ''وجدان! دل کے معاملات میں انسان کو بہت دور کی سوجھتی ہے۔ اہم اور غیر اہم کے لیے اس کا اپنا معیار ہوتا ہے۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بڑے سے بڑا نقصان بھی برداشت کر سکتا ہے۔'' وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد تنبیہی انداز میں بولا ''نوٹ کر لو وجدان! آگے چل کر یہ لڑکی تمہاری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرے گی!''

''کیا آپ نے اس کا زائچہ کھینچا ہے یا اس کے ستاروں کی چالیں ناپ کر بتا رہے ہیں؟'' میں نے نیم مزاحیہ انداز میں کہا۔

وہ بڑے پر معنی انداز میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''وجدان! میں کوئی نجومی یا دست شناس نہیں بلکہ میں تو صرف مردم شناس ہوں اور یہ بات میں اپنے تجربے اور صدف کے تیور دیکھنے کے بعد کہہ رہا ہوں۔ اگر مجھے موقع ملا تو

میں اس کہانی پر ایک سپرہٹ فلم ضرور بناؤں گا۔"

"آپ تو ہر بات میں فلم کو لے کر آ جاتے ہیں!" میں نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

وہ بولا "یار! میں فلم والا ہوں۔ میرے دن رات اسٹوڈیو میں گزرتے ہیں۔ میں اپنے پروفیشن سے باہر کیسے آ سکتا ہوں۔ یہ تو میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔" تھوڑی دیر رک کر وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں بولا "تم دیکھ لینا وجدان! میرا تجربہ اور مشاہدہ سچ ہو کر رہے گا۔"

میں فرید پاشا کے پاس سے اٹھ کر صدف اور نادیہ کے پاس آ گیا۔ صدف جھٹ سے بولی "تم اچھے شریف آدمی ہو۔ ہم یہاں تمہارے انتظار میں سوکھ رہے ہیں اور تمہاری کچھ خبر نہیں۔ تم تو "میں ابھی آیا" کہہ کر گئے تھے اور پورے بیس منٹ بعد لوٹے ہو۔ کیا کوٹھی سے باہر کہیں چلے گئے تھے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" میں نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا "خیر، تم بتاؤ۔ کیسے آنا ہوا؟"

"کیا تم سے ملنے کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری ہے؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

نادیہ نے کہا "وجدان! یہ صبح ہی سے ادھر آنے کی ضد کر رہی تھی۔ میرے مشورے پر اس نے پہلے تمہیں فون کرنے کی کوشش کی۔ جب دو تین مرتبہ کی کوشش کے بعد تم سے رابطہ نہ ہو سکا تو ہم یہاں چلے آئے۔ اب تم خود ہی اس سے پوچھ لو، یہ تم سے کیا چاہتی ہے!"

نادیہ کا آخری جملہ بڑا خطرناک تھا۔ میں صدف سے یہ پوچھنے کی غلطی ہرگز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ اس نے پہلی ملاقات سے لے کر اب تک مجھے قدم قدم پر گڑبڑایا تھا اور..... فرید پاشا کی پیش گوئی نے تو میرے کان یک بہ یک کھڑے کر دیے تھے۔

میں نے نادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا "یہ اپنی زبان ہی سے بتا دے تو اچھا ہے۔ میں نے اگر کچھ کہا تو پھر وجیہ اور وجدان کا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔"

"وہ جھگڑا تو نمٹ گیا وجدان!" صدف نے بڑے تفاخر سے کہا "تمہارے وجدان ہونے میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ وہی وجدان جو پنک سٹی واقع جے پور (انڈیا) میں پنڈتوں کی اینٹ سے اینٹ بجاتا رہا ہے۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے؟" میں نے جلدی سے کہا "وجیہ اور وجدان پر تمہارا تھیسس مکمل ہو گیا۔ ٹائیں ٹائیں فش۔ اب میرے پاس کیا لینے آئی ہو؟"

وہ جواب دینے کے بجائے بڑی لگاوٹ سے مجھے [illegible] رہی۔ اس کے انداز نے مجھے ایک بے نام سی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ نادیہ نے اس کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"وجدان! بات دراصل یہ ہے کہ جب سے صدف فرید انکل کے بارے میں سنا ہے، اسے ایک ضدی ہو گئی اور تم تو جانتے ہو، یہ کتنی ضدی ہے!"

میں نے حیرت آمیز نظر سے صدف کو دیکھا "کس چیز پر ضد؟"

وہ اب بھی خاموش رہی، نادیہ نے کہا "اس بات کی کہ یہ فلم کی شوٹنگ اور خالص دیہاتی ماحول دیکھے بغیر واپس کراچی نہیں جائے گی۔"

"یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس کے لیے اتنی بے تابی مظاہرہ کیا جائے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا "میں صاحب سے سفارش کر دوں گا۔ وہ اسے کسی سیٹ پر لے جا فلم کی شوٹنگ دکھا دیں گے، اسی طرح ان کے گاؤں جا پروگرام بھی بنایا جا سکتا ہے۔"

صدف بڑی مکاری اور خاموشی سے مجھے تکتی رہی۔ مرتبہ نادیہ نے بولنے میں کچھ تاخیر کی تو صدف کو لب کرنا پڑی۔

"وجدان! میں نے تو فلم کی شوٹنگ اور دیہاتی ماحول دیکھنے کا ارادہ تمہاری وجہ سے باندھا تھا۔ اب تم یہ کیا مظاہرہ کر رہے ہو۔ تم نے تو کہا تھا، تم اسی مقصد سے فرید انکل کے پاس آئے ہو۔"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" میں نے قدرے سخت میں کہا۔

وہ بولی "اگر واقعی تم نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہم اپنے یہ دونوں شوق پورے کرنے کے لیے کوئی پروگرام بنا سکتے ہیں۔" وہ ایک لمحے کا توقف کر کے شرا سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی "مگر تمہاری باتوں سے ہو رہا ہے جیسے تم مجھے دودھ کی مکھی سمجھ رہے ہو اور فرید سے سفارش کر کے مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو۔ تم میرے ساتھ کہیں نہیں جانا چاہتے۔"

میں نے اس کی شرارت آمیز بلکہ شر انگیز باتوں سے سنا اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "دیکھو صدف! میں تمہیں دودھ کی مکھی سمجھتا ہوں اور نہ کباب بڑی۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا، کسی ساتھ بھی کوئی مشترکہ پروگرام نہیں بنا سکتا۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ پتا نہیں ہوتا۔ میرے شام و سحر کب، کہاں اور کس

اگر اور کوئی مصروفیت نہ ہوئی تو ہم پارک میں ملیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ رخصت ہو گئی۔ میں اٹھ کر فرید پاشا کے پاس آ گیا۔

ہمارے درمیان تھوڑی سی گفتگو صدف کے بارے میں ہوئی پھر میں نے پاشا کو یاد دلایا کہ وہ مجھے چند اہم باتیں بتانے والا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار! پہلی بات تو میں تمہیں خادم حسین کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔"

میں کوئی سوال کیے بغیر استفسار یہ نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا "میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ خادم حسین میرے دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ میں نے گزشتہ رات کے واقعے پر بہت غور کیا ہے۔ تمہارا کہنا بالکل درست ہے آج میں اس کی چھٹی کر رہا ہوں۔ میں نے خادم حسین کی جگہ ایک دوسرے سیکیورٹی گارڈ کا انتظام کر لیا ہے۔"

"کیا خادم حسین کو یونہی سوکھا سوکھا جانے دیں گے؟"

"کیا مطلب وجدان؟"

میں نے کہا "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی پاشا صاحب! ایک شخص کی غداری اور نمک حرامی کے سبب آپ بہت بڑا نقصان اٹھانے والے تھے۔ اگر میں بروقت مداخلت نہ کرتا تو وہ کچھ ہو جاتا جس کے لیے آپ کسی دوسرے کو تو کیا، شاید خود کو بھی کبھی معاف نہ کرتے۔ اس ناکامیاب واردات کی راہ ہموار کرنے والے کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میرے خیال میں خادم حسین کو اس کے کیے کی سزا ضرور ملنا چاہیے مگر اقرار جرم کے بعد!"

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر مشورہ طلب انداز میں بولا "اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"یہ سلسلہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" میں نے کہا "میں چٹکی بجاتے میں اس کی زبان کھلوا لوں گا۔ آپ یہ بتائیں، اس کوٹھی میں کوئی تہ خانہ وغیرہ بھی ہے؟ کوئی ایسی جگہ جہاں پیدا ہونے والا شور شرابا ایک محدود اور مخصوص جگہ سے باہر نہ آ سکے؟"

اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور بولا "وجدان! تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"آپ فکرمند نہ ہوں پاشا صاحب!" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ صرف یہ بتائیں، آپ مجھے میرا مطلوبہ مقام مہیا کر سکتے ہیں؟"

میں سر ہوں گے۔ تم خواہ مخواہ کی ضد سے باز آ جاؤ۔ اگر تم واقعی کسی فلم کی شوٹنگ دیکھنا چاہتی ہو یا کسی دیہات میں جا کر دیہاتی ماحول کا نظارہ کرنا چاہتی ہو تو میں اس کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ بولو، کیا کہتی ہو؟"

اس نے مجھے گہری اور والہانہ نظر سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو، چھوڑو گی نہیں! پھر زبان سے شکست خوردگی کی اداکاری کرتے ہوئے بولی "ٹھیک ہے وجدان! تم میری ان دو خواہشات کی تکمیل کے لیے فرید انکل سے سفارش کر دو، میں اس سلسلے میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی البتہ!"

اس نے رک کر بڑی معنی خیز نظر سے مجھے دیکھا۔ میں سمجھ گیا، وہ کسی خاص قسم کی عیاری کے لیے پر تول رہی ہے۔ تھوڑے توقف کے بعد اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"البتہ، ایک معاملے میں تمہیں مجھ سے تعاون کرنا ہو گا۔ شخصی تعاون!"

"شخصی تعاون!" میں نے چونک کر اسے دیکھا "یہ کس قسم کا تعاون ہوتا ہے؟"

اس نے مدبرانہ انداز میں بتایا "شخصی تعاون سے میری مراد ہے، ذاتی تعاون۔ میں ایک معاملے میں تم سے ذاتی طور پر مدد چاہتی ہوں۔ تمہاری انوالومنٹ کے بغیر وہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔"

"تمہیں ایسا کون سا مسئلہ درپیش ہے؟" میں نے الجھن زدہ انداز میں دریافت کیا۔

وہ بولی "میں تم سے کنگ فو (Kung-Fu) کی کچھ ٹیکنیکس سیکھنا چاہتی ہوں۔ تم خود ہی بتاؤ، گہری انوالومنٹ کے بغیر یہ ممکن ہے!"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا۔ "ابھی تو میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھا لیا ہے لہٰذا کسی قسم کی ایکسرسائز یا مشق کرنا مناسب نہیں۔ ایسا کرو، تم شام میں آ جاؤ۔ تم جو سیکھنا چاہو گی، میں تمہیں بریف کر دوں گا۔ اور کوئی بات؟"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی "ایسا کیوں نہ کریں کہ تم ہماری طرف آ جاؤ۔ ماموں کے گھر کے نزدیک ہی ایک خوبصورت پارک ہے۔ میں جب بھی لاہور آتی ہوں، جاگنگ اور واکنگ کے لیے اس پارک میں ضرور جاتی ہوں "ریس کورس پارک" کا نظارہ تمہارے لیے یادگار ثابت ہو گا۔"

میں نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا "ٹھیک ہے، میں شام میں فون کر کے تمہیں اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں گا۔

"ہاں، ایسی جگہ کا بندوبست ہو جائے گا۔" وہ ہچکچاہٹ آمیز انداز میں بولا "مگر....."

میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا "پاشا صاحب! اس سلسلے میں آپ اپنے ذہن کو نہ الجھائیں۔ انشاءاللہ آج کی رات خادم حسین کا بھیجا آپ پر عیاں ہو جائے گا۔"

وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھ کر رہ گیا۔

میں نے پوچھا "رات آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اپنے چھوٹے بھائی نوید پاشا سے فون پر بات کریں گے۔ افراتفری میں، میں تو اس بارے میں آپ سے پوچھنا ہی بھول گیا۔ جب تک مجھے "رکھاں والی" کی خیر خبر نہیں مل جاتی، میں آئندہ کا لائحہ عمل نہیں بنا سکتا۔ کل "سید پور" روانگی بھی اس سے مشروط ہے؟"

"یار! اصل میں تو میں تمہیں نوید ہی کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔" فرید پاشا نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا "خادم حسین کا ذکر ضمناً آ گیا۔ میں نے رات تمہیں "شب بخیر" کہنے کے بعد سید پور فون کیا تھا۔ نوید سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ آج دو بجے کے بعد وہ مجھے فون کر کے تازہ ترین اطلاعات فراہم کرے گا۔ اس کے بعد ہم کوئی عملی اقدام اٹھانے کے بارے میں شیڈول بنائیں گے۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "سوا دو تو بج رہے ہیں۔"

"نوید نے دو اور تین کے درمیان فون کرنے کو کہا تھا۔"

فرید پاشا کی بات ختم ہوئی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تیسری گھنٹی پر پاشا نے ریسیور اٹھا لیا "ہیلو" کے جواب اور تبادلے کے بعد تھوڑی سی رسمی علیک سلیک ہوئی پھر پاشا نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا "نوید کا فون ہے۔" اس کے بعد وہ دوسری جانب گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

میں پاشا کے سامنے بیٹھا اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی یک طرفہ گفتگو بھی میری سماعت تک پہنچتی رہی۔ چند لمحات کے بعد پاشا نے ایک مرتبہ پھر ماؤتھ پیس کو ہاتھ سے ڈھانپا اور مجھ سے استفسار کیا۔

"وجدان! کل دوپہر کو رکھاں والی، چوہدری نوازش علی کی حویلی میں ایک غیر ملکی لڑکی کو پہنچایا گیا ہے۔ چوہدری کا بیٹا فیصل بھی اس کے ساتھ ہی پہنچا ہے۔ نوید کی اطلاعات کے مطابق، اس لڑکی کا تعلق چائنا یا تھائی لینڈ سے ہو سکتا ہے۔ مگر تم تو کہہ رہے تھے، تمہاری ساتھی کا نام ساحل ہے۔ کیا ساحل کو....."

میں نے اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی اضطراری انداز میں کہا "ہاں، وہی لڑکی میری ساحل ہے۔"

پاشا نے پوچھا "کیا ساحل کا تعلق پاکستان سے نہیں؟"

"اس کا تعلق درحقیقت نیپال کے ایک گاؤں سے ہے۔" میں نے بتایا "مجھ سے وابستہ ہونے سے قبل اس کا نام دھنو تھا۔ میں نے اس کا نام تبدیل کر کے دھنو سے ساحل کر دیا۔ وہ اپنے نقش و نگار سے تھائی یا چینی لگتی ہے۔"

ساحل کے سراغ نے مجھے یکدم بے کل کر دیا۔ اس بات کا مجھے یقین تھا، ساحل کو چوہدری نوازش علی کی حویلی میں پہنچایا جائے گا۔ اب نوید کی فراہم کردہ اطلاع کے بعد میرا یہ یقین کے درجے کو پہنچ گیا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں پلک فرصت میں اڑ کر ساحل تک پہنچ جاتا۔

مجھ سے تصدیق کے بعد پاشا اپنے چھوٹے بھائی سے ٹیلی فونک بات چیت میں مصروف ہو گیا تھا۔ لگ بھگ پانچ منٹ کی مزید گفت و شنید کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے کہا۔

"وجدان! نوید آج رات کسی وقت یہاں پہنچ رہا ہے۔ کل صبح تم اس کے ساتھ سید پور روانہ ہو جانا۔ آج رات ہم تینوں مل کر بھرپور میٹنگ کریں گے۔ اگر میری ضرورت ہوئی تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

میں نے کہا "ساحل چوہدری کی حویلی میں پہنچ گئی ہے یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اس تصدیق کے بعد میری منزل کا تعین ہو گیا۔ میرا خیال ہے، آپ کو ہمارے ساتھ جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ویسے بھی آپ کی یہاں موجودگی زیادہ ضروری ہے۔ نائلہ بھابی ذہنی طور پر منتشر ہوئی ہے۔ گزشتہ رات والے واقعے نے اسے اچھا خاصا متاثر کیا ہے۔ اگرچہ وہ خود کو بہت سنبھلا ہوا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں، وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پوری طرح سنبھلنے میں بھابی کو کچھ وقت لگے گا۔"

"ہاں، وجدان! میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔" وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا "ویسے اگر مجھے تمہارے ساتھ سید پور جانا پڑا تو میں نائلہ کو بھی اپنے ہمراہ لے کر جاؤں گا۔ اسے کسی بھی قیمت پر یہاں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

پھر ہمارے درمیان موجودہ صورت حال پر بات چیت ہونے لگی۔ اسی گفتگو کے دوران میں پاشا نے مجھ سے پوچھا "وجدان! تم چوہدری نوازش کے بیٹے فیصل کے بارے میں کتنا جانتے ہو؟"

"کچھ زیادہ نہیں۔" میں نے جواب دیا "پچھلے دنوں کراچی میں اس کا تذکرہ سننے میں آیا تھا۔ وہ چوہدری کے ایک خاص کارندے میاں زاہد حسین سے ملنے وہاں گیا تھا۔"

فیصل کے بارے میں مجھے سب سے پہلے ڈیفنس سوسائٹی کے بنگلے "بی تھرٹی ایٹ" میں پتا چلا تھا۔ گرے پجارو والے یعقوب عرف توبا کی مرمت کے دوران میں اس نے انکشاف کیا تھا کہ ان دنوں، رکھاں والی سے چوہدری نوازش کا بیٹا فیصل کراچی آیا ہوا ہے۔ ازاں بعد، جب ساحل اور ممتاز کو بہادر آباد چورنگی سے اٹھوا کیا گیا تو مجھے خبر ملی، اغوا کے بعد اغوا شدگان کو نیپا چورنگی کے نزدیک ایک بنگلے میں پہنچایا جائے گا۔ میں نے جب اس بنگلے کا حدود اربعہ "ناپنے" کی کوشش کی تو انکشاف ہوا، وہ لوگ کشمیر روڈ والے ایک بنگلے میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا، فیصل اور اس کے حواریوں نے گلشن والے بنگلے میں رات گزاری تھی۔ اس سے زیادہ میں فیصل کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ میاں زاہد حسین کو جہنم رسید کرتے وقت میں یہ نہ پوچھ سکا کہ ساحل کو کن لوگوں کے ہمراہ کراچی سے رکھاں والی روانہ کیا گیا تھا۔ میرا اپنا قیاس تھا، یہ مشن فیصل کی نگرانی میں انجام دیا گیا ہوگا..... اور اب نوید کے فون نے میرے اس قیاس کی تصدیق کر دی تھی۔ فیصل کا ساحل کے ساتھ رکھاں والی پہنچنا ہی ظاہر کرتا ہے، ساحل کو مجھ سے جدا کرنے کی تمام تر ذمہ داری فیصل پر آتی تھی۔

مجھے خیالوں میں گم دیکھ کر فرید پاشا نے کہا "اس کا مطلب ہے، تم فیصل کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے جس طرف میرا اشارہ ہے!"

"آپ کا اشارہ کس طرف ہے پاشا صاحب؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہارے اس سوال کا جواب میں ضرور دوں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا!" فرید پاشا نے معنی خیز نظر سے مجھے دیکھا۔

"کیسا وعدہ؟" میرے لہجے میں الجھن تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ میرے سوال کا جواب دیتا، نائلہ نے وہاں آ کر کہا "اگر آپ لوگ پسند کریں تو چائے کا ایک اور دور چلایا جائے؟"

میں نے کہا "ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو چائے پی ہے۔ فی الحال اس کی طلب نہیں۔"

"یار! تم بھی کمال کرتے ہو۔" پاشا اپنے مخصوص یار باش انداز میں بولا "چائے تو ہم نے آدھا گھنٹا پہلے ہی پی تھی۔ کیا وہ اب تک پیٹ میں رکی ہوگی۔ پانی اور دیگر مشروبات دس پندرہ منٹ بعد معدے سے رخصت ہو جاتے ہیں اس لیے چائے کا دور چلانے میں کوئی حرج نہیں۔"

میں نے زیادہ ضد نہیں کی اور جب نائلہ زیر لب مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تو میں نے اپنی تمام تر توجہ پاشا کی جانب مبذول کر دی۔ وہ میری نگاہ میں پوشیدہ سوال کو سمجھتے ہوئے بولا۔

"دیکھو وجدان! ہمارے درمیان قائم ہونے والی رفاقت کو لوگ بھگ سترہ گھنٹے گزر گئے ہیں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں، تم ابھی تک تکلف سے کام لے رہے ہو!"

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا پاشا صاحب!"

"بات یہ ہے وجدان کہ تمہارے منہ سے بار بار "پاشا صاحب" کا تکلم مجھے اچھا نہیں لگتا۔" فرید پاشا دوستانہ انداز میں بولا "جب میں تمہیں بے تکلفی سے وجدان کہتا ہوں تو تم بھی مجھے فرید یا فرید پاشا کہہ سکتے ہو۔ یہ "صاحب" کا دم چھلا لگانا کیا ضروری ہے؟"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"ہاں نا یار!" وہ خوش دلی سے بولا "ہمارے درمیان اعتماد اور دوستی کی فضا قائم ہو چکی ہے۔ اگر ہم بے تکلف دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو مخاطب کریں تو زیادہ مزہ آئے گا۔" ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے شرارت آمیز انداز میں اضافہ کیا "اس انداز سے مجھے ایک بڑا فائدہ بھی حاصل ہوگا۔"

میں نے جب اس سے حاصل ہونے والے فائدے کے بارے میں استفسار کیا تو وہ خود ہی بتانے لگا۔

"یار! جب تم مجھے پاشا یا فرید کہہ کر مخاطب کرو گے تو میں سمجھوں گا، تمہارے ہی بیچ کا ہوں۔ اس بیج (Badge) میں آتے ہی میری عمر کم از کم آدھی ہو جائے گی۔ خود کو ینگ مین محسوس کرنا بڑا مسرور کن ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر پاشا!" میں نے بے تکلفی سے اسے مخاطب کیا "میں آئندہ تمہیں خوشی دینے کا کوئی موقع ضائع نہیں کروں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات!" وہ نعرہ لگانے والے انداز میں بولا۔

میں نے کہا "اب واپس تم وہیں آ جاؤ جہاں سے ہماری گفتگو نے رخ موڑا تھا۔ تم مجھے فیصل کے بارے میں کچھ بتانے والے تھے!"

"ہاں فیصل۔" وہ پسندیدگی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "شاید تمہیں نہیں معلوم، فیصل بھی تمہاری طرح مارشل آرٹسٹ ہے۔"

"مجھے واقعی یہ بات معلوم نہیں۔" میں نے کہا "میرے لیے تو یہ خوشی کا مقام ہے کہ میرے دیرینہ دشمن کا بیٹا مارشل آرٹس سے واقف ہے۔ فیصل سے دو دو ہاتھ کرنے میں خوب لطف آئے گا۔"

فرید پاشا نے بتایا "چوہدری نوازش علی کی صرف دو اولادیں ہیں۔ سولہ سالہ صاعقہ اور اٹھارہ سالہ فیصل۔ فیصل نے یہاں لاہور ہی کے ایک مارشل آرٹ کلب سے یہ فن سیکھا ہے۔ اور بیرونِ ملک بھی جا چکا ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ بلیک بیلٹ سیکنڈ ڈان ہے۔"

"ونڈرفل!" میں نے اپنے وجود میں سنسنی محسوس کرتے ہوئے کہا "فیصل سے سامنا یقیناً یادگار کی حیثیت حاصل کر لے گا۔ پاشا! تمہارے بیان سے میں نے دو اندازے لگائے ہیں۔ نمبر ایک، تمہارے شہر میں اچھے مارشل آرٹ سینٹرز موجود ہیں۔ نمبر دو، چوہدری نوازش علی کا نیٹ ورک یہاں بھی خاصا فعال ہے!"

بات ختم کرتے ہی مجھے احساس ہو گیا، پاشا کے سامنے نیٹ ورک کا ذکر کرنا مناسب نہیں تھا۔ ابھی تک ہمارے درمیان چوہدری نوازش علی کی اسمگلنگ زیرِ بحث نہیں آئی تھی۔ میری بات کے جواب میں وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ اور بہت ہی محتاط لہجے میں صرف اتنا کہا۔

"تمہارے دونوں اندازے درست ہیں۔"

ہمارے درمیان مزید تھوڑی دیر تک تازہ ترین حالات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا پھر پاشا نے مجھ سے کہا "میں آج رات بھی اسٹوڈیو نہیں جا سکوں گا۔ اس لیے بکھرے ہوئے کام کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا تاکہ سیٹ پر موجود فلموں کی شوٹنگ متاثر نہ ہو۔ اس لیے میں تم سے دو تین گھنٹے کی رخصت چاہوں گا۔" پھر اس نے رک کر مجھ سے پوچھا "تمہارا کیا پروگرام ہے دجدان!"

میں نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا "میں تھوڑی دیر مزید سونا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں ایک بھرپور نیند لے چکا ہوں مگر ابھی کسر باقی ہے۔ پتا نہیں، پھر کب سونے کا موقع ملے!"

"اچھی بات ہے۔ تم بالائی منزل والے بیڈروم میں آرام کرو۔" پاشا نے کہا "جب تک میں ٹیلی فونک رابطے پر اپنے کام نمٹاتا ہوں۔ تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تردد اور بلا تکلف کوٹھی کے ملازمین کو حکم دینا۔"

میں پاشا کے پاس سے اٹھ کر اوپری خواب گاہ میں آ گیا۔ میں عام طور پر دن میں سونے کا عادی نہیں ہوں۔ پاشا سے میں نے سونے کی بات اس لیے کی تھی کہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔ میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات پر غور کرنا چاہتا تھا۔ فرید پاشا اور نوید پاشا کا تعاون اپنی جگہ لیکن مجھے اپنے لیے ایک لائن آف ایکشن تیار کرنا تھی جو صرف اور صرف مجھ تک محدود رہتی۔ میں اپنی ناواقفیت اور اجنبی ماحول سے آشنائی کے ذیل میں پاشا برادران سے ضرور مدد لیتا مگر حاصل کو چوہدری نوازش علی کے چنگل سے چھڑانا خالصتاً میرا مشن تھا۔ میں اس پروجیکٹ میں کسی اور کا حصہ شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور مجھے اپنے زورِ بازو پر کامل بھروسا تھا!

میں نے بیڈروم میں داخل ہونے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا پھر میں جیسے ہی پلٹا، بیڈ پر اداؤں کی دیوی ڈارلنگ کو براجمان پایا۔ جب میں نے کمرے میں قدم رکھا تھا تو وہ وہاں موجود نہیں تھی یا تھی تو کسی ایسے زاویے سے فرد کش تھی کہ میری نظر اس تک رسائی حاصل نہ کر سکی۔ بہرحال، مجھ سے نگاہ ملتے ہی وہ مخصوص انداز میں مسکرائی اور "میاؤں" کی آواز نکالتے ہوئے ایک بلی جمپ کے ساتھ بیڈ سے نیچے اتر گئی۔

میں نے دانستہ اسے نظر انداز کیا اور بیڈ کے بجائے ٹیبل چیئر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ سمجھی، میں اسے دبوچنے کے لیے آگے بڑھا ہوں۔ وہ اٹکھیلیوں کے انداز میں اچھل کود مچاتے ہوئے مجھ سے دور چلی گئی۔ میں نے آرام دہ کرسی پر خود کو گرایا اور نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

بند آنکھوں کے پیچھے ساحل کا چہرہ روشن ہو گیا۔ اس وقت ساحل کے چہرے سے واقعی ایک نور سا پھوٹ رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، میں نے اس شدت سے کسی کو نہیں چاہا ہوگا جتنا میں ساحل کے لیے بے قرار تھا۔ وہ میری رگِ جاں کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور اس نازک ترین رگ پر ایک خون آشام عفریت چوہدری نوازش علی نے اپنے نکیلے دانت گاڑ رکھے تھے۔ مجھے ان سفاک دانتوں کو توڑنا تھا، انہیں جڑ سے اکھاڑنا تھا اور اپنی ساحل کو رہائی دلانا تھی۔ ساحل کی رہائی میں میری بقا تھی۔ پتا نہیں کیوں، میں نہیں جانتا کیوں! ساحل کے بغیر مجھے زندگی کا تصور محال اور ادھورا لگتا تھا۔ ہر انسان اپنی تکمیل چاہتا ہے۔ میں بھی ساحل کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مجھے اتنی شدت سے یاد آ رہی تھی کہ دل کی نازک رگیں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں!

چوہدری نوازش بہت ہی کائیاں اور دشمن کمینہ ثابت ہو

رہا تھا۔ میں نے اسے جتنا خبیث اسٹیمیٹ کیا تھا وہ ہزار گنا بڑھ کر تھا۔ پاکستان میں آمد کے بعد مجھے اس کی اس سے بڑھ کر صحیح طور پر اندازہ ہو رہا تھا۔ دبئے تو اس نے طاقتور اور اختیار کا صحیح طور پر اندازہ ہو رہا تھا۔ دبئے تو اس نے سنگاپور اور تھائی لینڈ میں بھی مجھے سکون کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ خود درپردہ رہ کر اپنے مہروں کی مدد سے اس نے میری زندگی کو مشکل سے مشکل تر بنانے کی کوشش کی تھی اور میں نے ہمیشہ بڑی چابک دستی سے اس کے مہروں کو پیٹا تھا۔ مگر میرے پاکستان میں آنے کے بعد وہ اچانک حد سے زیادہ گرم ہو گیا تھا۔ تاہم یہاں بھی میں نے اسے اتنی چوٹیں دی تھیں کہ اسے زخم چاٹنے کے سوا کوئی کام نہیں رہ گیا تھا، خاص طور پر میاں زاہد حسین کا حشر کسی عبرتِ نگاہ سے کم نہیں تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ پاکستان میں میری آمد کے بعد اس کی یہی کوشش رہی کہ میں اس تک نہ پہنچ سکوں۔ وہ میرے مشن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا رہا اور میں ایک ایک کر کے ان رکاوٹوں کو صاف کرتے ہوئے اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ چوہدری کے اس طرزِ عمل یا پالیسی سے یہ بات صاف واضح ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے خوف زدہ ہے، بے حد خوف زدہ! ایک طرف وہ مجھے خود سے دور رکھنا چاہتا تھا اور دوسری جانب اسے اس دفینے کی بھی تلاش تھی جس کی کنجی میرے پاس تھی۔ وہ دفینہ تو اب اس کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ آخری اطلاعات کے مطابق، متروک کنوئیں کا "قیمتی راز" یہودی النسل مسٹر نیل آرمر کی نگرانی میں حاصل کر لیا گیا تھا جو بہت جلد شعیب غوری تک پہنچنے والا تھا۔ اور اب تک پہنچایا جا چکا تھا۔ اس خزانے کا ایک حصے دار میں بھی تھا۔ یہ حصہ مجھے ایک ایسے شخص سے وصول کرنا تھا جو دوستی کی آڑ میں دشمنی کا ماہر تھا۔ اس ماہر کی مہارت کو میں ہر ممکنہ مخرج سے خارج کرنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا۔

ساحل اور چوہدری نوازش علی کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک رخشی خیال شعیب غوری کی طرف مڑ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے آستین کے اس سانپ کی "کارفرمائیاں" یاد آنے لگیں۔ شعیب کا چہرہ میری نظر میں جس قدر مکروہ شکل اختیار کر چکا تھا اس کے بعد اس کے ساتھ جتنا بھی سفاک سلوک کیا جاتا، کم تھا۔ وہ صرف میرا ہی نہیں، اس قوم، اس ملک اور اس سرزمین کا بھی مجرم تھا۔ ایسے مجرموں کا بڑا بھیانک انجام ہونا چاہیے۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی مجھ پر نگاہ گاڑے بیٹھا ہو۔ میں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ڈارلنگ بھی مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ میں اپنے اس اچھوتے احساس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ "چی" کی ایڈوانس مشقوں نے میرے باطنی حواس کو بڑی تیزی سے بیدار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور آئے روز مجھے نت نئے تجربات ہو رہے تھے مگر ان تجربات کو رقم کرنے کی مجھے مہلت نہیں مل رہی تھی۔ زندگی اس قدر مصروف ہو کر رہ گئی تھی کہ اپنے بارے میں سوچنے کے لیے بھی بڑی مشکل سے فرصت ملتی تھی۔

دوبارہ مجھے وہی احساس ہوا تو میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اس جانب دیوار میں ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی جس پر دبیز پردے کھنچے تھے۔ پہلے میں یہی سمجھا کہ ڈارلنگ مجھے چھیڑنے کے لیے کسی کارروائی میں مصروف ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔ میں نے اس پردہ دار کھڑکی کے پیچھے قدموں کی چاپ سنی۔ کوئی وہاں سے ہٹ رہا تھا، دور جا رہا تھا۔ وہ انسانی قدموں کی چاپ تھی لہٰذا اس آواز کو ڈارلنگ کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ میرا احساس غلط نہیں ہو سکتا تھا، جس دوران میں... میں آنکھیں بند کیے کرسی پر بیٹھا رہا، کوئی کھڑکی کے پیچھے چھپ کر مجھے دیکھتا رہا تھا۔ میں کھڑکی کے نزدیک آیا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ کھڑکی کے کونے سے ذرا سا پردہ سرکا ہوا تھا جو پہلی نظر میں، دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ اور..... وہ پردہ دانستہ سرکایا گیا تھا تاکہ کمرے کے اندر مجھے واچ کیا جا سکے اور یہ حرکت کسی بیرونی شخص کی نہیں ہو سکتی تھی!

اس آخری خیال نے مجھے ریڈ الرٹ کر دیا۔ میں تیزی سے سوچتے ہوئے دروازے کے پاس آیا۔ بولٹ کو میں نے آواز پیدا کیے بغیر گرایا اور بہ آہستگی دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ دروازے میں کھڑے ہو کر کھڑکی کا وہ بیرونی حصہ نظر آ رہا تھا، جہاں چند لمحے پہلے میں نے گڑبڑ محسوس کی تھی۔ مگر اب وہاں کسی گڑبڑ تو کیا، گڑبڑ کرنے والے کے بھی آثار موجود نہیں تھے۔ میں دروازہ بند کر کے بیڈروم میں ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ٹہلتے سوچنے لگا، میری خفیہ نگرانی کی ضرورت کسے پیش آ سکتی ہے؟

فرید پاشا اور اس کی بیوی نائلہ کو میں نے فوراً ذہن سے جھٹک دیا۔ ان دونوں سے اس قسم کی حرکت کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد گھریلو ملازمین کی طرف دھیان جاتا تھا جس کے بارے میں سوچتے ہوئے میں سیکیورٹی گارڈ خادم حسین پر اٹک کر رہ گیا۔ گزشتہ رات ہونے والے واقعے کے بعد خادم حسین ہٹ لسٹ پر تھا اور آنے والی رات میں اس کا تیا پانچا ہونے والا تھا۔ میں خادم حسین پر توجہ مرکوز رکھتے

ہوئے، بیڈروم کی بیرونی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پاس آ گیا۔ اس کھڑکی سے کوٹھی کا سامنے والا حصہ دور تک نظر آتا تھا۔ میں نے ذرا سا پردہ ہٹایا اور کوٹھی کے داخلی گیٹ پر نظر ڈالی۔ میری سوچ میں چوں کہ خادم حسین تھا اس لیے غیر ارادی طور پر اسے دیکھ رہا تھا۔

گارڈ روم خالی تھا۔ میں محتاط نظر سے گردوپیش کا جائزہ لینے لگا اور جلد ہی میری مراد بر آئی۔ میں نے سیکیورٹی گارڈ کو کوٹھی کے گیٹ پر نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ یقیناً کوٹھی کے اندر سے آیا تھا۔ مستقل طور پر، گیٹ پر متعین رہنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ وہ گیٹ کو چھوڑ کر اگر بن بلائے کہیں گیا تھا تو یہ بات اس کے ذہنی فتور کی نشان دہی کرتی تھی پھر جلد ہی اس فتور کی تصدیق بھی ہو گئی۔

سیکیورٹی گارڈ نے گیٹ سے ملحق، اپنے چھوٹے سے کمرے میں داخل ہونے کے بعد چوکنا نظر سے بالائی منزل کی جانب دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ براہِ راست مجھے دیکھ رہا ہو۔ میں پردے کی اوٹ میں تھا اس لیے اس کی نظر مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی تھی البتہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مجھے تردد اور الجھن کے آثار دکھائی دیے۔ دو تین مرتبہ اس نے مجھے مشکوک انداز میں دیکھا پھر نگاہ ہٹالی۔

میں خادم حسین کی دروغ گوئی سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ نمک حرامی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ پاشا کے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ گزشتہ رات والے واقعہ اس کی زندہ مثال تھی۔ پاشا کے دشمنوں کی ناکامی کا سبب میں بنا تھا اور اب خادم حسین چھپ چھپ کر دیکھ رہا تھا تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا، رانا عظمت کی طرف سے اسے میرے لیے کوئی تازہ حکم ملا تھا۔

رانا عظمت کا خیال آتے ہی میں سکندر کے بارے میں سوچنے لگا۔ دو مرتبہ میرا اس سے سامنا ہو چکا تھا اور دونوں ہی بار اسے منہ کی کھانا پڑی تھی۔ وہ یقیناً میرے بارے میں سخت ترین اقدامات کی منصوبہ بندی کر رہا ہوگا۔ وہ ایک طاقتور پی ایم اے لالہ بشیر کا بگڑا ہوا بیٹا تھا، اس سے کسی بھی اوچھی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

میں بیڈروم سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد میں ایک مرتبہ پھر فرید پاشا کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ میرا چہرہ دیکھ کر بھانپ گیا، کوئی گڑبڑ ہے۔ اس نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

''وجدان! تم تو آرام کرنے کی غرض سے اوپر گئے تھے مگر تمہاری صورت کسی اندرونی بے آرامی کی نشان دہی کر رہی ہے۔ کیا مسئلہ ہے؟''

میں نے مختصراً الفاظ میں اسے خادم حسین کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور پوچھا ''وہ جگہ کہاں ہے جہاں بندوبست کرنے کا تم نے یقین دلایا تھا۔ میں فوری طور پر خادم حسین کو وہاں لے جانا چاہتا ہوں۔ اس بندے کو مزید ڈھیل دینا مناسب نہیں ہوگا۔''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو وجدان۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ یہ تمہارے پیچھے کیوں لگ گیا ہے!''

میں نے کہا ''اس کی بہت ہی خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ میں نے دو مرتبہ سکندر کا مشن فیل کیا ہے۔ وہ میری طرف سے بہت ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے خادم حسین تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا ہے اور سکندر بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہ عین ممکن ہے، سکندر نے خادم حسین کو میری نگرانی اور ٹوہ کے سلسلے میں کچھ خصوصی ہدایات جاری کی ہوں!''

''ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔'' وہ پرسوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''اب میں خادم حسین کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم اس کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو پہلی فرصت میں کر ڈالو۔''

میں نے کہا ''یہ اسی لمحے سے میرے حوالے سمجھو۔ تم نے بتایا تھا، دوسرے سیکیورٹی گارڈ کا انتظام ہو گیا ہے۔ میں خادم حسین کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں، تم دوسرے گارڈ کو ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا کہہ دو۔'' میں نے ذرا توقف کے بعد اضافہ کیا ''اس کے ساتھ ہی چند روز کے لیے اپنی حفاظت کے نظام پر گہری نظر رکھو۔ دشمنوں کو اپنی طرف سے کوئی موقع نہ دو۔''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے مجھے اس مقام کا پتا سمجھانے لگا جہاں میں خادم حسین کو ''ٹریٹ'' کرنے لے جانے والا تھا۔ وہ ایک خالی کوٹھی تھی جہاں کچھ عرصہ پہلے فرید پاشا کی رہائش ہوا کرتی تھی۔ گلبرگ تھری والی کوٹھی میں منتقل ہونے کے بعد مذکورہ کوٹھی میں تالا لگا دیا گیا تھا۔ پاشا اس کوٹھی کو فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اس کوٹھی میں ایک خفیہ تہ خانہ موجود تھا۔

بات ختم کرنے کے بعد پاشا نے کہا ''میں تمہیں اس کوٹھی کی چابیاں دے دیتا ہوں۔ کیا تم اکیلے وہاں پہنچ جاؤ گے؟''

میں نے کہا ''کیا خادم حسین نے وہ کوٹھی دیکھ رکھی ہے؟''

"ہاں، یہ ایک دو مرتبہ وہاں گیا ہے۔" پاشا نے کہا "پارٹیوں کو کوٹھی دکھانے کے لیے میں اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے، بات بن گئی۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

پاشا نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا جیسے بات اس کے پلے نہ پڑی ہو۔ میں نے وضاحتی انداز میں کہا "تم نے خادم حسین کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے، میرا مطلب ہے، وہ میرے بارے میں کیا جانتا ہے، خصوصاً میری یہاں آمد اور تم سے ملاقات کے حوالے سے؟"

"اس کے علم میں یہی ہے کہ تم میرے دوست ہو اور کراچی سے آئے ہو۔" پاشا نے بتایا "چند روز تک یہاں قیام کرو گے پھر واپس چلے جاؤ گے۔"

میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا "تم خادم حسین کو یہاں بلاؤ۔ اب تمہارا یہ دوست یعنی میں تمہاری سابق کوٹھی کو خریدنے میں دلچسپی لے رہا ہوں اور خادم حسین مجھے وہ کوٹھی دکھانے اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"گڈ آئیڈیا!" وہ توصیفی انداز میں بولا "وجدان! تمہیں تو اسپائی رائٹر ہونا چاہیے بخدا! اتنی تیزی سے کسی رائٹر کا دماغ ہی سوچ سکتا ہے۔"

میں نے کہا "دماغ کا تو کام ہی سوچنا ہے۔ یہ مسلسل سوچتا رہتا ہے، اس کی سوچ سے فائدہ اٹھانا ہنرمندی ہے۔ لکھاری حضرات اپنے تخیل کے زور پر اس سوچ کو کاغذ پر منتقل کر دیتے ہیں اور عمل کی ذمے داری دوسری کے کندھوں پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر میں ایک عملی انسان ہوں اس لیے مجھے تم اسپائی رائٹر (Spy Writer) نہ ہی بناؤ تو اچھا ہے پاشا! میں سوچ بچار کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہوں، فوراً اسے اپنے عمل میں لے آتا ہوں۔"

"بہت اچھا کرتے ہو یار۔" وہ تبسم ریز لہجے میں بولا "میں ابھی اس مردود خادم حسین کو بلا کر تمہارے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔"

خادم حسین کو اپنے پاس بلانے سے قبل فرید پاشا نے مجھے اس تہ خانے کا محل وقوع اور اس میں داخلے کے راستے سے تفصیلاً آگاہ کر دیا۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ بولا "میرے گیراج میں اس وقت تین گاڑیاں کھڑی ہیں۔ تم جو بھی لے جانا چاہو لے جا سکتے ہو۔"

"میں نے وہ گاڑیاں دیکھی ہیں۔" میں نے کہا "وہ تینوں جدید اور قیمتی گاڑیاں ہیں لیکن ایک بات کی مجھے حیرت ہے۔ تم نے ان گاڑیوں کو ڈرائیو کرنے کے لیے کوئی ڈرائیور وغیرہ نہیں رکھا ہوا۔"

وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولا "ڈرائیور ہے لیکن آج کل وہ اپنے گاؤں چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ دو تین دن میں واپس آنے والا ہے۔ مشتاق ڈرائیور کی بہن کی شادی ہے۔ وہ تینوں گاڑیوں کو بڑی مہارت سے چلاتا ہے۔ نائلہ کا خیال تھا، ہم دس دن کے لیے کسی اور ڈرائیور کو ارینج کر لیتے ہیں لیکن میں نے یہ مناسب نہ سمجھا، کبھی کبھار خادم حسین بھی ڈرائیور کے فرائض سرانجام دے لیتا ہے مگر اب تو میں اسے کسی گاڑی کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔"

"وہ آج آخری مرتبہ تمہاری گاڑی کو ڈرائیو کرے گا فرید۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا "اس کے بعد تو اسے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ بتاؤ، اس دفعہ خادم حسین سے کون سی گاڑی کی ڈرائیوری کرائی جائے؟"

"میرا خیال ہے، تم نسان لے جاؤ۔" فرید پاشا نے کہا "نسان پٹرول عام طور پر میرے استعمال میں رہتی ہے۔ یہ بڑی قابلِ اعتماد جیپ ہے۔"

نسان پٹرول (Nissan Patrol) کے علاوہ پاشا کے گیراج میں ہونڈا اکارڈ اور ٹویوٹا کرولا گاڑیاں موجود تھیں۔ ان قیمتی گاڑیوں اور عالی شان کوٹھی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا، فرید پاشا اپنے شعبے میں کسی کنگ کی طرح ہے۔ پھر اس کے فیملی بیک گراؤنڈ نے بھی اس کی ثروت کو آٹھ چاند لگا رکھے تھے۔ وہ بلاشبہ ان لوگوں میں سے تھا جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور ساری زندگی سونے کا تاج پہن کر گزار دیتے ہیں!

☆☆☆

وہ کوٹھی فاضلیہ کالونی اور شاہ جمال کے سنگم پر واقع تھی۔ کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد میں ایسی اداکاری کرتا رہا جیسے کوئی خریدار ہوں۔ تھوڑی دیر تک میں کوٹھی کی ایک ایک چیز کا تنقیدی جائزہ لیتا رہا پھر گھما پھرا کر میں خادم حسین کو اس مقام پر لے آیا جہاں خفیہ تہ خانے کا راستہ تھا۔ ویسے تو وہ پوری کوٹھی ہی میرے مشن کے لیے موزوں تھی۔

"اب ہم اس کے اندر جائیں گے۔" میں نے خادم حسین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور بولا "اس کے اندر کیا ہے؟"

میں نے کہا "زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس دیوار کے پیچھے ایک خفیہ تہ خانے کا راستہ ہے۔ دراصل میں تہ خانے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسی تہ خانے کی وجہ سے میں کوٹھی خریدنے میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ مجھے کسی ایسی ہی کوٹھی کی تلاش تھی جس میں ایک خفیہ تہ خانہ موجود ہو!"

دلچسپ لمحے بے یقینی اور تذبذب کے انداز میں مجھے تکتا رہا پھر الجھن زدہ لہجے میں بولا "جناب! میں اس کوٹھی پر بھی تقریباً عرصہ ڈیوٹی دے چکا ہوں۔ آپ جس تہ خانے کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے اس کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔"

"ضروری نہیں کہ پاشا تمہیں اپنی ہر بات سے آگاہ کرے۔"

"آپ پاشا صاحب کے دوست ہیں اس لیے میں آپ کی بات کا یقین کر لیتا ہوں۔" وہ تفہیمی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا "ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تہ خانہ میرے لیے کسی انکشاف سے کم نہیں۔"

"چلو، اسے انکشاف ہی سمجھ لو۔" میں نے قدرے سوکھے لہجے میں کہا "مگر سوال و جواب میں وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔"

"مگر جناب!" وہ سوال کرنے سے باز نہ آیا "ہم اس تہ خانے کے اندر جائیں گے کیسے۔ کیا پاشا صاحب نے آپ کو خفیہ تہ خانے تک رسائی کا طریقہ بتا دیا ہے۔"

"ہاں، بتا دیا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"وہ ایک مرتبہ پھر ناقابلِ یقین نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

اگلے پانچ منٹ میں ہم اس خفیہ تہ خانے کے اندر پہنچ چکے تھے۔ پاشا نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں لائٹ اور ائر کا معقول بندوبست ہے لہٰذا مجھے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس تہ خانے میں پہنچنے کے بعد خادم حسین بوکھلاہٹ کا شکار نظر آنے لگا۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا، وہ کچھ بدکا ہوا لگ رہا تھا جیسے لاشعوری طور پر اس نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔

اس نے بغور تہ خانے کا جائزہ لینے کے بعد سراسیمگی آواز میں کہا "ہم اس تہ خانے کے اندر کیوں آئے ہیں؟"

"اس لیے آئے ہیں!"

جملہ ختم کرتے ہی میں نے اسے ایک زوردار دھکا دیا اور پلٹ کر بڑی سرعت سے تہ خانے کا دروازے کو اندر سے لاک کر دیا۔

وہ میرا غیر متوقع دھکا کھانے کے بعد منہ کے بل تہ خانے کے پختہ فرش پر گرا اور اس کے حلق سے ایک وحشت ناک کراہ برآمد ہوئی لیکن اس کی آہ و بکا اور چیخ و پکار تہ خانے سے باہر جانے والی نہیں تھی، اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہوتا، میں اس سے ایک قدم کی دوری پر پہنچ گیا۔

خادم حسین نے فرش پر پڑے پڑے سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میرے تازہ ترین سلوک سے وہ بھانپ چکا تھا کہ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ چونکنا نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور الجھن زدہ لہجے میں پوچھ بیٹھا۔

"آپ نے مجھے دھکا کیوں دیا؟"

"اس لیے.....!"

میرے بھاری بوٹ کی طوفانی ضرب اس کے چہرے پر پڑی تو وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ پیچھے کو گیا۔ میں نے پھر اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور آگے بڑھ کر ٹھوکروں میں رکھ لیا۔ میرے ہاتھ اور پاؤں مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے، وہ مجھ سے بری طرح پٹنے لگا تو اس کے ذہن میں مدافعت اور جوابی حملے کا خیال آیا۔ شاید صورتِ حال بہت دیر سے اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

اچانک وہ تن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے ایک نیچی راؤنڈ ہاؤس چلائی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بچا اور مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے میں اس کی بانہوں میں جانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا چنانچہ اسے اپنی پھیلی ہوئی بانہوں کے ساتھ پیچھے کو الٹنا پڑا۔ میں نے جھکائی دے کر ایک زبردست سوئپ ماری تھی۔

خادم حسین کی عمر پچاس کے قریب تھی۔ وہ ریٹائرڈ فوجی تھا اس لیے اس کا بدن اور قویٰ تسلی بخش تھے۔ وہ اپنے تئیں ڈٹ کر میرا مقابلہ کر رہا تھا مگر اس کے ڈٹنے کی میرے سامنے پیش نہیں چل رہی تھی۔ اس مرتبہ وہ منہ کے بل تہ خانے کے پختہ فرش سے ٹکرایا تھا لہٰذا جب وہ دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کی ناک سے خون جاری ہو چکا تھا۔

میں نے تحقیر آمیز انداز میں کہا "خادم حسین! سیکیورٹی و کیورٹی کا کام چھوڑ کر چوڑیاں پہن لو۔ خواہ مخواہ اپنی جان کو عذاب میں کیوں ڈالتے ہو۔ تم تو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، پاشا اور اس کی کوٹھی کی خاک حفاظت کرو گے؟"

اس نے نفرت آمیز انداز میں مجھے دیکھا اور بولا "تمہارا بڑا عبرت ناک حشر ہونے والا ہے وجدان۔ تم کچھ نہیں جانتے، کچھ نہیں جانتے!"

اس کے معنی خیز الفاظ نے مجھے کچھ زیادہ نہیں چونکایا۔ میں نے زہریلے لہجے میں کہا "میں یہی سب کچھ جاننے کے لیے تو تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے، تمہارے پاس مفید معلومات کا ایک ذخیرہ جمع ہے۔"

بات ختم کرتے ہی میں نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس وقت ہاتھ کی پشت سے، ناک سے بہنے والے خون کو صاف کر رہا تھا۔ میں نے بڑی تیزی سے کک چلائی، وہ تھوڑا سا لڑکھڑایا مگر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور ایک زور دار سائیڈ کک مار کر دور پھینک دیا۔

وہ کسی گٹھری کے مانند ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دیوار سے جا ٹکرایا۔ میں جست بھر کر اس کے سر پر پہنچ گیا اور لات کے سے اس کی تواضع کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ میرے دھواں دھار پنچز نے اس کے چہرے کی کھال کو جابجا ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ لہولہان ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے گریبان کو پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور وحشت ناک لہجے میں دریافت کیا۔

''اتنا کافی ہے یا میں تمہاری زبان کھلوانے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں کو اور زحمت دوں؟''

''تت..... تم..... مجھ سے..... کیا چاہتے ہو؟'' وہ ہکلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''میں تمہاری زبان سے سچ سننا چاہتا ہوں۔''

''کون سا سچ؟''

''کل رات کو پاشا کی کوٹھی میں جو واقعہ پیش آیا تھا اس کی حقیقت کیا ہے؟''

اس نے گھسا پٹا جواب دیا ''چند غنڈے کوٹھی میں گھس آئے تھے اور انہوں نے نائلہ بی بی کو اغوا کرنے کی کوشش.....''

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک قیامت خیز چانٹا اس کے گال پر جڑ دیا تھا اس کے ساتھ ہی میں نے گریبان سے پکڑ کر اسے جھنجوڑا اور وحشت ناک انداز میں پوچھا۔

''تم مجھے فرید پاشا نہ سمجھنا جو تمہارے اس بوگس جواب سے مطمئن ہو جائے گا۔ میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے، تم اس حقیقت سے باخبر ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

اس کی آنکھوں میں مجھے خوف کے سایے لہراتے ہوئے نظر آئے۔ جواب دینے سے پہلے وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ میں نے اس موقع پر اس کی خوفزدگی میں اضافہ کرتے ہوئے تھوڑی سی اور مرمت کر ڈالی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ کسی بھی صورت میں اس کی جان چھوڑنے والا نہیں ہوں تو وہ ''تعاون'' کے لیے آمادہ ہو گیا۔ سچ بولنے کی صورت میں، میں نے اس سے جان بخشی کا وعدہ کر لیا۔

خادم حسین نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں مجھے بتایا کہ رانا عظمت کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کے بیان سے میرے شکوک کی تصدیق ہو گئی تو میں نے پوچھا ''ٹھیک ہے، میں مانا اس وقت تم دو افراد کا نمک کھا رہے ہو۔ ایک کا نمک حلال کر رہے ہو اور دوسرے کا حرام۔ ہر دو صورت میں میری نظر میں تم نمک حرام ہی ہو، بہرحال!'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رکا پھر خونخوار لہجے میں دریافت کیا ''تم کس کے دوست ہو اور کس کے دشمن، مجھے اس سے غرض نہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم میری ٹوہ میں کیوں لگے ہوئے ہو؟ مجھے پاشا کی کوٹھی میں آئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے؟''

وہ سمجھ گیا، میرا اشارہ کس طرف تھا تاہم انجان بنتے ہوئے بولا ''میں نے تمہاری ٹوہ کب لی ہے؟''

''یہاں آنے سے تھوڑی دیر پہلے'' میں نے سفاک لہجے میں کہا ''جب میں پاشا کی کوٹھی کی بالائی منزل کے ایک بیڈروم میں آرام کر رہا تھا تو تم کھڑکی کے ایک کونے سے جھانک رہے تھے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اندھیرے میں تیر چھوڑنا ضروری سمجھا ''میں نے خود تمہیں اوپر سے نیچے جاتے ہوئے دیکھا تھا پھر اپنے گارڈ روم میں پہنچنے کے بعد بھی تم نے کن انکھیوں سے بیڈروم کی کھڑکی کی طرف دو تین مرتبہ دیکھا تھا۔ کیا تم میری باتوں کو جھٹلا سکتے ہو؟''

کوئی جواب دینے کے بجائے اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا ''جب تمہیں سب کچھ معلوم ہے تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''جو نہیں معلوم، وہ جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ''تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے، یہ بات تو تم ہی بتاؤ گے؟''

وہ شکست خوردہ انداز میں بولا ''مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں، تمہارا اصل دشمن رانا عظمت کا بھتیجا ہے..... لالہ بشیر ایم پی اے کا بیٹا سکندر!'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''تم نے پچھلے ایک دو دن میں اسے خود اپنا دشمن بنایا ہے۔''

میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ میرے تمام تر خدشات صحیح ثابت ہوئے تھے۔ گزشتہ روز میں نے اور صدف نے سکندر کو خاص ذلت اور رسوائی سے دوچار کیا تھا۔ پچھلی رات بھی وہ میرے ہاتھوں بری طرح پٹا تھا لیکن اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ وہ سکندر ہے البتہ وہ مجھے اچھی طرح پہچان

گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا، پاشا کی کوٹھی سے فرار ہونے کے بعد سکندر نے خادم حسین کو میری نگرانی کا فریضہ سونپا تھا۔

یہ بے، اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ میں فرید پاشا کے پاس ایک مہمان دوست کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہوں! اسی خاطر میں، میں نے خادم حسین سے استفسار کیا۔

''کیا آج دن میں کسی وقت سکندر سے تمہاری بات یا ملاقات ہوئی تھی؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں جواب دیا ''ملاقات یا بات تو نہیں ہوئی لیکن اس کا پیغام مجھ تک پہنچا تھا۔ تمہارے بارے میں مجھے خصوصی ہدایات دی گئی تھیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں، تم ویسے ہی ثابت ہو رہے ہو۔''

میں نے پوچھا ''میرے بارے میں تمہیں کس قسم کی ہدایات دی گئی ہیں؟''

''یہی کہ تم ایک خطرناک قسم کے مجرم ہو۔ مسلمانوں والا نام رکھ کر کافروں کے لیے کام کرتے ہو۔ تم چند روز پہلے غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے انڈیا سے پاکستان میں داخل ہوئے ہو۔ انڈیا کی بدنام زمانہ تنظیم ''را'' سے تمہارا تعلق ہے۔ تم پاشا کے پاس پناہ لے کر کسی خطرناک منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اس لیے مجھے تم پر کڑی نظر رکھنا چاہیے، اس وقت تک، جب تک تم کوٹھی کے اندر ہو۔ جیسے ہی تم کوٹھی سے باہر نکلو گے، وہ لوگ تمہیں اپنی نگرانی میں لے لیں گے اور میرا خیال ہے، اس کوٹھی سے نکل کر اس کوٹھی تک آنے کے دوران میں ہمارا تعاقب کیا گیا ہے۔''

خادم حسین یہ خوفناک معلومات میری سماعت میں انڈیل کر خاموش ہوا تو میں حیرت اور تشویش کے سمندر میں غوطہ زن ہو چکا تھا۔ سکندر کو میں نے اور مجھے سکندر نے کل زندگی میں پہلی مرتبہ اس ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔ ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے اور نہ ہی پہچانتے تھے، دوسری ''ملاقات'' گزشتہ شب سرسری انداز میں ہوئی تھی مگر خادم حسین نے جو تشویش ناک انکشاف کیا تھا وہ مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

میرے خلاف اسی قسم کا پروپیگنڈا اس وقت کیا گیا تھا جب میں اندرون سندھ سے ہوتے ہوئے کراچی پہنچا تھا تو مجھے ''را'' کا ایجنٹ اور ایک خطرناک مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس کوشش کے پیچھے جنم مکانی میاں زاہد حسین کا ہاتھ تھا۔ تو کیا..... سکندر بھی کسی طور چوہدری نوازش علی کی مشینری ہی کا کوئی پرزہ ہے؟

یہ سوال بڑی سرعت سے میرے ذہن میں ابھرا تو میری تشویش سو چند ہو گئی۔ اسی وقت مجھے یاد آیا، ایک موقع پر کل صدف نے میرا تعارف کرواتے ہوئے سکندر کے سامنے کہا تھا..... یہ وجدان ہے، میرا کلاس فیلو۔ ہم کراچی سے آئے ہیں۔ اتنے اہم لوگوں کو مصیبتیں کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی!

صدف نے جوش جذبات میں وجدان کی حیثیت سے میرا تعارف تو کروا دیا تھا لیکن اس کی یہ حماقت مجھے پسند نہیں آئی تھی۔ بعد میں جب میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے حل المشکلات ایک انگلش لفظ ''سوری'' سے کام چلا لیا تھا لیکن موجودہ صورتِ حال بتا رہی تھی، کام چلا نہیں، بلکہ بری طرح بگڑ کر رہ گیا ہے۔

اس موقع پر سکندر کے علاوہ پولیس آفیسر سب انسپکٹر، مجیب راٹھور کا بیٹا تو صیف، فرقان خان کا سپوت بابر اور مقامی ایس ایچ او کا لڑکا سلیم بھی ریسٹورنٹ میں موجود تھے۔ وجدان کی حیثیت سے میرا تعارف کوئی بھی قیامت ڈھا سکتا تھا۔ یہ تمام افراد سیاسی، مالی اور قانونی طور پر مضبوط پارٹیاں تھیں۔ تازہ ترین حالات کے مطابق، سکندر کا ہاتھ دھوکر پیچھے پڑ جانا یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ چوہدری نوازش علی یا اس کے گماشتوں سے متعلق تھا اور میرے لیے یہ نہایت ہی سنسنی خیز اطلاع تھی۔ حالات کی سنگینی سے اندازہ ہو رہا تھا، چوہدری تک پہنچنے سے پہلے مجھے چوہدری کے بہت سے نمک خواروں کی لاشیں گرانا ہوں گی۔

ایک بات کی مجھے حیرت تھی کہ فرید پاشا سکندر کے اس روپ سے واقف کیوں نہیں تھا۔ اگر وہ چوہدری نوازش علی اور سکندر کے کسی تعلق سے آگاہ ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔ یہی بات سمجھ میں آتی تھی، ان واہیات حالات سے سکندر کی وابستگی تازہ بہ تازہ تھی!

بالکل یہی بات تھی ورنہ فرید پاشا اس سلسلے میں ضرور مجھے کچھ بتاتا۔ سکندر کل ریسٹورنٹ میں مجھ سے متعارف ہوا اور آج کسی دیرینہ دشمن کے مانند میرے تعاقب میں لگ گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا، چوہدری نوازش علی کے گروپ سے وہ نیا نیا بندھا تھا۔ خادم حسین نے میری جن خطرناک خصوصیات کو گنوایا تھا ان کے پیش نظر مجھے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت تھی۔ میں دوبارہ سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''خادم حسین! میں تمہاری فراہم کردہ اطلاعات پر یقین کر لیتا ہوں لیکن بعد میں اگر ان میں سے کوئی بھی بات غلط ثابت ہوئی تو تمہارا وہ حشر کروں گا جو دیکھنے والوں کے رونگٹے

کھڑے کردے گا۔"

وہ سپاٹ آواز میں بولا "میں نے ایک ایک لفظ تمہیں سچ بتایا ہے۔ یقین کرنا یا نہ کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

میں نے کہا "تھوڑی دیر پہلے تم نے بڑے وثوق سے کہا ہے، پاشا کی کوٹھی سے نکلنے کے بعد سے یہاں پہنچنے تک ہمارا تعاقب کیا گیا ہے۔ کیا تم تعاقب کرنے والوں کو جانتے ہو؟"

"نہیں، میں انہیں جانتا ہوں اور نہ ہی پہچانتا ہوں۔" وہ قطعیت سے بولا "لیکن میرا خیال ہے، وہ سکندر کے آدمی ہو سکتے ہیں۔"

خادم حسین کے بیان سے ظاہر ہوتا تھا، تعاقب کرنے والوں میں سکندر شامل نہیں تھا۔ یہاں تک آتے ہوئے نسان پیٹرول کو خادم حسین نے ڈرائیو کیا تھا اور وہ اس وقت اس "برائے فروخت کوٹھی" کے اندر کھڑی تھی۔ میں متعاقب افراد کو دیکھ نہیں پایا تھا۔ میں نے خادم حسین سے پوچھا۔

"ہمارا تعاقب کرنے والوں کی تعداد کیا ہے اور انہوں نے ہمارے تعاقب کے لیے کون سی سواری استعمال کی ہے؟"

خادم حسین نے بتایا "وہ تین افراد ہیں۔ ایک ڈرائیونگ سیٹ پر اور دو پیچھے ان کے پاس سفید ہائی روف ہے۔ وہ ہمارے پاشا کی کوٹھی سے روانہ ہوتے ہی پیچھے لگ گئے تھے اور یہاں تک جیسے ہماری دم سے بندھے چلے آئے ہیں۔ میں نے اس کوٹھی میں داخل ہوتے وقت بھی ان کی جھلک دیکھی تھی۔ انہوں نے اپنی ہائی روف کو شاہ جمال روڈ پر ایک ایسی جگہ روکا تھا جہاں سے اس کوٹھی کا گیٹ نظر آتا رہے۔" وہ ایک لمحے کو سانس لینے کو رکا پھر مزید کہا "مجھے یقین ہے، وہ اس وقت بھی وہاں موجود ہوں گے۔"

اس کا یقین میرے لیے تشویش کا پیغام بر تھا۔ میں نے گہری نظر سے اسے گھور کر دیکھا اور سخت لہجے میں سوال کیا "جب پاشا کی کوٹھی سے روانہ ہوتے ہی تمہیں اپنے تعاقب کا احساس ہو گیا تھا تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔" وہ سادگی سے بولا۔

میں نے کہا "اور اگر میں تمہارا یہ "حال" نہ کرتا تو تم اب بھی زبان نہ کھولتے!"

"ظاہر ہے۔" اس نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

میں نے درشت لہجے میں کہا "جانتے ہو، اس نمک حرامی کے بدلے میں، میں اور پاشا تمہارا کیا حشر کرنے والے ہیں؟"

"مجھے اس کی پروا نہیں۔" وہ بے نیازی سے بولا "میدان جنگ میں یہی ہوتا ہے۔ کسی ایک پارٹی کا ساتھ دینے والے کو دوسری سے دشمنی کرنا پڑتی ہے..... اور کس کا حشر کیا ہوگا، یہ قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تم اپنے حشر کے بارے میں پوچھو، مجھے نہیں لگتا کہ تم زندہ بچ سکو، سکندر اور رانا عظمت بہت خطرناک لوگ ہیں۔ لالہ بشیر کی طاقت اور اختیار نے ان کی خطرناکی کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں، وہ تمہاری تلاش اور حصول میں کہاں تک جا سکتے ہیں۔"

میں نے دانت پیستے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور کہا "تم اپنے آقاؤں سے مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ اس قسم کے طاقتور غنڈا عناصر میرے بوٹوں کے تسموں سے بندھے رہتے ہیں۔ میں ان کی ساری بدمعاشی اور اکڑفوں ناک کے راستے نکال دوں گا۔"

اس نے میری اس دھمکی کے جواب میں کچھ نہ کہا اور بڑی کینہ توز نظر سے مجھے تکتا رہا۔ وہ شکست خوردگی کی حالت میں تہ خانے کے پختہ اور سیلن زدہ فرش پر بیٹھا تھا اور مجھ سے ہر ممکنہ تعاون کے لیے تیار نظر آتا تھا۔ سکندر اور رانا عظمت کے حوالے سے اس نے مجھے جتنی بھی معلومات فراہم کی تھیں ان سے میں نے اپنے طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ رانا عظمت کی دشمنی سراسر فرید پاشا سے تھی اور وجۂ نزاع نائلہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ گزشتہ رات پاشا کی کوٹھی پر پیش آنے والا واقعہ بھی اسی جانب اشارہ کرتا تھا اور سکندر خم ٹھونک کر خالصتاً میرے مقابلے میں میدان میں اتر آیا تھا اور اس دشمنی کے تعاقب میں اگر بہت دور تک جھانکا جاتا تو اس کھیل کے ڈانڈے چوہدری نوازش علی سے ملتے نظر آتے تھے۔ سکندر حال ہی میں یا پہلے سے چوہدری نوازش علی سے منسلک رہا تھا۔ میرے لیے یہ بات جاننا بہت ضروری تھا کہ سکندر کا چوہدری سے کس قسم کا تعلق تھا۔ ویسے میرا خیال یہ تھا کہ سکندر کل ریسٹورنٹ میں ہونے والی "ملاقات" سے پہلے مجھ سے واقف نہیں تھا ورنہ صدف کی زبانی میرا نام سنتے ہی وہ چوکنا اٹھتا۔ اس سے ایک بات واضح ہو گئی کہ وہ تازہ تازہ میرے مہماتی زندگی میں وارد ہوا تھا۔

اتمام حجت کے طور پر میں نے خادم حسین سے پوچھا "کیا تم چوہدری نوازش علی کو جانتے ہو؟"

"کون چوہدری نوازش علی؟" اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

اس کے انداز سے مجھے پتا چل گیا کہ وہ چوہدری نوازش علی سے واقف نہیں تھا۔ میں متلاشی نظر سے تہ خانے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ خادم حسین سے مزید معلومات حاصل نہیں

کی تھیں اور جب تک میں اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرتا، اس کا قید و بند میں رہنا ضروری تھا۔ خادم حسین کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے فرید پاشا سے مشورہ کرنا بھی اہم تھا۔

تھوڑی سی کوشش اور تلاش کے بعد وہیں تہ خانے کی ایک الماری میں مجھے اپنی مطلوبہ شے مل گئی۔ یہ ایک مضبوط نائیلون کی موٹی ڈوری تھی۔ میں ڈوری کے تھیلے کو کھولتے ہوئے خادم حسین کی طرف بڑھا تو اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ وہ سراسیمہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

"بت..... تم..... کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"تمہارا شافی بندوبست۔" میں نے سفاکی سے کہا۔

وہ ہکلایا "م..... مگر..... تم نے وعدہ کیا تھا، اگر میں تمہارے سوالوں کے ٹھیک ٹھاک جواب دے دوں تو تم میری جان کے دشمن نہیں بنو گے!"

"میں زبان کا دھنی ہوں خادم حسین!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں نے تعاون کی صورت میں تمہیں جان بخشی کا یقین دلایا تھا۔ میں تمہیں جان سے نہیں گزاروں گا بلکہ ہاتھ پاؤں باندھ کر اسی تہ خانے میں چھوڑ جاؤں گا۔ یہاں تہ خانے میں ہوا اور روشنی کا مناسب گزر ہے، تمہیں کسی قسم کی گھٹن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور بھوکے پیاسے تم اس وقت تک زندہ رہ سکتے ہو جب تک کاتب تقدیر نے تمہاری زندگی لکھ رکھی ہے۔" میں نے تھوڑا سا توقف کرنے کے بعد اضافہ کیا "ویسے، تم فکر نہ کرو۔ میں بہت جلد پاشا سے بات کر کے تمہارے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ لے لوں گا۔ تمہیں زیادہ دنوں تک اس تہ خانے میں بھوکا پیاسا نہیں رہنا پڑے گا۔"

وہ وحشت زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ اس نے میرے عزائم کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے ارادے سے باز نہیں آؤں گا تاہم مزاحمت کرنا اس کا حق تھا میں نے جب اسے نائیلون کی مضبوط ڈوری سے جکڑنے کی کوشش کی تو اس نے بری طرح ہاتھ پاؤں پٹخ کائے۔ اسے قابو کرنے کے لیے مجھے کچھ تادیبی اور مؤثر حربے استعمال کرنا پڑے۔ مزید تھوڑی سی ٹھوکا ٹھکی کے بعد وہ "نارمل" ہو گیا۔

میں مذکورہ ڈوری کو کھینچ تان کر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اسے اگر جلایا یا تیز دھار آلے کی مدد سے نہ کاٹا جاتا تو وہ زور آزمائی کے نتیجے میں ٹوٹنے یا کھلنے والی نہیں تھی۔ اگر اس کی گرہوں کو کھولنے یا ڈھیلا کرنے کے لیے زور لگایا جاتا تو وہ مزید بندشی ہو جاتیں۔ گویا ان کی عذاب ناکی میں ستر گنا اضافہ ہو جاتا۔

میں نے خادم حسین کو اوندھا فرش پر گرا دیا اور اس کی کمر پر سوار ہو گیا۔ پہلے میں نے اس کے دونوں بازوؤں کو عقبی جانب موڑ کر کلائی پر کلائی کو کراس کیا اور دونوں کلائیوں کے سنگم کو نائیلون کی ڈوری سے کس کر باندھ دیا۔ اس کے بعد، میں نے اپنا رخ تبدیل کر کے اس کی دونوں ٹانگوں کو گھٹنوں کے جوڑوں سے موڑ لیا اور دونوں پاؤں کو اس کے کولہوں کے نزدیک کراس کر کے فخنوں کو بھی اسی طرح مضبوطی سے باندھ دیا جیسے کلائیوں کو باندھا تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کی پشت سے اتر آیا اور دونوں بندھے ہوئے مقامات کو ڈوری کے کئی پھیرے دے کر انٹرلنک کر دیا۔ جس طرح تنکوں کی ٹوکری کو اٹھانے کے لیے ہینڈل ہوتا ہے، بالکل اسی شکل کی ایک نائیلونی گرفت تیار ہو گئی تھی۔ کوئی بھی طاقت ور آدمی اس ہینڈل نما گرفت سے سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کو اوپر اٹھا سکتا تھا لیکن میرا آئیڈیا ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس کی گرفت کو مزید مضبوط کرنے کے لیے نائیلون کی ڈوری کو پانچ مرتبہ اس کی کمر اور گرفت میں سے گزار کر پیچیدہ گرہیں لگا لیں۔ بچی ہوئی ڈوری کو میں نے دہرا تہرا کر کے قدرے موٹی ڈوری تیار کر لی اور اس موٹی ڈوری کے ایک سرے کو پہلے سے تیار شدہ "گرفت" سے تسلی بخش انداز میں منسلک کرنے کے بعد مجھے کسی کرسی یا میز کی تلاش ہوئی جس پر، خادم حسین کے جکڑے ہوئے جسم کو رکھ کر میں موٹی ڈوری کے دوسرے سرے کو چھت میں نصب کنڈے میں باندھ سکتا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے ایک بوسیدہ میز مل گئی۔ میں نے اس میز کو تہ خانے میں لانے کے بعد عین کنڈے کے نیچے رکھ دیا۔ مذکورہ میز کی چاروں ٹانگوں میں بے حد کمزوری و نزاری پائی جاتی تھی۔ مجھے ایک لمحے کو خدشہ محسوس ہوا کہ میں جیسے ہی خادم حسین کے بندشی بدن کو اس پر رکھوں گا، یہ چاروں پائے چت ہو جائے گی مگر عملاً اس میز نے میرے خدشے کی نفی کر دی۔ پرانے زمانے کی چیزیں اور انسان بے پناہ قوت برداشت کے مالک ہوتے ہیں۔ انسانوں کی خالص اشیا سے کھلائی پلائی ہوتی تھی اور چیزوں کی تیاری میں خالص مال لگایا جاتا تھا۔ وہ بظاہر مخدوش نظر آنے والی میز بہت تسلی بخش اور قابلِ اعتماد ثابت ہوئی۔ اس نے نہ صرف خادم حسین کو بلکہ میرے بوجھ کو بھی نہایت خاموشی سے برداشت کر لیا۔ میں نے نہایت مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے موٹی ڈوری کے

آخر اللہ کر سرے کو چھت والے کنڈے میں مضبوطی سے باندھ دیا۔

میز سے نیچے اترنے کے بعد میں نے خادم حسین کی گردن کو اوپر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''اللہ حافظ سیکورٹی گارڈ صاحب! مجھے امید ہے، تم پاشا کے یہاں پہنچنے تک زندہ رہو گے۔ اگر تمہارا پتا بہت کمزور ہے تو زیادہ سے زیادہ تم بے ہوش ہو سکتے ہو۔ اس خیال کو کبھی اپنے ذہن سے نہ گزرنے دینا کہ تمہارا کوئی خیر خواہ یہاں آئے گا اور تمہیں بچا کر لے جائے گا۔ اس تہ خانے کا راز صرف دو افراد جانتے ہیں۔ ایک فرید پاشا اور دوسرا میں! میں تمہیں نشانِ عبرت بنا کر یہاں چھوڑے جا رہا ہوں، فرید پاشا جلد یا بدیر تمہاری خیر و عافیت دریافت کرنے آئے گا۔''

میں نے اس کی زبان بندی کرنے کے لیے منہ میں کپڑا وغیرہ ٹھونسنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیوں کہ اس زیرِ زمین کمرے میں پیدا ہونے والی آوازیں باہر کوٹھی میں یا کوٹھی سے باہر کہیں سنائی نہیں دے سکتی تھیں۔ اپنے منہ کو آزاد پا کر خادم حسین مغلظات پر اتر آیا۔ پہلے وہ مجھے مادر پدر آزاد گالیوں میں تولتا رہا پھر دھمکیاں دینے لگا۔

''وجدان! اچھی طرح سن لو۔ تم اچھا نہیں کر رہے۔ میرے حمایتی مجھے یہاں سے آزاد کرا کر لے جائیں گے پھر تم ان کے بہیمانہ سلوک کا نشانہ بنو گے۔ سکندر اور رانا عظمت کی سفاکی اور درندگی سے تم واقف نہیں ہو، وہ تمہارا حشر خراب کر دیں گے۔''

''نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا ''تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟ شاید تم نے میری بات کو توجہ سے نہیں سنا۔ میں نے واضح الفاظ میں کہا ہے، تمہارے حمایتی اس تہ خانے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔'' میں نے اس کی دھمکی آمیز آواز میں ایک خاص قسم کی جھرجھراہٹ محسوس کی تھی اور اس کی آنکھوں میں بھی سرخی اتر آئی تھی۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا ''ابھی تک تو تم رن وے پر کھڑے ہو۔ تمہاری آواز اور آنکھوں میں خوف و دہشت نے جو تبدیلیاں پیدا کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم لیک آف کر دو گے تو تمہاری سٹی ہی گم ہو جائے گی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ بے پناہ سراسیمہ نظر آنے لگا ''اب تم اس سے زیادہ میرے ساتھ اور کیا کرنا چاہتے ہو؟''

میں نے مضحکہ خیز انداز میں اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کا جائزہ لیا اور سنسنی خیز لہجے میں کہا ''مسٹر خادم حسین عرف خدمت گار! کاش، تم نے اپنے نام ہی کی لاج رکھی ہوتی۔ خادم حسین کا مطلب ہے، حسینؓ کا خادم مگر تم تو رسوائے زمانہ رانا عظمت کے خادم نکلے۔ اس کا نمک حلال کرنے کے لیے تم پاشا سے نمک حرامی پر تیار ہو گئے۔ تمہارا جرم ناقابلِ معافی ہے اور تم مجھ سے پوچھ رہے ہو..... میں اس سے زیادہ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ابھی تو تمہاری پرواز یہاں سے روانہ ہوگی جو اس تہ خانے کی ایک دیوار سے دوسری دیوار تک سفر کرے گی پھر تمہیں پتا چلے گا، کن تلوں میں کتنا تیل ہے؟''

اپنی بات ختم کرتے ہی میں نے قوت صرف کر کے خادم حسین کے نیچے دبی ہوئی میز کو دھکیلا۔ وہ میز اپنی گھسنے والی اور مضبوطی کا ثبوت دیتے ہوئے، مختلف قسم کی آوازیں پیدا کرنے کے بعد اس کے بدن کے نیچے سے سرک گئی۔ میز کے ہی خادم حسین کا مضحکہ خیز انداز میں بندھا ہوا بدن ہوا میں جھولنے لگا۔ میں نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر میز کو دور پھینک دیا۔

خادم حسین بڑی کسمپرسی کی حالت میں چھت سے لٹکا ہوا میں جھول رہا تھا۔ میں نے اسے ''الوداع'' کہتے ہوئے ایک زوردار دھکا دیا اور تہ خانے کے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

تہ خانے کو چھوڑنے سے پہلے میں نے پلٹ کر خادم حسین کو دیکھا۔ وہ سوزوکی واٹر پارک لاہور کے ایک جھولے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس فلک بوس جھولے میں، نارنجی لباس والا ایک جن، اسی طرح اپنے پاؤں کو پکڑے ادھر سے ادھر جھولتا رہتا ہے جس کی پشت میں تفریح کرنے والوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ ہوتی ہے۔ اسی قسم کی حرکت والا ایک جھولا (Sozo) کی صورت کلفٹن کے ساحل پر بھی موجود ہے لیکن سوزوکی واٹر پارک والے جھولے کی اپنی ایک شان ہے۔

جب میں تہ خانے سے نکل کر کوٹھی کے بیرونی حصے میں پہنچا تو میرا دماغ بڑی تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ خادم حسین کے مطابق ایک سفید ہائی روف ہمارا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچی تھی اور شاہ جمال روڈ پر ایک ایسی جگہ رک گئی تھی جہاں سے اس کوٹھی کے گیٹ پر نگاہ رکھی جا سکے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں جیسے ہی کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکلتا، تعاقب کرنے والوں کی نظر میں آ جاتا۔ ابھی تک کوٹھی کی اندرونی فضا میں امن و امان قائم تھا اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ یہ امن ہمیشہ قائم رہے گا۔ وہ لوگ زیادہ انتظار سے اکتا کر کوٹھی کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا، بہت کم وقت میں کرنا تھا۔

میں نے اپنی کارروائی کے لیے پندرہ منٹ کا وقت طے

کیا اور بے قدموں چلتے ہوئے کوٹھی کے عقبی حصے میں آ گیا۔ کوٹھی کی چار دیواری لگ بھگ پانچ فٹ تھی۔ میں نے ایک مناسب جگہ سے عقبی دیوار کو پھلانگا اور کوٹھی سے باہر آ گیا۔ یہ ایک ویران عقبی گلی تھی۔ کسی نے مجھے کوٹھی سے باہر کودتے ہوئے نہیں دیکھا کیوں کہ کسی ذی روح کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں تیز قدموں سے چلتے ہوئے گلی کے سرے پر پہنچا اور گھوم کر سامنے والی سڑک پر آ گیا۔ یہاں سے کوٹھی کا بیرونی گیٹ اور شاہ جمال روڈ واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اس سفید ہائی روف کو دیکھ لیا جو خادم حسین کے بقول، ہمارے تعاقب میں وہاں پہنچی تھی۔ میں اس وقت ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے وہ سوزوکی ہائی روف تو مجھے دکھائی دے رہی تھی مگر میں ان لوگوں کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ تینوں ابھی تک ہائی روف کے اندر ہی اطمینان سے بیٹھے تھے جس سے لگتا تھا، فی الحال ان کا ریڈ (Raid) کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے اسی موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔

میں محتاط انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے ایک کولڈ ڈرنکس کی دکان پر پہنچ گیا۔ میں نے دور سے اس دکان پر پبلک کال آفس کا مخصوص بورڈ لٹکا دیکھ لیا تھا۔ کولڈ ڈرنکس کی مذکورہ دکان سفید سوزوکی ہائی روف سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی اور اتفاق سے یہ اس کے عقب میں واقع تھی۔

میں جب کولڈ ڈرنکس کی دکان پر پہنچا تو اس وقت ایک شخص فون بند کر کے دکان سے نکل رہا تھا۔ یہ میرے حق میں اچھا ہی ہوا۔ میں نے دکان کے مالک کی اجازت سے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور فرید پاشا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس دوران میں، میں نے خود کو ایک ایسے رخ پر پھیر لیا جہاں سے مجھے سفید ہائی روف اور اس میں موجود تینوں افراد واضح طور پر نظر آتے رہیں۔

تیسری گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا گیا۔ میری سماعت سے ایک نسوانی آواز ٹکرائی۔ میں نے پلک جھپکتے میں اس کی آواز کو پہچان لیا۔ وہ فرید پاشا کی بیوی نائلہ تھی۔ میں نے شائستہ لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہیلو بھابی! کیسی ہیں آپ؟''

وہ چہکی ''اپنے دیور کی دعاؤں کے طفیل بخیریت ہوں، تم کہاں پر ہو؟''

میرے پاس چہکاروں کے تبادلے کا وقت نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اسے اپنی خیریت سے آگاہ کرتے ہوئے سوال کیا ''پاشا کہاں ہے؟''

نائلہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی تھی کہ فرید پاشا مجھ سے کس نوعیت کا بے تکلف تکلم چاہتا ہے اس لیے وہ میرے طرزِ تخاطب کا برا نہیں مانتی تھی۔ پاشا اسے اپنے چھوٹے چھوٹے معاملات سے آگاہ رکھتا تھا۔ نائلہ کو میری موجودگی میں اس نے بتایا تھا کہ وہ مجھ سے کس قسم کی بے تکلفی کا خواہاں ہے، جواب میں، میں نے پاشا پر واضح کر دیا تھا کہ میں نائلہ کو آپ جناب ہی سے مخاطب کروں گا۔ میرے اس رویے نے نائلہ کو بہت متاثر کیا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا۔

''وہ واش روم میں ہیں۔ تم ذرا ہولڈ کرو۔ میں..... ٹھہرو، ہولڈ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی ''وہ واش روم سے نکل آئے ہیں اور اسی طرف آ رہے ہیں۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ائرپیس میں مجھے فرید پاشا کی آواز سنائی دی ''ہاں وجدان! ادھر کیا رہی؟''

اس نے براہِ راست مجھے وجدان کہہ کر مخاطب کیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا، فون کا ریسیور تھامنے سے قبل نائلہ اسے میرے بارے میں اشارے دے چکی تھی۔ میں نے پاشا کے سوال کے جواب میں نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے یہاں کی صورتِ حال کے بارے میں بتایا۔

پوری بات سننے کے بعد اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا ''خادم حسین کے ساتھ تو تم نے بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ ایسے نمک حرام اس سے بھی زیادہ بدترین سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ دو چار دن تک اسے وہیں تہ خانے میں الٹا لٹکا رہنے دو، پھر اس کی خبر لیں گے۔ وہاں چکرانے والی چمگادڑوں کو بھی تو معلوم ہو کہ اللہ نے کیسے کیسے جنادر پیدا کیے ہیں'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا ''تم نے تعاقب کرنے والے جن افراد کا ذکر کیا ہے وہ خاصی فکر انگیز صورتِ حال ہے۔ ان حالات میں تمہیں میری مدد کی ضرورت تو ہو گی؟''

''فی الحال مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔'' میں نے نپی تلی آواز میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی میں سفید ہائی روف کو بھی نگاہ میں رکھے ہوئے تھا ''پاشا! میں نے ان تین افراد سے نمٹنے کے لیے ایک شارٹ عمل لائحہ ایکٹ اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہے۔ میں ان لوگوں کو کسی طرح گھیر گھار کر کوٹھی میں داخل ہونے پر مجبور کروں گا پھر ان کی اصلیت اور مجھ سے دشمنی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔''

پاشا نے دوستانہ انداز میں کہا ''مجھے یقین ہے، تم ان تینوں پر بھاری پڑو گے لیکن پھر بھی میں یہی مشورہ دوں گا کہ

اگر کسی دنگا فساد کے بغیر وہاں سے نکل کر میرے پاس آسکتے ہو تو چلے آؤ۔"

"دنگا فساد اور اٹھا پٹخ تو اب بہت ضروری ہوگئی ہے پاشا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "مجھے پورا یقین ہے، سکندر کا رابطہ میرے دشمن اول چوہدری نوازش علی کے کسی کارندے سے ہوگیا ہے۔ سفید ہائی روف میں سکندر تو مجھے نظر نہیں آرہا مگر ان افراد میں سے کسی نہ کسی کی زبان یہ راز ضرور اگل دے گی۔ میں یہ راز جانے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے، تم جو مناسب سمجھتے ہو وہ کرو۔" پاشا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میں پورے خلوص سے تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ مجھے امید ہے، تم ان لوگوں سے چار چار ہاتھ کرکے بہت جلد میرے پاس آجاؤ گے۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" میں نے پرعزم لہجے میں کہا "بالفرض، اگر میں کسی لمبے چوڑے جھنجٹ میں الجھ جاتا ہوں اور تمہاری توقع کے مطابق مجھے تمہارے پاس پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی ہے تو میرے بارے میں فکرمند نہ ہونا۔ میں رات کے کسی پہر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا یا تم سے ٹیلی فونک رابطہ کروں گا۔ تمہاری نسان پٹرول کوٹھی کے اندر محفوظ کھڑی ہے۔ تم جب چاہو، اسے وہاں سے نکال سکتے ہو۔"

"یار! تم نسان کی فکر میں خود کو دبلا مت کرو۔ وہ کہیں نہیں جاتی۔"

"پاشا! وہ ایک نئی نویلی جیپ ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اور لاکھوں کی مالیت....."

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا "میں نے تمہیں یار کہا ہے وجدان۔ تم نے مجھے دیکھا ہے، ابھی میری یاری نہیں دیکھی۔ میں اپنے دوستوں کی خاطر جان بھی قربان کرسکتا ہوں، چالیس پچاس لاکھ کی جیپ کیا حیثیت رکھتی ہے۔"

"مجھے تمہاری زبان کا اعتبار ہے پاشا۔" میں نے کہا "میں بھی اسی قسم کی دوستی کا قائل ہوں۔ لگتا ہے، ہماری خوب نبھے گی۔"

"انشاء اللہ۔" وہ تہ دل سے بولا۔

غنیمت یہ تھا کہ ہماری اس گفتگو کے دوران میں فون کو استعمال کرنے والا اور کوئی ضرورت مند اس پی سی او پر نہیں آیا حتیٰ کہ کولڈ ڈرنک کا کوئی خریدار بھی ادھر نہیں پھٹکا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا، وہ دکان زیادہ نہیں چلتی تھی جو میرے لیے خاصی سودمند ثابت ہوئی۔

میں نے اس گفتگو کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے کہا "پاشا! تم نے مجھے بتایا تھا، خادم حسین ایک دو مرتبہ تمہارے ساتھ اس کوٹھی پر آیا تھا مگر اس کا کہنا ہے، وہ یہاں باقاعدہ ڈیوٹی کرچکا ہے!"

"اس کا دعویٰ درست ہے۔" پاشا نے تصدیقی انداز میں کہا "خادم حسین کو میں نے اس کوٹھی میں قیام کے پہلے آخری دنوں میں ملازم رکھا تھا پھر ہم گلبرگ تھری والی کوٹھی میں شفٹ ہوگئے تھے۔"

"کیا نیا سیکورٹی گارڈ ڈیوٹی پر آگیا؟"

"ہاں، میں نے تمہارے جاتے ہی اسے کال کیا تھا۔" پاشا نے بتایا "وہ آدھے گھنٹے کے اندر یہاں موجود تھا..... اور اس وقت وہ باقاعدہ ڈیوٹی پر ہے۔ عمر دین نامی اس گارڈ کو میں نے ایک پرائیوٹ سیکیورٹی گارڈ کمپنی سے حاصل کیا ہے جو اپنے ملازمین کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتی ہے۔ خادم حسین کی ریفرنس کے بغیر میرے پاس آیا تھا، اس کا کہیں کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ میں نے عمر دین کو یہی بتایا ہے کہ سابق گارڈ کو غیر ذمے دارانہ رویے پر میں نے نوکری سے نکال دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اس طرح نیا گارڈ زیادہ فرض شناسی کا مظاہرہ کرے گا۔" میں نے کہا "اس کے علاوہ بھی تمہیں اپنی حفاظت کے نظام کو زیادہ مضبوط اور فعال بنانے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ یاد رکھو، اب تمہارا واسطہ بہت ہی خطرناک لوگوں بلکہ مجرموں سے ہے جو سفاکی میں اپنی مثال آپ ہیں۔"

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے تم بھی میری ایک بات نوٹ کرلو وجدان!" وہ اپنے مخصوص استدلالی انداز میں بولا۔

اسی وقت پی سی او میں دو افراد داخل ہوئے اور مجھے فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر ایک جانب خاموشی سے کھڑے ہوگئے۔ میں سمجھ گیا، وہ میرے ریسیور رکھنے کا انتظار کررہے ہیں۔ اس پی سی او میں صرف ایک ہی فون سیٹ رکھا تھا۔ میں نے پاشا سے بات کے جواب میں کہا۔

"ہاں بولو، میں نوٹ کررہا ہوں۔" اس مرتبہ میں قدرے بلند آواز سے بولا تھا۔

اس نے کہا "اگر خطرناک مجرموں سے میرا پالا پڑا ہے تو تم جیسا ایک جگری دوست بھی میری فہرست میں شامل ہے۔ میں آج ہی منہاس باقر کو فون کرکے تمہیں یہاں بھیجتا ہوں۔ اس کا شکریہ ادا کروں گا۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس رو میں مزید قدم آگے بڑھاتا، میں نے گفتگو کے سلسلے کو موقوف کرتے ہوئے کہا "اچھا، میں فون بند کررہا ہوں۔ وہ لوگ ہائی روف سے باہر آرہے ہیں۔"

پھر دوسری طرف کی بات سنے بغیر میں نے "اللہ حافظ" کہہ کر وائرلیس ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆

قدرت کے کارخانے میں ہر کام کا ایک ایک وقت مقرر ہے۔ کوئی کام اس مقررہ وقت سے پہلے نہیں ہوسکتا، اسی طرح کسی کام میں تاخیر بھی ممکن نہیں۔ بعض عقل کے اندھے، بہ زعم خود عقل کل قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مستقبل کا حال جانتے ہیں اور آنے والے وقت اور کاموں کے ظہور پذیر ہونے کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔ اندازوں اور قیاسات کی بات الگ ہے۔ کبھی کبھار تکے، تیر سے زیادہ سیدھ میں لگتے ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ کوئی عامل یا کامل قدرت کے فیصلوں سے قبل از وقت آگاہ ہوجاتا ہے یا ہوسکتا ہے تو اس سے زیادہ جہالت اور حماقت کی بات اور کوئی نہیں ہوگی۔ یہ علیحدہ امر ہے کہ بعض اوقات ہم کوئی بات کہتے ہیں اور وہ اسی وقت ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ وہ کام ہمارے کہنے سے ہوا یا ہم اس کام کے اس وقت ہونے کے بارے میں جانتے تھے۔ ان لمحات میں درحقیقت ہماری آگہی، قدرت کے نظام پر کہیں ٹیون (Tune) ہوجاتی ہے اور قدرت کا کوئی راز ہم پر منکشف ہوجاتا ہے۔ جو خیال کی صورت میں ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے اور بے اختیار زبان سے پھسل جاتا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق ہوتا ہے اور خاصا حسین اتفاق ہوتا ہے جو ہمیں مسرت کے ساتھ ساتھ ایک حیرت سے بھی دوچار کردیتا ہے۔

میں بھی اس وقت ایک دلچسپ حیرت سے دوچار تھا۔ جیسے ہی میں نے فون پر پاشا سے کہا، وہ لوگ ہائی روف سے باہر آرہے ہیں..... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اسی لمحے ہائی روف کا دروازہ کھلا اور پیچھے بیٹھے ہوئے دونوں افراد باہر نکل آئے۔ ڈرائیور البتہ اپنی سیٹ پر موجود رہا۔ میں ان سے اتنے فاصلے پر تھا کہ ان کی باتوں کی آواز مجھ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یقینی بات ہے، انہوں نے گاڑی سے باہر آنے سے پہلے آپس میں کوئی بات چیت بھی کی ہوگی۔ بہرحال، جیسے ہی میرے ذہن میں ان کے بارے میں خیال ابھرا، وہ گاڑی سے باہر آگئے تھے۔

میں پچھلے کئی دنوں سے "چی" کی ایڈوانس مشقیں کررہا تھا جس سے میری باطنی قوتوں میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔ کہتے ہیں، میری آگہی، چی کی قوت کے طفیل ہی متحرک ہوگئی اور اس کی فعالیت اچانک بڑھ گئی ہو۔ مخصوص اوقات میں انسان کے سوچنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی صلاحیت ویسے بھی بڑھ جاتی ہے۔ چی کی افادیت اور کارفرمائیاں رفتہ رفتہ مجھ پر منکشف ہورہی تھیں۔

چی (Chi) بہت ہی پراسرار اور حیرت انگیز قوت کا نام ہے۔ یہ پیٹ کے زیریں حصے میں، ناف اور ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرے کے درمیان خوابیدہ حالت میں موجود رہتی ہے۔ اس سے کام لینے کے لیے مخصوص مشقوں کے ذریعے اسے بیدار کیا جاتا ہے اور بڑی مہارت سے اسے قابو میں لاکر بہت سے مفید کام لیے جاسکتے ہیں۔ یہ قوت انسانی جسم میں کسی جنریٹر کے طور پر کام کرتی ہے اور اس کی مدد سے جسم کے تمام نظاموں کو فعال اور زودحس بنایا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ چی کا تلفظ "شی" بھی کرتے ہیں۔

بدھ بھکشوؤں کا ایک راہ نما اور شاؤلن ٹیمپل میں مارشل آرٹس کا بانی "بودھی دھرما" چی کی قوت پر بہت زور دیتا تھا اور اس کی بیداری کے لیے اپنے شاگردوں کو سانس کی مخصوص مشقیں اپنی نگرانی میں کراتا تھا۔ انہی میں سے چند مشقیں ماسٹر ہینگ پائی (Hang Pai) نے مجھے بھی کروائی تھیں اور وہ دوسری ایڈونس مشقوں کے بارے میں مجھے تفصیلاً بتا دیا تھا جو آج کل میں باقاعدگی سے کررہا تھا۔ بودھی دھرما کے مطابق، جس شخص کے جسم کے بالائی حصے میں چی ہو اور سینہ گندی ہوا سے بھرا ہو، ایسے نہایت آسانی سے گرایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس، وہ شخص جس کا سینہ یعنی پھیپھڑے تازہ ہوا سے بھرے ہوئے ہوں اور چی جسم کے زیریں حصے میں مرتکز ہو، وہ ناقابل تسخیر ہوجاتا ہے۔

میں یہی سب سوچتے ہوئے پبلک کال آفس سے باہر نکل آیا۔ اس وقت تک ہائی روف سے باہر آنے والے افراد کوٹھی کی جانب پیش قدمی کرچکے تھے۔ وہ کوٹھی جو ابھی تک فرید پاشا کی ملکیت تھی اور اس کے ایک خفیہ تہ خانے میں سیکیورٹی گارڈ کسی دھاتی پنڈولم کے مانند ٹو اینڈ فرو (To and Fro) حرکت کررہا تھا۔ نائیلون کی مضبوط ڈوریوں میں جکڑے ہوئے اس کے بدن کی یہ "آگے پیچھے" حرکت کسی نشان عبرت سے کم نہیں تھی۔

میری نگاہ انہی دو افراد پر جمی تھی اور میں دبے قدموں، سفید ہائی روف کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے گرم چادر کی بکل مار رکھی تھی جب کہ دوسرے نے لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ موسم میں اگرچہ خنکی در آئی تھی مگر ایسی بھی سردی نہیں تھی کہ گرم کپڑوں کا استعمال کی ضرورت پیش آتی۔ گاڑی

میں موجود ڈرائیور نے سلیولیس سوئٹر پہن رکھا تھا۔ میں سمجھ گیا، انہوں نے اپنے لباسوں میں کسی قسم کے آتشیں ہتھیاروں کو چھپانے کے لیے وہ سوانگ بھرا تھا۔ کوٹھی کی جانب بڑھتے ہوئے دو افراد کے قدموں سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ وہ میری خبر گیری کے لیے اس طرف جا رہے تھے۔

وہ دونوں کوٹھی کے گیٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئے اور چوکنا نظر سے دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ ان کے انداز میں بڑی پراسراریت پائی جاتی تھی۔ وہ کوٹھی میں داخل ہونے سے قبل اپنے گردوپیش کا جائزہ لے رہے تھے۔ میں اس دوران میں محتاط قدموں سے چلتے ہوئے سفید ہائی روف کے نزدیک پہنچ گیا۔ گاڑی کے اندر موجود ڈرائیور کی نظر بھی انہی پر لگی تھی اس لیے اسے وہاں میری موجودگی کا احساس نہ ہو سکا۔

اس وقت لگ بھگ شام کے پانچ بجے تھے اور شام، رات سے گلے ملنے کی تیاری میں تھی۔ سفید ہائی روف، شاہ جمال روڈ کے جس حصے میں کھڑی تھی وہاں اِکا دُکا گاڑیوں کے گزرنے کے سوا کسی قسم کا رش وغیرہ نہیں تھا۔

میں نے دیکھا، کوٹھی کے گیٹ پر پہنچنے والے وہ دونوں افراد یکے بعد دیگرے اندر کود گئے۔ گیٹ گو ہم نے اندر سے بند کر رکھا تھا اس لیے انہیں پھلانگ کر اندر جانا پڑا تھا۔ جب ہمارا تعاقب کر کے وہاں پہنچنے والے افراد کوٹھی کے اندر غائب ہو گئے تو میں بہ آہستگی ہائی روف کے ڈرائیور کی سمت بڑھ گیا۔

اس وقت میں ہر نوعیت کی کارروائی کے لیے تیار تھا۔ مجھے کوٹھی کے اندر جا کر کسی بھی قسم کی واہیات صورتِ حال سے سابقہ پڑ سکتا تھا اس لیے ضروری تھا، کسی بیرونی مداخلت کو روکنے کا بندوبست کر لیا جائے۔ اس وقت میری نظر میں ڈرائیور سے زیادہ بڑا مداخلت کار اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں خاموشی سے اس کے پہلو سے رینگ گیا۔

''بھائی صاحب!'' میں نے اچانک بھرائی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پہلے میں یہی سمجھا کہ وہ چونکا اس لیے کہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا ہے لیکن اگلے ہی لمحے میرا خیال باطل ثابت ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے شناسائی کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ اس کے چونکنے کی وجہ محض یہ تھی کہ اس وقت وہ پورے انہماک سے کوٹھی کی سمت دیکھ رہا تھا اور میرے اچانک مخاطب کرنے نے اسے گڑبڑا دیا تھا۔

میں نے اس کی سوالیہ نظر کے جواب میں پوچھا ''بھائی صاحب! شاہ جمال کا مزار کس طرف ہے؟''

وہ مجھے کوئی بھٹکا ہوا راہگیر سمجھا۔ سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس طرف چلے جاؤ، تھوڑے ہی فاصلے پر تمہیں مزار نظر آ جائے گا۔''

یہ تو اچھا ہوا کہ وہ مجھے پہچانا نہیں تھا، بصورتِ دیگر وہی میرے پاس اس کا شافی علاج موجود تھا۔ فرید پاشا نے مجھے بتایا تھا کہ اس علاقے میں ایک روحانی بزرگ حضرت شاہ جمال کا مزار بھی واقع ہے۔ یہ معلومات اس وقت کام آ گئی تھیں۔

میرے پاس بہت کم مہلت تھی۔ کوٹھی کے اندر داخل ہونے والے اگر باہر نکل آئے تو ان سے نمٹنے میں قدرے مشکلات پیش آتیں۔ کوٹھی کے اندر وہ بہ آسانی ٹریٹ کیے جا سکتے تھے۔ میں نے ڈرائیور پر چند لمحات صرف کیے اور بجلی کی سی سرعت سے اس کی گردن پر پائی جانے والی ایک مخصوص رگ کو مُسل کر میں نے اسے تھوڑی دیر کے لیے اتنا غافل کر دیا۔ اس کے سر کو میں نے گاڑی کے اسٹیئرنگ پر اس طرح ٹکا دیا کہ دور سے دیکھنے والا کوئی بھی شخص یہی سمجھے کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ اگلے چند سیکنڈ میں، میں آواز پیدا کیے بغیر کوٹھی کے اندر پہنچ چکا تھا۔

جب میں سیکیورٹی گارڈ خادم حسین کے ہمراہ کوٹھی میں داخل ہوا تھا تو میری حیثیت ایک خریدار ایسی تھی اس لیے مختلف کمرے دکھاتے وقت خادم حسین ان کی لائٹیں آن کرتا رہا تھا جن میں سے بیشتر کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی، لو داردان پہلے روشن کمروں ہی میں جھانکتے۔ ان روشن کمروں کی بدولت کوٹھی کے باقی حصوں میں اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔ میں اندھیرے کی آڑ لیتے ہوئے قدم قدم محتاط انداز سے آگے بڑھانے لگا۔

پھر وہ مجھے دکھائی دے گئے۔ وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہو رہے تھے جس کی حیثیت ہال ایسی تھی اور اس کی ایک دیوار میں خفیہ تہ خانے کا چور راستہ بھی نہایت ہی پراسرار انداز میں موجود تھا۔ مجھے اپنی کارروائی کے لیے وہ ہال نما بڑا کمرا نہایت ہی مناسب اور موزوں نظر آیا۔

وہ دونوں جیسے ہی ہال میں داخل ہو کر میری نگاہ سے اوجھل ہوئے، میں بڑی تیزی سے ان کی جانب لپکا۔ انہوں نے ہال کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے کمرے میں ان کے ہوتے ہی دروازہ بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔

وہ پلٹ کر حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا ''تم لوگ مجھے کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ میں تو یہاں ہوں۔''

انہوں نے ایک لمحے کے لیے معنی خیز نظر سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے ان کا نگاہی مفہوم پڑھ لیا۔ وہ مجھے دوسرے ہی کی حیثیت سے پہچان گئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں دھدان کی قسم کے تاثرات تھے جیسے انہیں اچانک مجھے اپنے سامنے دیکھ کر یقین نہ آیا ہو۔

چادر کی بکل والے شخص نے اچانک ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے اپنے بدن سے چادر کھینچ کر میری جانب اچھال دی۔ میں نے ہاتھ کے دھکے سے اپنی سمت آنے والی چادر کو ایک طرف پھینکا، اس دوران میں وہ شخص اپنے لباس سے ریوالور برآمد کر چکا تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ دس انچ رہا ہو گا۔

جیکٹ والے پستہ قامت گینڈا نما شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اچھا ہوا، تم خود ہمارے سامنے آ گئے ورنہ ہمیں تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر سامنے لانا پڑتا۔''

''چلو، کوئی بات نہیں۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''یہ حسرت اب نکال لو۔ میں بھی یہاں موجود ہوں اور میرے ہاتھ پاؤں بھی سلامت ہیں۔''

میں یہ جملے ادا کرتے ہوئے بڑی تیز تیز نظروں سے دبلے پتلے ریوالور بردار شخص کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ میرا اصل ٹارگٹ وہی تھا اور میں مناسب موقع ہاتھ آتے ہی اسے نشانہ بنانا چاہتا تھا۔

پستہ قامت جیکٹ پوش شخص نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تمہارے ہاتھ پاؤں تو ہم ضرور توڑیں گے مگر تمہیں زندہ سلامت رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ تم کسی ہاتھی کے برعکس ہو۔ تمہاری زندہ ڈیلیوری ہمارے لیے زیادہ سودمند ثابت ہو گی۔ مرنے کے بعد تو تم لکھ (لاکھ) کے کیا، لکھ (تنکے) کے بھی نہیں رہو گے۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور غیر محسوس پیش قدمی کرتے ہوئے اس سے سوال کیا ''تم مجھے پکڑ کر کسے ڈیلیور کرنا چاہتے ہو۔ تم نے ابھی کسی ڈیلیوری کا ذکر کیا ہے؟''

میری ''حرکت'' کو ریوالور بردار نے محسوس کر لیا، اس سے پہلے کہ اس کا گینڈا نما ساتھی میرے سوال کا جواب دیتا، اس نے ریوالور کو وارننگ کے انداز میں لہراتے ہوئے کہا۔

''دھدان! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ جان سے جاؤ گے۔''

''اگر میں جان سے چلا گیا تو تمہارے لیے بے کار ہو جاؤں گا۔'' میں نے ریوالور بردار کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر کہا ''تمہارا اس گینڈے ساتھی نے بتایا ہے کہ میں کوئی ہاتھی نہیں ہوں جو زندہ ایک لاکھ کا اور مرا ہوا سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔''

مذکورہ شخص تنبیہی انداز میں مجھ سے گویا ہوا ''تم زیادہ باتیں نہ بناؤ اور خاموشی سے خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اگر ہمیں مجبور کرو گے تو ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ سنا ہے، تم نے کراچی میں بڑی تھرتھلی مچائی ہوئی تھی لیکن بچو! ایک بات ذہن میں رکھنا، یہ لاہور ہے۔ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک اتھرا پڑا ہے۔ تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہنا۔ ادھر بندہ گزارتے ہوئے ذرا دیر نہیں لگاتے۔''

اس کی بکواس کے دوران میں، میں نے ہم تینوں کے درمیان قدیمی فاصلے کو ذہن نشین کر لیا تھا لہٰذا ایکشن میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ میرے ذہن نے ایک ایک سُوت کا حساب کر لیا تھا۔

میں نے دھمکی دینے والے گینڈا صورت شخص کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے بھولے پن سے کہا ''یار! ناراض کیوں ہوتے ہو۔ مجھے پکڑنے آئے ہو، لو پکڑ لو۔ میں کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہوں۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے دونوں ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔ وہ یہی سمجھا، میں اس کی طرف قدم بڑھانے والا ہوں۔ وہ بڑی تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس طرح اس نے مجھے میرا مطلوبہ زاویہ فراہم کر دیا تھا۔ اب میں بہ آسانی ان دونوں کو شکار کر سکتا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ میرے ارادے کو بھانپنے کی کوشش کرتے، ایک بجلی سی چمکی۔ میں نے پلک جھپکتے میں ایک بیک فلیک (Back Flick) لگائی اور پستہ قامت جیکٹ پوش کے سامنے پہنچ گیا، اس طرح کہ اس گینڈے کی آڑ بھی مجھے میسر تھی۔ اگر ریوالور بردار مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کرتا تو گولی گینڈے کی موٹی پشت میں پیوست ہو جاتی۔

میری اس غیر متوقع حرکت پر ریوالور بردار بوکھلا گیا۔ اس کی بوکھلاہٹ سے فائدہ نہ اٹھانا عظیم ترین حماقت ہوتی۔ میں نے گینڈا نما شخص کی ٹھوڑی پر ایک فولادی پنچ رسید کیا اور فرنٹ رول کرتے ہوئے ریوالور بردار کے پاس پہنچ گیا پھر میں نے اسے فائر کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کا ریوالور والا ہاتھ سیدھا ہونے سے پہلے ہی میں حرکت میں آ چکا تھا۔

میں نے بڑی سرعت سے اس کے بازو کو بلاک کیا اور پش لاک لگاتے ہوئے مروڑ دے کر اس کی پشت پر ایک زوردار کک رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے ساتھی کی جانب گیا اور اس سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گیا۔ اس تصادم کے نتیجے میں ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔

یہ تمام عمل بیان کرنے میں خاصا طویل اور پیچیدہ نظر آتا

ہے لیکن میں نے اس کی تکمیل میں صرف پانچ سیکنڈ صرف کیے تھے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، میرے ایکشن میں کس قدر برق رفتاری پائی جاتی تھی۔ یہ سب مرتب کمبی نیشن کا کھیل تھا۔ بیک فلیک، پنچ، فرنٹ رول، بلاکنگ، پش کک اور کک ایک ہی لمحاتی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔

میں نے ایک طویل جمپ لگائی اور کمرے کے فرش سے ریوالور اٹھا لیا۔ قریبی دیوار پر کپڑے لٹکانے والی کھونٹیاں نصب تھیں۔ میں نے ریوالور کو ایک کھونٹی پر ''لٹکا'' دیا۔ اس دوران میں وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے۔

میں پلٹ کر ان کی طرف بڑھا تو مجھے ایک مرتبہ پھر چونکنا پڑا۔ اس دفعہ مجھے پستہ قامت گینڈے کے ہاتھ میں ایک پسٹل چمکتا ہوا نظر آیا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے، پسٹل کو دھمکی آمیز انداز میں لہراتے ہوئے مجھے وارننگ دی۔

''ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھانا، ورنہ میں بھون کر رکھ دوں گا!''

''تم جھوٹ بولتے ہو، بکواس کرتے ہو۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''اگر تم نے فائرنگ کر کے مجھے بھون ڈالا تو میری زندہ ڈیلیوری کیسے کرو گے؟ اور.....'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا وقفہ دیا پھر کہا ''میں نے تو پہلے بھی تمہیں پیش کش کی تھی کہ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ آؤ، مجھے پکڑ لو۔ میں ایک مرتبہ پھر یہی پیش کش دہراتا ہوں۔ آؤ، میری طرف بڑھو.....'' میں نے اس کے ساتھ ہی ہلکی پیش قدمی شروع کر دی۔

میری اس حرکت کے جواب میں ہال نما کمرا فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ گینڈے نے مجھے روکنے کے لیے، میرے قدموں میں فائر کیا تھا، گویا میں اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ میں جوابی کارروائی کے طور پر دونوں پاؤں سے ہوا میں اچھلا۔ میں نے یہی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ فائرنگ سے خود کو بچا رہا ہوں۔ میری جگہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو غیر ارادی طور پر وہ بھی ایسی ہی حرکت کرتا مگر میں نے وہ سب کچھ بالا رادہ کیا تھا اس لیے وہ لوگ میری چال میں آ گئے۔

میرا ہوا میں اچھلنا قیامت ڈھا گیا۔ یہ اچھال سمرسالٹ کے لیے تھی۔ شاؤلن ٹیمپل میں مجھے کھڑے کھڑے قدموں پر اچھلنے کی پریکٹس کروائی گئی تھی۔ میں بہ آسانی چھے فٹ تک جمپ کر سکتا تھا، بعض مخصوص حالات میں یہ بلندی آٹھ سے دس فٹ تک پہنچ جاتی۔ اس بلندی کا انحصار اس زمین پر ہوتا جہاں سے اچھلنے کی کوشش کی جاتی۔

میرا بدن زن سے ہوا میں رول ہوا اور میں فرنٹ سمرسالٹ لگاتے ہوئے پسٹل والے گینڈے کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس دوران میں اس نے مجھے فائرنگ کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے پستول سے فائر ہونے والی گولی چھت اور دیواروں کے پلاسٹر کو ادھیڑنے کے سوا کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکیں۔ اس فائرنگ سے مجھے ایک فائدہ پہنچا اور وہ یہ کہ اس کے پستول کا کلپ خالی ہو گیا۔ میں نے اس کے سامنے ''لینڈنگ'' کی تو اس کے پسٹل سے ''ٹھک ٹھک'' کی آواز خارج ہوئی۔

پھر اسی لمحے پستول کی مخصوص ٹھک ٹھک میں گینڈے کی کراہ بھی شامل ہو گئی۔ میں نے زمین پر قدم ٹکاتے ہوئے ایک طوفانی مکا اس کی پکوڑا ناک پر جڑ دیا تھا۔

وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے گیا پھر سنبھل کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ پستول کا کلپ خالی ہو چکا تھا۔ اس نے خالی پسٹل کھینچ کر مجھے مارنے کی کوشش کی۔ کوشش ان معنوں میں کہ میں نے اس کے ارادے کو ناکام بنا دیا۔ اس کے بازو کے حرکت میں آتے ہی بینگ لگانے والے انداز میں نیچے بیٹھ کر گھوما گیا۔ اس دوران میں خالی پسٹل میرے سر کے اوپر سے پاس کرتے ہوئے اس دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ جہاں ایک کھونٹی میں پہلے ہی ایک ریوالور کو ''لٹکا'' چکا تھا۔

اس حملے میں ناکامی کے بعد وہ گینڈا صورت شخص اصلاً نسلاً گینڈے کے مانند چنگھاڑتے ہوئے میری جانب بڑھا۔ اس کی پکوڑا نام میرا دھواں دھار پنچ کھانے کے پھول کر کپا ہو گئی تھی اور اس میں سے باقاعدہ خون بھی رس رہا تھا۔ ان حالات میں اس کا چہرہ بڑا دہشت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ میں جی جان سے اس کی خاطر تواضع کے لیے تیار کھڑا تھا۔

وہ بڑے جارحانہ انداز میں مجھ پر پل پڑا، میں نے اس کے مکے کو کامیابی سے بلاک کیا پھر اپنے پیٹ کی جانب آنے والے اس کے گھٹنے کو روکا۔ میری ہر روک کے جواب میں وہ وار کرتا۔ میں اس کے پے در پے حملوں کو رد کرنے کے ساتھ جواب آں غزل کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کے ساتھی گینڈے نے ایک جانب بڑھتے دیکھا۔

وہ ہمیں مصروف پا کر مکاری دکھانا چاہتا تھا۔ وہ دیوار کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں میں نے اس سے چھینا ریوالور لٹکا رکھا تھا۔ اس کی چالاکی کو سمجھتے ہی میں نے گینڈا شخص کو اڑنگا لگا کر ایک طرف پھینکا اور تیزی سے دوڑتا مکار شخص کی طرف بڑھا پھر قبل اس کے کہ وہ ریوالور تک پہنچ پاتا، میں نے اسے جا لیا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد اپنے دشمن کی جانب متوجہ ہو گیا۔

تن کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے ریوالور کھونٹی سے اتارا اور اسے اپنی جیب میں ٹھونسنے کے بعد اپنے دشمن کی جانب متوجہ ہو گیا۔

اس عمل میں مجھے تھوڑی تاخیر ہو گئی کیوں کہ اسی لمحے مجھے اپنے کندھے پر اس کے پاؤں کی ضرب محسوس ہوئی۔ اس نے موقع پا کر مجھے ایک کک مارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی کک قوت میں زیادہ فورس (Force) نہیں تھی۔ وہ باقاعدہ مارشل آرٹسٹ نہیں تھا، بس لڑائی بھڑائی والا لگتا تھا۔

اس کی کک کھا کر میں پلٹا اور جوابی حملے کے طور پر میں نے ایک بیک پش کک اس کے پیٹ میں رسید کر دی۔ وہ پیٹ پکڑ کر دہرا ہو گیا۔ میں نے یکے بعد دیگرے لیفٹ اینڈ رائٹ راؤنڈ ہاؤس میں کک چلائیں۔ وہ خود کو بچاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ میں نے ایک لمبا اسٹیپ لے کر اسے سائیڈ کک ماری۔ وہ کسی فٹ بال کی مانند سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اس کا جسم ہوا میں اچھلا پھر وہ دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اسی وقت گینڈا نما شخص بھی میری جانب بڑھا۔ ہم نے بہ یک وقت زمین پر پڑے ہوئے شخص کو ملاحظہ کیا۔ ہمارا تنقیدی جائزہ بڑے سنگین نتائج کا حامل تھا۔ زمین بوس شخص کے سر سے خون جاری ہو گیا تھا۔ سنگی دیوار سے ٹکراؤ کے نتیجے میں اس کی کھوپڑی چٹخ گئی تھی۔ وہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کی حالت نے گینڈے کو خون میں نہلا کر دیا۔ وہ بڑے وحشت ناک انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا۔

میں اس کی تمام تر وحشت اور دہشت کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اس نے بالکل کسی اصلی گینڈے کے مانند میرے پیٹ میں ٹکر مارنے کی کوشش کی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اپنے قاتل ''سینگوں'' سے میرا پیٹ پھاڑ ڈالے گا۔

میں ایک قدم پیچھے کو اچھلا اور کسی ماہر بل فائٹر کی طرح دو ہاتھوں کا ڈبل چوپ اس کے سر پر رسید کر دیا۔ یہ ایک بھرپور ضرب تھی۔ مضروب، زخمی گینڈے کی طرح ڈکراتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے کو ہٹنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام رکھا تھا اور اس کے چہرے سے بے پناہ تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔

ایک حملہ آور پہلے ہی، میری مار پیٹ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے ہوش میں آنے کے بارے میں کوئی حتمی وقت نہیں بتایا جا سکتا تھا۔ کوئی بھی شخص پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی آنکھ اسی جہان میں کھلے گی یا اگلے جہان میں!

میں دوسرے دشمن یعنی گینڈا نما حملہ آور کو بے ہوشی میں پہنچانے کے حق میں نہیں تھا۔ مجھے ان لوگوں سے بہت سی معلومات حاصل کرنا تھیں۔ اگر گینڈا ابھی بے ہوش ہو کر کسی بے زبان شخص کی صورت دھار لیتا تو پھر سوال کس سے کرتا؟

اس احتیاط کے پیش نظر میں نے گینڈے کے سر اور جسم کے بالائی حصے کو نشانہ نہ بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے ہاتھوں کے پیالے میں سے سر کو نکال کر مجھے سراسیمہ نظر سے دیکھا۔ میں نے لگاتار بڑے طوفانی انداز میں چار پانچ ٹی شاٹس (Knee Shots) اس کی ٹانگوں خصوصاً گھٹنوں اور پنڈلیوں پر رسید کر دیے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں اور کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے پیٹ میں ایک ٹھڈا مارا۔

وہ تکلیف کی شدت سے دہرا ہو گیا۔ اس کے حلق سے عجیب و غریب اذیت ناک آوازیں خارج ہونے لگیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو دبا رکھا تھا اور کسی ذبح کیے ہوئے جانور کی طرح تڑپ رہا تھا۔ میرے ٹھڈے نے اس کی پیٹ کے کسی اندرونی اعضا کو بری طرح مجروح کر دیا تھا۔

میں نے تڑپتے پھڑکتے اس گراں ڈیل شخص کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹا اور اس کے بے ہوش ساتھی کے پاس لے آیا پھر میں نے اسے بے ہوش شخص کے اوپر پھینکتے ہوئے خونخوار لہجے میں استفسار کیا۔

''زندہ رہنا چاہتے ہو یا تمہیں موت کی لوری سنا دوں؟''

خوف و شرم

اور اس کا سدباب

کا مطالعہ کیجیے

اور ان کروڑوں سے ثبات حاصل کر کے کامیاب اور خوش و خرم زندگی گزاریے

قیمت: 50 روپے | ڈاک خرچ: 23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5895313-5802551 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لیے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے میں کورنگی روڈ کراچی 75500

وہ مجھ سے بے دریغ پٹنے کے بعد بری طرح دہشت زدہ ہو چکا تھا، لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''م..... مجھے..... مت مارو..... میں..... زندہ..... رہنا چاہتا ہوں۔''

''زندہ رہنے کے لیے تمہیں زبان کھولنا ہوگی۔'' میں نے پوری سفاکی سے کہا ''بولو، زبان کھولو گے یا میں تمہاری زندگی کا بند کھول دوں؟''

وہ اس وقت ہمت ہار بیٹھا تھا اور ہارے ہوئے شخص کی کوئی مرضی نہیں ہوتی، اسے جیتنے والے کی مرضی پر چلنا پڑتا ہے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا پڑتی ہے۔ یہ میدان جنگ کا اصول ہے۔ اس اصول کو توڑنے کا حوصلہ وہی لوگ رکھتے ہیں جو جرات مند اور خوددار ہوتے ہیں۔ جنہیں اپنی خودی جان و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ اپنی عزت و آبرو کی خاطر سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ وہ زبان نہیں کھولتے، زندگی ہار جاتے ہیں!

میرے دام میں آیا ہوا وہ شخص اتنا غیرت مند اور خوددار نہیں تھا۔ اگر وہ اس قبیل کا ہوتا تو برائی اور جرم کی راہ پر قدم ہی نہ رکھتا۔ میرے سنسنی خیز سوال نے اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا خوف بھر دیا۔ اس کے چہرے پر سرسوں کھل اٹھی۔ وہ پہلی فرصت میں اپنی جان بچانا چاہتا تھا اس لیے اس کے ڈرے سہمے ہونٹوں میں کپکپی نما جنبش ہوئی اور وہ لرزید آواز میں بولا۔

''پپ..... پوچھو، کیا..... پوچھنا چاہتے..... ہو.....!''

میں نے پوچھا ''کس کے لیے کام کرتے ہو؟''

''چوہدری دلدار کے لیے۔'' اس کے حلق سے نحیف سی آواز برآمد ہوئی۔

میں نے سنگین الفاظ میں دریافت کیا ''یہ تمہاری ماں کا یار چوہدری دلدار کون ہے؟''

''ہمارا باس ہے۔'' اس نے بمشکل اگلا۔

''باس تو ہے۔'' میں نے اسے گھرکا ''مجھے بتاؤ، تمہارا باس چوہدری دلدار کہاں رہتا ہے اور کیا بیچتا ہے؟'' میرے استفسار میں دنیا جہاں کی سنگینی سمٹ آئی تھی۔

وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولا ''تم یقین جانو، مجھے باس کی رہائش کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں، وہ ڈیفنس سوسائٹی میں رہتا ہے۔ میں نے آج تک اسے دیکھا نہیں۔''

''تم لوگوں تک باس کے احکام کس طرح پہنچتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کسی نہ کسی ذریعے سے پہنچ ہی جاتے ہیں۔'' اس نے بتایا ''میں ابھی ان لوگوں میں نیا ہوں۔ زیادہ نہیں جانتا۔ نہ سمجھنا کہ میں تم سے کسی قسم کی غلط بیانی کر رہا ہوں۔ مجھے جو کچھ معلوم ہے، تمہیں بتا دیا ہے۔''

''میں کیا سمجھتا ہوں اور کیا نہیں سمجھتا اس کے لیے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔'' میں نے ڈانٹ کر انداز میں کہا ''تمہارے باس سے خود نمٹ لوں گا۔ تم یہ اتنا بتاؤ کہ تمہارے باس کا چوہدری نوازش علی سے کیا تعلق ہے؟''

''میں کسی چوہدری نوازش علی کو نہیں جانتا۔''

''اور رانا عظمت کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں نے یہ نام بھی پہلی مرتبہ سنا ہے۔'' وہ سادگی بولا سمجھے اس کے لہجے سے سچائی کی مہک آئی۔ خالو نے غلط امکان اس بات کا تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ وہ اس سیٹ اپ میں واقعی نیا لگتا تھا۔ میں نے اگلا حجت کے طور پر اس سے دریافت کیا۔

''سکندر کو جانتے ہو؟''

وہ تپتے ہوئے لہجے میں بولا ''یہ ساری آگ اسی کی لگائی ہوئی ہے۔''

''سکندر کا تمہارے باس چوہدری دلدار سے کیا تعلق ہے؟''

اس نے جواب دینے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ اسی وقت کوٹھی کے اندر ''دھپ دھپ'' کی مخصوص آوازیں ابھریں۔ میں ایک لمحے میں سمجھ گیا، درجن بھر افراد دیوار پھلانگ کر کوٹھی کے اندر کود رہے تھے۔

وہ بڑے سنسنی خیز اور نازک لمحات تھے۔ اس سے پہلے میں کسی عملی اقدام کے بارے میں ذہن کو زحمت دیتا، کوٹھی کے اندرونی حصہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھا۔ کئی گنوں کے دہانے بہ یک وقت کھول دیے گئے تھے۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہ فائرنگ کسی ایک انسان کو شکار کرنے کے لیے نہ کی جا رہی ہو بلکہ حملہ آور پوری کوٹھی کو ''بھوننے'' کا ارادہ رکھتے ہوں۔

ان ہلاکت خیز لمحات میں ساعتی خاموشی کا وقفہ آیا تو کسی دور افتادہ حصے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ گھنٹی کی آواز میری سماعت تک رسائی حاصل نہ کر سکی کیوں کہ برسٹ فائرنگ کا دوسرا راؤنڈ شروع ہو گیا تھا۔

میں نے اس گینڈا نما شخص کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے اسے گھسیٹتے ہوئے اس دیوار کی جانب بڑھ گیا جس کے نیچے خانے تک پہنچنے کا راستہ تھا!

تہ خانے کے اندر صورت حال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں جو چیز جہاں چھوڑ گیا تھا، وہ وہیں ویسے ہی پڑی تھی۔ میں نے بڑی سرعت اور چابک دستی کے ساتھ اس وزنی بدن میں لرزش نما خفیف کو گھسیٹ کر تہ خانے کے اندر پہنچایا اور مخصوص گینڈا نما استعمال کرتے ہوئے داخلی دروازہ بند کر دیا۔

اس تہ خانے میں روشنی اور ہوا کا معقول انتظام تھا۔ مصنوعی اور قدرتی، دونوں قسم کا۔ دن کے وقت سورج کی جو روشنی سے کام چل جاتا جو ایک مختصر سے روشن دان سے چھن کر اندر پہنچتی تھی اور رات کے اندھیرے میں بلب وغیرہ روشن کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت لگ بھگ رات کے چھے بج رہے تھے اس لیے میں نے تہ خانے میں داخل ہونے سے قبل دیوار پر نصب بجلی کے سوئچ کو آن کر دیا تھا۔ مجھے امید تھی، بلب کی دھیمی روشنی باہر کہیں نظر نہیں آئے گی۔ روشنی کا ذریعہ وہ مختصر سا روشن دان بہت محفوظ زاویے پر بنا ہوا تھا۔

خادم حسین کی مجھ پر نظر پڑی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کا دہانہ کسی گٹر کے مانند اگلنے لگا۔ اس نے مجھے بے نقط سنانا شروع کر دیں۔ میں نے کچھ دیر پہلے اسے جس حال کو پہنچایا تھا، اس کے پیش نظر یہ اس کا حق بنتا تھا لیکن اس کی بدکلامی میرے لیے سنگین مسائل کھڑے کر سکتی تھی اس لیے خادم حسین کو تنبیہہ کرنا ضروری تھا۔

میں نے پستہ قامت گینڈے کو تہ خانے کے پختہ فرش پر پھینکا اور زمین سے صرف دو فٹ اوپر چھت سے لٹکے ہوئے خادم حسین کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا جس کے سبب اس کا چہرہ خاصا خوفناک ہو گیا تھا۔ یہ بات میری نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہی کہ وہ فرش پر پڑے ہوئے گینڈا نما شخص کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ میں نے نزدیک آ کر اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا تو وہ پھنسی پھنسی آواز میں مستفسر ہوا۔

''کک..... کوٹھی کے اندر کیا ہو..... رہا ہے۔ میں نے..... چند لمحے پہلے فائرنگ کی آواز سنی تھی!''

''وہ فائرنگ نہیں تھی احمق!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سفاکی سے کہا۔

''یہ خوشی میں پھوڑے جانے والے پٹاخے اور گولے ہیں۔''

''پٹاخے اور گولے؟'' اس نے حیرت سے دہرایا۔

میں نے کہا ''خادم حسین! تم بھی بہت بے خبر ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ آج تمہارے ولی نعمت کی محبوبہ کی شادی ہے۔ باہر فریڈ پاشا کی برات آئی ہے۔ یہ سب شور شرابا اسی سلسلے میں ہے مگر لڑکی کا بھائی مارے شرم کے منہ چھپائے ادھر بیٹھا ہے۔'' بات ختم کرتے ہی میں نے جیکٹ پوش گینڈے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔

اسی وقت کوٹھی کے مختلف اندرونی حصوں میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ دیوار پھلانگ کر اندر آنے والوں میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کے سرگرم قدم اور فائرنگ سے واضح تھا، وہ کسی خاص الخاص مشن پر ہیں۔ اس خفیہ تہ خانے کا راستہ جس ہال نما کمرے میں تھا اسے میں نے وہاں پہنچتے ہی اندر سے بولٹ کر دیا تھا اور اسی ہال کی ایک دیوار کے ساتھ گینڈے کا دبلا پتلا ساتھی نیم مردہ یا نیم زندہ حالت میں پڑا تھا۔ بیرونی حملہ آور اس ہال میں داخل نہیں ہو سکتے تھے اور اگر کسی طرح وہ اندر پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جاتے تو تہ خانے تک ان کی رسائی ناممکنات میں سے تھی۔ تہ خانے میں داخلے کی تکنیک پاشا اور میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا اس لحاظ سے یہ تہ خانہ خاصی محفوظ پناہ گاہ تھا۔

خادم حسین، پاشا کی برات کے حوالے سے میرے طنز کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ بے بسی اور بے چارگی نے اسے ہاتھ پاؤں کا محتاج بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی صرف زبان آزاد تھی جس کا وہ بے دریغ استعمال کر سکتا تھا۔ ان سنگین لمحات میں، خادم حسین کو میں کسی قسم کی زبان درازی کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ تہ خانے سے خارج ہونے والی کوئی بھی ہلکی پھلکی آواز اوپر والوں کو ہماری جانب متوجہ کر سکتی تھی جن کے بارے میں ابھی واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کس مقصد سے آئے ہیں؟

''تم بہت ہی غلط کر رہے ہو جدان۔'' خادم حسین کے ہونٹ دھمکی آمیز انداز میں تھرتھرائے ''مجھے یقین ہے، رانا عظمت اور سکندر کے آدمی کوٹھی میں پہنچ چکے ہیں اور وہ تمہیں.....''

''تمہیں'' کے بعد اس کا جملہ نامکمل رہ گیا۔ میں نے الٹے ہاتھ کا ایک بھرپور تھپڑ اس کے ہونٹوں پر رسید کر دیا تھا۔ اس کے لبوں سے باقاعدہ خون رسنے لگا اور اس کے پہلے سے خون آلود چہرے کی ''رونق'' میں اضافہ کرنے لگا۔

''اب اگر تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی خارج ہوا تو میں تمہیں سدا کے لیے قوت گویائی سے محروم کر دوں گا۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا ''تمہاری للو کو گدی سے کھینچتے وقت مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا!''

میرے لہجے میں پوشیدہ سفاکی نے اسے مہر بہ لب کر دیا۔

میں فرش پر پڑے ہوئے گینڈا نما شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی حالت دیدنی تھی۔ وہ خادم حسین کو مضحکہ خیز انداز میں، چھت سے لٹکے دیکھ کر اپنی رہی سہی ہمت بھی ہار بیٹھا تھا۔ میں نے اس کی موٹی کھال والے توانا وجود میں نمایاں لرزش محسوس کی۔ اس کی دہشت میں مزید اضافہ کرنے کی خاطر میں نے کہا۔

''رانا عظمت اور سکندر کے اس مخبر کو تم نے اچھی طرح پہچان لیا ہوگا!'' میرا اشارہ خادم حسین کی جانب تھا ''یہ اپنے آقاؤں سے وفاداری کا مزہ چکھ رہا ہے۔ کان کھول کر سن لو، اگر تم نے مجھ سے تعاون نہ کیا تو مجبوراً مجھے تمہارے لیے اسی چھت سے ایک ایکسٹینشن باندھنا ہوگی۔ کیا تم خادم حسین کی طرح جھجھو جھوٹے کرنا پسند کرو گے؟''

''تت..... تم..... مجھ سے کس طرح کا..... تعاون چاہتے ہو؟'' گینڈا مریل سی آواز میں ہکلایا۔

''اس کی باتوں میں نہ آنا۔'' خادم حسین نے چلا کر کہا ''یہ اول درجے کا جھوٹا اور مکار ہے۔ یہ سب کچھ اگلوانے کے بعد بھی تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ میرا حشر دیکھ لو! میں نے اس شیطان کے ہر سوال کا جواب دیا تھا لیکن اس نے.....''

''تمہارا کیس دوسرا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''تم دراصل فرید پاشا کے مجرم ہو۔ تمہارا فیصلہ پاشا کی عدالت میں ہوگا۔ میں نے تمہیں صرف جیوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں لٹکایا ہے۔''

وہ گینڈا نما شخص کو ورغلانے سے باز نہ آیا تو مجھے مجبوراً اس کی بولتی کو کنٹرول کرنا پڑا۔ میں نے اپنی پاکٹ سے جیبی رومال نکالا اور اسے خادم حسین کے ڈاؤن ورڈ منہ پر اچھی طرح کس کے باندھ دیا۔ رومال کی موٹی پٹی نما تہ نے اس کے منحوس دہانے کو پوری طرح ڈھانپ لیا۔ اب اگر وہ داد و فریاد کی کوشش بھی کرتا تو بمشکل تمام اس کے حلق سے ''غوں غاں'' کی آوازیں ہی خارج ہوتیں۔ مزید احتیاط کے لیے میں تہ خانے کے اکلوتے مختصر سے روشن دان کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے پہلے میں نے گینڈے کے بدن سے چمڑے کی جیکٹ اتروالی تھی۔

''تمہارے بدن میں تہ در تہ چربی کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے۔'' میں نے اسے حقارت سے ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا ''کیا تم نے کبھی رینو (گینڈے) یا ہاپٹو (دریائی گھوڑے) کو کسی گرم جیکٹ میں دیکھا ہے؟''

اس نے نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ چرمی جیکٹ میرے حوالے کر دی، منہ سے ایک لفظ ادا نہ کیا۔ میں مذکورہ روشن دان کے قریب آ گیا۔ وہ روشن دان تہ خانے کی ایک دیوار میں، چھت کے نزدیک بنا ہوا تھا۔ اس کا سائز آدھا ضرب تین فٹ تھا اور اس پر تہہ بین جالی لگی ہوئی تھی۔ اس روشن دان کا بیرونی حصہ پائیں باغ میں کھلتا تھا مگر باہر سے دیکھنے میں نظر نہیں آتا تھا کیوں کہ باغ کے اس حصے میں کانٹے دار جھاڑیاں موجود تھیں جن سے سورج کی جزوی روشنی اور ہوا تو چھن کر تہ خانے میں پہنچ سکتی تھی مگر اندر کی مدھم روشنی باہر سے دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اسی لیے تہ خانے میں بہت کم پاور کا بلب لگایا گیا تھا۔

میں نے احتیاطاً گینڈے کی جیکٹ کو روشن دان کے سامنے پھیلا کر اس کی آستینوں کو گرل کے کونوں میں پھنسا دیا۔ اس نسلی بخش انتظام کے بعد میں واپس اپنے شکار کی طرف آ گیا۔ پہلے بھی، اور اس وقت بھی میرے ذہن میں ایک سوال شدت سے سر اٹھا رہا تھا اور وہ یہ کہ فرید پاشا نے کیوں اور کس مقصد سے وہ تہ خانہ بنوایا تھا؟ اس خطرناک سوال کا اطمینان بخش جواب صرف پاشا ہی دے سکتا تھا۔

میں گینڈے کے قریب پہنچا تو کوٹھی کے اندر پیدا ہونے والی آوازوں میں اضافہ ہو گیا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ اٹھا پٹخ کی آوازیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے کھلنے، بند ہونے کی مخصوص آوازیں، کھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ انسانوں کے آپس میں باتیں کرنے کی گھوں آوازیں۔ الغرض، اوپر کوٹھی میں ایک افراتفری کا عالم تھا۔ میں نے اس عرصے کے دوران میں، اوپر ہونے والی ہلچل سے بخوبی اندازہ لگا لیا کہ وہ لوگ وہاں کسی کو تلاش کر رہے تھے جو ان کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب ہنگامہ آرائی اسی تلاش کے سلسلے میں تھی۔

وہ مخصوص آوازیں کچھ دیر تک تواتر سے پیدا ہوتی رہیں لیکن ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ انہوں نے مزید فائرنگ نہیں کی۔ ان کی کوٹھی میں آمد کے ساتھ اور چند لمحے بعد میں شدید فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں اور اس دو فائرنگ کے دوران میں ٹیلی فون کی گھنٹی سنائی دی اور نہ ہی کسی کن دہانے نے سیسا اگلا۔ وہ لوگ فائرنگ کا خیال دل سے نکال کر بڑی شدومد سے اس ہستی کی تلاش میں لگ گئے تھے جس کا تعاقب کرتے ہوئے وہ وہاں پہنچے تھے۔

یہ میرا قیاس تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پہلی فائرنگ کے نتیجے میں خادم حسین کی طرح میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا تھا کہ وہ سکندر یا رانا عظمت کے آدمی ہو سکتے ہیں، جو میرے سرکوبی اور اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے وہاں پہنچے تھے۔

اگلے ہی لمحے میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا کیوں کہ مذکورہ عزائم کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہونے والوں کو یوں بے دریغ فائرنگ نہیں کرنا چاہیے تھی۔

ہم تینوں دم سادھے اس تہ خانے میں موجود تھے۔ خادم حسین کی کمسپرسی عروج پر تھی اور گینڈا نما شخص کا دہشت سے برا حال تھا۔ میں مطمئن خاموش بیٹھا کسی نادیدہ آنکھ سے کوٹھی کے اندر ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لینے لگا۔ میری ظاہرہ آنکھیں مغروب گینڈا نما شخص پر لگی تھیں اور میں اپنے باطنی حواسوں سے باہر کی صورت حال کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسی کیفیت میں لگ بھگ آدھا گھنٹا گزر گیا پھر میں نے محسوس کیا، بیرونی حملہ آور واپس جا رہے تھے۔ اٹھا پٹخ کی آوازیں کم سے کم ہونے لگیں اور انسانی قدموں کی مخصوص چاپ بھی دائرہ سماعت سے دور ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد کوٹھی کی اندرونی فضا میں سناٹا چھا گیا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا، مسلح تلاشی ٹولا ناکام وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔ اس سے ایک اور بات بھی ثابت ہو گئی کہ وہ لوگ میری یا رانا عظمت کے آدمیوں کی تلاش میں وہاں نہیں آئے تھے۔ یہ کوئی اور ہی چکر تھا اور خدا جانے، کیا چکر تھا؟

جب امن و سکون پوری طرح قائم ہو گیا تو میں گینڈا نما شکار کی طرف متوجہ ہوا ''اودھرتی کے بوجھ! تم نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا؟''

وہ تعاون آمیز لہجے میں بولا ''میرا نام قادر بخش ہے۔''

''اور تمہارے اس زخمی ساتھی کا کیا نام ہے جو اوپر بے ہوش پڑا ہے؟''

''فیض احمد۔'' اس نے بتایا ''اور اب تم ڈرائیور کے بارے میں سوال کرو گے اس لیے میں تمہیں خود ہی بتا دیتا ہوں۔''

میں نے سرا پنے والے انداز میں کہا ''ٹیک کام میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔ تم میری مرضی کے مطابق عمل کر رہے ہو۔''

قادر بخش نامی اس گینڈے نے اپنے تیسرے ساتھی کا نام ریاض علی بتایا جو کوٹھی سے باہر شاہ جمال روڈ پر ایک سفید ہائی روف کے اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے دنیا و مافیہا سے غافل بیٹھا تھا۔ یہ بات میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ ڈرائیور ریاض علی کی اس ''غفلت'' میں کس کا ہاتھ تھا۔

میں نے اپنے سامنے فرش پر موجود گینڈے سے کہا۔ ''قادر بخش! میں دیں سے پوچھ تاچھ شروع کرتا ہوں جہاں سلسلہ ٹوٹا تھا اور.....'' میں نے ذرا توقف دینے کے بعد کہا ''یہ بات تمہیں ذہن میں نقش کر لینا چاہیے کہ غلط بیانی اور ہیر پھیر کے بڑے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ میں اس سلسلے میں کسی رو رعایت کا قائل نہیں ہوں۔ تم اس ''مثال'' کو دیکھ سکتے ہو!'' بات کے اختتام پر میں نے چھت سے لٹکے ہوئے سیکیورٹی گارڈ کی طرف اشارہ کر دیا۔

قادر بخش نے ایک جھرجھری لی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی بل ڈاگ نے اپنے شرابور بدن کو جھرجھرا کر پانی جھٹکنے کی کوشش کی ہو۔ اس مضحکہ خیز اور وحشت انگیز حرکت کے بعد اس نے بڑے فدویانہ انداز میں کہا ''پوچھو، میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔''

میں نے پوچھا ''تم سکندر کے بارے میں کچھ بتانے والے تھے لیکن تمہاری بات ادھوری رہ گئی۔ تم نے کہا تھا، یہ ساری آگ اس نامراد کی لگائی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا تھا، سکندر کا تمہارے باس چوہدری دلدار سے کیا تعلق ہے؟''

وہ آنکھیں جھپکتے ہوئے بولا ''دراصل سکندر کی دوستی منشا سے ہے جو باس کا خاص آدمی ہے۔ ہم تینوں (قادر+فیض+ریاض) منشا کے لیے کام کرتے ہیں۔ سکندر نے تمہارے بارے میں منشا کو کوئی خاص پٹی پڑھائی ہے۔ ہم تمہیں پکڑ کر منشا کے حوالے کرنے والے تھے مگر.....''

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور رحم طلب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تم مجھے منشا تک ڈیلیور کرتے اور وہ مجھے چوہدری دلدار کے پاس پہنچا دیتا۔ میرا اصل طلب گار چوہدری دلدار ہے جو ڈیفنس سوسائٹی میں رہتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا ''سکندر کا براہِ راست چوہدری دلدار سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے پتا نہیں، اپنے دوست منشا کو تمہارے بارے میں کیا بتایا ہے کہ وہ لوگ تمہارے لیے انتہائی فعال ہو گئے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق، منشا نے باس سے تمہارا ذکر کیا تو وہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اس نے تمہارے ''حصول'' کا مشن منشا کے سپرد کر دیا۔ ہم تینوں منشا کے حکم پر تمہیں پکڑ کر یہاں سے لے جانے والے تھے اور پھر.....''

''ایک منٹ!'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''اوپر ہال نما کمرے میں تم نے میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ تمہیں معلوم نہیں، باس کے احکام تم لوگوں تک

کس طرح پہنچتے ہیں کیوں کہ تم ان لوگوں میں ابھی نئے ہو مگر تمہارے حالیہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے، باس اور تمہارے درمیان منشا نامی کوئی شخص بھی موجود ہے جو تمہارے باس چوہدری دلدار کے بہت قریب ہے۔ میں تمہارے کون سے بیان کو درست سمجھوں؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے اپنی پینٹ کی جیب سے ریوالور برآمد کیا اور بڑی بے پروائی سے اس کے چیمبرز کو چیک کرنے لگا۔ یہ ریوالور میں نے فیض احمد سے چھینا تھا۔ فیض اوپر ہال نما کمرے میں بے سدھ پڑا تھا۔ قادر بخش کا ناکام خالی ٹشل بھی اسی ہال میں کہیں موجود تھا۔ فیض احمد والا ریوالور پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ اس ریوالور کو میرے ہاتھ میں دیکھ کر قادر بخش گینڈا کی آنکھیں خوف کی شدت سے پھیل گئیں، گویا میرا مقصد پورا ہو گیا۔

میں نے سنسنی خیز سوالیہ نظر سے اسے دیکھا تو وہ گھگھیانے والے انداز میں بولا ''وجدان، یقین جانو، میں نے تم سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ اس وقت میں تمہیں منشا کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا۔ دراصل، تمہارے رویے نے میری مت ماردی تھی۔''

''تم اپنی مت کو قابو میں رکھو قادر بخش!'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر اب تم نے جواب میں کوئی گڑبڑ کی تو میں تمہیں مارنے میں بھی کسی حیل وحجت سے کام نہیں لوں گا۔''

جواب میں وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ بس سہمی ہوئی نظر سے مجھے تکتا رہا۔

میں نے سوال کیا ''تم لوگ مجھے پکڑ کر اپنے بڑے، منشا کے پاس پہنچانے والے تھے۔ یہ منشا کہاں رہتا ہے؟''

''منشا کا ٹھکانا مسلم ٹاؤن میں ہے، آب پارہ مارکیٹ کے نزدیک۔'' اس نے جواب دیا پھر میرے استفسار پر اس ٹھکانے کا مکمل ایڈریس بھی بتادیا۔

''تم نے چوہدری نوازش علی اور رانا عظمت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''جب کہ میری اور میرے دوست پاشا کی دشمنی انہی دو افراد سے ہے۔ ہم کسی منشا یا چوہدری دلدار کو نہیں جانتے پھر تمہارے بڑے مجھ میں دلچسپی کیوں لے رہے ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی؟''

''تمہارے اس سوال کا جواب سکندر ہی دے سکتا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''اسی نے تمہارے بارے میں منشا کو کچھ پھونکا تھا۔ ویسے میں نے اتنا اندازہ ضرور لگالیا ہے کہ تم باس کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہو۔ وہ تمہیں [illegible] کرنے کے لیے فوراً سرگرم ہو گیا ہے۔''

میں نے کہا ''اور جب تم لوگ مجھے منشا کے پاس [illegible] پہنچاؤ گے تو تمہارے باس چوہدری دلدار کا کیا حال ہوگا؟''

''وہ تمہاری اور ہماری تلاش میں پورے لاہور کو [illegible] رکھ دے گا۔'' قادر بخش نے بڑے اعتماد سے یہ جملہ ادا [illegible] تھا۔ ویسے تو ہر شخص اپنے باس کی طاقت کے بارے میں [illegible] پراعتماد ہوتا ہے لیکن قادر بخش کی بات میں پائی جانے [illegible] سنجیدگی نے مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ [illegible] نے اس سے پوچھا۔

''کیا تمہارا چوہدری دلدار اتنا ہی بااختیار ہے؟''

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا ''تم تینوں [illegible] ہائی روف میں ہمارا تعاقب کرتے ہوئے اس کوٹھی تک پہنچے اور مجھے یقین ہے، اس تعاقب کا آغاز گلبرگ تھری والی [illegible] سے ہوا تھا۔ اگر تم رانا عظمت اور فرید پاشا کے بارے میں نہیں جانتے تو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا، میں اس کوٹھی میں [illegible] ہوا ہوں؟''

''تمہارے بارے میں ہر قسم کی معلومات سکندر نے [illegible] تک پہنچائی تھیں۔'' قادر بخش نے مکمل لہجے میں جواب دیا ''کل تو صرف تمہارا سرسری ذکر ہوا تھا جس پر چوہدری دلدار تمہارے لیے بے قرار ہو گیا اور آج صبح سکندر نے تمہارے قیام گاہ کے بارے میں منشا کو بتا دیا۔ اس کے بعد [illegible] تمہاری نگرانی کے لیے گلبرگ والی کوٹھی کے آس پاس [illegible] تھے پھر جیسے ہی تم سیکیورٹی گارڈ کے ساتھ کوٹھی سے نکلے [illegible] نے تمہارا تعاقب شروع کر دیا مگر یہاں آکر صورت [illegible] بالکل بدل گئی۔ تم نے اپنی چالاکی سے ہم پر غلبہ پالیا۔''

الجھی ہوئی صورت حال بڑی حد تک مجھ پر واضح ہو [illegible] مجھے یقین ہو گیا، چوہدری دلدار کسی نہ کسی حوالے سے چوہدری نوازش علی سے منسلک ہے ورنہ وہ میرے نام پر اتنی [illegible] سے عملی اقدام نہ کرتا۔ سکندر نے سرسری انداز میں [illegible] دوست منشا سے میرا تذکرہ کیا تو اس نے یہ خبر چوہدری [illegible] تک پہنچادی۔ اگر چوہدری دلدار مجھ سے واقف تھا تو [illegible] آگاہی بھی لازمی بات تھی۔ دشمنوں میں اس وقت دو [illegible] طلب گار صرف اور صرف چوہدری نوازش علی ہی تھا۔ [illegible] چوہدری دلدار مجھے پکڑنا چاہتا تھا تو اس کا ایک ہی مطلب [illegible] وہ مجھے چوہدری نوازش علی تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ تمام [illegible] ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ سب سے زیادہ تشویش ناک بات

کہ چوہدری نوازش علی لاہور میں میری موجودگی سے آگاہ ہو گیا تھا۔ چوہدری دلدار نے کل رات ہی یہ اطلاع رکھاں والی پہنچادی ہوگی۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ سب امکانی اور خدشاتی باتیں تھیں اور میرے خدشات ہمیشہ سچے ثابت ہوئے تھے۔ میرے اور چوہدری نوازش علی کے درمیان کوئی نیا کھیل شروع ہونے والا تھا اور اس کھیل میں مجھے ہر قدم پھونک کر رکھنا تھا۔ میری محبوبہ اس کے قبضے میں جا چکی تھی اور وہ مجھ پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزما سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں پہلی فرصت میں اس تہ خانے کو خیرباد کہہ دوں!

فرید پاشا کی کوٹھی سے، ہمارا تعاقب کر کے یہاں تک پہنچنے والے، منشا کے تین آدمیوں میں سے ایک قادر بخش بے دست و پا میرے سامنے موجود تھا، فیض نامی بندہ اوپر والے ہال میں بے ہوش پڑا تھا اور تیسرا ڈرائیور ریاض دہائٹ ہائی روف میں موجود تھا۔ قادر بخش اور فیض احمد تو کسی ''حرکت'' کے قابل نہیں تھے البتہ ریاض علی کی جانب سے کوئی بھی شرارت سامنے آ سکتی تھی۔ خصوصاً تھوڑی دیر پہلے اس کوٹھی میں جو دھواں دھار فائرنگ ہوئی تھی وہ ریاض کی ''غفلت'' کو توڑ سکتی تھی اور..... دیگر افراد، خاص طور پر قانون کے محافظوں کو اس کوٹھی کی جانب متوجہ کرنے کا باعث بھی بن سکتی تھی چنانچہ اس کوٹھی سے نکلنا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ دنوں تک اس خفیہ تہ خانے میں چھپ کر بیٹھے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔

میں نے گینڈے نما قادر بخش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میرے سارے ارادے اور فیصلے تو تم نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے ہیں۔'' وہ برہمی سے بولا ''میں تو یہی چاہوں گا، تم پہلی فرصت میں مجھے یہاں سے جانے دو۔''

''تاکہ تم باہر جا کر کوئی بڑی گڑبڑ کر سکو!'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اس سے تو کہیں بہتر ہوگا، میں تمہارے ساتھیوں کو بھی کھینچ تان کر اسی تہ خانے میں لے آؤں تاکہ تم خبیثوں کا خاندان ایک ہی جگہ آباد ہو جائے۔''

میری بات کے جواب میں قادر بخش تو کچھ نہیں بولا لیکن چمگادڑ کے مانند چھت سے لٹکے ہوئے خادم حسین کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ قادر بخش سے یہ کہنا چاہ رہا ہو..... بے وقوف! یہ شخص تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑے گا!

اس کا منہ بندھا ہوا تھا اس لیے وہ گویائی کی صلاحیت سے محروم ہو کر رہ گیا تھا ورنہ وہ اس موقع پر بہت شور و غوغا مچانا چاہتا تھا۔ میں نے قادر بخش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں تھوڑی دیر کے لیے تہ خانے سے باہر جا رہا ہوں۔ اگر تم شرافت کا ثبوت دینے کا ارادہ نہیں رکھتے تو میں تمہیں کسی ہاتھ پاؤں سے ''معذور'' بنا دیتا ہوں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے میں بتا دوں کہ باوجود ہر کوشش کے بھی تم میری مرضی کے بغیر اس تہ خانے سے باہر نہیں نکل سکو گے اس لیے ایک کوئی زحمت نہ ہی کرو تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔''

شاید میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اثباتی تاثرات کو ابھرتے دیکھا۔ آئندہ چند لمحوں میں، مخصوص تکنیک استعمال کرتے ہوئے میں تہ خانے سے باہر آ گیا۔

ہال نما کمرے میں قدم رکھتے ہی میں چونک اٹھا۔ اس کمرے کا داخلی دروازہ کھلا پڑا تھا۔ یہ وہی دروازہ تھا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بولٹ کیا تھا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے اس کمرے تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی طرح دروازہ کھول لیا تھا۔ ہال کی ظاہرہ حالت بھی یہی بتاتی تھی، وہاں ''تلاش'' کا کام بڑی شد و مد سے ہوا تھا۔ جب میں نے ہال سے، تہ خانے کی طرف کوچ کیا تو وہاں کی لائٹ جل رہی تھی۔ اسی روشنی نے حملہ آوروں کو اس جانب متوجہ کیا ہوگا۔ گینڈے قادر بخش کے ساتھی فیض احمد کا بے حس و حرکت جسم ابھی تک دیوار کے ساتھ پڑا تھا۔

اس صورت حال نے میرے خدشات کی تصدیق کر دی۔ ہنگامی انداز میں کوٹھی کے اندر کودنے والے مسلح افراد کا تعلق سکندر یا رانا عظمت سے تھا اور نہ ہی منشا یا چوہدری دلدار سے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو فیض احمد کو وہ یوں نظر انداز کر کے چپ چاپ غائب نہ ہو جاتے!

نامعلوم فتنہ پرور افراد کے بارے میں سوچتے ہوئے میں عقبی سمت میں کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ بے ہوش فیض احمد کو تہ خانے میں منتقل کرنے سے قبل ان کے تیسرے ساتھی کی خبر گیری ضروری تھی۔ میں محتاط قدموں سے چلتے ہوئے اس مقام تک آیا جہاں سے سفید ہائی روف بہ آسانی نظر آ رہی تھی۔ رات کی جزوی تاریکی کے باوجود بھی مجھے ہائی روف کی ڈرائیونگ سیٹ پر ریاض علی کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہنوز اسٹیئرنگ پر سر رکھے خاموش بیٹھا تھا جس کا ایک مطلب تھا، میں نے اسے اثاثہ فضیل بنانے میں کچھ زیادہ ہی سے کام لے لیا تھا یا پھر وہی کم ہمت اور بودا ثابت ہوا۔ اس کی مستقل غفلت خطرناک نتائج لا سکتی تھی!

ریاض کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں کوٹھی کی عقبی دیوار پھلانگ کر ایک مرتبہ پھر اندر پہنچ گیا پھر اس سے پہلے کہ میں ہال نما کمرے کی طرف قدم اٹھاتا، مجھے چونکنا پڑا۔ میری نگاہ نے بائیں باغ میں ایک پراسرار حرکت دیکھی تھی۔

میں ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ کوئی انسان تھا جو اکڑوں چلتے ہوئے ان جھاڑیوں کی طرف چلا گیا جن کے پیچھے تہ خانے کا روشن دان تھا۔ پتا نہیں، وہ کون تھا اور اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا۔ فوری طور پر میرا ذہن نامعلوم مسلح حملہ آوروں کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر پہلے انہوں نے کسی کی تلاش میں کوٹھی کے اندر بڑی افراتفری مچائی تھی۔ تو کیا وہ اس شخص کی تلاش میں تھے؟

اس سوال نے مجھے بے حد محتاط بنا دیا۔ میں بڑی احتیاط سے دبے قدموں اس کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، جھاڑیوں کے پیچھے غروب ہو گیا تھا۔ میں نہایت مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ میری طرف سے بے خبر اس جالی دار روشن دان کی سمت بڑھ رہا تھا جس کے پیچھے تہ خانے میں کم پاور کا بلب روشن تھا۔ اندر سے جیکٹ کے پھیلاؤ کے باوجود بھی ملگجی سی روشنی باہر سے نظر آ رہی تھی کیوں کہ میں اس وقت روشن دان کے انتہائی قریب کھڑا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان چار فٹ کا فاصلہ رہا ہوگا۔ تاہم زاویے مختلف تھے۔

پہلے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ روشن دان سے آنکھ لگا کر اندر جھانکنا چاہتا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ارادہ بدل دیا۔ شاید وہ اپنے آس پاس میری موجودگی کا احساس کر چکا تھا۔ اس نے بڑی سرعت سے پلٹ کر مجھ پر حملہ کر دیا۔

میں ایسی کسی صورت حال کے لیے ذہنی طور پر تیار کھڑا تھا، حملہ آور اس طرح میری جانب لپکا جیسے اپنے وجود سے ڈھانپ کر نیچے گرانا چاہتا ہو۔ اگر میں پہلے سے محتاط نہ ہوتا تو وہ اپنی چال میں کامیاب ہو جاتا۔ اس کی بدقسمتی کہ میں اس کے قابو میں نہ آ سکا، جیسے ہی وہ میری جانب لپکا، میں نے پہلو کے بل جھک کر اسے سائیڈ تھرو مار دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتے ہوئے جھاڑیوں کے پار جا گرا۔ بائیں باغ کی زمین سے ٹکراؤ کے نتیجے میں اس کے حلق سے ایک نفیس کراہ برآمد ہوئی جس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ خالصتاً ایک نسوانی آواز تھی۔

میں حیرت اور دلچسپی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ زمین بوس کود کو دیکھنے لگا۔ اس نے مردانہ شلوار قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ سر کے بالوں کو بڑی صفائی سے سمیٹ کر قمیص کے کالر کے اندر چھپایا گیا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک عورت تھی..... اور نہایت ہی حسین و جمیل بھی!

میں اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے سخت لہجے میں دریافت کیا ''کون ہو تم..... اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور زمین پر ہاتھ ٹیک کر دھیرے دھیرے کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت میری نگاہ اس کے کندھے کی جانب گئی اور ایک لمحے میں، میں نے اندازہ لگا لیا، اس کا دایاں شانہ جوڑ کے مقام سے شدید زخمی تھا۔ اس نے سلیٹی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اور دائیں شانے سے اس کی قمیص خون آلود ہو رہی تھی۔ میرے سامنے کھڑی اس جنس مخالف کی عمر پچیس کے قریب ہوگی۔ اس کے حسن میں ایک خاص قسم کی تازگی پائی جاتی تھی۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا، وہ کوئی لڑکی ہے یا عورت! بہرحال، اسے عورت کہنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا۔ جب وہ منہ سے کچھ نہ بولی تو میں نے اپنا سوال دہرایا۔

''کون ہو تم..... تمہیں کس نے زخمی کر دیا؟''

''میرے دشمنوں نے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میرے ذہن میں، گھنٹا بھر پہلے ہونے والی شدید فائرنگ تازہ ہو گئی۔ مجھے یقین ہو گیا، مسلح حملہ آور اسی عورت کی تلاش میں کوٹھی میں کودے تھے۔ میں نے اپنے یقین کو آزمانے کے لیے اس سے پوچھا۔

''تمہارے دشمن ناکام ہو کر اس کوٹھی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی فائرنگ کے نتیجے میں صرف تمہارا شانہ زخمی ہوا ہے۔ تم کہاں چھپ گئی تھیں جو وہ تمہیں تلاش نہیں کر سکے؟''

''میں اپنی جان بچانے کے لیے ان جھاڑیوں میں دبک گئی تھی۔'' وہ بہت صاف اردو بول رہی تھی تاہم اس کے لہجے میں سرحدی رنگ نمایاں تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا، اس کا تعلق کسی پشتون فیملی سے تھا۔ اس کی رنگت اور خال و خط بھی اسی جانب اشارہ کرتے تھے۔

میں نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے اور ان لوگوں کی تم سے کیا دشمنی ہے؟''

''میں اپنے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے تمہارے بارے میں جاننا چاہوں گی۔'' اس نے زخمی بازو کو دباتے ہوئے کہا ''میں تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھوں یا دشمن؟''

اس کے سوال میں بڑی قوت تھی جس سے مجھے یہ بھی پتا چلا کہ وہ ایک نڈر عورت تھی۔ زخمی بازو کے سبب اس کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات ظاہر ہو رہے تھے تاہم وہ ہونٹوں کو بھینچ کر ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

میں نے کہا ''میں اس کوٹھی کا مالک ہوں اور تمہارا دشمن نہیں ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے، میرے دوست ہو!'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ ایک بلند حوصلہ اور پر اعتماد عورت تھی۔ حسن کے ساتھ ساتھ قدرت نے اسے بے خوفی کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تم مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ سکتی ہو۔ دوستی کا فیصلہ بعد میں ہو جائے گا۔''

اس نے معنی خیز انداز میں سر تا پا میرا جائزہ لیا اور پھر ہی ہوئی آواز میں بولی ''اگر تم میرے خیر خواہ ہونے کا دعوے دار ہو تو پھر خیر خواہی کا ثبوت بھی دو۔''

''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''فی الحال صرف اتنا کہ تم مجھے یہ رات اپنی کوٹھی کے کسی کونے کھدرے میں گزارنے دو۔'' اس نے سادگی سے کہا ''میرے دشمن یہاں تلاش میں ناکام ہونے کے بعد جا چکے ہیں۔ انہوں نے یہی نتیجہ نکالا ہوگا کہ میں اس کوٹھی سے نکل گئی ہوں لہٰذا وہ پلٹ کر ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ یہ کوٹھی میرے لیے محفوظ ترین ثابت ہوگی۔ تم مجھے یہ رات یہاں گزارنے کی اجازت دے دو۔ میں صبح ہوتے ہی کہیں چلی جاؤں گی۔ بھلا ہوا ان جھاڑیوں کا!'' اس نے دیوار کے ساتھ ایک قطار میں موجود جھاڑیوں کی جانب اشارہ کیا ''اس آڑ کے سبب میں اپنے دشمنوں کی نظر میں نہ آ سکی..... اور یہیں پر مختصر روپوشی کے دوران میں، میری نگاہ میں آ گیا کہ اس کوٹھی کے اندر کوئی تہ خانہ بھی موجود ہے۔ میں نے ایک ننھے منے روشن دان کے پیچھے ہلکی روشنی دیکھی تھی پھر اندر کسی نے روشن دان کے آگے کوئی کپڑا تان دیا۔ روشنی کا اخراج پوری طرح بند تو نہیں ہوا تاہم اب اندر دیکھنا ممکن نہیں رہا۔''

''تو ابھی ابھی تم اندر جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میں نے پوچھا ''تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟''

''زرگل!'' اس نے دو ٹوک جواب دیا۔

اس کے جواب نے اس بات کی مزید تصدیق کر دی کہ وہ کسی پشتون قبیلے سے تھی۔

''اور تمہارا دشمن کون ہے؟'' میں نے پوچھا ''جو اس بری طرح ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے؟ تھوڑی دیر پہلے اس کوٹھی میں ہونے والی فائرنگ کو معمولی نہیں کہا جا سکتا!''

وہ بولی ''میرے دشمن کا نام حکمت یار ہے۔ یہ سب اسی کے بندے تھے جو مجھے شکار کرنے کے لیے تمہاری کوٹھی میں گھس آئے تھے۔''

''حکمت یار سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''میں اس کی دشمن نہیں بلکہ وہ میرا دشمن ہے۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' میں نے کہا ''تم حکمت یار کے بارے میں بتاؤ؟''

''حکمت یار رشتے میں میرا چاچا ہے۔'' اس نے بتایا ''اس خاندانی دشمنی کی کہانی بہت طویل ہے۔ کبھی فرصت اور موقع ملا تو تمہیں ضرور سناؤں گی۔ فی الحال تو تم مجھے رات گزارنے دو۔ میرے بازو میں بھی شدید تکلیف ہے۔''

میں اس کی تکلیف کو سمجھ رہا تھا۔ اسے فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت تھی۔ میں نے زرگل سے کہا ''تم میرے ساتھ آؤ۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے ہال نما کمرے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ وہ بھی میرے پیچھے آنے لگی۔ میرا ذہن بڑی تیز رفتاری سے زرگل کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ زخمی تھی اور رات اس کوٹھی میں گزارنا چاہتی تھی۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ مجھ پر بھروسا کر رہی تھی۔ اس کے بھروسے پر پورا اترنا ضروری تھا تاہم اس نے تہ خانے کے بارے میں انکشاف کر کے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر اس نے اندر جھانک کر ''دلچسپ'' مناظر دیکھ لیے تھے تو وہ میرے اور اس کوٹھی کے بارے میں جانے کیا سوچ رہی ہوگی۔ اتنی بڑا امکان اس بات کا تھا کہ وہ ابھی تک تہ خانے کے اندر کی ''حالات'' سے آگاہ نہیں ہوگی۔ اگر اس نے تہ خانے کے اندر خادم حسین، قادر بخش اور مجھے دیکھ لیا ہوتا تو اس کوٹھی میں رات گزارنے کا فیصلہ ہرگز ہرگز نہ کرتی۔

میں نے تصدیق کی خاطر اس سے سوال کیا ''تم نے اس کوٹھی میں تہ خانہ تو دریافت کر لیا۔ کیا تمہیں اس کے اندر جھانکنے کا موقع بھی ملا؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولی ''جب اندر دیکھنا ممکن تھا تو میں نے کوشش نہیں کی۔ اس وقت میری پوری توجہ حملہ آوروں کی طرف لگی ہوئی تھی۔ میرے تمام حواس صرف اور صرف حکمت یار کے بندوں کی طرف متوجہ تھے۔ جب مصیبت ٹل گئی اور وہ لوگ یہاں تلاشی میں ناکامی کے بعد واپس ہو گئے تو مجھے سکون کی سانس لینا نصیب ہوئی۔ میرے حواس نارمل انداز میں فعال ہوئے تو مجھے روشن دان کا خیال آیا۔ اس وقت تک روشن دان کے اندر کوئی پردہ تان دیا گیا تھا۔ میں نے اندر جھانکنے کے لیے روشن دان کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ تم ادھر آ نکلے۔''

میرے جیسے سے اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ زرگل تہ خانے کے اندرونی حالات سے آگاہی حاصل نہیں کر سکی تھی۔ ہم باتیں کرتے ہوئے ہال نما کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے۔ جاتے ہوئے میں دروازے کو بھیڑ گیا تھا تاہم وہ بند نہیں کیا تھا۔ ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے تو زرگل ٹھٹک کر رک گئی۔

میں پلک جھپکتے میں اس کے ٹھٹکنے کا سبب جان گیا۔ ہال کی ایک دیوار کے ساتھ زخمی فیض بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا اور زرگل یک ٹک اسی کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے صورت حال کو سنبھالا دیتے ہوئے کہا۔ یہ جملہ غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکلا تھا۔

''یہ سب تمہارے دشمنوں کا کیا دھرا ہے۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور تشویش ناک لہجے میں پوچھا ''کیا یہ شخص مر چکا ہے؟'' اس نے انگلی سے فیض احمد کو اشارہ بھی کر دیا۔

''فی الحال اس کی زندگی اور موت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے گول مول جواب دیا ''اس کا یہ حال حملہ آوروں کی فائرنگ سے ہوا ہے۔''

''اور تم اب تک کیا کرتے پھر رہے ہو؟'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ''فائرنگ کرنے والوں کو یہاں سے رخصت ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ تم نے ابھی تک اس شخص کو کوئی طبی امداد نہیں دی۔ اگر یہ جان سے گزر گیا تو.....''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا ''کیا یہ شخص تمہارا ہی بندہ ہے؟''

''یہ اللہ کا بندہ ہے۔'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔

''تت..... تم بھی مجھے عجیب لگ رہے ہو!'' وہ مشکوک انداز میں میری جانب انگلی اٹھاتے ہوئے بولی ''تم نے خود کو اس کوٹھی کا مالک ظاہر کیا ہے لیکن تمہارا رویہ اس کی نفی کر رہا ہے۔''

میں نے ہال نما کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا اور زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں کیا ہوں، کیوں ہوں اور کون ہوں..... تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ایک بات کا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں پوری حفاظت کے ساتھ رات گزار سکتی ہو۔ یہاں پائی جانے والی کوئی بھی شے تمہیں ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچائے گی اور.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ''اگر تم مجھ پر اعتماد نہیں کر پا رہی ہو یا یہ کوٹھی تمہیں محفوظ نظر نہیں آ رہی تو تم جہاں جانا چاہو، جا سکتی ہو۔ میں کوٹھی کے گیٹ پر جا کر خود تمہیں رخصت کروں گا۔ ویسے تو تھوڑی دیر میں، میں بھی یہاں سے جانے والا ہوں۔ تم اگر کہو گی..... تو میں تمہیں کہیں بھی چھوڑ دوں گا۔ میرے پاس ایک بڑی جیپ ہے۔ شاید تم نے اس جیپ کو کوٹھی میں کھڑے دیکھا ہو۔ میں کہیں، تمہارے پسندیدہ محفوظ مقام پر پہنچا کے آگے نکل جاؤں گا۔''

''ہاں، میں نے وہ جیپ دیکھی ہے۔'' اس نے اپنی لانبی پلکوں کو اثباتی جنبش دی اور کہا ''مگر تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟ تم تو اس کوٹھی کے مالک ہو۔'' وہ کھوجنے والے انداز میں چند لمحے خاموشی سے مجھے تکتی رہی پھر بڑے یقینی لہجے میں بولی ''تم چاہے کچھ بھی کہو لیکن میں کسی بھی طور تمہیں اس کوٹھی کا مالک تسلیم کرنے کو تیار نہیں یقیناً تم بھی میری طرح کسی مصیبت سے دوچار ہو کر یہاں پہنچے ہو۔ میں نہیں جانتی، تمہارے عزائم کیا ہیں؟ تاہم تم بہت ہی پراسرار اور گہرے آدمی ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟''

وہ اتنے اعتماد سے میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی کہ مجھے دل میں ماننا پڑا، وہ خاصی جہاں دیدہ اور تجربہ نگار عورت تھی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے میرے بارے میں اندازے قائم کیے تھے۔ میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔ حسن اور ذہانت خال خال ہی یکجا نظر آتے ہیں!

میں نے بڑی گہری نظر سے زرگل کی آنکھوں میں جھانکا اور نہایت ہی ٹھہرے لہجے میں کہا ''میرا نام وجیہ ہے..... اس سے زیادہ جاننے کے چکر میں نہ پڑو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ ہاں، اگر مناسب سمجھو تو یہ ضرور بتا دو، تم نے کس بنا پر اتنے وثوق سے کہا ہے کہ میں اس کوٹھی کا مالک نہیں ہوں؟''

''اس بنا پر کہ کوٹھی کا مالک، کوٹھی میں آمد و شد کے لیے عقبی دیوار پر کودا پھلانگی نہیں کرتا۔'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولی ''میں نے جھاڑیوں کے عقب میں چھپ کر تمہاری وہ حرکت دیکھ لی تھی۔ تم نے نہایت ہی محتاط انداز میں دیوار پھلانگی اور باہر چلے گئے۔ میں یہ سمجھی کہ تم اب واپس نہیں آؤ گے یا کچھ دیر بعد آؤ گے۔ یہی سوچتے ہوئے میں روشن دان کی طرف بڑھی مگر تم میری توقع سے بہت پہلے نہ صرف واپس آ گئے بلکہ بڑے غیر محسوس انداز میں میرے سر پر بھی پہنچ گئے۔'' وہ خود اعتمادی سے مجھے دیکھ رہی تھی ''البتہ، میں اس بات کا اعتراف کروں گی کہ تمہاری، کوٹھی میں واپسی کا مجھے مطلق احساس نہیں ہوا۔'' اچانک رک کر اس نے مجھ سے استفسار کیا ''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

وہ یقینی طور پر غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ اس کے اندازے اور معاملہ فہمی بہت مضبوط تھی۔ میں اس کے سوال کا جواب دینے

کے بجائے بے ہوش فیض کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے نزدیک ہی وہ گرم چادر بھی موجود تھی جس کی بکل مار کر وہ اس کوٹھی میں ''وارد'' ہوا تھا۔ میں نے ذرا سی کوشش کر کے، اس چادر میں سے تین انچ چوڑی کوئی گز بھر کی پٹی پھاڑ لی اور زرگل کے قریب آ گیا۔

''کون کیا غلط کہہ رہا ہے اور کیا درست، اس کا فیصلہ بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا ''تمہارے زخمی بازو سے رسنے والے خون کو روکنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر تم اپنا بازو مجھے دے دو تو میں اس کا معائنہ کر کے پٹی باندھ دیتا ہوں۔''

''میرے خیال میں زخم زیادہ گہرا یا تشویش ناک نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی ''شاید کوئی گولی گزرتے ہوئے میرے بازو کی مزاج پرسی کر گئی ہے۔''

وہ بڑی روانی اور صفائی سے اردو بول رہی تھی۔ میں نے سن رکھا تھا، سرحدی لوگ خصوصاً عورتیں تعلیم کے زیور سے آراستہ نہیں ہوتیں۔ لڑکیوں کو اسکول کالج بھیجنے کا رواج نہیں ہوتا۔ بس وہ اپنی مادری زبان ہی سے آشنا ہوتی ہیں یا پھر پشتون لہجے میں ٹوٹی پھوٹی اردو بول گزارہ چلا لیتی ہیں لیکن زرگل کی بات چیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اس سے میرے ذہن میں یہ بھی نقش ہو گیا کہ وہ فارمولا درست نہیں، سرحدی لوگ بھی تعلیم یافتہ ہو سکتے ہیں اور حتی الوسع تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں، چاہے دوسروں کی نسبت یہ تناسب کم ہی کیوں نہیں ہو! زرگل نے پائیں باغ میں مجھے بتایا تھا، اس کے زخمی شانے میں شدید تکلیف ہے لیکن اب وہ گھائل بازو کی طرف سے بے پروائی برت رہی تھی۔ اس موقع پر بحث مباحثہ مناسب نہیں تھا۔

میں نے زرگل کی بات کے جواب میں کہا ''زخم کی گہرائی یا تشویش ناکی کے بارے میں معائنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اگر تم اپنے بازو میں تکلیف محسوس نہیں کر رہی تو دوسری بات ہے۔''

اس نے بے دھڑک اپنا بازو میرے سامنے کر دیا اور کف کا بٹن کھول کر آستین الٹنے لگی۔ اگلے ہی لمحے اس کا ریشمی دودھیا بازو میری نگاہ میں چمکنے لگا۔ بعض تجربہ کار لوگ عورت کے ہاتھ اور پاؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ میں زرگل کا چہرہ دیکھتے ہی اسے ایک حسین و جمیل عورت قرار دے چکا تھا اور اب اس کا ایک بازو میری نظر کے سامنے کھلا ہوا تھا جو بہ زبان خموشی اس کے سراپا ناز ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔

زرگل کا اندازہ بالکل درست تھا۔ گولی اس کے کندھے کی کھال کو چھیلتے ہوئے گزری تھی اور خون نے کندھے کے مقام سے اس کی قمیص کو بھگو دیا تھا۔ تین پٹیوں کی مار تھا۔ میں نے چادر سے پھاڑی ہوئی نہایت مہارت کے ساتھ زرگل کے زخمی کندھے دی۔ اس نے آستین گرا کر کف کا بٹن لگا دیا۔

میں نے پوچھا ''زرگل! تم نے یہ مردانہ لباس کیوں رکھا ہے؟''

''اس کا تعلق بھی میری اسی طویل کہانی سے ہے جو ابھی تمہیں سنا نہیں سکتی۔'' وہ تشکر آمیز انداز میں مجھے ہوئی بولی ''آسانی کے لیے یہ سمجھ لو کہ میں نے خود دشمنوں سے چھپانے کے لیے عارضی طور پر یہ سوانگ ہے۔'' وہ ذرا توقف کرنے کے بعد مجھ سے مستفسر ہوئی اپنے بارے میں بھی تو بتاؤ وجیہ۔ یہ نہ کہنا کہ تم اس کوٹھی مالک ہو اور.....''

اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور بڑے ہوئے انداز میں مجھے تکنے لگی۔ میں نے ایک بات خاص پر محسوس کی کہ میں جیسے ہی اس سے کوئی ذاتی سوال کر پلٹ کر میری ذات کے بارے میں پوچھنے لگتی۔ میں نے چھڑانے کی غرض سے کہا۔

''تمہاری طرح میری داستان بھی بہت طویل ہے فرصت ہی سے سنی اور سنائی جا سکتی ہے۔'' ایک لمحے توقف سے میں نے اس سے پوچھا ''تم نے کہاں تک حاصل کی ہے؟''

''میں گریجویٹ ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ویری گڈ۔'' میں نے اختیار سراہنے والے انداز کہا ''اسی لیے تمہاری اردو صاف شفاف ہے۔ تعلیم انسان بنانے سنوارنے میں بہت مدد دیتی ہے۔''

اس نے میری رائے پر کوئی تبصرہ نہ کیا اور بائیں سے اپنے گھائل دائیں کندھے کو دبانے لگی۔

میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ''زرگل تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

اس نے الجھن زدہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میری بات سمجھ نہیں پائی تھی۔

میں نے کہا ''کیا تم یہ رات اسی کوٹھی میں گزارنا ہو؟''

''تم اپنے بیان کے مطابق تھوڑی دیر بعد یہاں چلے جاؤ گے۔'' اس نے بہ دستور الجھے ہوئے لہجے

میں محسوس کر رہی ہوں، اس کوٹھی میں اور کوئی ذی نفس موجود نہیں۔ میں اس زخمی بے ہوش کے ساتھ تو اس کوٹھی میں رات نہیں گزار سکتی۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے فیض کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے کہا ''اس کا بندوبست تو میں ابھی کر دیتا ہوں۔''

''اس کے باوجود بھی میں یہاں سے جانا چاہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی ''اگر تم میرے ساتھ یہاں سے نکلنا چاہتی ہو تو پھر ذرا رک کر انتظار کرو۔ میں اس بندے کو تھوڑی ''عزت'' دے دوں..... اور اگر تم اکیلی جانا چاہتی ہو تو میری طرف سے اجازت ہے۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو؟''

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا ''تم اس بے ہوش بندے کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟''

اس کے استفسار سے مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ میری معیت میں اس کوٹھی کو خیر باد کہنے کا ارادہ رکھتی تھی ورنہ وہ سوال و جواب کے چکر میں پڑے بغیر پہلی فرصت میں وہاں سے کھسک لیتی۔

میں نے کہا ''میں اس کے ساتھ اچھا برا جو کچھ بھی کروں گا تمہاری نظر کے سامنے ہی کروں گا۔ دیکھتی جاؤ!''

اتنا کہہ کر میں اپنے زخمی شکار فیض احمد کی جانب بڑھ گیا۔ اس سے چھینا ہوا لوڈڈ ریوالور اس وقت میری جیب میں موجود تھا جب کہ گینڈا نما قادر بخش کا خالی پستول اسی ہال کے ایک کونے میں بے وقعت پڑا تھا۔ زخمی گینڈے نے وہ خالی پستول مجھے کھینچ مارنے کی کوشش کی تھی مگر اسے شکست کے ساتھ خفت کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

میں نے فیض کے نزدیک جھک کر اس کا ماہرانہ معائنہ کیا اور جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا، وہ ابھی اسی جہاں میں تھا تاہم اس کی سانسیں بڑی مدہم چل رہی تھی۔ دیوار سے ٹکراؤ کے بعد اس کی کھوپڑی پچک گئی تھی جہاں سے اچھا خاصا خون نکل کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

اس کوٹھی سے نکلنے سے قبل فیض کو تہ خانے میں منتقل کرنا ضروری تھا۔ میں نے اسے گھسیٹ کر اسی دیوار کی جانب لے جانا چاہا جس کے پیچھے خفیہ تہ خانے کا راستہ تھا تو زرگل میرے قریب آ گئی اور تحکمانہ آمیز لہجے میں بولی۔

''وجیہ! تھوڑی جگہ دو۔ میں بھی تمہاری مدد کرتی ہوں۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی خواہش کے پیش نظر فیض کا ایک بازو اس کے حوالے کر دیا۔ ہم دونوں مل کر اسے گھسیٹتے ہوئے دیوار کے نزدیک لے آئے۔

زرگل کو کچھ معلوم نہیں تھا، اب میں فیض کے ساتھ کیا کرنے والا ہوں۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا۔

''مجھے لگتا ہے، اس بندے کا تعلق تمہارے مخالفین سے ہے؟''

''تمہیں درست لگتا ہے۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا ''یہ کوٹھی میرے دوست فرید پاشا کی ملکیت ہے۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہیں..... اور باقی جو بھی موجود ہیں وہ میرے دشمنوں ہی میں شمار ہوتے ہیں۔''

''کیا میں بھی؟'' اس نے عجیب سی نظر سے مجھے دیکھا۔

اس کے سوال نے مجھے بوکھلا دیا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہوں۔ وہ بدستور گہری نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی ''میں نے تو ابھی تک تمہارے خلاف کسی دشمنی کا ثبوت نہیں دیا!''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے سنبھل کر کہا ''تم نے مجھ سے کوئی دشمنی کی ہے اور نہ ہی کسی دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ تمہارے بارے میں، میں بعد میں فیصلہ کروں گا..... فی الحال تم خود کو نیوٹرل سمجھو۔''

وہ غیر مطمئن انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''اچھی بات ہے۔'' پھر اس نے فیض کی طرف اشارہ کیا ''اب اس بندے کا کیا کرنا ہے؟''

''اس کو تہ خانے میں پہنچانا ہے۔'' میں نے پرسوچ انداز میں کہا ''یہ یہاں اچھا نہیں لگ رہا، وہاں اس کے دو ساتھی پہلے سے موجود ہیں۔ یہ اپنے قبیلے میں پہنچ کر خاصا..... ریلیکس محسوس کرے گا۔''

وہ لانبی پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی ''پتا نہیں، تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ یہ سب کچھ کہیں تم مذاق میں تو نہیں کر رہے ہو وجیہ؟''

اس کوٹھی کے خفیہ تہ خانے کا راز فرید پاشا اور مجھ سے آگے بڑھ کر خادم حسین اور قادر بخش تک پہنچ چکا تھا۔ اس راز میں فیض کی شمولیت بھی ہونے والی تھی چنانچہ زرگل بھی اس تہ خانے کی جھلک دیکھ لیتی تو اس میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ اس تہ خانے میں آمد و شد کی تکنیک صرف فرید پاشا اور مجھ تک ہی محدود تھی۔

''میرا تمہارا کوئی مذاق نہیں ہے زرگل!'' میں نے اس حسین صورت کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''اس ہال نما کمرے کے نیچے واقعی ایک تہ خانہ موجود ہے جسے ابھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔ تم اس تہ خانے کے نیم روشن، روشن دان کو دیکھ چکی ہو۔''

اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تاہم اس کی مقناطیسی آنکھوں میں حیرت نما الجھن بدستور ہلکورے لے رہی تھی۔ وہ خاصی متند بذب نظر آتی تھی۔

اگلے دو منٹ کے اندر میں نے مخصوص تکنیک کا استعمال کر کے فیض کو، زرگل کی مدد سے گھسیٹ کر قادر بخش کے قریب لا چھوڑا۔ تہ خانے کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے دروازے کو بند کر دیا تھا۔ زرگل کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی کہ اس نے اسی تہ خانے کے مختصر روشن دان سے بلب کی ہلکی روشنی پھوٹتے دیکھی تھی۔

میرے ساتھ ایک سراپا حسن عورت کو دیکھ کر گینڈا نما قادر بخش کے دیدے حیرت سے پھیل گئے۔ خادم حسین کی سرخ آنکھوں میں بھی تعجب کی سیاہ پرچھائیاں لہرائیں۔ میں نے ان کے تاثرات سے فوراً اندازہ لگا لیا کہ وہ زرگل سے آشنا نہیں تھے اور زرگل کی بھی کچھ ایسی ہی پوزیشن تھی۔ یہ ایک اطمینان بخش بات تھی۔ وہ دونوں زرگل کو میری ساتھی سمجھے تھے۔

خادم حسین کو چھت کی ''زینت'' بنانے سے پہلے میں نے اس کی تفصیلی جامہ تلاشی لے لی تھی اس کی ضروری اور غیر ضروری اشیا کے ساتھ کوٹھی اور گاڑی کی چابیاں میرے قبضے میں آ چکی تھیں۔ لہٰذا میں نے اس جھاڑ منحوس سیکیورٹی گارڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے قادر بخش سے کہا۔

''میں تم تینوں کو اس تہ خانے میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تمہارا فیصلہ فرید پاشا خود کل صبح آ کر کرے گا۔ خادم، فرید کا مجرم ہے لیکن تم دونوں بھی بلا اجازت غیر قانونی طور پر اس کی کوٹھی میں داخل ہوئے ہو۔ نہ صرف داخل ہوئے ہو بلکہ تم نے یہاں خاصی افراتفری بھی مچائی ہے۔ میں نے تم سے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ کر لیا۔ باقی کا انٹرویو پاشا کرے گا۔''

''تم اب بھی خود کو بچا سکتے ہو وجدان!'' گینڈے قادر بخش نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا ''منشا اور چوہدری دلدار بہت خطرناک لوگ ہیں۔ تم ان کے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکو گے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو ہمیں شرافت سے، یہاں سے جانے دو۔''

مجھے اس نامعقول شخص پر بہت غصہ آیا۔ میں نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا ''میں انتہائی شرافت کا ثبوت ہی دے رہا ہوں جو تم لوگوں کو زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں ورنہ تم خبیثوں کے اعمال تو ایسے ہی ہیں کہ تمہیں فرصت نکالے بغیر گولیوں سے بھون دینا چاہیے۔'' میں نے ریوالور کی نال کو اس کی پیشانی کی طرف کر دیا۔

وہ نفرت آمیز نظر سے مجھے گھور کر رہ گیا۔ منہ سے ایک لفظ نہ بولا۔

میں نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا ''تم نے منشا اور چوہدری دلدار کی خطرناکی دیکھی ہوگی، ابھی میرے غصے اور سفاکی سے تم واقف نہیں ہو۔ اگر تمہاری زندگی سے دلچسپی تو اس تہ خانے سے باہر آ کر منشا اور چوہدری دلدار کا سر میرے حوالے کر دینا۔ میرے آئندہ ٹارگٹ وہی ہیں۔ تم لوگوں نے بہت عذاب ناک شکنجے میں ہاتھ ڈال دیا ہے!''

وہ کینہ توز انداز میں مجھے تکنے لگا۔ اگر وہ اس وقت میرے سامنے بے بس نہ ہوتا تو پتا نہیں، کیا کر گزرتا! میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اب آخری مرتبہ تنبیہہ کر رہا ہوں کہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہاری ایسی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکے گی، خواہ مخواہ خود کو اور اپنے ساتھی کو ہلاکت میں ڈالو گے۔ اگر اب میری بات تمہاری سمجھ میں نہ آئی ہو تو تم لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے!''

اس وارننگ کے بعد میں زرگل کے ساتھ تہ خانے سے نکل آیا۔ دروازہ ایک مرتبہ پھر بند ہو گیا جسے مخصوص تکنیک کے بغیر کسی صورت کھولا نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے ہال کمرے میں آتے ہی زرگل سے کہا۔

''اس کمرے کے فرش سے ہمیں زخمی فیض کا خون صاف کرنا ہے۔ اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گی۔''

اس نے تعاون آمیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

میں نے فیض کی باقی ماندہ چادر کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ہم کپڑے کے وہ ٹکڑے پانی میں بھگو کر اپنے ساتھ لے جت گئے۔ اگر وہ کوٹھی میرے دوست کی ملکیت نہ ہوتی تو میں اس تکلف میں نہ پڑتا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کمرے کو تسلی بخش بنا چکے تھے۔

جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ زرگل کو میں نے احتیاطاً جیپ کی عقبی نشست پر لٹا دیا تاکہ باہر سے دیکھنے والوں کو وہ دکھائی نہ دے۔ اس کو خارج از امکان نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کے دشمنوں میں سے کوئی ایک آدھ اب بھی کوٹھی کے باہر گھات لگائے انتظار کر رہا ہو۔ دشمن کو کبھی کمزور اور بے وقوف نہیں سمجھنا چاہیے!

☆☆☆

احتیاط کا شمار ان چیزوں میں ہوتا ہے۔ جو متفقہ طور پر مفید اور کارآمد کہلاتی ہیں۔ محتاط شخص، کسی غیر محتاط آدمی کی بہ نسبت کم سے کم نقصان اٹھاتا ہے۔ میری احتیاط نے کوٹھی سے نکلتے ہی کام دکھانا شروع کر دیا۔

دو تین سڑکوں پر جیپ دوڑانے کے بعد میں شادمان ٹاؤن کی طرف نکل آیا اور اسی وقت مجھے اپنے تعاقب کا کالونی کی طرف نکل آیا اور اسی وقت مجھے اپنے تعاقب کا احساس ہوا۔ وہ ایک سرخ جیپ تھی جو ایک خاص فاصلہ رکھتے ہوئے میرے پیچھے آ رہی تھی۔ اس سرخ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر کسی انسان کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ ڈرائیور کے علاوہ جیپ میں مزید کتنے افراد موجود تھے، اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان دو سو گز سے زیادہ کا فاصلہ تھا۔ اس فاصلے سے جیپ والے افراد اور زرگل کو عقبی نشست پر لیٹے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس سرخ جیپ میں کون لوگ ہیں، کس مقصد کی خاطر وہ میرا تعاقب کر رہے ہیں اور اس تعاقب کا آغاز کہاں سے ہوا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا، ان لوگوں کا تعلق میرے دشمنوں سے ہے یا زرگل کے۔ اگر سفید پائی روف یہی فریضہ انجام دے رہی ہوتی تو کہا جا سکتا تھا، وہ لوگ برابر میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ جس وقت میں زرگل کے ساتھ کوٹھی سے نکلا تھا، سفید پائی روف ہنوز اپنی جگہ کھڑی تھی اور گاڑی کا ڈرائیور ریاض بھی اسی پوزیشن میں اسٹیئرنگ پر ''موجود'' تھا۔ ریاض کی یہ طویل ''موجودی'' خاصی تشویش ناک تھی۔ مجھے خدشہ ہونے لگا تھا، کہیں وہ اناللہ نہ ہو گیا ہو!

میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے زرگل سے کہا ''جہاں لیٹی ہو، خاموشی سے لیٹی رہو۔ اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں جو کچھ کہوں، اس پر فوراً عمل کرنا۔ تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔ ایک سرخ جیپ کو میں اپنی دم سے بندھا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم ہے، یہ جیپ کن لوگوں کی ہے؟''

میرے سوال کے جواب میں عقبی نشست پر خاموشی طاری رہی۔

میں نے اپنا سوال دہرایا اور پوچھا ''زرگل! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

وہ بولی ''تم نے خود ہی تو کہا ہے، خاموش لیٹی ہوں۔ صرف تمہارے کہنے پر عمل کروں اگر میں تمہارے کسی سوال کا جواب دوں گی تو خاموشی ٹوٹ جائے گی۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر اضافہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی ''مجھے ڈر ہے، اگر میں نے تمہاری بات نہ مانی تو تم ناراض ہو جاؤ گے اور ناراضی میں تم مجھے اپنی گاڑی سے اتار بھی سکتے ہو۔ میں گاڑی سے نکلتے ہی غیر محفوظ ہو جاؤں گا۔ چاروں طرف میرے دشمن میری تلاش میں چکراتے پھر رہے ہیں۔''

زرگل کی دہشت اور خوف پوری طرح زائل ہو چکے تھے اور اس وقت وہ خاصی زندہ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس حاضر جواب اجنبی حسینہ نے اپنے جواب سے مجھے تھوڑا سا گڑبڑا دیا تاہم میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری خاموشی کو واپس لیتا ہوں۔ تم میری بات کا جواب دے سکتی ہو۔ ہماری آواز سرخ جیپ میں موجود لوگوں تک نہیں پہنچ پائے گی۔ کیا تم ان لوگوں کو جانتی ہو؟''

وہ قطعیت سے بولی ''میں سرخ جیپ سے متعلق کچھ نہیں جانتی۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے ڈرائیونگ پر اپنی توجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا ''میں مختلف سڑکوں پر جیپ دوڑاتے ہوئے تعاقب کرنے والوں کو اپنے قریب آنے کا موقع دوں گا پھر ان کے عزائم کا پتا چل جائے گا لیکن اس سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔''

''کیسا کام؟'' اس نے لیٹے لیٹے استفسار کیا۔

میں نے کہا ''تم نہایت ہی صفائی اور آہستگی کے ساتھ اپنے وجود کو سیٹ سے لڑھکا کر نیچے گرا دو۔ اس طرح تم دو سیٹوں کے درمیان آ جاؤ گی۔ گویا، ایک طرح سے تم باہر سے دیکھنے والوں کی نظر میں پوشیدہ ہو جاؤ گی۔ تعاقب کرنے والے تمہیں اس جیپ میں دیکھ نہیں پائیں گے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں، تمہیں غیر موجود پا کر وہ کس قسم کے ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا، وہ تمہاری تلاش میں ہیں یا میری؟ اگر وہ تمہاری وجہ سے تعاقب کر رہے ہیں تو پھر ہماری جیپ کو اوور ٹیک کرنے کے بعد وہ اس تعاقب کو ختم کر کے کہیں اور نکل جائیں گے۔''

''یہ میں بہت آسانی سے کر لوں گی۔'' زرگل کی پرعزم آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''میں دو سیٹوں کے درمیان پہنچتے ہی اپنے وجود کو گٹھڑی بنا لوں گی۔ اگر سرخ جیپ میں حکمت یار کے بندے ہوئے تو وہ مجھے دیکھ یا پہچان نہیں پائیں گے۔ تمہاری تجویز قابل عمل اور مؤثر ہے۔''

میں نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے، تم ایکشن کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں انہیں اپنے قریب آنے کا موقع دیتا ہوں۔''

ادھر میری بات ختم ہوئی، ادھر زرگل معمولی سی آواز پیدا کرتے ہوئے دو سیٹوں کے درمیان جیپ کے قالین پوش

فرش پر پہنچ گئی۔ اس نے میری توقع سے زیادہ تیز رفتار حرکت کی تھی۔ اس کے عمل نے مجھ پر واضح کر دیا کہ وہ کوئی چھوٹی موٹی لڑ کی یا عورت نہیں، بلکہ سنگین نوعیت کی صورت حال سے نمٹنے کا اسے وسیع تجربہ تھا۔ اس کی زندہ مثال تو وہ واقعہ تھا جب درجن بھر افراد کوٹھی کے اندر اسے نشانہ بنانے کے لیے برسٹ فائرنگ کر رہے تھے۔ مجھے یقین تھا، زرگل کو پیش آمدہ حالات بڑے سنسنی خیز ہوں گے!

میں شادمان کالونی سے نکل آیا۔ چائنا چوک سے گزرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں آیا کہ صدف کے ماموں ڈی ایس پی اورنگ زیب خان کی طرف نکل جاؤں۔ اس کی کوٹھی چائنا چوک سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن اگلے ہی لمحے میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ میں اس وقت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کے موڈ میں تھا۔

میں غیر ارادی طور پر جیپ کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ مسجد تجلی کعبہ کے پاس سے گزرتے ہوئے میں شاہراہ قائداعظم (مال روڈ) پر آ گیا پھر میری گاڑی پے در پے مختلف سڑکوں پر مڑتی رہی۔ مال روڈ، ریس کورس روڈ، لارنس روڈ اور گلبرگ روڈ سے گھوم کر میں کینال بینک روڈ پر آ گیا۔ یہ روڈ نہر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ فرید پاشا کی کوٹھی تک جانے کے لیے اصولی طور پر مجھے گلبرگ روڈ کو نہیں چھوڑنا چاہیے تھا اور نہر کا پل کراس کر کے گلبرگ کی طرف بڑھ جانا چاہیے تھا لیکن متعاقب جیپ کا راز افشا کرنا بہت ضروری تھا۔ میں اس قسم کی کسی مصیبت کو اپنے پیچھے لگا کر پاشا کی کوٹھی کی راہ نہیں دکھانا چاہتا تھا اور جیپ میں موجود ڈھیٹ افراد میری توقع کے خلاف عمل کر رہے تھے۔ میں ان کی تعداد اور رنگ و نسل کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

انہوں نے اس دوران میں وہ محدود فاصلہ قائم رکھا تھا جو ابتدا سے دونوں جیپوں کے درمیان موجود تھا۔ ان کی پالیسی سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صرف اور صرف ہماری منزل کا سراغ لگانا چاہتے ہیں، راستے میں ہم سے چھیڑ چھاڑ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ایسے خیال رکھنے والے ''خیر خواہوں'' کو بے نقاب کرنا تو اور بھی اہم تھا۔

میں نہر کے ساتھ ساتھ کینال بینک روڈ پر آگے بڑھتا رہا۔ گلبرگ خاصا پیچھے رہ گیا تھا اور نسان پٹرول کا رخ مغل پورہ کی جانب تھا۔ رات کے وقت کینال بینک روڈ پر زیادہ رش نہیں ہوتا۔ ایک قطار میں بنی ہوئی نرسریز اور نہر کے کنارے استادہ بلند و پست درختوں کے باعث فضا میں خنکی در آئی تھی۔ میں نے ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر نسان پٹرول سڑک کے کنارے روک دی پھر زرگل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں جیپ سے باہر جا رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وں گا جیپ گاڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہے جس نے ہمیں یہاں رکنے پر مجبور کر دیا۔ میں جب تک تم سے نہ کہوں، گاڑی سے نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔'' پھر میں نے اپنی جیپ سے ریوالور نکال کر اس کی طرف پھینک دیا اور کہا ''میں نے اگر چہ تمہیں حراست میں پناہ دی ہے لیکن تمہاری حفاظت کی ذمے داری بھی فی الحال میرے ہی کندھوں پر آتی ہے۔ مجھے امید تو نہیں کہ مار دھاڑ کی کوئی صورت حال پیش آئے بہر حال، تم یہ ریوالور کسی نازک موقع کے لیے اپنے پاس رکھ لو۔ وقت کا کچھ بھروسہ نہیں، یہ کسی سے صلاح مشورے کے بعد کروٹ نہیں بدلتا!''

میں زرگل کا جواب سنے بغیر جیپ سے باہر نکل آیا۔ ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ میں نے کھلا رہنے دیا اور جیپ کے اگلے حصے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے میں نے متعاقب جیپ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا، میرے اندازے کے عین مطابق وہ سرخ جیپ بھی سڑک کے کنارے رک چکی تھی۔ ہمارے درمیان فاصلہ اب بھی کم و بیش دو سو گز ہی تھا۔ میں نے اپنی جیپ کا بونٹ اٹھا لیا اور متعاقب پراسرار جیپ کے بارے میں سوچنے لگا۔

ہم کینال بینک روڈ کے ایک ایسے حصے میں رکے تھے جو ہمارے دشمنوں کی کسی خطرناک سرگرمی کے لیے بہترین مقام تھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ سرخ جیپ میں سے کوئی برآمد ہوا اور نہ ہی کسی قسم کی پیش رفت کی گئی۔ مزید دو منٹ انتظار کے بعد میں نے ایک حتمی فیصلہ کر لیا۔

میں سرخ جیپ کی مسٹری کو اپنے ذہن میں لے کر پاشا کے بنگلے میں نہیں جانا چاہتا تھا، جب جیپ والوں کی طرف سے کوئی پیش قدمی نہ ہوئی تو میں نے از خود انہیں چھیڑنے کا عزم کیا اور بونٹ گرا کر میں ڈرائیونگ سائیڈ میں آ گیا پھر میں نے قالین پوش فرش پر موجود زرگل سے کہا۔

''جیپ والوں کی ڈھٹائی کو ناپنا ضروری ہے۔ وہ ڈھیٹ ہے، جیسے پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھے ہیں۔''

زرگل نے اپنی جگہ پر موجود رہتے ہوئے جواب دیا ''تمہاری بات سے اندازہ ہوتا ہے، تم از خود ان کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ کیا جیپ والوں میں سے کوئی باہر نہیں آیا؟''

''اگر ادھر سے کوئی باہر نکلتا تو سسپنس ٹوٹنے کے امکانات روشن ہو جاتے۔'' میں نے کہا ''میں اس سسپنس کو ختم کے طور پر اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اس لیے جیپ والوں کی ''خیریت'' پوچھنے ادھر جا رہا ہوں۔''

وہ تشویش ناک لہجے میں بولی ''یہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے!''

''ہاں، ہو سکتا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''رسک لیے بغیر اس تجسس کو نہیں توڑا جا سکتا۔ تم گاڑی کے اندر ہوشیار اور محتاط رہنا۔ ادھر کے معاملات کو میں دیکھ لوں گا۔ تم اپنی حفاظت کا خیال رکھ لو تو یہ بھی کافی ہو گا۔ ویسے ایک بات کا مجھے پورا یقین ہے!''

''کس بات کا؟'' زرگل نے پوچھا۔

میں نے پرسوچ انداز میں کہا ''وہ جو کوئی بھی ہیں، ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ دشمن ایسے ڈھیلے رویے کا مظاہرہ نہیں کرتے۔''

''یہ ان کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے وجیہ!'' زرگل محتاط لہجے میں بولی۔

میں نے کہا ''یہ ممکن ہے۔ اس صورت میں بھی میں یقین کے ساتھ یہ کہوں گا کہ وہ چالباز دشمن ہماری جان کے طلب گار نہیں ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں دشمنوں اور ان کے سیکڑوں انداز کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے۔ جان کے دشمن یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموش بیٹھے نہیں رہتے۔ میرے تجربے میں چونکہ ایسے دشمنوں کا اندراج نہیں ملتا اس لیے بھی میں سرخ جیپ والوں کو ضرور ٹچ کروں گا۔''

اس کے بعد زرگل نے مجھ سے کوئی بحث نہ کی اور میں محتاط قدموں سے مذکورہ جیپ کی طرف بڑھنے لگا۔ ہمارے درمیان بتدریج فاصلہ کم ہونے لگا۔ سرخ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کا ہیولا آہستہ آہستہ واضح ہونے لگا۔ اگر چہ اس وقت کینال بینک روڈ پر اچھا خاصا اندھیرا تھا۔ تاہم نزدیک جانے کے سبب اس شخص کے خال و خد مجھ پر ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اپنے وجود میں ایک سنسنی کی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔ میری چھٹی حس بار بار مجھے خبردار کر رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ کیا گڑبڑ ہے؟ میں سردست اس کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا، پھر جب ہمارے درمیان چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں مجھے ایک سرد لہر کی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یکا یک بے اختیار میرے قدم رک گئے۔

میں حیرت اور بے یقینی سے، سرخ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کو دیکھ رہا تھا۔ وٹہ اسکرین کے پار اب وہ مجھے واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس شخص نے کسی انڈے کے مانند سفید سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ بے داغ پینٹ کوٹ میں تھا اور اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے کسی بت کی طرح خاموش جامد بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا۔

میں یک ٹک اسے تکے جا رہا تھا۔ اس کے حلیے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد میرے ذہن میں جو تصور اجاگر ہوا، وہ بڑا ہولناک اور ناقابل تسلیم تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں؟ کیا میرا ذہن میری غلط راہنمائی کر رہا ہے؟ یا میں مشاہدے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہوں؟ کہیں یہ میرا وہم تو نہیں؟ کسی لاشعوری خیال نے مجسم صورت تو اختیار نہیں کر لی؟

اس نوعیت کے متعدد سوالات میرے دماغ میں چکرا رہے تھے اور ہر بار میں ایک ہی نتیجے پر پہنچ رہا تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ پلکیں جھپکائیں کہ کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ اپنی آنکھوں کو مل کر دیکھا کہ کہیں میری بصارت تو متاثر نہیں ہوئی۔ دو ایک بار اپنے سر کو جھٹکا کہ ایسا نہ ہو، میری بصیرت میں کوئی خلل واقع ہو گیا ہو..... مگر صورت حال ٹس سے مس نہ ہوئی۔ میرے مشاہدے کے نتیجے میں سرمو فرق نہ آیا۔ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں، سب ویسا ہی تھا اور یہ سب..... نہایت ہی سنسنی خیز تھا۔ میں گویا اس وقت کسی آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ سرخ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر میں بیٹھا تھا..... یعنی ہو بہو وجدان علی ابن عابد علی!

کیا آنکھوں دیکھی یہ حقیقت دماغ گھما دینے کے لیے کافی نہیں تھی؟ میں سفید چھت والی اس سرخ جیپ سے چند قدموں کی دوری پر کھڑا استعجابیہ انداز میں یہ سب سوچ رہا تھا اور اسی فور وہیل ڈرائیو، ٹویوٹا لینڈ کروزر سرخ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بھی میں موجود تھا۔ وہ جیپ جس کا نمبر فور سیون تھری سیون تھا..... اور اس کی پشت پر ایک اسپیئر ٹائر سفید کور میں اپنے مخصوص اسٹینڈرڈ فکس تھا۔

میں جتنی دیر اس ناقابل یقین کیفیت میں مبتلا رہا، سرخ جیپ والے ''وجدان'' نے ذرا سی جنبش نہ کی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے جادو کے زور پر کسی نے اسے ساکت کر دیا ہو۔ میں حیرت کے جھٹکے سے سنبھلا تو اس اسرار کو حل کرنے کی خواہش ہوئی۔

وہ اگر چہ بنا بنایا وجدان تھا مگر میں کسی بھی صورت اسے وجدان تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وجدان..... یعنی میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور..... کسی ہم شکل والی فلمی کہانی کے لیے میرے ذہن میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ جو کوئی بھی

تھا، ایک سراب تھا، کوئی گہری چال ہوسکتی تھی اور امکان اس بات کا تھا کہ یہ خطرناک چال میرے دشمنوں کی طرف سے تھی۔ وہ میرے جیسے کسی کردار کو سامنے لاکر کوئی بڑا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے ابھی میں اس فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ وہ چال میرے کس دشمن کی طرف سے ہے اور اس چال سے اس کے کیا عزائم وابستہ ہیں یہ سب کچھ جاننے کے لیے آگے بڑھنا ضروری تھا۔ اسی سوچ کے زیر اثر میں نے سرخ لینڈ کروزر کی سمت قدم اٹھادیئے۔

میری اس پیش قدمی کے جواب میں دوسری طرف سے حیران کن ردعمل ظاہر کیا گیا۔ وہ جیپ اگرچہ سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ تاہم ہماری نیان پٹر دل کی طرح اس کا انجن بھی بیدار تھا۔ میں نے اس نقلی دجدان کی جانب ابھی ایک قدم ہی بڑھایا ہوگا کہ سرخ جیپ اچانک حرکت میں آگئی اور..... یہ حرکت بیک ورڈ تھی۔

یوں محسوس ہوا، وہ پہلے ہی گاڑی کو بیک گیئر میں ڈالے بیٹھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ جیپ کو الٹا چلاتے ہوئے پیچھے لے گیا..... اور پیچھے..... اتنا پیچھے کہ رات کے اندھیرے نے گاڑی کے وجود کو نگل لیا۔ سرخ جیپ مجھ سے اتنے فاصلے پر چلی گئی کہ میرے لیے اس کو دیکھنا ممکن نہ رہا۔ میں سڑک کے کنارے ہکا بکا کھڑا، جیپ نشین کی اس عجوبہ روزگار حرکت کے بارے میں سوچنے لگا۔ میری ہو بہو نقل نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں چند لمحے وہیں کھڑا اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اسے رات کے اندھیرے نے اس طرح اپنی گود میں سمیٹا کہ پھر اس کی ایک جھلک دیکھنے کو نہ ملی۔ فوری طور پر میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ پہلی ملاقات میں نقلی دجدان کو اتنی ہی ہدایت ملی ہوگی کہ وہ مجھ سے آمنا سامنا ہونے کے بعد پھوٹ لے۔ صرف مجھے یہ باور کرانا مقصود ہوگا کہ میری نقل تیار کرلی گئی ہے۔ کیوں؟ یہ ایک ایسی گتھی تھی جسے فی الوقت سلجھانا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال، میں اس واقعے کو غیر معمولی سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔

اپنی جیپ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں سوچنے لگا، جس دشمن نے بھی میری نقل تیار کی ہے اسے بے وقوف یا کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر وہ احمق یا بزدل ہوتا تو چھپ کر وار کرتا، اپنی ''پروڈکٹ'' کو یوں میرے سامنے نہ لاتا۔ یہ تو ایک کھلا چیلنج تھا میرے لیے میرے پردہ نشیں پراسرار دشمن نے پتے میز پر پھیلا کر کھیل کا آغاز کیا تھا اور اتنا بہادر چوہدری نوازش علی بہرحال نہیں ہوسکتا تھا۔

میں اس نئی بساط پر غور کرتے ہوئے گاڑی کے پاس آگیا پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد زرگل سے ''اب تم آرام سے اٹھ کر سیٹ پر بیٹھ سکتی ہو۔ خطرہ ٹل گیا ہے۔''

''تم یہ بات اتنی آسانی سے کہہ رہے ہو جیسے'' وہ گری ہوئی ٹہنی کو نکال باہر کیا ہو۔'' وہ حیرت آمیز لہجے کہتے ہوئے اٹھی اور نشست سنبھالنے سے قبل اس نے شیشے کے پار دیکھا پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے ''وجیہ! سرخ جیپ کہاں چلی گئی؟''

''جہاں سے آئی تھی وہیں چلی گئی۔'' میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ ٹٹولنے والی نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں اسے کے عقبی حصے کا منظر دکھانے والے آئینے میں تک رہا تھا کا چہرہ الجھن کے جال میں جکڑا نظر آتا تھا اور اس کی یہ کیفیت حالات کے عین مطابق تھی۔ بالآخر اس نے متذبذب انداز میں دریافت کیا۔

''وجیہ! میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکی ہوں۔ سرخ جیپ والوں نے اتنی دیر تک ہمارا تعاقب کیا اور پھر اچانک غائب ہوگئے۔ ایسے متعاقب دشمن پہلے میں نے کہیں دیکھے اور سنے!''

میں نے کہا ''میں بھی ایسا ہی محسوس کررہا ہوں۔ بہرحال میں نے کندھے اچکائے ''کیا کیا جاسکتا ہے۔ ان کی مرضی ہے!''

زرگل کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ اس نے شک آمیز لہجے میں استفسار کیا ''وجیہ! تم تو جیپ والوں کا حال احوال معلوم کرنے کے لیے گاڑی سے نکلے تھے۔ اس کا کیا رہا؟''

بات ختم کرتے ہی اس نے ایک مرتبہ پھر مڑ کر گاڑی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی مگر ظاہر ہے، ہماری جیپ کے عقب میں دور دور تک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں نے کہا ''میں جس مقصد کے لیے اپنی جیپ سے اترا تھا وہ پورا ہونے کی نوبت نہیں آئی اور میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی سرخ جیپ الٹے قدموں فرار ہوگئی۔''

اس کی آنکھوں میں موجود بے یقینی میں کوئی فرق نہیں آیا پھر یہی کیفیت الفاظ کا لبادہ اوڑھ کر اس کی زبان سے پھسلی ''کہیں تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش تو نہیں کررہے وجیہ؟''

''میں ایسی کوئی کوشش کیوں کرنے لگا؟'' میں نے پورہ کے پل پر سے جیپ کو گزارتے ہوئے کہا ''اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''فائدے اور نقصان کا تو مجھے پتا نہیں۔'' وہ بدستور الجھن زدہ انداز میں بولی ''لیکن سچ سچ بتاؤ، کیا واقعی کوئی سرخ جیپ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی؟''

جیپ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی؟ وہ اس سوال میں حق بجانب تھی۔ فاضلیہ کالونی والی کوٹھی سے روانہ ہوتے وقت میں نے اسے عقبی نشست پر لیٹنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے اپنے تعاقب کا احساس شادمان کالونی میں ہوا تو میں نے اسے نشست سے لڑھک کر جیپ کے فرش پر پہنچنے کا حکم دے دیا جہاں سے تھوڑی دیر قبل وہ اٹھی تھی۔ اس دوران میں اسے ایک لمحے کے لیے موقع نہ مل سکا کہ وہ متعاقب جیپ کی ایک جھلک بھی دیکھ پاتی۔ وہ اب تک میرے بتائے ہوئے پر یقین کرتی آئی تھی لہٰذا اسے یہ شک ہوسکتا تھا کہ میں نے اسے بے وقوف بنانے کے لیے تو کہیں سرخ جیپ کا چکر نہیں چلایا تھا۔

''یہ سچ ہے زرگل!'' میں نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''پھر وہ کچھ کیے کرائے بغیر واپس کیوں چلے گئے؟''

''میں بھی ان کے اس رویے پر حیران ہوں۔''

وہ خاموش ہوگئی لیکن کھوجتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھنا جاری رکھا۔

میں نے اپنی جیپ کو نہر کے پل کے اوپر سے گزارنے کے بعد واپسی کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اب ہمارا رخ مغل پورہ سے گلبرگ کی جانب تھا۔ میں نے نہر کے کنارے سفر جاری رکھتے ہوئے زرگل سے پوچھا۔

''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے؟''

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی ''بات یقین اور بے یقینی کی نہیں وجیہ!''

''پھر کیا بات ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

وہ بولی ''مجھے منافقت سے شدید نفرت ہے۔''

''یہاں منافقت کا ذکر کہاں سے آگیا!'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''تمہاری ہوں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا ''اب تک تم نے میرے ساتھ دوستانہ رویے کا مظاہرہ کیا ہے اس لیے میں تم سے کسی قسم کی منافقت نہیں برت سکتی۔ تمہارے لیے میرے دل اور ذہن میں جو کچھ ہے، وہ تم سے کہنا چاہتی ہوں..... بالکل صاف صاف!''

میں نے سنجیدگی سے کہا ''میں بھی صاف گوئی کو پسند کرتا ہوں۔ تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو، بے دھڑک کہہ ڈالو۔''

''وجیہ!'' اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے دوٹوک لہجے میں کہا ''سچی بات تو یہ ہے کہ تم بہت پراسرار ہو۔ میں تمہارے بیان کو شک کی نظر سے نہیں دیکھ رہی۔ یقیناً کسی سرخ جیپ نے ہمارا تعاقب کیا ہوگا پھر وہ ہم سے کوئی زبانی یا عملی مکالمہ کیے بغیر واپس چلے گئے، یہ بات مجھے ہضم نہیں ہورہی۔ تم کہہ رہے ہو تو ایسا ہی ہوا ہوگا اور..... یہ تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہوگا۔ متعاقب جیپ والوں کو تنہا تمہی نے فرار ہونے پر مجبور کیا ہوگا!''

میں نے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں کہا ''تم بھی عجیب بات کررہی ہو زرگل!''

''ہاں، بات تو عجیب ہے مگر تمہاری پراسراریت کی دلیل ہے۔''

''یہ تم مجھے پراسرار ثابت کرنے پر کیوں تلی بیٹھی ہو؟''

''اس لیے کہ تم جو نظر آرہے ہو، وہ نہیں ہو!''

زرگل کی اس بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا پھر اس چونکنے میں تشویش بھی شامل ہوگئی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا، کیا زرگل میری اصلیت جان گئی ہے؟ لیکن یہ کیسے ہوسکتا تھا۔ ہماری ملاقات کو لگ بھگ دو گھنٹے گزر رہے تھے۔ اس مختصر مدت میں وہ میری حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ مجھے پراسرار کیوں سمجھ رہی ہے، میں نے اس سے سوال کیا۔

''زرگل! میرے اندر تمہیں ایسی کون سی پراسرار بات نظر آئی ہے؟''

وہ گمبھیر آواز میں بولی ''تم نے مجھے اپنا نام وجیہ بتایا ہے جبکہ تہ خانے کے اندر، اس گینڈے نے تمہیں وجدان کہہ کر مخاطب کیا تھا جس پر تم نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔ غالباً اس نے تمہیں کسی منشا اور چوہدری دلدار نامی خطرناک افراد سے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی دھمکی کو تم خاطر میں نہیں لائے اور ان تینوں کو تہ خانے میں بند کرکے چلے آئے ہو۔ میں تمہیں وجیہ سمجھوں یا وجدان؟''

اس کے سوال میں بڑی طاقت تھی۔ اس سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ بہت ہی موقع شناس اور بہترین قوت مشاہدہ کی مالک تھی۔ اس کی یادداشت بھی بلا کی تھی۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''زرگل! میں دراصل دہری زندگی گزار رہا ہوں۔ کہیں وجیہ بن کر اور کہیں وجدان کی حیثیت سے۔ تم نے تہ خانے میں میرے تین دشمنوں کو دیکھا ہے، وہ مجھے وجدان کے نام سے جانتے ہیں۔ اس میں رازیا اسرار والی کوئی بات نہیں۔''

اس نے کہا ''یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم اپنے تین خطرناک دشمنوں کو ایک ایسے تہ خانے میں چھوڑ آئے ہو جس کا روشن دان پائیں باغ میں کھلتا ہے۔ کیا وہ لوگ روشن دان کے راستے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتے۔ تم شکل سے اتنے بے احتیاط تو نظر نہیں آتے!''

وہ بڑے کا نٹے کے سوال پوچھ رہی تھی۔ میں نے اپنی جیپ کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا ''پہلی بات تو یہ کہ اس روشن دان سے فرار کی کوشش کامیاب ہونا ممکن نہیں۔ اگر وہ کسی طرح اس پر نصب گرل کو اکھاڑ بھی لیں، تب بھی تین ضرب آدھا فٹ خلا میں سے کسی انسان کا گزرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ البتہ اگر وہ دیوار توڑنے کی مہم میں لگ جائیں تو بات دوسری ہے۔ اس کوشش میں بھی ان کی کامیابی کے امکانات اس لیے نظر نہیں آتے کہ اول تو تہ خانے میں ایسی کوئی شے دستیاب نہیں جس کی مدد سے وہ تہ خانے کی مضبوط دیوار میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع کر سکیں۔ بہ فرض محال، وہ لوگ یہ کام شروع کر بھی دیتے ہیں تو کنکریٹ بھری اس دیوار کو کاٹتے کاٹتے صبح ہو جائے گی جبکہ میں انہیں اتنی مہلت دینے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' میری بات ختم ہوئی تو اس نے جلدی سے پوچھا ''کیا تم اس طرف واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

میں نے کہا ''فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے اس دوست کی کوٹھی پر پہنچنے والا ہوں جس کی سابق کوٹھی میں ہماری پہلی ملاقات ہوئی ہے۔'' میں نے ذرا توقف کرنے کے بعد اضافہ کرتے ہوئے زرگل کو بتایا ''میں پہلی فرصت میں فرید پاشا کو تہ خانے کا احوال سناؤں گا۔ وہ خود ہی ان تینوں کا کوئی معقول بندوبست کر دے گا اور کوئی سوال؟''

''اور سرخ جیپ والوں کے بارے میں کیا وضاحت کرو گے؟''

''میں ابھی خود ان کے رویے کو سمجھ نہیں پایا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اپنے ہم شکل نقلی وجدان کے سلسلے میں زرگل کے سامنے میں لب کشائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہلے ہی مجھے کوئی پراسرار شخصیت قرار دینے کی مہم پر نظر آتی تھی۔ سرخ لینڈ کروزر فوریسیون تھری سیون میں، میں نے جو کچھ دیکھا تھا اگر اس کا ذکر کر بیٹھتا تو زرگل سوالات کر کر کے میری جان کھا جاتی۔ اسی لیے میں نے گول مول جواب دیا ''جب میری سمجھ میں کچھ آ جائے گا تو تمہیں بھی بتا دوں گا۔ ویسے تم خواہ مخواہ اپنے ذہن کو مت کھپاؤ۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری جان بچ گئی۔''

وہ مجھ پر نگاہ گاڑے خاموش بیٹھی رہی۔ میں نے گلبرگ روڈ کو کراس کرنے کے بعد جیپ کو اقبال روڈ پر ڈال دیا۔ سڑک گلبرگ کے وسط سے گزرتی ہے۔ اس دوران میں، میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے بیک ویو مرر میں بھی جھانکتا رہا لیکن سرخ یا کسی بھی اور رنگ کی کوئی گاڑی مجھے تعاقب میں دکھائی نہ دی۔ فرید پاشا کی جانب سے پہلے میں نے فوری اور احتیاط برتی اور گلبرگ مارکیٹ و مرتاب علی روڈ سے گھومتے پھرتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹ کر نسان پٹرول کو ''گلبرگ تھری'' کی طرف موڑ لیا۔ اب اس جیپ کو فرید پاشا کی کوٹھی کے سامنے ہی جا کر رکنا تھا، بلکہ اس کوٹھی کے اندر جا کر۔

''زرگل! تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا، تمہیں کہاں ڈراپ کروں؟'' میں نے اپنی ساتھی مسافر سے پوچھا ''میری منزل تو اب بہت قریب ہے۔''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی ''تم نے اب تک میری بڑی مدد کی ہے، میں اس کے لیے جتنا بھی شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔ جاتے جاتے ایک اور احسان بھی کر جاؤ۔''

''کیسا احسان زرگل؟''

اس نے کہا ''رات کا باقی حصہ اگر میں تمہاری منزل گزار لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ میں علی الصباح روانہ ہو جاؤں گی۔''

''میں اعتراض کا حق نہیں رکھتا۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''میری منزل دراصل میرے دوست کی کوٹھی ہے۔ یہ حق اسے حاصل ہے۔ اس سلسلے میں فرید پاشا کی اجازت ضروری ہے۔''

''اگر وہ تمہارا دوست ہے تو تمہارے ساتھ جانے والے کے لیے بھی اس کی کوٹھی میں ضرور گنجائش نکل آئے گی۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی ''دو گھنٹے پہلے تم اپنے دوست کی ایک کوٹھی میں میری بھرپور مدد کر چکے ہو اور بھی..... اس کی اجازت کے بغیر!'' تھوڑے توقف کے بعد اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے، فرید پاشا اعتراض نہیں کرے گا۔''

وہ بڑے منطقی انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ میں ایک لمحے سے لاجواب ہو گیا۔ میں نے کہا ''چلو ٹھیک ہے، اس طرح مجھے تمہاری کہانی سننے کا موقع بھی مل جائے گا۔ تم بھی کچھ پراسرار کردار نہیں ہو۔''

''مگر تم زیادہ گہرے ہو!'' وہ تیقن سے بولی۔

''اچھا!'' میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''لیکن تمہارے ہاتھ میں تو مجھے ایک ریوالور نظر آ رہا ہے۔''

''تو!'' زرگل نے اچنبھے نظر سے پہلے ریوالور کو اور پھر مجھے دیکھا ''یہ ریوالور حفاظت کے خیال سے تم نے ہی مجھے دیا تھا۔ کیا اسے میرے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے؟''

''کم از کم اس وقت نہیں!'' میں نے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔

اس نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا ''اس وقت کیوں نہیں؟''

''کیونکہ اس وقت تم میری گہرائی ناپ رہی ہو۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''میں توقع کر رہا تھا، تمہارے ہاتھ میں فیدم (FATHOM) ہوگا۔''

وہ اب بھی کچھ نہ سمجھی۔ مجھے یقین ہوگیا، وہ اس شے سے واقف نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے سایے لہراتے دیکھے۔ بالآخر وہ پوچھ بیٹھی۔

''یہ فیدم کیا ہوتا ہے؟''

''گہرائی ناپنے کا پیمانہ۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے بتایا ''جس کی لمبائی چھ فٹ ہوتی ہے۔''

وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نسان پٹرول میں جگنو سے جگمگا اٹھے ہوں۔ اس کی ہنسی بڑی روشن اور مترنم تھی۔ اب وہ پہلے سے کہیں مختلف زرگل نظر آ رہی تھی۔ وہ زرگل جو زندگی بچانے کے لیے پریشان نہ ہو بلکہ بچی ہوئی زندگی کو گزار کر خوش ہو۔ اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو دیکھ کر اس بات پر میرا یقین مزید پختہ ہوگیا کہ انسان کی راحت اور کلفت حالات اور ماحول کی رہین منت ہیں۔ وہ جس قسم کے حالات سے گزر رہا ہوتا ہے، اس کی سوچ، مزاج اور رویے پر اسی نوعیت کے اثرات مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں۔

زرگل کی ہنسی نے مسکراہٹ کا روپ دھارا اور وہ بڑی زندہ دلی سے بولی ''تم صرف گہرے ہی نہیں بلکہ شریر بھی ہو۔ تمہاری شرارت نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔''

''مجھ میں شرارت سے زیادہ حماقت بھری ہوئی ہے۔'' میں بھی اس وقت شوخی پر اتر آیا تھا۔

''حماقت!'' زرگل کے لہجے میں حیرت در آئی ''مجھے تو کہیں نظر نہیں آ رہی؟''

''یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے جو میں تمہارے ہاتھ میں پیمانہ ڈھونڈ رہا ہوں!'' میں نے بے دھڑک کہہ دیا ''پیمانے تو تمہاری آنکھوں میں فٹ ہیں۔''

اس کو چپ سی لگ گئی۔ نظر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگی۔

میں نے کہا ''بے چارہ چھ فٹا فیدم ان کے سامنے کیا چیز ہے۔ تمہارے پیمانوں کی رینج تو پتا نہیں.....''

بے ساختہ میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میری زبان کو پکڑ لیا ہو۔ شاید میرے اندر کوئی بیٹھا ہوا تھا جس نے ہاتھ بڑھا کر میری بولتی بند کر دی تھی، اس کے ساتھ ہی مجھے لگا، میں کوئی جرم کرنے جا رہا تھا۔ مجھے اپنے عمل پر پشیمانی کا احساس ہوا۔ کسی کے حسن کی تعریف کرنا کوئی بات نہیں لیکن میں اپنے اندرون سے مجبور تھا۔ جب سے ساحل مجھ سے جدا ہوئی تھی، گویا خوشیاں مجھ سے روٹھ گئی تھیں۔ شاید اسی سبب میں اپنے فعل پر ندامت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اپنے اندر ساحل کو اس گہرائی میں سجایا تھا کہ اس کا احساس میرے وجود کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ میری ہر سانس اس کی یاد سے مہکتی تھی، اس کے تصور نے میری ذات کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ میری اپنی زندگی ختم ہوگئی تھی۔ اب میں صرف اور صرف اسی کے لیے زندہ تھا۔

میرے نامکمل جملے نے زرگل کو خاموشی توڑنے پر مجبور کر دیا ''تم کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے تو بہت کچھ تھا۔ اچانک سب کیسے ختم ہوگیا؟''

''جو انسان کے اختیار میں نہیں ہو، اس پر'' اچانک حملہ آور ہو جاتا ہے۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔''

''تم اپنی سمجھ کو گھائل نہ کرو۔''

''پھر کس کو کروں؟''

''مجھے نہیں معلوم!'' میں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا اور ونڈ اسکرین کے پار سیاہ سڑک کو گھورنے لگا۔

اس کے بعد زرگل نے کوئی سوال نہیں کیا۔ یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ اس نے خاموشی اختیار کر کے ہماری کا ثبوت دیا تھا ورنہ میں ساحل کے تصور میں خلل پڑنے کوئی الٹا سیدھا سا جواب بھی دے سکتا تھا۔

محبوب کی یاد کا بھی ایک عجیب سا نشہ ہوتا ہے۔ یہ ہلکی آنچ دیتی ہے۔ اس کیف آگیں کیفیت کو وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے زندگی میں محبت کی ہو، کسی کو ٹوٹ چاہا ہو۔ چاہت کے اپنے آداب ہیں۔ یہ آگ کا ایک دریا ہے جس میں ڈوب کر پار اترنا پڑتا ہے۔ من میں لگی

شمع روشن نہ ہو تو یہ دریا تن پر آبلے ڈال دیتا ہے!

☆☆☆

فرید پاشا کے بنگلے پر ایک اور حیرت میری منتظر تھی!

فرید کی زبانی مجھے پتہ معلوم ہو چکا تھا، عمر دین نامی نئے سیکیورٹی گارڈ نے ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے صورت آشنا نہیں تھے چنانچہ گیٹ پر جب ہمارا سامنا ہوا تو تعارف کے باوجود بھی اس نے مجھے بنگلے میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کے رویے نے مجھے الجھا دیا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں پاشا کا بہت ہی قریبی دوست ہوں۔ کیا انہوں نے میرے بارے میں تمہیں بتایا نہیں؟''

وہ شک زدہ نظر سے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا ''سب کچھ بتایا تھا جی لیکن.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر زرگل کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ میری دوست ہے۔'' میں نے گارڈ کی الجھن کے پیش نظر کہا ''کیا تم اس کی وجہ سے پریشان ہو؟''

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''میں آپ کو دیکھ کر الجھ گیا ہوں کیونکہ آپ تھوڑی دیر پہلے بھی یہاں آئے تھے.....'' وہ اپنی بات کو نامکمل چھوڑ کر جلدی سے بولا ''ٹھہریں! میں اللہ دتا کو بلاتا ہوں۔''

یہ کہتے ہی وہ کیبن سے نکل کر کوٹھی کے اندر غائب ہوگیا۔ میں اس وقت عجیب و غریب صورت حالات سے دو چار تھا۔ گارڈ کا یہ کہنا کہ میں تھوڑی دیر پہلے بھی وہاں آیا تھا ناقابل یقین اور سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی۔ زرگل بھی سوالیہ نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تامل کرتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا ماجرا ہے وجیہ۔ تم تو لگ بھگ ڈھائی گھنٹے سے میرے ساتھ ہو؟''

میں نے کہا ''ماجرا تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا۔ اللہ دتا کو آ جانے دو پھر ہی کچھ پتا چلے گا۔''

''یہ اللہ دتا کون ہے؟'' زرگل نے پوچھا۔

''فرید پاشا کا ملازم ہے۔ باورچی کے فرائض انجام دیتا ہے۔''

''کمال ہے، گارڈ ایک خانساماں کو بلانے گیا ہے۔ کیا تمہارا دوست فرید پاشا کوٹھی میں موجود نہیں۔''

''اسے کوٹھی میں ہی موجود ہونا چاہیے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''فون پر میں اس سے بات کر چکا ہوں۔ اگر اسے کہیں جانا ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا!''

ہماری بات چیت کے دوران میں گارڈ، اللہ دتا کے ساتھ گیٹ پر نمودار ہوا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اللہ دتا چونکا پھر نسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت زدہ لہجے میں بولا ''جناب! یہ گاڑی اتنی جلدی کیسے ٹھیک ہوگئی..... اور یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟'' بات ختم کرتے ہی اس نے زرگل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے اللہ دتا؟'' میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا ''کوٹھی کا گیٹ کھولنے کے بجائے تم لوگ میرا انٹرویو کیوں کر رہے ہو؟ پاشا کہاں ہے.....؟ اور جیپ خراب ہونے کا کیا قصہ ہے۔ تم نے اس کے ٹھیک ہونے کی بات کیوں کی؟''

''آپ نے بہت زیادہ سوالات کر ڈالے ہیں۔'' اللہ دتا ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''کیا آپ تھوڑی دیر پہلے یہاں نہیں آئے تھے؟''

''یہ کیا بکواس ہے!'' میں نے تقریباً چیخ کر کہا ''پاشا کو فوراً یہاں بلاؤ۔''

وہ میرے جارحانہ انداز سے سہم گیا پھر میرے استفسار پر اس نے جو بتایا وہ ''یا الٰہی، یہ ماجرا کیا ہے!'' والی بات تھی۔ اس کے شروع ہوتے ہی میرا دھیان آپوں آپ ایک ناقابل حل مسئلے کی طرف چلا گیا۔ اللہ دتا کے بیان کے مطابق، میں ایک سرخ لینڈ کروزر میں تھوڑی دیر پہلے اس کوٹھی پر آیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ نسان پٹرول اچانک خراب ہوگئی تھی اور میں اسے ایک گیراج میں چھوڑ آیا تھا۔ میں نے کوٹھی میں پندرہ بیس منٹ گزارے اور ڈارلنگ کو لے کر پھر کہیں نکل گیا۔

ڈارلنگ والی بات نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔ یہ تو میں سمجھ گیا تھا، سرخ جیپ میں یہاں آنے والا وہی بہروپیا تھا جو شادمان کالونی سے میرا تعاقب کرتے ہوئے نہر کے کنارے پہنچا تھا اور مجھ سے کلام کیے بغیر رفو چکر ہوگیا تھا۔ یقیناً اس کے بعد اس نے ادھر ہی کا رخ کیا تھا۔ یہ کم بخت نقلی وجدان بہت ہی خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ ڈارلنگ کو وہ اگر اپنے ساتھ لے گیا تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا، وہ شاطر بلی بھی اس سے دھوکا کھا گئی۔ یہ تو بہت ہی تشویش ناک صورت حال تھی۔ ڈارلنگ کا دھوکے میں آ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

''وہ کس طرف گیا ہے اور کب واپس آئے گا؟'' میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا حالانکہ مجھے یقین تھا، وہ واپسی کے ارادے سے نہیں گیا ہوگا۔

اللہ دتا گمبھیر آواز میں بولا ''جناب! آخر معاملہ کیا ہے۔ آپ دونوں میں اصلی کون ہے۔ یہ تو میں نے محسوس کر لیا ہے،

کوئی بڑی گڑبڑ ہو چکی ہے۔''

اللہ دتا ایک معاملہ فہم اور دور اندیش شخص ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''وہ ایک بہروپیا ہے۔ بہت ہی خطرناک انسان۔ میں اصلی وجدان ہوں۔ تم جلدی سے گیٹ کھلواؤ اور پاشا کو بتاؤ، میں واپس آ گیا ہوں۔''

اللہ دتا نے موقع محل دیکھتے ہوئے گارڈ کو اشارہ کیا کہ وہ ہمارے لیے کوٹھی کا گیٹ کھول دے۔ میں جیپ کو اندر لے گیا پھر ہم دونوں گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ اللہ دتا ہمارے نزدیک ہی کھڑا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے ایک اور انکشاف کیا۔

''صاحب! پاشا صاحب تو اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں ہیں۔''

''وہ کہاں چلے گئے بھئی؟'' بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

اللہ دتا نے بتایا ''انہیں اچانک سید پور جانا پڑ گیا ہے۔ بڑے پاشا صاحب کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ فرید صاحب اپنی بیگم کے ساتھ ادھر گئے ہیں۔''

بڑے پاشا سے اس کی مراد فرید کا باپ کمال پاشا تھی۔ یہ خبر بڑی ہولناک اور سنسنی خیز تھی۔ میں نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ لوگ یہاں سے کتنے بجے روانہ ہوئے ہیں؟''

''سات بجے۔'' اللہ دتا نے بتایا۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ اس کا مطلب تھا، پاشا کو گئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ یہ لگ بھگ وہی وقت تھا جب میں گینڈا نما قادر بخش کا انٹرویو کر رہا تھا۔ حالات نے اچانک سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی۔

میں نے اللہ دتا سے پوچھا ''اچھی طرح سوچ کر بتاؤ، وہ شاطر بہروپیا کتنی دیر پہلے یہاں سے گیا ہے اور اس نے اپنی واپسی کے بارے میں کیا بتایا ہے؟''

''میرے خیال میں اسے گئے ہوئے بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔'' اس نے بتایا ''اس نے جاتے ہوئے یہی کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں واپس آ جائے گا۔''

''وہ اپنے ساتھ میری چہیتی بلی کو بھی لے گیا۔'' میں نے ترش لہجے میں کہا ''اور تم لوگوں نے اسے روکا تک نہیں؟ یہ کیسی غیر ذمے داری ہے۔ کیا میں اسے خیانت سمجھوں؟''

وہ افسوس ناک انداز میں بولا ''ہم کیا کرتے جناب! ہم تو یہی سمجھے، آپ ہیں۔ آپ کو ہم کس طرح منع کر سکتے ہیں کہ ڈارلنگ کو اپنے ساتھ نہ لے کر جائیں۔''

وہ بے چارہ بھی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا ''چلو، گاڑی کے حوالے سے تو اس نے یہ جواز پیش کر دیا کہ وہ خراب ہو گئی ہے۔ تم لوگوں نے اس کے لباس پر بھی دھیان نہیں دیا۔ اس نے سفید پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور..... میرا لباس تم دیکھ ہی رہے ہو؟''

ہم باتیں کرتے ہوئے کوٹھی کے اندر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے تو اللہ دتا نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اسے ذہنی طور پر چونکہ وجدان ہی سمجھ رہے تھے اس لیے اس کے لباس پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اب آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آ رہا ہے، اس چکر باز نے واقعی سفید کوٹ پہن رکھا تھا حتیٰ کہ اس کے پاؤں میں جوتے بھی سفید ہی تھے۔ اوہ میرے خدایا! یہ تو بہت غضب ہو گیا۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا ''ہم سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ واقعی، آپ تو اسی لباس میں کوٹھی سے روانہ ہوئے تھے۔ آپ ہی اصلی وجدان ہیں۔'' پھر اس کا انداز ملتجیانہ ہو گیا ''صاحب! میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا ''مجھ سے ایک سنگین خطا ہو گئی۔ اب اگر وہ بہروپیا مجھے نظر آ گیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے قدرے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا ''غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے اور اس غلطی میں تم بہت زیادہ قصوروار نہیں ہو۔ جو معاملات حالات کی ستم ظریفی نے بگاڑ دیئے ہیں ان سے میں نمٹ لوں گا۔ تم اپنے ہاتھوں کو کنٹرول میں رکھو۔''

آخری جملہ میں نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ادا کیا تھا۔ وہ شرمندہ صورت بنا کر بولا۔

''اگر پاشا صاحب کو میری اس حماقت کا پتا چل گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔''

میں نے کہا ''یہ واقعہ پاشا سے چھپا نہیں رہ سکتا اور یہ ممکن ہے، وہ تم سے سخت خفا بھی ہو بہرحال، گئے ہوئے وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔''

وہ ندامت آمیز انداز میں گردن کو جھٹکنے لگا۔

میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے پوچھا ''یہ تم نے نقلی وجدان کو پاشا کی، سید پور روانگی کے بارے میں بتایا تھا؟''

''ہاں، بتایا تھا جناب۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے

بولا ''اس پر اس نے پوچھا تھا، وہ واپس کب آئیں گے۔ ظاہر ہے، میرے لیے وہ وجدان تھا اس لیے میں نے اسے ایک ایک بات ٹھیک ٹھیک بتا دی۔ پاشا صاحب سید پور کس وجہ سے گئے ہیں اور یہ کہ کل سے پہلے ان کی واپسی ممکن ہے۔ میں پاشا صاحب کے عزیز دوست وجدان سے کیونکر جھوٹ بولتا!''

اللہ دتا اپنی جگہ درست کہہ رہا تھا لیکن اس کی فراہم کردہ اطلاع میرے لیے قیامت در قیامت تھی۔ وہ چالباز بہروپیا میری ڈارلنگ کے ''اغوا'' کے ساتھ اس کوٹھی سے یہ معلومات بھی حاصل کر کے لے گیا تھا کہ صاحب خانہ آج کی رات بھی کوٹھی پر نہیں۔ وجدان اور دو ملازم اس رات کوٹھی میں ہوں گے۔ پاشا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کا کوئی ٹھوس بندوبست کر لے گا لیکن کوٹھی کے اندرونی الوقت مجھے ایسے آثار نہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ خانساماں اللہ دتا اور سیکیورٹی گارڈ عمر دین کے علاوہ کوٹھی میں یا تو میں تھا یا پھر زرگل۔

اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ میرا ہو بہو روپ بھرنے والا وہ نقلی وجدان کسی بھی طور میرا دوست نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے مکالمہ کیے بغیر دم دبا کر موقع سے فرار نہ ہو جاتا۔ وہ یقیناً میرے دشمنوں کا بھیجا ہوا تھا جو میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ڈارلنگ کو بڑی صفائی سے کوٹھی سے نکال لے گیا تھا۔ یہ میرے لیے ایک کھلا چیلنج تھا، گویا اس نے شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ ایک کامیاب کوشش! ازاں بعد ہی سہی، مگر مجھے اس جی دار بازو کو اپنے دانتوں تلے پیسنا تھا جو میری ڈارلنگ کو مجھ سے چھین کر لے گیا تھا۔

اس وقت میرے لیے تشویش کی بات یہ تھی کہ میرے دشمن اس بات سے آگاہ ہو گئے تھے کہ اس رات میں کوٹھی میں باآسانی شکار کیا جا سکتا ہوں۔ کسی بڑے بیرونی حملے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میں بے اختیار سنسنی خیز نظر سے اللہ دتا کو دیکھنے لگا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر ندامت سے نگاہ جھکالی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ''پاشا صاحب نے میرے لیے کیا پیغام چھوڑا ہے؟''

میں نقلی وجدان کی شرانگیز حرکت سے اس قدر کبیدہ خاطر ہوا تھا کہ پاشا کے باپ کا معاملہ نادانستہ طور پر پس پشت چلا گیا۔ پاشا کو میں دل سے دوست تسلیم کر چکا تھا۔ اس کے باپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، یقینی طور پر یہ میرے لیے بھی کسی صدمے سے کم نہیں تھا۔ دوست کی مصیبت کو نظر انداز کرنا اعلیٰ درجے کی کم ظرفی کہلاتی ہے۔

اللہ دتا نے مجھے بتایا ''پاشا صاحب کو جیسے ہی فون پر پتا چلا کہ بڑے پاشا صاحب کو دل کا دورہ پڑا ہے تو انہوں نے سب سے پہلے آپ ہی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے آپ کو فاضلیہ کالونی والی کوٹھی پر فون کیا تھا لیکن آپ نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر ریاض سے بات کی۔ ریاض صاحب دل کے ڈاکٹر ہیں اور بڑے پاشا صاحب کے معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ پاشا صاحب کے ساتھ ہی سید پور گئے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''آپ کے لیے انہوں نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ جب آپ واپس آ جائیں تو پھر تمام وقت کوٹھی کے اندر ہی موجود رہیں۔ وہ سید پور پہنچنے کے بعد کسی بھی وقت آپ کو فون کریں گے؟''

میرے سینے سے ایک طویل اور گہری سانس خارج ہوئی۔ فون کے ذکر پر وہ واقعہ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا جب فاضلیہ کالونی والی خالی کوٹھی فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ میں نے دو فائرنگ برسٹ کے دوران میں، کوٹھی کے کسی حصے میں فون کی گھنٹی کی آواز واضح طور پر سنی تھی۔ ازاں بعد کی افراتفری اور ہلچل نے میرا دھیان اس طرف سے ہٹا دیا تھا۔ اگر اس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ پاشا مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو میں کسی طرح فون اٹینڈ کرنے کے بارے میں سوچ سکتا تھا لیکن افسوس کہ میں اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

کمان سے نکلا ہوا تیر اور بیتا ہوا لمحہ لوٹ کر واپس نہیں آتا اس لیے پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے اللہ دتا سے کہا۔

''کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں تم نے کوئی بندوبست کیا ہے؟''

وہ دھیمی آواز میں بولا ''پاشا صاحب جس افراتفری کے عالم میں یہاں سے رخصت ہوئے ہیں اس واقعے نے مجھے بہت دل شکستہ کر دیا ہے۔ باقاعدہ کھانے کا اہتمام تو نہیں کیا گیا لیکن میں پندرہ بیس منٹ میں تیار کر لوں گا۔''

سچی بات تو یہ ہے کہ خود میرا کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کھانے والا سوال میں نے محض زرگل کی وجہ سے کیا تھا۔ جن حالات میں ہماری ملاقات ہوئی تھی اس سے لگتا تھا، پچھلے کئی گھنٹوں سے، زندگی بچانے کی سعی نے اسے کھانا کھانے کی مہلت نہیں دی ہو گی۔ دل بوجھل اور ذہن پراگندہ ہی سہی مگر

زندگی کے تقاضے نبھانا پڑتے ہیں جن میں اولین تقاضا یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لیے کھانا چاہیے، چاہے وہ کھانا زہر مار ہی کیوں نہ کیا جائے۔

میرے اشارے پر اللہ دتا اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگا تو میں نے تاکیدی لہجے میں کہا ''کسی تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس تھوڑا سا سیدھا سادہ کھانا تیار کرلو۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے اضافہ کیا ''اور کچن میں مصروف ہونے سے پہلے ذرا سیکیورٹی گارڈ کی طرف بھی چکر لگالو۔ وہ نیا بندہ ہے۔ شروع ہی سے ٹائٹ کرکے رکھو گے تو بعد میں پریشانی نہیں ہوگی۔ اسے اچھی طرح سمجھا دو، اپنی آنکھیں کھلی اور حواس بیدار رکھے۔''

اللہ دتا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے رخصت ہوگیا۔

اللہ دتا سے ہونے والی گفتگو کے دوران میں زرگل بالکل خاموش بیٹھی رہی تھی لیکن جیسے ہی اس نے دیکھا، ہمیں تنہائی میسر آگئی ہے، اس کی زبان کھل گئی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''وجیہ! یہ نقلی وجدان یا بہروپیے کا کیا چکر ہے؟''

میں نے جواب دیا ''یہ چکر! ابھی پوری طرح میری بھی سمجھ میں نہیں آسکا۔ میرا خیال ہے، یہ میرے دشمنوں کی کوئی گہری چال ہے لیکن.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر زرگل کو دیکھا اور کہا ''مجھے امید ہے، میں اس سازش کو بہت جلد بے نقاب کردوں گا۔''

''وہ تو اس کوٹھی سے تمہاری ڈارلنگ کو بھی لے گیا۔'' زرگل نے مزید کہا ''اس ڈارلنگ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ یہ کردار بھی میرے ذہن کو اچھا خاصا الجھا رہا ہے!''

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ڈارلنگ دراصل میری بلی کا نام ہے۔ وہ بہت ہی کیوٹ پالتو بلی ہے مگر اس بہروپیے کے جھانسے میں آگئی۔ وہ اسے وجدان ہی سمجھی ہوگی۔''

''میں اسی پہلو سے الجھ رہی ہوں وجیہ۔'' وہ سنجیدگی سے بولی ''جانور اور خاص طور پر پالتو جانور تو بہت ہی سمجھ دار اور مالک شناس ہوتے ہیں۔ ان کی حس نہایت ہی تیز ہوتی ہے۔ وہ تو اپنے آقا کے قدموں کی چاپ سے اس کی موجودگی کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ان کی حساسیت جسم کی مخصوص بو کو بھی الگ الگ شناخت کرلیتی ہے۔ تمہاری ڈارلنگ یقیناً تمہارے لمس اور جسم کی مخصوص مہک سے آشنا ہوگی۔ تمہارا سوانگ بھرنے والا کوئی بہروپیا اسے بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ ان لوگوں کے بیان کے مطابق ڈارلنگ بڑی شرافت سے اس نقلی وجدان کے ساتھ چلی گئی ہے۔ یہ واقعہ مجھے توہضم نہیں ہو رہا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

زرگل نے بہت ہی اہم سوال اٹھایا تھا۔ واقعی ڈارلنگ ایک جانور ہونے کے ناتے مجھے اور میرے لمس کو بہت اچھی طرح جانتی اور پہچانتی تھی۔ وہ نقلی اور اصلی وجدان میں بخوبی تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور پھر ڈارلنگ کوئی عام جانور بھی نہیں تھی۔ اب تک اس بلی کے جتنے روپ اور کارنامے میرے سامنے آچکے تھے وہ حیران کن اور بعض ناقابل یقین تھے۔ اسے دھوکا یا چھانسا دینا ہاشا کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ بہروپیا اگر اس کوٹھی سے ڈارلنگ کو اپنے ساتھ لے گیا تھا تو یقیناً اس نے کوئی بہت بڑا چمتکار دکھایا ہوگا۔ اب رفتہ رفتہ اس نقلی وجدان کی کاریگریاں مجھ پر کھل رہی تھیں۔ وہ میری کامیاب ڈمی کا بھرپور رول ادا کررہا تھا۔

زرگل ڈارلنگ کے کارناموں سے واقف نہیں تھی اس لیے اس کے ذہن میں ڈارلنگ کا تصور کسی عام بلی ایسا ہوگا۔ میں سردست اسے ڈارلنگ کے بارے میں کسی تفصیل میں لے جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا اسی لیے مبہم انداز میں کہا۔

''تم نے بات تو بہت پتے کی کی ہے۔ لگتا ہے، وہ بہروپیا کوئی جادو وغیرہ بھی جانتا ہے!''

''گویا نقل بمطابق اصل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔'' وہ معنی خیز نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی ''تم بھی کون سے کم تھی ہو۔ میں نے تمہیں پراسرار ایسے ہی تو نہیں کہہ دیا۔''

میں نے موضوع بدلتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''تمہارے کندھے کا درد اب کیسا ہے؟''

''کوئی خاص نہیں۔'' وہ گھائل شانے کو اچکاتے ہوئے بولی ''میں تو اسے بھول ہی گئی تھی۔''

میں نے کہا ''کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تم لباس تبدیل کرلینا۔ میں تمہیں ڈھنگ کا کوئی زنانہ لباس نکلوا دوں گا۔ اسی وقت تمہارے کندھے کا معائنہ بھی کرلوں گا۔ میرا خیال ہے، پاشا کی کوٹھی میں فرسٹ ایڈ کا سامان موجود ہوگا۔ تمہاری معقول سی ڈریسنگ ہوجائے تو آرام سے سو جانا۔ باہر نہیں، کل کی صبح تمہارے لیے کن ہنگاموں کا تحفہ لے کر آئے گی۔''

اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر تھا، وہ اچھی طرح سمجھ رہی ہے کہ میں نے گفتگو کا موضوع کیوں بدلا ہے۔ دل کی بات کو زبان پر نہ لاتے ہوئے بولی ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو وجیہ! کل کی صبح کا کوئی بھروسا نہیں۔ آج کی رات غنیمت ہے گزر جائے تو غنیمت ہوگا۔''

''انشاء اللہ سب خیریت رہے گی۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''اگرچہ حالات ایسے نظر نہیں آرہے۔'' وہ خیال افروز انداز میں بولی ''مجھے خدشہ ہے، وہ بہروپیا ضرور کوئی نیا گل کھلائے گا۔ اس کی حرکت کو میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔''

''کون سی حرکت؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی ڈارلنگ کے اغوا والی حرکت۔'' اس نے لفظ اغوا پر زور دیتے ہوئے کہا ''وہ یہاں آیا، اس کوٹھی کے ملازمین کی آنکھوں میں دھول جھونکی اور صرف ایک پالتو بلی پر قناعت کرکے خاموشی سے چلا گیا۔ اگر وہ واقعی تمہارا دشمن ہے تو بڑا عجیب دشمن ہے..... اور اگر وہ واقعی صرف تمہاری بلی حاصل کرنے یہاں آیا تھا تو پھر تمہاری بلی نہایت ہی غیر معمولی ہوگی!''

وہ بہت مہارت سے حالات کا تجزیہ کررہی تھی۔ میں اس کے دلائل کو رد نہیں کرسکتا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی کہ وہ مکار صرف ڈارلنگ پر ہی اکتفا کرکے کیوں چلتا بنا؟ فوری طور پر اس کا جو جواب ذہن میں آرہا تھا وہ یہی تھا کہ وہ شخص یا اس کے پیچھے کام کرنے والا دماغ ڈارلنگ کی پراسراریت والا راز ضرور جانتا ہوگا۔ کہیں ایسا تو نہیں.....''

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال چمکا ''کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈارلنگ کو کسی خاص مقصد کے تحت اغوا کیا گیا ہو۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے میری ڈمی سے کام لیا گیا تھا۔ عین ممکن تھا، یہ کام میرے یا ڈارلنگ کے کسی نئے دشمن نے کروایا ہو؟

یہ سوال بیکڑوں مختلف النوعیت سوالات کو جنم دیتا تھا جن کے جوابات کے بارے میں فی الوقت کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہرحال، میری زندگی میں نقلی وجدان والا ایک نیا سلسلہ چل نکلا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا، آگے چل کر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ صورت حالات اچانک ہی گمبھیر اور الجھن زدہ ہوگئی تھی۔

اس دوران میں زرگل ٹخنکی باندھے مجھے دیکھے چلے جارہی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے جو نکات اٹھائے تھے میں نے ان کے جواب میں ابھی تک کچھ نہیں کہا تھا۔ زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا ''ان تمام پہلوؤں پر فرصت سے غور کروں گا۔''

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا ''اس کوٹھی میں آنے کے بعد تم نے ملازمین سے جو بات چیت کی ہے اس سے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ ہمارا تعاقب کرنے والی سرخ لینڈ کروزر میں یہی بہروپیا موجود تھا لیکن وہاں نہر کے کنارے تم نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''اس وقت اس بارے میں تمہیں کچھ بتانا میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔''

''بتایا تو اب بھی نہیں، میں نے خود اندازہ لگایا ہے۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''تم نے اپنی ذہانت کا اظہار کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ پیتر ابدلتے ہوئے بولی ''یہاں سب دوست اور دشمن تمہیں وجدان کہہ کر مخاطب کررہے ہیں، اس سے میں الجھن محسوس کررہی ہوں۔ مجھے اس بات کی گرہ نہیں کہ تم وجدان ہو یا وجیہ؟ میں اپنی آسانی کے لیے اگر تمہیں وجدان ہی سمجھوں تو تمہیں اس پر اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے قطعیت سے کہا ''اپنے ذہن کو الجھانے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ تم مجھے وجدان سمجھتی اور پکارتی رہو۔''

ہمارے درمیان اسی نوعیت کی چھوٹی موٹی باتیں جاری تھیں کہ اللہ دتا نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگنے کی نوید سنائی۔ ہم ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اس جانب بڑھ گئے۔

کھانے کے بعد میں نے اللہ دتا کے توسط سے نائلہ کا ایک دھلا ہوا لباس حاصل کرکے زرگل کو تھما دیا۔ اللہ دتا کا دنیا میں کوئی نہیں تھا اور وہ ایک طویل عرصے سے پاشا کی کوٹھی میں کام اور آرام کررہا تھا۔ اس وجہ سے اس کی حیثیت گھریلو ملازم کے ساتھ ساتھ ایک فیملی ممبر ایسی تھی۔ اللہ رکھی اور اس کی بیٹی آمنہ کام ختم کرنے کے بعد اپنے گھر چلی جاتی تھیں۔

زرگل لباس تبدیل کرکے واش روم سے نکلی تو میں نے اس کے زخمی بازو کا جائزہ لیا۔ میرے استفسار پر اللہ دتا فرسٹ ایڈ باکس اٹھا لایا۔ کندھے کا زخم تشویش ناک نہیں تھا۔ میں نے متاثرہ حصے کو ایک اینٹی سپٹک لوشن سے صاف کیا اور وائونڈ ہیلنگ کریم لگا کر پٹی باندھ دی۔ مذکورہ وائونڈ ہیلنگ کریم (WOUND HEALING) کسی غیر ملکی کمپنی کی بنی ہوئی تھی جو زخم کی مزاج پرسی کے لیے بڑی مستند سمجھی جاتی تھی۔

اس ضروری کام سے نمٹنے کے بعد میں زرگل کو اپنے ساتھ بالائی منزل والے بیڈروم میں لے گیا اور کہا ''آج کل میں کوٹھی کے اس کمرے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم آرام سے یہاں ایک محفوظ اور گہری نیند لے سکتی ہو، کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ میں نچلی منزل کے کسی کمرے میں رات گزار لوں گا، تم چاہو تو دروازے کو اندر سے بند بھی کرسکتی ہو۔''

وہ کمرے کے در و دیوار اور کھڑکیوں پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑاتے ہوئے بولی ''ٹھیک ہے، تم کہہ رہے ہو تو میں یقین کر لیتی ہوں۔ تم نے اب تک میری حفاظت کی ہے اس لیے میں تمہاری باتوں کو غلط سمجھ ہی نہیں سکتی۔''

''ویسے تو اس بیڈ روم میں ہر ضروری چیز موجود ہے۔'' میں نے زرگل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا ''اگر پھر بھی تمہیں کچھ چاہیے ہو تو بلا تکلف بتا دینا۔''

''بتا دوں گی۔'' اس نے مختصر گوئی پر اکتفا کیا۔

اس وقت زرگل کے بدن پر نائلہ کا گلابی لباس تھا جو بڑھ چڑھ کر پھب رہا تھا۔ زرگل کی رنگت میں پہلے ہی دودھ اور گلاب کی آمیزش تھی، اس گلابی پہناوے نے اس کے حسن بے داغ میں چاندنی بھر دی۔ وہ اس وقت بلاشبہ گلاب بدن نظر آ رہی تھی۔ میرے پاس خوشہ چینی کی گنجائش تھی اور نہ ہی بھوروں کا وقت لہٰذا اس اجنبی اور مصیبت زدہ لڑکی پر ایک بھرپور نظر ڈال کر میں بیڈ روم سے نکل آیا۔

زیریں منزل تک پہنچانے والے زینے طے کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا، کہیں زرگل کو یہاں لا کر میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی؟ اگر یہ غلطی تھی بھی تو بہرحال اب ہو چکی تھی پھر میرا خیال اپنے سامان کی طرف چلا گیا۔ میں چونکہ بالائی منزل کے اسی بیڈ روم میں ٹھہرا ہوا تھا اس لیے میرا سفری بیگ اسی کمرے کی ایک الماری میں رکھا تھا اور وہ الماری لاک تھی۔ اول تو زرگل اس بیگ تک پہنچ نہیں سکتی تھی اور بالفرض پہنچ بھی جاتی تو وہاں اس کے مطلب کی کوئی چیز نہیں تھی۔

میں زیریں منزل پر واقع ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ فرید پاشا کے فون کا انتظار کرنا ضروری تھا۔ وہ ایک بڑی مصیبت سے نبرد آزمائی کے لیے گیا تھا۔ اسے کسی بھی وقت میری مدد کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اگر ان نازک ترین حالات میں، میں اس کے کام نہ آتا تو ایسی دوستی اچار مربا ڈالنے کے سوا کس کام کی تھی۔

اللہ دتا بھی میرے پاس آ بیٹھا۔ کھانے کے بعد چائے کا ایک دور چل چکا تھا پھر بھی وہ میرے لیے عمدہ قسم کی کافی بنا لایا۔ کافی اور چائے وغیرہ مجھ پر معکوس اثرات مرتب کرتی ہیں۔ عام طور پر ان مشروب سے نیند اڑ جاتی ہے اور بھوک مر جاتی ہے لیکن چائے کافی کے استعمال کے بعد میں واضح طور پر بھوک محسوس کرنے لگتا ہوں، گویا میرے لیے یہ دونوں اشتہا انگیزی کا کردار ادا کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی سلیپنگ پلز کے طور پر بھی کام کرتی ہیں۔

اللہ دتا نے اتنی محبت سے کافی پیش کی کہ میں انکار نہ کر سکا۔ ہمارے درمیان ہلکی پھلکی بات چیت ہونے لگی تو وہ موضوع گفتگو کو نقلی وجدان کی طرف لے گیا۔ اس حوالے سے اس کا ذہن کسی گہرے تجسس کی لپیٹ میں تھا اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ میں خود اس بدمعاش کی ''شیطانی'' کے سبب بری طرح الجھا ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہمارے درمیان گفتگو دراز ہو جاتی، ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اللہ دتا کے منہ سے بے اختیار نکلا ''یہ اسی لڑکی کا فون ہوگا!''

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا ''کون لڑکی؟''

''وہ اپنا نام صدف بتاتی ہے۔''

''اوہ!'' میں نے ایک گہری سانس لی اور فون کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

ریسیور اٹھانے سے قبل میں نے دوسری گھنٹی بجنے کا انتظار کیا۔ پہلی گھنٹی پر فون انٹینڈ کرنے پر عموماً لائن کٹ جاتی ہے۔ میرا انتظار طول کھینچ گیا مگر دوسری گھنٹی نہ بجی۔ ایک گھنٹی کے بعد ٹیلی فون سیٹ خاموش ہو گیا تھا۔

میں نے اللہ دتا سے پوچھا ''کیا صدف نے پہلے بھی فون کیا تھا؟''

''کم از کم دس مرتبہ۔'' اس نے جواب دیا ''پاشا صاحب کی روانگی کے فوراً بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے اس نے آخری فون کیا تھا..... اور ہر مرتبہ اس نے آپ کا پوچھا۔ لگتا ہے، اسے آپ سے کوئی بہت ہی ضروری کام ہے لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہو رہی ہے کہ جب سے آپ آئے ہیں، اس کا فون نہیں آیا۔ بات نہیں، اس کا کیا مسئلہ ہے؟''

میں نے پرسوچ انداز میں کہا ''اس کا مسئلہ تمہاری سمجھ میں آنے والا نہیں۔''

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

صدف کو میں کافی دیر سے بھولا ہوا تھا۔ دوپہر میں وہ اپنی کزن نادیہ کے ساتھ مجھ سے ملنے یہاں آئی تھی اور بوقت رخصت میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں شام میں اسے فون کروں گا۔ وہ مجھ سے کنگ فو (KUNG- FU) کے چند داؤ پیترے سیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے ریس کورس پارک میں آنے کی دعوت بھی دی تھی لیکن جس شام کو ہمیں اس پارک میں ملنا تھا وہ شام تو میں نے ایک خفیہ تہ خانے میں ''بتا'' دی تھی۔ میری طرف سے رابطہ نہ ہونے پر وہ یقیناً پریشان ہوئی ہوگی اور ٹیلی فون کا تانتا اسی سبب تھا۔

بعض اوقات انسان عجیب و غریب حالات سے گزرتا ہے۔ اسے جہاں جانا ہوتا ہے وہ اس مقام کے قریب سے گزرتا ہے لیکن بے بسی اسے کچھ یاد نہیں آنے دیتی۔ وہ اپنے مسائل کے چکر میں ایسا گھن چکر بنتا ہے کہ اپنا مطلوبہ مقام اسے دکھائی ہی نہیں دیتا یا اگر نظر آتا ہے تو اس تک رسائی اس کے بس میں نہیں ہوتی۔

میں گزشتہ شام اور رات کے پہلے حصے میں شادمان کالونی اور ریس کورس پارک کے پاس سے گزرا تھا۔ کالونی میں صدف کا قیام تھا اور پارک میں وہ مجھ سے استفادہ کرنا چاہتی تھی مگر ان دونوں مقامات پر اس سے رابطے میں نہ آ سکا۔ سرخ لینڈ کروزر والے نقلی وجدان نے مجھے مہلت نہ دی اور میں اسے چکر دینے کے لیے سڑکوں پر سڑکیں بدلتا یہاں تک چلا آیا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں ایک ٹک ٹیلی فون سیٹ کو بھی دیکھ رہا تھا مگر پہلی گھنٹی کی تکمیل کے بعد وہ ایسا خاموش ہوا تھا جیسے زبان پر مہر لگوالی ہو۔ میں اللہ دتا کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''صدف نے پاشا کی موجودگی میں بھی فون کیا تھا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا ''کیا ہو تو مجھے معلوم نہیں کیونکہ وہ فون پاشا صاحب نے اٹینڈ کیا ہوگا۔ میں تو ان کے جانے کے بعد فون سن رہا ہوں۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا ''صدف نامی یہ لڑکی بہت باتونی ہے، سوالات کر کر کے مغز پچی کر دیتی ہے۔ اس نے تمہاری جان تو بہت کھائی ہوگی؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں وجدان صاحب۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''اس نے ہر مرتبہ مجھ سے چند مخصوص سوال پوچھے ہیں اور سب آپ سے متعلق۔ مثلاً آپ کہاں گئے ہیں؟ کب گئے ہیں؟ کیوں گئے ہیں؟ اور واپس کب آئیں گے؟'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میں بھلا ان سوالات کے کیا جواب دے سکتا تھا۔ مجھے آپ کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں تھا لہٰذا ہر مرتبہ معذرت کر دی، البتہ۔'' اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہو پھر جلدی سے بولا ''ایک مرتبہ اس نے پاشا صاحب کے بارے میں بھی پوچھا تھا اور میں نے اسے بتا دیا کہ پاشا صاحب کے والد صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اس لیے وہ اپنی بیوی کے ساتھ باپ کو دیکھنے سید پور گئے ہیں۔ اس کے بعد جانتے ہیں، اس لڑکی نے کیا سوال کیا؟''

وہ خاموش ہو کر استفسار یہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں چونکہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اس لیے کہہ دیا ''میں نہیں جانتا۔ یہ بات بھی تم ہی بتا دو!''

اس نے بتایا ''وہ پوچھنے لگی، وجدان تو پاشا انکل کا بہت گہرا دوست ہے۔ اگر پاشا صاحب کے والد کی طبیعت اتنی خراب ہے تو یقیناً وہ بھی انہیں دیکھنے جائے گا؟ میں صدف کو بتا چکا تھا کہ پاشا صاحب آپ سے ملے بغیر یہاں سے گئے ہیں، شاید اسی حوالے سے اس نے یہ بات کی تھی۔ میں نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا کہ پاشا صاحب سید پور سے فون کر کے وہاں کے حالات سے آگاہ کریں گے اور اگر ضرورت محسوس کریں گے تو وجدان کو اپنے پاس بلا لیں گے۔ اس نے پوچھا، وجدان کی روانگی جلدی سے جلدی کب تک ممکن ہے؟ میں نے بتا دیا، وہ کل صبح ہی جا سکیں گے۔ اس کے بعد بھی اس نے دو تین مرتبہ فون کیا اور آپ ہی کے بارے میں پوچھا کہ آپ واپس آ گئے یا نہیں!''

میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا ''میری سید پور جانے والی بات تم نے اپنی طرف سے کی تھی یا پاشا نے ایسا کوئی اظہار کیا تھا؟''

''میں اپنی طرف سے کیوں کروں گا جی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''پاشا صاحب نے واضح الفاظ میں کہا تھا، وہ صبح آپ کو بھی بلا لیں گے۔ شاید آپ پہلے ہی سید پور جانے والے تھے اور آپ نے کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہونا تھا۔ چھوٹے پاشا صاحب آپ کو لینے آنے والے تھے لیکن ان کی آمد سے پہلے ان کا فون آ گیا۔ نوید پاشا صاحب ہی نے والد کے ہارٹ اٹیک کی خبر فون پر دی تھی۔'' میں گمبھیر انداز میں اسے سن رہا تھا۔ اس نے مزید کہا ''صدف آپ کے لیے بہت پریشان تھی اس لیے میں نے اسے آپ کے بارے میں بتا دیا کہ آپ کل صبح سید پور جانے والے ہیں۔''

''یہ سن کر اس کی پریشانی اور بڑھ گئی ہوگی۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا ''خیر، اب اس کا فون آیا تو میں خود بات کر لوں گا۔''

اللہ دتا ایسی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا جیسے صدف کے بارے میں، میں نے کوئی عجیب بات کر دی ہو۔ اس بے چارے کو کیا معلوم کہ میرے سید پور جانے سے صدف کی پریشانی کا کیا تعلق ہو سکتا تھا۔

اس نے اچانک کچھ یاد آ جانے کے انداز میں پوچھا ''وجدان صاحب! یہ صدف بی بی وہی لڑکی تو نہیں جو آج دن میں آپ سے ملنے آئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی ماموں زاد

بھی تھی؟''

''بالکل وہی ہے۔ کیا آج دن میں تم نے اسے دیکھا تھا؟''

''دیکھ تو نہیں سکا جناب۔'' وہ بتانے لگا ''بس اتنا ہی پتا چلا تھا، دو لڑکیاں آپ سے ملنے آئی تھیں۔ صدف کے بارے میں تو میں نے خود ہی اندازہ لگایا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔'' میں نے کہا پھر فون کی طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا ''یہ تو جیسے بولنا ہی بھول گیا ہے!''

وہ بھی الجھن بھری نظر سے ٹیلی فون سیٹ کو گھورنے لگا۔

میں نے کہا ''اللہ دتا! نعلی وجدان کی طرف سے ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تم ایک مرتبہ پھر سیکیورٹی گارڈ کو ہوشیار رہنے کی تاکید کردو۔ اس سے کہو کہ وہ چوکنا نظر سے کوٹھی کا سامنے والا حصہ واچ کرتا رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے کیبن سے نہ ہلے۔ یہ رات جاگ کر گزارنے کی ہے۔ وہ کل دن میں اپنی نیند پوری کرسکتا ہے اور ہاں.....'' میں نے ذرا توقف کیا پھر کہا ''گارڈ کو یہ تاکید بھی کردینا کہ اگر وہ کوئی غیر معمولی حرکت نوٹ کرے تو فوراً انٹر کام پر مجھے اطلاع دے۔ میری ہدایات کے بغیر اسے کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ میں یہیں، ڈرائنگ روم میں موجود رہوں گا۔''

یہ فیصلہ میں نے اس لیے بھی کیا تھا کہ ڈرائنگ روم سے بالائی منزل کا زینہ اور بیرونی گیٹ بہت نزدیک تھے۔ کسی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے یہ جگہ نہایت ہی موزوں اور مناسب تھی۔ میں بہت آسانی سے مورچہ کرسکتا تھا۔

اللہ دتا نے پوچھا ''لگتا ہے، آپ کا سونے کا ارادہ نہیں!''

میں نے مبہم انداز میں جواب دیا ''کم از کم پاشا کے فون آنے تک تو مجھے جاگنا ہے۔ سونے کے بارے میں بعد میں سوچوں گا۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''جو آپ کا حکم ہو۔'' وہ فرماں برداری سے بولا۔

میں نے کہا ''ابھی تین چار گھنٹے تک تو میرا سونے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس دوران میں تم ایک نیند لے لو۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے کہا ''بہتر ہوگا، تم کسی ایسی جگہ پر نیند لو جو کوٹھی کے عقبی حصے سے قریب ہو تاکہ اگر اس طرف کسی گڑبڑ کے آثار پیدا ہوں تو تمہاری آنکھ کھل جائے۔ کوٹھی کے سامنے والے حصے کی نگرانی تو سیکیورٹی گارڈ کررہا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں اپنے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر سوجاتا ہوں۔'' اللہ دتا نے کہا ''یہ کمرا کوٹھی کے عقبی حصے میں بنا ہوا ہے۔''

پانچ منٹ بعد وہ مجھے ڈرائنگ روم میں تنہا چھوڑ کر خود سے ادھر چلا گیا۔ میں نے صدف کے بارے میں اللہ دتا سے زیادہ بات نہیں کی تھی لیکن میں اس کی فون کالز کا سن کر پریشان ہوگیا تھا۔ اس کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ میں کل صبح سویرے پور جانے والا ہوں وہ خود بھی دیہاتی زندگی کا مشاہدہ کرنے کا ارادہ ظاہر کرچکی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا، گاؤں کی سیر اور گنگ فو کی ٹیکنیک سیکھنا محض ایک بہانہ تھا۔ درحقیقت وہ میرے قریب آنے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی اور میں..... اپنے آپ سے اتنی دور جاچکا تھا کہ بعض اوقات خود کو تلاش کرتا رہتا تھا۔

نعلی وجدان کی کارستانی نے مجھے ذہنی طور پر بری طرح الجھا رکھا تھا۔ اب صدف کی جانب سے بھی چند شرارتوں کا امکان تھا۔ وہ آج رات کے کسی حصے میں یا کل صبح یہاں پہنچنے والی تھی اور اس سے پہلے اس کا فون آنے والا تھا۔

فون والے خیال پر میں نے کن انکھیوں سے ٹیلی فون سیٹ کو دیکھا اور اسی لمحے اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ تیسری گھنٹی میں نے ریسیور اٹھالیا اور میرے ''ہیلو'' کے جواب میں ایک شناسا آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس آواز میں دنیا جہان کا درد بھرا ہوا تھا۔

میرا ماتھا ٹھنکا اور میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے ''پاشا! میں وجدان بول رہا ہوں۔ ابا جی کی طبیعت کیسی ہے؟''

''وجدان!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''ابا جی سے روٹھ گئے ہیں۔''

میں سناٹے میں رہ گیا۔ بڑے پاشا کے لیے دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ یہ ایسا وقت اور موقع نہیں تھا کہ میں دکھڑا رونے بیٹھ جاتا۔ میں نے پاشا کو یہاں کے حالات سے بے خبر رکھتے ہوئے چند تعزیت بھرے جملوں میں تسلی دی اور کہا۔

''میں ابھی آرہا ہوں۔ تم مجھے راستے اور گاؤں کی لوکیشن کے بارے میں کچھ بتاؤ میں کسی نہ کسی طرح پہنچ جاؤں گا۔''

وہ شکستہ لہجے میں بولا ''میں تمہارے خلوص اور جذبے کی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں وجدان! رات میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ تم کل صبح اللہ دتا کے ساتھ آجانا۔ سید پور کا راستہ اللہ دتا دیکھا بھالا ہے۔ یہ تمہیں یہاں پہنچا کر واپس چلا جائے گا۔ میں اس کے ساتھ یہاں سے چند قابلِ اعتماد اور نمک حلال قسم کے افراد کو بھی کوٹھی پر بھیج دوں گا۔ وہاں کی حفاظت کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' میں نے خلوص بھرے لہجے میں کہا ''تم سید پور کے معاملات کو دیکھو۔ یہاں سب خیریت ہے۔ صبح ملاقات ہوگی۔''

ٹیلی فونک رابطہ ختم ہوگیا۔ میرا دل اچانک ہی کسی بہت بڑے بوجھ تلے دب گیا۔ فرید پاشا آج پدرانہ سایے سے محروم ہوگیا تھا۔ میری نگاہ میں وہ منظر گھوم گیا جب میرے والدین کو میری سگی بصارت نے خاک و خون میں لوٹتے دیکھا تھا۔ اس وقت میں پختہ سوچ کا حامل نہیں تھا لیکن وہ خونچکاں منظر گویا میری یادداشت میں گڑ گیا تھا۔ میں اپنے والدین کی حسرت ناک موت کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس محرومی، اس زیاں اور اس دائمی جدائی کو وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جو اس تجربے سے عملی طور پر گزرے ہوں۔

میں کافی دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ فرید پاشا اور دیگر لواحقین اس وقت جس صدمۂ جانکاہ سے گزر رہے ہوں گے اس کا تصور غم زدہ اور اداس کردینے والا تھا۔ میں صوفے سے اٹھا اور ڈرائنگ روم میں ٹہلنے لگا۔ اچانک ایک اضطرار نے مجھے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے اللہ دتا سے ہونے والی گفتگو کے دوران میں مجھے معلوم ہوچکا تھا، بڑے پاشا صاحب کو دل کا یہ تیسرا دورہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے دو ہائزا اٹیک ہوچکے تھے۔ دل کا تو ایک ہی دورہ جاں زیائی ہوتا ہے اور تیسرے دورے کے بارے میں تو کہا جاتا ہے، یہ موت کا دوسرا نام ہے۔ تھرڈ اٹیک سے بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں۔ چونکہ معجزے عموماً رونما نہیں ہوتے اس لیے کمال پاشا زندگی ہار گیا۔

فرید پاشا کا باپ کمال پاشا تو اپنی زندگی کی پینسٹھ بہاریں دیکھ چکا تھا اور گزشتہ چند سال سے وہ عارضۂ قلب میں بھی مبتلا تھا۔ موت نے اسے خالص طبعی انداز میں زندگی سے چھین لیا لیکن میرے والد اور والدہ کا کیا قصور تھا؟ وہ تو بھرپور جوانی میں اس دنیا سے اٹھ گئے۔ ان دونوں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا، نہ ہی کسی بیماری سے ان کی تعلق داری تھی بے رحم قاتلوں نے ایک سفاک اور ظالم شخص کے اشارے پر انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

میں اضطرابی قدموں سے دو دیواروں کے درمیان ٹہل رہا تھا اور میرے تصور کی نگاہ میں چند چہرے جل بجھ رہے تھے۔ وہ شقی القلب انسان نما جانوروں کے چہرے تھے۔ ان چہروں کو دیکھ کر حیوانوں کے سر شرم سے جھک جاتے تھے۔ دارا، چی فانگ اور کم کے چہرے۔ ان درندوں نے میرے والدین کو مجھ سے چھین لیا تھا پھر آپوں آپ میرا دھیان چوہدری نوازش علی کی طرف چلا گیا۔ میرے والدین کا قاتل اسی چوہدری کے ایما اور اشارے پر ہوا تھا اور..... اب میری رگِ جاں، میری سانس ساحل بھی اسی شیطان صفت کے چنگل میں تھی۔

ساحل کے تصور اور خیال نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میں نے اس وقت خود کو کسی دہکتے ہوئے تنور میں پایا۔ وہ تنور جسے چوہدری نوازش کے ظلم نواز ایندھن نے دہکایا تھا۔ اس کی دہک اور تپش نے میرے احساسات، جذبات اور سوچ کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ میں جوں جوں سوچ رہا تھا، میری ہیجانی کیفیت میں اضافہ ہورہا تھا۔ میرے بدن کا سارا خون دماغ کی طرف رواں ہوکر کن پٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا، اب تب میں میرے دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔ میں اپنی اس بدلتی ہوئی حالت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

میں ٹہلتے ٹہلتے اچانک رکا اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر حلق کے بل چلایا ''اللہ دتا.....!''

میری اس پکار نے فوری اثر دکھایا۔ اگلے ہی لمحے اللہ دتا میرے سامنے موجود تھا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہونے کے بعد اس نے دہشت زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور پریشانی سے بولا۔

''کیا ہوا صاحب جی! آپ چیخ کیوں رہے تھے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے اپنی کیفیت کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا ''بیٹھ جاؤ۔''

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی اور پوچھا ''کوئی بات ضرور ہے۔ آپ چہرے سے بہت پریشان نظر آرہے ہیں؟''

میں اسے اپنی دلی کیفیت سے روشناس نہیں کرا سکتا تھا لہٰذا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا ''تم تو سونے کے لیے اپنے کوارٹر میں چلے گئے تھے لیکن تمہاری فوری آمد بتا رہی ہے، تم یہیں کہیں آس پاس ہی تھے؟''

اس نے بغور میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ''میں نے سونے کی تھوڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ دل بہت بوجھل ہے وجدان صاحب۔ میں نے سوچا، جب نیند نہیں آرہی تو کوارٹر میں پڑا کیا کروں گا۔ میں آپ کی طرف ہی آرہا تھا۔ ڈرائنگ روم سے دو قدم کے فاصلے پر تھا کہ آپ کی چیخ سن کر اندر لپک آیا۔'' اتنا کہہ کر وہ کچھ تلاش کرنے والے انداز میں میری آنکھوں میں دیکھنے لگا ''وجدان صاحب! سچی بتائیں، کیا مسئلہ ہے۔ آپ کی چیخ

میں بڑی دہشت تھی؟''

''بتاتا ہوں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا پھر پوچھا ''فریج میں ٹھنڈا پانی تو ہوگا؟''

وہ حیران نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''بہت ہے۔''

''تم ٹھنڈا پانی کسی بالٹی یا تسلے میں بھر کر یہاں لے آؤ۔''

اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے تاکیدی لہجے میں کہا ''ذرا سیکیورٹی گارڈ کی بھی خیر خیریت پوچھ لینا اور بالائی منزل پر بھی جھانک کر دیکھ لینا۔''

وہ فرماں برداری سے اثبات میں سر ہلا کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

اس بات کے امکانات موجود تھے کہ اللہ دتا کے علاوہ میری وہ بے اختیار اور اضطرابی چیخ زرگل اور سیکیورٹی گارڈ نے بھی سنی ہوگی۔ مجھے اپنے چیخنے پر خود حیرت ہو رہی تھی۔ میں مضبوط اعصاب اور بے پناہ قوتِ برداشت کا مالک ہوں۔ تھوڑا غور کیا تو دل نے چغلی کھائی۔ ساحل کے لمحاتی تصور نے مجھے آؤٹ آف کنٹرول کر دیا تھا۔ میری برداشت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ چوہدری نوازش کے ناپاک حصار میں ایک سانس بھی لے۔ میں اس وقت اپنی ساحل سے چند گھنٹوں کی مسافت پر تھا۔ یہ مسافت عنقریب گھٹ کر منٹوں میں بدلنے والی تھی۔

میں نے خود کو سمجھایا، وجدان! اس میچ کے آخری اوورز چل رہے ہیں لہٰذا اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ اگر دل پر قابو رکھو گے تو اعصاب پر بھی کنٹرول رہے گا۔ یہ اوورز بہت سوچ سمجھ کر کھیلنے کے ہیں۔ ایک ایک گیند کو ناپ تول اور دیکھ بھال کر کھیلو۔ منزل پر پہنچ کر کھیل کو بگاڑ نہیں دینا۔ یہ بازی تم نے جیتنا ہے..... صرف تم نے!

اسی وقت اللہ دتا ایک بڑے ٹب میں یخ بستہ پانی بھر کر لے آیا۔ اس نے میرے قریب آ کر پوچھا ''وجدان صاحب، پانی آ گیا ہے۔''

''یہاں رکھ دو۔'' میں نے اپنے قدموں کی جانب اشارہ کیا۔

اس نے میرے حکم کی تعمیل کی اور خاموشی سے ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور الجھن کے ملے جلے تاثرات تھے۔ میری چیخ پر منی پکار نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ اللہ دتا۔'' میں نے نرمی سے کہا پھر اپنے دونوں پاؤں ٹھنڈے پانی والے ٹب میں ڈال دیئے ''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اللہ دتا بدستور حیران نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا ''باہر سب خیریت ہے نا؟''

''جی، سب خیریت ہے۔ گارڈ اپنی ڈیوٹی پر موجود ہے۔''

''اور بالائی منزل کا کیا حال ہے؟'' میرا اشارہ زرگل کی طرف تھا۔

''وہاں سکون اور خاموشی ہے۔'' اس نے بتایا ''میڈم ہے، آپ کے ساتھ آنے والی وہ لڑکی گہری نیند میں ہے۔''

میرے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ میں نے بند آنکھوں کے پیچھے سے کہا ''اللہ دتا! میں چند لمحے خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ تم تھوڑا انتظار کرو پھر میں تمہیں اپنے چیخنے کا سبب بتاتا ہوں۔''

رات کے اس اس پہر موسم خاصا خنک ہو چلا تھا۔ ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈالے تو مجھے اپنے پورے بدن میں حرارت بخش لہریں سی دوڑتی محسوس ہوئیں۔ ''ٹھنڈے گرم'' کا ایک عجیب سا تجربہ ہوتا ہے۔ آزمائش شرط ہے! سخت ترین گرم موسم میں اگر آپ گرم پانی میں ہاتھ پاؤں ڈالیں تو اچانک جسم میں ایک ٹھنڈی لہری دوڑ جاتی ہے۔ اسی طرح جب موسم سرما میں ٹھنڈے پانی کے اندر ہاتھ پاؤں ڈالیں تو گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ درحقیقت ایسے تجربے کے موقع پر ہمارے جسم میں موجود، موسم گرما میں سرد اور موسم سرما میں گرمی بیرونی ''حملے'' کے خلاف ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ احساس بہت ہی انوکھا اور انمول ہے اور تجربے کے بغیر اسے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

حرارت بخش لہریں چشم زدن میں سفر کر کے میرے پنڈلیوں ہوئے دماغ تک جا پہنچیں اور دھیرے دھیرے وہاں موجود گرمی کو چوسنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یوگا سے استفادہ کرتے ہوئے گہری سانسیں لینا بھی شروع کر دیں۔ میں تھوڑی ہی دیر میں نارمل ہو گیا۔

میں نے آنکھیں کھول کر اللہ دتا کو دیکھا اور ٹب کے اندر سے دونوں پاؤں باہر نکال لیے۔ وہ استعجابیہ نظر سے مجھے تکے جا رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

''اللہ دتا! تمہارے لیے ایک بری خبر ہے۔ بڑے چوہدری صاحب کا انتقال ہو گیا!''

''اوہ!'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن کو ہلاتے ہوئے زیرلب انا للہ..... پڑھنے کے بعد بولا ''کیا وہاں سے کوئی فون آیا ہے؟''

میں نے اسے فرید پاشا کے فون کے بارے میں بتانے کے بعد کہا ''کل صبح ہمیں سید پور جانا ہے۔ تم گائیڈ کے طور پر میرے ساتھ جاؤ گے۔ فرید نے کہا ہے، تم مجھے وہاں پہنچا کر واپس آ جانا۔''

''فون کی گھنٹی میں نے بھی سنی تھی لیکن میں سمجھا، شاید صدف بی بی کی کال ہو۔'' اللہ دتا نے کہا پھر پوچھا ''کیا آپ کی ساتھی بھی ہمارے ہمراہ جائے گی؟''

''اس کے بارے میں کل صبح ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔'' میں نے کہا ''فی الحال اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ پتا نہیں، کتنے عرصے بعد اسے گہری نیند سونے کا موقع ملا ہے!''

اللہ دتا نے کہا ''ٹھیک ہے وجدان صاحب! آپ بھی تھوڑا آرام کر لیں۔ میں تو اب بڑے پاشا صاحب کے لیے کچھ پڑھوں گا۔ کمال صاحب بہت ہی مہربان اور غریب پرور انسان تھے۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''میں وضو کرنے کے بعد اپنے کوارٹر میں چلا جاؤں گا۔ اگر آپ کو میری ضرورت پڑے تو بلا تکلف بلا لیں۔'' اس کے بعد وہ پانی والے ٹب کو اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔

میں نے کہا ''فی الحال سیکیورٹی گارڈ کو بڑے پاشا کی موت کے بارے میں کچھ نہ بتانا کل صبح موقع محل کو دیکھتے ہوئے اس اندوہناک خبر کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔''

اللہ دتا کے جانے کے بعد میں اس سلسلے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ کیا ہم صبح محض سیکیورٹی گارڈ کے بھروسے پر ایک بھری پُری کوٹھی کو چھوڑ کر سید پور جا سکتے ہیں اور وہ بھی ایسا گارڈ جس کی ملازمت کو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے؟

میرے ذہن نے اس سوال کا جواب انکار میں دیا تو میں گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ فون میرے نزدیک ہی رکھا تھا اور ٹیلی فون انڈیکس میں سید پور کا فون نمبر موجود تھا۔ میں نے پہلی فرصت میں فرید پاشا سے رابطہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں اس سے ہمکلام تھا۔

میں نے اسے اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوال کے بارے میں بتایا تو وہ جلدی سے بولا ''یار! میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ یہ مسئلہ میرے ذہن میں بھی آیا تھا اور میں نے اس کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔''

پھر وہ مجھے متذکرہ بندوبست کے بارے میں بتانے لگا۔ تحسین نامی کوئی شخص پاشا کا اسسٹنٹ تھا۔ ایک ماہ پہلے اس کی شادی ہوئی تھی اور وہ سمن آباد میں کرایے کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہ رہا تھا۔ پاشا نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ چند روز کے لیے اپنی بیوی کو لے کر اس کوٹھی میں چلا آئے۔ پاشا نے مجھے بتایا کہ وہ نوبیاہتا جوڑا گیارہ بجے تک کوٹھی میں پہنچ جائے گا۔

میں نے ان حالات میں اسے ڈسٹرب کرنے پر معذرت کی۔ اس نے کہا ''کل دوپہر تک تو سید پور والے محافظ بھی وہاں پہنچ جائیں گے، پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔'' ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد اس نے کہا ''وجدان! تم ایک کام کرنا۔ ویسے تو میں نے اپنے تمام رشتے داروں اور ملنے والوں کو فون کر کے اس سانحے کی اطلاع دے دی ہے لیکن باوجود کوشش کے بھی میں منہاس باقر سے رابطہ نہیں کر سکا۔ تم وہاں سے ٹرائی کرتے رہو۔ اگر فون لگ جائے تو منہاس کو ابا جی کی ڈیتھ کے بارے میں بتا دینا۔''

''ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے خلوصِ دل سے کہا۔

ہمارے درمیان رابطہ ختم ہوا تو میں ڈرائنگ روم سے نکل کر کوٹھی کے داخلی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ سیکیورٹی گارڈ کو یہ بتانا ضروری تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہاں دو افراد پہنچنے والے تھے۔ میں اسے یہ ہدایات انٹرکام پر بھی دے سکتا تھا لیکن میں نے بہ نفسِ نفیس وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح میں ٹھنڈی فضا میں گہری سانسیں لے کر خود کو چاق و چوبند کرنا چاہتا تھا۔ اسٹرونگ کافی کے سبب مجھے نیند کا احساس ہونے لگا تھا۔ ازیں علاوہ میں سیکیورٹی گارڈ کو یہ باور بھی کروانا چاہتا تھا کہ میں ابھی تک جاگ رہا ہوں تاکہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ برتے۔ اس کی ڈیوٹی کی یہ پہلی رات تھی..... اور بڑی ہنگامہ خیز رات تھی!

میں نے پانچ منٹ تک گارڈ سے گپ شپ کی پھر اسے نوبیاہتا جوڑے کی متوقع آمد کے بارے میں بتایا اور کہا ''وہ لوگ کم و بیش گیارہ بجے تک آئیں گے۔''

اس وقت میری رسٹ واچ میں ساڑھے دس بجے تھے۔ گارڈ عمر دین نے پوچھا ''سر جی! وہ لوگ اپنی گاڑی میں آئیں گے نا؟''

پاشا مجھے تحسین کی مالی حیثیت کے بارے میں بتا چکا تھا۔ سمن آباد کے ایک چھوٹے سے کرایے کے مکان میں رہنے والے شخص کے پاس اپنی گاڑی کی توقع کرنا بیکار تھا۔ میں

نے سیکیورٹی گارڈ سے کہا۔

''وہ رکشا ٹیکسی میں آئیں گے۔ ویسے زیادہ امکان رکشے کا ہے۔ تمہارے شہر میں ٹیکسیاں تو سرے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کبھی کبھار ہی کوئی ٹیکسی آنکھ میں ڈالنے کو مل جاتی ہے ورنہ ہر طرف، چھوٹے بڑے سائز کے رکشا ہی ٹرٹراتے چکراتے دکھائی دیتے ہیں۔''

اس نے سعادت مندی سے کہا ''سر جی! میں پھر بھی انٹر کام پر پہلے آپ کو ان کے بارے میں اطلاع دوں گا، پھر اندر آنے دوں گا۔''

''شاباش!'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر کہا ''میں فرید پاشا سے تمہاری سفارش کروں گا۔''

وہ خوش ہو گیا۔ میں بالائی منزل کی طرف جانے والے زینے پر دبے قدموں سفر کرتے ہوئے اوپر پہنچ گیا۔ زرگل والے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔ میں نے بڑے دھیمے انداز میں دروازے پر دستک دی۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو فوراً دروازے پر آ جاتی اور اگر وہ ایسا ردِعمل ظاہر نہ کرتی تو پھر اس کا ایک ہی مطلب ہوتا، وہ گہری نیند میں ہے۔ میں نے یہ ترکیب آزمانے کے بارے میں اس لیے سوچا تھا کہ کمرے کے اندر لائٹ آف تھی۔ کھڑکی کی ایک جھری میں سے میں نے روشنی کا اخراج دیکھ لیا تھا۔

میری دستک کے جواب میں کمرے کے اندر مطلق خاموشی طاری رہی۔ زرگل واقعی بے خبر سو رہی تھی۔ لائٹ اس نے دانستہ کھلی چھوڑ دی ہوگی تاکہ کسی بھی قسم کی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے میں آسانی رہے۔ وہ اگرچہ مجھ پر بھروسا کر کے یہاں تک چلی آئی تھی مگر وہ جن حالات سے گزر کر مجھ تک پہنچی تھی ان کا اولین تقاضا یہی تھا کہ ہر پل، ہر گام محتاط رہا جائے۔

میں مطمئن ہو کر واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ میں نے منہاس باقر کو کراچی فون کرنے کے لیے ٹیلی فون سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور کہا ''ہیلو!''

دوسری طرف سے بے تابی سے پوچھا گیا ''دجدان واپس آ گیا؟''

میں استفسار کرنے والی اس نسوانی آواز کو سیکنڈ کے دسویں حصے میں پہچان گیا۔ وہ آفت کی پڑیا صدف کی شوخ آواز تھی جس میں کسی حد تک تشویش بھی شامل تھی۔ درجنوں فون کرنے والی اس انقلابی حسینہ سے مجھے بات کرنا پڑی۔

''میں دجدان ہی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اوہ، تھینکس گاڈ!'' اس نے ایک طویل سانس چھوڑتے ہوئے کہا ''میں پریشانی میں تمہاری آواز پہچان نہیں سکی۔''

میں نے پوچھا ''صدف! تمہیں ایسی کون سی پریشانی لاحق ہو گئی۔ مجھے پتا چلا ہے، تم پہلے بھی متعدد فون کر چکی ہو؟''

''تمہیں بالکل درست بتایا گیا ہے۔'' وہ جلدی سے بولی ''اب کہیں اِدھر اُدھر نہ ہو جانا۔ میں پچیس تیس منٹ میں تمہارے پاس پہنچ رہی ہوں۔''

اس نے پچیس تیس منٹ احتیاطاً بتائے ہوں گے ورنہ چائنا چوک سے گلبرگ تھری میں آنے کے لیے اس سے کہیں کم وقت لگتا ہے۔ میں نے اس کے الجھے ہوئے انداز کے پیشِ نظر کہا۔

''آخر مسئلہ کیا ہے، کچھ بتاؤ تو سہی؟''

''وہیں آ کر بتاؤں گی۔'' بات ختم کرتے ہی اس نے رابطہ موقوف کر دیا۔

میں ہکا بکا اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بے جان ریسیور کو تکنے لگا۔

منہاس باقر کو فون کرنے کا ارادہ میں نے کچھ دیر کے لیے ملتوی کر دیا۔ تحسین اور صدف آگے پیچھے ہی اس کوٹھی میں پہنچنے والے تھے۔ میں پہلے ان سے نمٹ لیتا کیونکہ منہاس سے گفتگو کا سلسلہ طول بھی پکڑ سکتا تھا۔ میں شعیب غوری اور اس کی تنظیم ''سی الیف کے'' کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لاہور آتے ہی میں پے در پے مسائل میں اس قدر الجھا تھا کہ کراچی والے مشن سے میرا دھیان وقتی طور پر ہٹ گیا تھا۔ آج رات اگر جاگ کر گزارنا ہی نصیب میں رقم تھا تو پھر اس معاملے کو دیکھ لینے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ جم برادرز کیس میں گرفتار شدگان کے بارے میں مجھے بہت تشویش تھی۔

میں نے پونے گیارہ بجے ایک مرتبہ پھر سیکیورٹی گارڈ کے پاس جا کر بتایا کہ ایک اور مہمان لڑکی بھی وہاں پہنچنے والی ہے۔ اس نے پوچھا، کیا وہ بھی انہی دونوں کے ساتھ آئے گی؟ میں نے بتایا، نہیں۔ وہ ان دونوں سے الگ ہے اور اپنی گاڑی میں آئے گی پھر میں نے گارڈ کو صدف کے حلیے سے آگاہ کر دیا۔

میں واپس ڈرائنگ روم میں آیا تو اللہ دتا میرے پاس آ گیا۔ پاشا کے اسسٹنٹ تحسین اور اس کی بیوی کی آمد کے بارے میں، میں نے اللہ دتا کو بتایا تو اس نے کہا۔

''میں تحسین کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہاں آتا رہتا ہے لیکن سیکیورٹی گارڈ نیا ہے اس لیے اسے.....!''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''میں نے گارڈ کو ان کی آمد کے بارے میں ہدایات جاری کر دی ہیں۔'' پھر بتایا ''اور وہ پریشان صدف بی بی بھی یہاں پہنچنے والی ہے۔ ابھی اس کا بھی فون آیا تھا۔''

اللہ دتا نے پوچھا ''کیا یہ لوگ رات یہیں گزاریں گے؟'' اس نے کہا۔ ''تحسین اور اس کی بیوی تو چند روز تک یہاں قیام کریں گے۔'' میں نے بتایا ''لیکن صدف سے متعلق میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کی پریشانی سننے کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔''

اللہ دتا نے کہا ''تحسین کی شادی کو ابھی صرف ایک ماہ ہی ہوا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چند روز یہاں رکے گا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی پرائیویسی کا بھی خیال رکھا جائے۔ میں ایک بیڈ روم کو کھولتا ہوں۔ یہ کمرا عموماً مہمانوں کے قیام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، تم جا کر اس کمرے کو سیٹ کر لو۔ نو بیاہتا جوڑا کسی بھی وقت پہنچنے والا ہے۔''

اللہ دتا میرے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تو میں صدف کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے اچانک مجھ سے ملنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ وہ صبح بھی یہاں آ سکتی تھی۔ یقیناً اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ تھی۔ اپنی اس سوچ پر مجھے خود ہی ہنسی آ گئی۔ صدف تو بذاتِ خود ایک چلتی پھرتی گڑبڑ تھی، اس کے ساتھ بھلا کیا گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اس نے صرف دوسروں کے لیے مسائل پیدا کرنے کی ذمے داری لے رکھی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی نے مجھے خیالات سے چونکا دیا۔ میں صدف کے تصور کو ذہن سے جھٹک کر فون کی جانب متوجہ ہوا اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا ''ہیلو۔'' کے جواب میں جو آواز میری سماعت سے ٹکرائی، میں نے اس کے حامل کو پہچاننے میں ذرا غلطی نہ کی۔

''منہاس صاحب! میں دجدان بات کر رہا ہوں۔'' میں نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''کیسے ہو دجدان؟'' اس نے پوچھا ''تمہارے لیے میرے پاس ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔''

میں نے بے ساختہ کہا ''اور میں آپ کے لیے، اپنے پاس ایک بری خبر رکھتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر میں آپ کو فون کرنے ہی والا تھا۔''

دوسری جانب خاموشی چھا گئی پھر منہاس نے تشویش ناک انداز میں دریافت کیا ''وہ بری خبر کیا ہے؟''

''پہلے آپ اچھی خبر سنائیں۔'' میں نے اصراری لہجے میں کہا ''بری خبر کا نمبر بعد میں آئے گا۔''

وہ مصلحت آمیز آواز میں بولا ''چلو ٹھیک ہے۔ فون میں نے کیا ہے اور جس مقصد سے کیا ہے، پہلے اسے پورا ہونا چاہیے۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کرتے ہوئے بتایا ''ہم نے ''سی الیف کے'' کے خلاف ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔''

''کیسی کامیابی منہاس صاحب؟'' اچانک میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔

وہ فخریہ لہجے میں بولا ''ہم نے کل رات ''ساؤتھ'' پر یلغار کی تھی جس کے نتیجے میں بہت سارا ناجائز اسلحہ اور منشیات کی بھاری مقدار ہتھے چڑھی ہے لیکن افسوس کہ وہاں کا قائم مقام کبیر شاہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔''

''یہ تو بہت ہی سنسنی خیز خبر ہے منہاس صاحب۔'' میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا ''ذرا تفصیل سے بتائیں۔''

منہاس باقر نے بتایا کہ گزشتہ رات ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان پولیس نے ساؤتھ پر چھاپا مار کارروائی کی تھی۔ منہاس کے دوست ڈی ایس پی خورشید شاہ نے اس سلسلے میں خاصی سرگرمی دکھائی تھی۔ جم برادرز والے کیس میں دو دہشت گرد نجیب اللہ اور سراج احمد گرفتاری کے بعد پولیس کی تحویل میں جا چکے تھے۔ پولیس نے اسپیشل تفتیش کے دوران میں ان سے کافی کچھ اگلوا لیا۔ نجیب اور سراج کا تعلق ساؤتھ سے تھا اور ان کے اقراری بیان کے مطابق یوپی سفیر جم برادرز کے قتل کی سازش کا سرغنہ کبیر شاہ نامی ایک شخص تھا جو ڈیفنس فیز ون کے ایک بنگلے میں رہتا تھا۔ میں منہاس باقر کو بتا چکا تھا کہ شعیب غوری کا ڈیفنس والا ٹھکانا ''ساؤتھ'' کے نام سے موسوم ہے۔ گرفتار شدگان نے اسی ٹھکانے کی نشان دہی کی تھی۔ ازیں علاوہ، چنا مکئی فروش بچہ بخت واحد اور اس کا تعاقب کرنے والا امداد علی بھی نجیب کے خلاف بیان دے چکے تھے۔ انہوں نے شارع فیصل والا ڈراما نجیب کی ہدایات پر ایک بھاری رقم کے لالچ میں کیا تھا تاکہ جم برادرز کو گھیر کر شکار کیا جا سکے۔ تاہم سازش کا یہ حصہ بخت واحد اور امداد علی سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ ان دونوں کا کردار بہت معمولی نوعیت کا تھا۔

منہاس باقر کی بات ختم ہوئی تو میں نے کہا ''اگرچہ یہ چھاپا ہماری کامیابی ہی میں شمار ہوگا لیکن میرا خیال ہے، ہم شعیب غوری کو بہت زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے!''

''انشا اللہ! بہت زیادہ نقصان بھی پہنچائیں گے۔'' اس نے ولولہ انگیز لہجے میں کہا ''شعیب غوری ہمارا خصوصی ٹارگٹ ہے۔ ساؤتھ پر جو کچھ بھی ہوا، وہ پولیس والوں کی ایک معمول کی کارروائی تھی۔ یورپی سفیر کے قتل کی سازش میں شریک دو اہم افراد ہمارے ہتھے چڑھ گئے اور ہم نے ان سے حاصل شدہ معلومات کے بل پر ساؤتھ کو نشانہ بنالیا۔ شعیب غوری کو بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکے گا کہ اس مشن میں ہمارا بھی کوئی ہاتھ تھا، یعنی وجدان کا کوئی ہاتھ!''

میں نے پوچھا ''کیا اس مشن میں پولیس کے علاوہ آپ کا کوئی بندہ بھی شامل تھا؟''

''صرف دو افراد۔'' اس نے جواب دیا ''شہزاد علی اور امجد۔ شہزاد نے پولیس کی بہت مدد کی ہے۔ اس کے تعاون کے بغیر بنگلے کی اندرونی کارروائی مکمل نہیں ہوسکتی تھی۔ مختلف نوعیت کی جتنی منشیات اور اسلحہ پولیس کے ہتھے چڑھا ہے وہ ان لوگوں کے خلاف کیس کو بہت مضبوط بنادے گا۔ دہشت گردی، ناجائز اسلحے کی ذخیرہ اندوزی اور خطرناک منشیات کا اسٹاک کوئی کم سنگین جرائم نہیں ہیں پھر جم براؤن کے طفیل حکومت پاکستان بھی اس معاملے میں ملوث ہوگئی ہے۔ وہ لوگ بچ نہیں سکیں گے۔''

''آپ کن لوگوں کی بات کررہے ہیں منہاس صاحب!'' .... میں نے استفسار کیا ''کبیر شاہ تو صاف بچ نکلا۔ شعیب غوری ابھی بچ میں نہیں آیا۔ نجیب اور سراج نے کبیر شاہ تک راہنمائی کردی۔''

منہاس نے کہا ''وجدان! تم پولیس والوں کو جانتے ہو۔ یہ کھال کے بال اور بال کی کھال نکالنا خوب جانتے ہیں۔ کبیر شاہ وقتی طور پر فرار ہوا ہے۔ پولیس بہت جلد اس تک پہنچ جائے گی۔ خاص طور پر حکومتی دباؤ کے زیر اثر یہ لوگ بہت فعال ہوجاتے ہیں۔ نجیب اور سراج تو پولیس کی تحویل میں آ ہی چکے ہیں، ساؤتھ والے آپریشن میں کبیر شاہ کے تین مزید ساتھیوں کو بھی گرفتار کیا گیا ہے۔ ان سے پوچھ تاچھ جاری ہے۔ صابر علی، وحید خان اور منظور الٰہی نامی یہ تین بندے بھی بہت انکشافات کریں گے۔ جلد یا بدیر، پولیس کبیر شاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائے گی اور..... کبیر شاہ کے بعد نام آتا ہے شعیب غوری کا۔ اس یہودنواز شرپسند شخص کا بہت برا وقت شروع ہوچکا ہے۔ وجدان! تم میری یہ بات نوٹ کرلو!''

ایک چھوٹی سی کامیابی کے باعث منہاس باقر خاصا جذباتی ہورہا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا، کبیر شاہ اور شعیب کے درمیان سیکڑوں میل کا فاصلہ حائل تھا۔ کبیر شاہ کی حیثیت ''سی ایف کے'' میں لگ بھگ امتیاز علی کے برابر تھی۔ شعیب غوری نے جس طرح صفحۂ ہستی سے مٹایا یہ مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ شعیب جیسے شقی القلب باس ٹارگٹ اپنی بقا کے لیے کسی کو بھی قربان کرسکتے ہیں، چاہے وہ ان کا بہترین ساتھی المناک موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے میں امتیاز علی، میر بخش اور روبی کی جدائی کو کبھی بھول نہیں تھا۔

میں نے منہاس باقر کی خوشی میں شامل ہوتے ہوئے ''جناب! یہ ہمارا پہلا قدم تھا، سی ایف کے کے خلاف آئندہ کوئی چال چلنے کے لیے ہمیں زیادہ محتاط رہنے ضرورت ہے۔''

وہ جوش بھرے لہجے میں بولا ''وجدان! میرا آئ ٹارگٹ ''ایسٹ'' ہوگا۔ بل پارک کے نزدیک واقع شعیب کے اس ٹھکانے سے ممکن ہے، ہمیں مفید اشیا اور ثبوت حا ہوجائیں۔ تم نے اس ٹھکانے کے قائم مقام کا نام بر الدین بتایا تھا نا!''

''مجھے ایک دو مرتبہ ''ایسٹ'' جانے کا اتفاق ہو ہے۔'' میں نے کہا ''وہاں کے کرتا دھرتا کا نام سراج الد ہی ہے۔ شعیب غوری نے کراچی کے ہر ڈسٹرکٹ میں ا نام سے ایک اڈا بنا رکھا ہے۔ ''ساؤتھ'' کے قائم مقام کو آپ نے فرار ہونے پر مجبور کردیا۔ ''ایسٹ'' کا سراج الدین کے ہاتھ میں ہے۔ لاپتا جہانگیر کی زبانی کے باس کا نام سلیم واسطی معلوم ہوا۔ ''سینٹرل'' اور سے ابھی میرا واسطہ نہیں پڑا۔ ویسے ہر ٹھکانے کا الگ ہے اور وہ لوگ بوقت ضرورت ہی ایک دوسرے رابطہ کرتے ہیں۔ ان پانچوں باسز کا بگ باس شعیب ایک کنٹرکی حیثیت سے ''سی ایف کے'' کا نظام چلا اس کا اصل ٹھکانا کہاں ہے؟ اس بارے میں کوئی نہیں وہ حسب حال کہیں بھی پہنچ کر احکامات صادر کرد لیکن.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا توقف منہاس باقر سے پوچھا ''آپ نے مفید اشیا اور ثبوت کا ہے، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

اس نے کہا ''وجدان! یہ بات تم مجھ سے زیادہ طرح جانتے ہو کہ شعیب غوری ایک دہشت گرد تنظیم کا باس ہے۔ اس دنیا میں ہر بگ باس کسی اپنے سے بڑے کا آلہ کار ہوتا ہے۔ شعیب بھی یہودی لابی کے اشاروں ناچ رہا ہے۔ یہودی لابی پاکستان کو دہشت گرد نمبر ون

ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ تم نے ہی مجھے بتایا تھا، ایک یہودی انٹسل برطانوی بزنس مین مسٹر نیل آرمر کے شعیب سے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں شعیب کے ٹھکانوں سے کچھ ایسے ثبوت حاصل کرنا چاہتا ہوں جن کی بنا کر اسے یہودی لابی کا آلۂ کار ثابت کیا جا سکے۔ اب تو تم میری بات سمجھ گئے ہو نا؟''

''اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اسی وقت اللہ دتا میرے پاس آ گیا۔ مجھے فون پر مصروف دیکھ کر وہ ایک طرف خاموش کھڑا ہو گیا۔ میں نے منہاس صاحب سے ایک منٹ ہولڈ کرنے کو کہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اللہ دتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے کہا ''جناب! صدف بی بی آ گئی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے کسی دوسرے کمرے میں آرام سے بٹھاؤ۔'' میں نے کہا ''میں فون سے فارغ ہونے کے بعد خود اس سے ملوں گا۔''

اگر صدف فوری طور پر میرے پاس آ جاتی تو میں منہاس باقر سے کام کی کوئی بات نہیں کر پاتا۔ ویسے بھی میں ''سی ایف کے'' سے متعلق کوئی بھی معاملہ صدف کے سامنے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ تجسس کی ماری پہلے ہی میری جان کا عذاب بنی ہوئی تھی۔

اللہ دتا جانے لگا تو میں نے اسے مزید ہدایت دی ''اگر اس دوران میں پاشا صاحب کا اسسٹنٹ حسین اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ یہاں پہنچ جائے تو اسے سیدھا اسی کمرے میں لے جانا جو تم نے ان دونوں کے لیے منتخب کیا ہے۔ میں اس وقت فون پر نہایت ہی اہم گفتگو کر رہا ہوں۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہی میں کسی سے مل سکوں گا لہٰذا مجھے خواہ مخواہ ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

اللہ دتا فرماں برداری سے گردن جھکا کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔

میں نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹایا اور کہا ''جی منہاس صاحب!''

وہ بولا ''میں نے تو تمہیں اپنے فون کرنے کا مقصد تفصیلاً بتا دیا ہے۔ اب تم بھی بتا دو، تمہارے پاس میرے لیے کون سی بُری خبر ہے؟''

بری خبر آخر بری شے ہی ہوتی ہے اور اسے سنانا ناگزیر۔ میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں منہاس باقر کو اس کے دوست فرید پاشا کے والد کے انتقال کی خبر سنا دی۔

''اوہ!'' ایک افسوس ناک آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''یہ کب ہوا؟''

میں نے بتایا ''آج ہی۔ کوئی دو تین گھنٹے پہلے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ کمال پاشا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ فرید سماعت پور روانہ ہو گیا تھا، اپنی بیگم کے ساتھ۔''

''وجدان! تمہیں بھی جانا چاہیے تھا۔'' منہاس کی آواز میں کہا۔

میں نے کہا ''میں صبح سید پور روانہ ہو جاؤں گا۔ جس وقت فرید کو یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ کمال پاشا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، میں کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ فرید ایک اسپیشلسٹ کو اپنے ساتھ لے کر فوراً سید پور روانہ ہو گیا۔ دس بجے یہاں پہنچا ہوں۔ دس بجے پاشا نے فون پر مجھے بتایا کہ کمال پاشا دل کے دورے میں چل بسا۔ فرید نے اطلاع دینے کے لیے ٹرائی کیا مگر آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا پھر اس نے میری ڈیوٹی لگا دی کہ میں آپ کو فون کر کے سانحے سے آگاہ کر دوں۔''

منہاس باقر نے کہا ''بڑے پاشا کو پہلے بھی دو ہارٹ اٹیک ہو چکے تھے۔ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر ریاض کے زیر علاج تھا۔ فرید نے بہت کوشش کی کہ اس کا باپ لاہور منتقل ہو جائے تاکہ مناسب انداز میں اس کی دیکھ بھال کی جا سکے لیکن کمال پاشا نے دل کی بیماری کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ پرہیز کے معاملے میں بھی وہ خاصا بے پروا واقع ہوا تھا۔ تیسرے اٹیک نے اس کی جان لے لی۔''

''فرید اس مرتبہ بھی ڈاکٹر ریاض ہی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''وجدان! موت بڑی سفاک اور ظالم حقیقت ہے۔'' منہاس نے گمبھیر آواز میں کہا ''اسے صرف ایک موٹا بہانہ چاہیے ہوتا ہے..... اور یہ بہانہ ڈھونڈنے کی حقیقت بڑی مشاق اور تجربے کار ہے۔ بہرحال ایک طویل بوجھل سانس خارج کرنے کے بعد بھرائی آواز میں بولا ''کمال پاشا کی موت کا مجھے بہت دکھ ہے۔''

''کیا آپ بڑے پاشا صاحب کے جنازے شرکت کے لیے سید پور آئیں گے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے کہا ''آنا تو چاہیے، بہرحال میں اپنی فرم رابطہ کر کے تعزیت کرتا ہوں۔''

''اگر آپ وہاں آئے تو پھر مجھ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' میں نے کہا۔

منہاس بولا ''اس ملاقات کا انحصار تجہیز و تکفین

پروگرام پر ہے۔ میں فرید سے جب تک تفصیلی بات نہ کر لوں، حتمی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تم تو جانتے ہی ہو، کراچی سے سید پور براستہ لاہور اور پھر سید پور سے کراچی بہ راستہ لاہور آمد و رفت کے لیے دو دن درکار ہیں۔ جمعے کا دن اس وقت انتظام پذیر ہے۔ کل ہفتہ ہے۔ میں اگر کل بھی کراچی سے روانہ ہوں تو اتوار شام سے پہلے واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا..... اور اتوار کو میری بیٹی شبانہ کی رخصتی ہے۔ یعنی پرسوں۔''

شبانہ کی شادی والی بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ واقعی، یہ تو بہت ہی اہم معاملہ تھا۔ اس شادی میں شرکت کے لیے ہی میرے قاضی سلطان کی بیٹی ممتاز بھی منہاس باقر کے گھر پہنچی تھی اور اسی شادی کی شاپنگ کے دوران میں ممتاز اور ساحل کو میاں زاہد حسین کے گن بردار غنڈوں نے اغوا کیا تھا۔ ازاں بعد ممتاز کو تو عمر کوٹ سے برآمد کر لیا گیا لیکن میری ساحل جو میرا ساحل بھی تھی، ہنوز مجھ سے دور تھی۔ میں مطمئن تھا کہ اس کا اتا پتا مجھے معلوم ہو گیا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ میں اپنی محبت کو چوہدری نوازش علی کے بے رحم چنگل سے بہت جلد آزاد کرا لوں گا۔ میں کل سید پور میں ہوتا اور موضع رکھاں والی سید پور سے صرف پانچ کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ میں فوراً سے پیش تر رکھاں والی پہنچ کر وہاں کے مطلق العنان شیطان صفت حاکم چوہدری نوازش علی کی ''مزاج پرسی'' کر سکتا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں ساحل کی یاد میں آگے بڑھتا، اٹر پیں میں منہاس باقر کی آواز سنائی دی ''وجدان! تم تو جانتے ہو، بیٹیوں کے معاملات کتنے نازک ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں تو پہلے ہی ممتاز اور ساحل کے اغوا والا افسوس ناک واقعہ پیش آ چکا ہے۔ میں کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں۔ میرا مسلسل کراچی میں رہنا ضروری ہے اور اب تو شعیب غوری جیسے بدنام زمانہ شریف بدمعاش سے ٹھن گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے، آپ فون پر ہی فرید پاشا سے بھرپور تعزیت کر لیں۔ وہ آپ کی مجبوری کو سمجھ جائے گا۔ شبانہ، ساحل اور ممتاز والا واقعہ اس سے پوشیدہ نہیں۔'' میں نے حالات کے تقاضوں کے مطابق اسے مشورہ دیا۔

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو وجدان۔ شاید قسمت کو یہی منظور ہے۔ میں پاشا کی غمی میں اور وہ میری خوشی میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے ٹیلی فون کو ہی وسیلہ بنانا پڑے گا۔''

''مجبوری میں یہ سب تو کرنا اور سہنا پڑے گا منہاس صاحب!''

''تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' وہ موضوعِ گفتگو کو بدلتے ہوئے بولا ''میں نے تمہیں فرید پاشا کے پاس بھیج کر کوئی غلطی تو نہیں کی۔ میرا مطلب ہے، وہ تمہارے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟''

میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا ''منہاس صاحب! آپ نے مجھے بالکل ٹھیک بندے کے پاس بھیجا ہے۔ مجھے امید ہے، میں فرید پاشا کے تعاون سے پہلے جلد ساحل کو حاصل کر لوں گا۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے وجدان۔'' وہ خلوصِ دل سے بولا ''میں تمہیں بہت جلد کراچی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ مل کر کام کرنے میں جو مزہ آئے گا وہ اکیلے میں یا پولیس کے سنگ کہاں!''

میں نے کہا ''یہ تو ایک اتفاق ہے کہ کمال پاشا کا انتقال ہو گیا۔ بصورتِ دیگر فرید کے چھوٹے بھائی نوید کو آج یہاں آنا تھا اور میں صبح اس کے ساتھ سید پور روانہ ہو جاتا۔ میں اپنے مشن میں لیٹ نہیں ہوں اور.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ذرا توقف کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''جب سے میں یہاں آیا ہوں، نہایت ہی مصروف اور برسرِ پیکار رہا ہوں۔''

پھر میں نے منہاس باقر کو اپنی اب تک کی لاہوری ''مصروفیات'' کے بارے میں آگاہ کیا۔ سکندر، لالہ بشیر ایم پی اے، ڈی ایس پی اورنگ زیب خان، نادیہ، صدف، فرید پاشا کی بیوی نائلہ کے اغوا کا واقعہ اور تھانے کے اندر اور باہر پیش آنے والے تازہ ترین واقعات کو سن کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ تشویش ناک لہجے میں بولا۔

''وجدان! تم جہاں بھی جاتے ہو، اپنے ساتھ ہنگاموں کا میلہ بھی لے کر جاتے ہو۔ نائلہ والا واقعہ بہت افسوس ناک ہے۔ شکر ہے، تمہاری وجہ سے رانا عظمت اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ بہرحال، سب سے زیادہ دلچسپ کردار صدف اور نقلی وجدان کا ہے۔ ان کا تذکرہ سنسنی خیز اور حیرت آمیز ہے۔''

میں نے کہا ''نقلی وجدان اور اس کی پھیلائی ہوئی شر انگیزیوں سے تو میں کسی نہ کسی طور نمٹ ہی لوں گا لیکن صدف والا معاملہ خاصا ٹیڑھا ہے۔ وہ اس وقت بھی یہاں آئی بیٹھی ہے۔''

''وہ تم سے کیا چاہتی ہے؟'' منہاس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ مجھ سے کچھ نہیں چاہتی بلکہ میرے توسط سے چاہتی ہے۔'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

''ویری انٹرسٹنگ۔ کچھ تفصیل بتاؤ؟''

میں نے جھنجلاہٹ بھرے انداز میں کہا ''وہ چاہتی ہے، میں کچھ وقت نکال کر اسے مارشل آرٹس کی چینی ٹیکنیکس سکھاؤں۔ وہ چاہتی ہے، میرے ساتھ فلم اسٹوڈیوز جاکر فلموں کی شوٹنگ دیکھے اور فرید پاشا کے گاؤں سید پور جاکر فطری زندگی کا مشاہدہ کرے۔ یہ اس کی سب وہ ''چاہتیں'' ہیں جو اب تک میرے علم میں آئی ہیں۔ تازہ ترین وہ کون سا منصوبہ اپنے ساتھ لائی ہے، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ بڑے ہنگامی انداز میں یہاں پہنچی ہے۔''

''میں نے صدف کے رویے سے صرف ایک بات اخذ کی ہے۔'' منہاس باقر نے کہا ''وہ ہر حال میں تمہارے قریب رہنا چاہتی ہے اور..... کوئی لڑکی ایسا کب اور کیوں چاہتی ہے، اس کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں۔ ماشاء اللہ، تم خاصے سمجھ دار ہو!''

ہمارے درمیان صدف کے بارے میں تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے منہاس کو بتایا کہ وہ ایک معروف صنعت کار سرمد بخاری کی بیٹی ہے۔ سرمد بخاری جوتا سازی کی صنعت سے وابستہ ہے اور اس کی رہائش ڈیفنس سوسائٹی کے ایک ایسے بنگلے میں ہے جو ''ساؤتھ'' کے بہت قریب واقع ہے۔ منہاس باقر، سرمد بخاری سے بخوبی واقف تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اس نے اپنے اخبار میں، سرمد بخاری کی فیکٹری کا ایک سپلیمنٹ شائع کیا تھا۔

☆☆☆

اللہ دتا نے میری ہدایت کے عین مطابق اسسٹنٹ تحسین اور اس کی بیوی کو ان کے لیے کھولے گئے بیڈ روم میں پہنچا دیا تھا۔ تحسین کی بیوی کا نام ناہید معلوم ہوا۔ میں نے اسی بیڈ روم میں جاکر ان سے سرسری ملاقات کی۔ سرسری اس لیے کہ وہ ایک نوبیاہتا جوڑا تھا اور رات لگ بھگ آدھی بیت چکی تھی۔

صدف خاصی تیاری سے مجھے ملنے آئی تھی۔ چست بلیو جینز پر اس نے لوز ہائی نیک وائیڈ سوئٹر پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں جوگرز تھے۔ صدف کا بھرا بھرا جسم پستہ قامتی پر سرسبز قیامت ڈھاتا تھا۔ وہ اپنے سراپا میں شاعرانہ محبوبیت کا پورا سامان رکھتی تھی۔ وہ..... دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل، اتنے سے قد پر بھی قیامت شریر ہو..... کی جاگتی جیتی مثال تھی۔

سفری بیگ کی ہمراہی نے اس کے عزائم کو میرے ذہن میں اور بھی پختہ کردیا۔ وہ میرے اشارے پر ایک صوفے پر بیٹھ چکی تو بولی۔ اس کے لہجے میں شکایت کا عنصر نمایاں تھا۔

''تمہیں بڑی فرصت سے فرصت ملی ہے وجدان۔ کیا لاہور والے اپنے مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں؟''

میں اس کی چوٹ کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ ابتدا میں، میں نے اسے بتایا تھا کہ میرا تعلق لاہور سے ہے۔ یہ بات کوئی اتنی زیادہ غلط بھی نہیں تھی۔ تاہم پیش آمدہ حالات کی روشنی میں اس کا شمار غلط بیانی کے زمرے میں آتا۔

میں نے گہری نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا ''سوری صدف! تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔ بہرحال بتاؤ، تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ مجھے پتا چلا ہے، تم نے پہلے بھی اس کوٹھی میں متعدد فون کیے تھے!''

''تمہیں بالکل ٹھیک بتایا گیا ہے۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی ''میں تمہاری وجہ سے خاصی پریشان تھی۔ تم نے شام میں مجھے فون کرنا تھا۔ ہم ریس کورس پارک میں ملنے والے تھے۔''

''چلو اب تو تمہاری تسلی ہوگئی۔'' میں نے سادہ لہجے میں کہا ''تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھ سے فون پر بات کی اور اب اپنی آنکھوں سے مجھے زندہ سلامت دیکھ رہی ہو۔''

وہ میری وضاحت کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی ''تم نے شام میں مجھے رنگ کیوں نہیں کیا؟''

''ایک مسئلے میں پھنس گیا تھا۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔

''ہوں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ہنکارا بھرا اور بولی ''مجھے پتا چلا ہے، تم صبح سید پور جارہے ہو۔ پاشا انکل کے گاؤں۔ پاشا صاحب کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ وہاں سے جاچکے ہیں۔''

میں نے سنجیدگی سے کہا ''اگر میں سید پور جانے والا ہوں تو؟''

''تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' وہ اپنے سفری بیگ کو تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

میں نے برہمی سے کہا ''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟''

''کہہ سکتے ہو۔'' وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولی ''سب لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ تم بھی ان لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے تو کیا فرق پڑے گا!''

میں نے چڑ کر کہا ''تمہارے رویے اور عمل کو دیکھ کر لوگ ایسا سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ تم کیوں کرنی ہو؟

پنے کی حرکتیں؟''

''میں نے کیا کیا ہے؟'' اس کی شوخی کو اچانک معصومیت نے اپنے آنچل میں چھپالیا۔

میں نے سخت لہجے میں کہا ''کیا یہ بے وقوفی نہیں کہ تمہارے فائنل ایئر کے امتحانات سر پر کھڑے ہیں اور تمہیں سیر و تفریح کی سوجھ رہی ہے اور وہ بھی ایک ایسے میزبان کے پاس جس کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور.....''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے پوچھ بیٹھی۔ ''اور کیا وجدان؟''

''اور یہ کہ ہارٹ اٹیک کو کامیابی مل گئی!'' میں اپنے لہجے کے بوجھل پن کو چھپا نہ سکا۔

''اوہ..... ویری سیڈ!'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی ''وجدان! مجھے پاشا انکل کے والد کی ڈیتھ کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ آئی ایم رئیلی سوری۔ مجھے اس انداز میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایگین سوری!''

میں اس کی ''سوری'' کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش نظر سے اس کے سفری بیگ کو دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا ''وجدان! تم صبح سید پور تو جارہے ہو نا؟''

''یقیناً جاؤں گا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

وہ یک دم سنجیدہ ہوچکی تھی، گمبھیر آواز میں بولی ''میں تمہارے ساتھ سید پور جانے کا پروگرام بنا کر یہاں آئی تھی۔ دانستہ میرا ارادہ سیر و تفریح کا تھا لیکن ماتمی فضا میں کسی تفریح کا تصور نہیں کیا جاسکتا البتہ، اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں تعزیت کی غرض سے تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور بولی ''میں نے سید پور روانگی کے سلسلے میں پاپا سے بھی بات کرلی تھی اور ماموں کو بھی آمادہ کرلیا تھا۔ میں تو ماموں کے گھر سے پوری تیاری کے ساتھ یہاں آئی ہوں وجدان!''

اس کی انکشاف انگیز اطلاع نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے پوچھا ''تم نے اپنے پاپا سرمد بخاری سے کیا کہا ہے؟''

''میں پاپا سے کوئی بات نہیں چھپاتی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''میں نے انہیں بتایا کہ اتفاق سے ایک کلاس فیلو مجھے یہاں مل گیا ہے۔ وہ دو دن کے لیے سید پور نامی ایک نواحی گاؤں جارہا ہے، میں اس کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ پاپا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور مجھ پر اندھا اعتماد بھی۔ انہوں نے بخوشی مجھے اجازت دے دی۔ ازاں بعد ماموں کو منانا چنداں مشکل ثابت نہیں ہوا۔ نادیہ جیسی لڑکی میری سپورٹر تھی، ناکام یابی کیسے ہوتی وجدان!''

بات ختم کرکے اس نے فخریہ نظر سے مجھے دیکھا، میں نے نیم طنزیہ انداز میں کہا۔

''صدف! ایک طرف تمہارا دعویٰ ہے، تم اپنے پاپا سے کچھ نہیں چھپاتی ہو اور دوسری جانب تم ان سے غلط بیانی کرتی ہو۔ یہ کس قسم کی محبت اور اعتماد ہے؟''

وہ حیرت سے پلکیں جھپکا کر بولی ''میں نے کون سی غلط بیانی کی ہے؟''

''کیا یہ دروغ گوئی نہیں کہ تم نے مجھے اپنے ایک کلاس فیلو کی حیثیت سے غائبانہ طور پر سرمد بخاری سے متعارف کروایا ہے؟'' میں نے ترش لہجے میں کہا ''یقیناً تم نے میرا نام وجیہ بتایا ہوگا۔ اس سے پہلے تم اپنے ڈی ایس پی ماموں اور نگ زیب خان سے بھی کچھ اسی قسم کا میرا تعارف کروا چکی ہو؟''

وہ چند لمحے ٹٹولنے والے انداز میں مجھے دیکھتی رہی پھر گہری سنجیدگی سے بولی ''وجدان! اگر تم دوستانہ فضا میں مجھ سے یہ سوال کررہے ہوتو میرا جواب ہوگا، یار! ایسی چھوٹی موٹی چیٹنگ تو چلتی ہے۔ میری اس غلط بیانی سے کسی کو نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''چیٹنگ چھوٹی ہو یا بڑی، بہرحال یہ بے ایمانی ہی کہلائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے، تم دوستانہ فضا قائم نہیں کرنا چاہتے؟''

''میں نے تو تم سے دشمنوں والی کوئی بات نہیں کی صدف!''

وہ خفگی سے بولی ''اور دوستوں والی بات بھی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے تم نے۔''

''یہ تمہارا پاگل پن ہے!'' میں نے چڑ کر کہا ''تم ہر بات کا الٹا مطلب نکالتی ہو۔''

وہ بے اختیار ہنس پڑی ''اٹس اوکے!''

صدف کی ہنسی بڑی دل آویز تھی۔ ہموار، موتیوں ایسے دانت جب جلوہ افروز ہوئے تو یوں محسوس ہوا، اس کے دہانے سے نور پھوٹ پڑا ہو۔ اس کی شبنمی ہنسی میں بڑی مٹھاس اور ٹھنڈک تھی، وہ ٹھہرے ہوئے حواس اور تنے ہوئے اعصاب کو بڑی شانتی سے سمیٹ لیتی تھی۔ میں نے اپنے احساسات میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔ اس وقت میں جس نوعیت کے کشیدہ حالات سے گزر رہا تھا، انہوں نے مجھے خاصا چوکنا اور اضطراری بنا دیا تھا۔ ایسے میں صدف کی مترنم

ہنسی نے مجھے بہت سکھ پہنچایا۔

میں نے کہا ''صدف، مجھے اچھی طرح یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ تم کتنی محنتی ہو۔ کس کاوش سے تم نے وجیہ کے اندر سے وجدان برآمد کیا ہے لیکن میں تم سے یہی درخواست کروں گا کہ تم جدھر سے آئی ہو، ادھر واپس چلی جاؤ۔ تم خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ میں اس وقت کتنے سنگین حالات سے گزر رہا ہوں۔ موت میرے ہم رکاب ہے اور کسی بھی وقت اس کوٹھی پر زبردست حملہ ہو سکتا ہے۔ تم اپنی جان کو جانتے بوجھتے کیوں ہلاکت میں ڈالتی ہو؟''

''ہاؤ انٹرسٹنگ!'' وہ سنسنی خیز لہجے میں بولی ''کیا سسپنس ہے، کیا تھرل ہے، کیا ایڈونچر ہے؟ میں ایسی کسی صورتِ حال ہی کی تو تلاش میں تھی۔'' پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے پوچھا ''باقی دادے وجدان! تم مجھے اپنے موجودہ حالات کے بارے میں تھوڑا بریف کرو گے؟''

''صرف بریف ہی نہیں بلکہ پورا بریف کیس تمہاری نذر کرنے کو تیار ہوں۔'' میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اس انکار میں یہ تاثر عیاں تھا کہ تم نہیں سدھرو گی صدف! تمہارا علاج صرف یہی ہے کہ تمہیں، تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

اسی وقت اللہ دتا ہمارے لیے کافی بنا کر لے آیا۔ ساتھ ہی موسم کی مناسبت سے کچھ خشک میوہ جات بھی تھے جن میں پی نٹ، چلغوزے اور نمکین کا جوشاہل تھے۔ میں نے اللہ دتا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''بھئی! میں تو مزید کافی نہیں پیوں گا۔ میرے لیے یہ ڈرائی فروٹ ہی کافی ہے۔ میں پہلے ہی اچھی خاصی نیند محسوس کر رہا ہوں۔ میرے حصے کا کافی والا مگ تم لے جاؤ اور خود پی لو۔''

اللہ دتا ''جی صاحب'' کہتے ہوئے، کافی کا مگ اٹھا کر رخصت ہو گیا۔

میں اسے حالات حاضرہ کی طرف لے آیا۔ میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

پوری بات سننے کے بعد اس نے کہا ''وجدان! تم مجھے اپنے ساتھ سید پور لے کر جاؤ یا نہیں، یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں، یہ رات مجھے اسی کوٹھی میں گزارنا چاہیے۔ ایک سے دو بھلے اور ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ میں مانتی ہوں، میرا مارشل آرٹ بس ایویں سا ہی ہے لیکن اگر آج رات کسی قسم کا کوئی بیرونی اٹیک ہو جاتا ہے تو میں تمہاری بھرپور مدد کر سکوں گی۔''

اس کی تجویز میں کافی وزن تھا۔ میں نے کہا ''تمہارے مارشل آرٹ کا عملی مظاہرہ مال روڈ والے ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔ تم جسے ایویں کہہ رہی ہو وہ فن اچھوں سے زیادہ اچھا ہے۔ تم یہ رات اس کوٹھی پر گزار ہو۔''

''تمہارے منہ سے اپنے فن کی تعریف سن کر بہت لگ رہا ہے۔'' وہ پُرجوش انداز میں کافی کا سپ لیتے ہو بولی ''یقین جانو وجدان! اگر کوئی مجھے ڈاکٹر کہہ کر پکارتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔''

''میں نے یقین جان لیا ہے۔'' میں نے معنی خیز میں کہا۔

وہ جلدی سے بولی ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

شاید میرے چہرے کے تاثرات نے چغلی کھائی جبھی وہ فوراً ہوشیار ہو گئی تھی۔ میں نے نہایت ہی ٹھہر ہوئے اور دوٹوک لہجے میں کہا ''مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ تم اپنے پاپا کے لاکھوں روپے برباد کر کے چھوڑو ازیں علاوہ ان کے ارمانوں کا جو خون ہو گا، سو الگ کا ہے۔''

وہ شکایتی نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ منہ سے کچھ نہ بولی میں نے کہا ''اللہ کی بندی! لوگ میڈیکل کالج داخلے کے لیے ترستے ہیں اور ایک تم ہو کہ فائنل ایئر میں جانے کے باوجود بھی سنجیدہ نہیں ہو۔ ڈاکٹری کے پیشے کو ایک طرف رکھنے کے بعد مہم جوئی پر نکلنے کا ارادہ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو گا!''

''یہ مذاق نہیں ہے وجدان! میں بالکل سنجیدہ ہوں'' وہ ٹھہری ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''میں تمہیں بھی بتا چکی ہوں، میڈیکل میں نے پاپا کی خواہش پر تھا۔''

''اور اپنی ضد پر اسے ترک کر دو گی؟''

''مجھے اس میں دلچسپی نہیں ہے۔''

''اس کے باوجود بھی تم فائنل ایئر میں پہنچ گئی ہو'' میرے لہجے میں کاٹ تھی۔

وہ منعلومات افزا انداز میں بولی ''وجدان! شاید جانتے کہ میڈیکل کالج میں فرسٹ اور فائنل ایئر ہی سب زیادہ اہم ہوتے ہیں جن کو کلیئر کرنے کے لیے زمین ایک کرنا پڑتے ہیں۔ بہت پڑھنا پڑتا ہے وجدان فرسٹ ایئر میں تو بہت جوش میں تھی اس لیے بھی سیکنڈ ایئر پہنچ گئی۔ اس کے بعد کے سال قدم قدم آگے بڑھتے

جاسوسی ڈائجسٹ کا ضمیمہ ماہنامہ

صدیوں کا بیٹا

مصنف: ایم۔ اے راحت

اس انسان کی کہانی جو صدیوں زندہ ہے
اور شاید آج بھی کہیں موجود ہو

انسان کی ترقی اور تنزلی کے حیات افروز واقعات۔ اس شخص کی زبانی جو ہر دور میں موجود رہا ہے۔ اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ اس پر بیتی، اس نے اس داستان کو انتہائی سنسنی خیز بنا دیا۔ وہ داستان جس میں حسن کی راعنائیاں بھی ہیں اور عشق کی کارفرمائیاں بھی۔ خونی جنگیں بھی ہیں اور بادشاہت کے چرچے بھی۔ وہ شخص جس عہد میں بھی رہا اپنے پیچھے ہزاروں داستانیں چھوڑ گیا۔ جب وہ تھک جاتا تو سمندر اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا یا پھر وہ خود ہی اپنا چہرہ ریت میں چھپا لیتا

ضرور پڑھیے اور اپنی رائے سے ہمیں آگاہ کیجیے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
ملنے کا پتہ: C-63 بلاک 11 ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی

اور اب فائنل مرحلہ آ گیا ہے۔ دیکھو، کیا ہوتا ہے!''

''تمہارے تیور سے تو کچھ ہوتا نظر نہیں آتا۔'' میں نے کہا۔

''اللہ مالک ہے!'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''وہ تو سب کا مالک ہے۔'' میں نے بھی بے پروائی سے کہا ''چاہے کوئی سائنس پڑھے یا آرٹس۔ میڈیکل میں جائے یا انجینئرنگ میں یا پھر بزنس میں!''

اس نے تھوڑی دیر تک مجھے یک ٹک دیکھا پھر ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولی ''وجدان! سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس میڈیکل وڈیکل سے سخت بور ہو گئی ہوں اور جب سے تم سے ملاقات ہوئی ہے، میرے مہم جوئی کے جراثیم کچھ زیادہ ہی فعال ہو گئے ہیں۔ میں تمہاری طرح ایڈونچرز بننا چاہتی ہوں، کچھ عرصہ تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔'' پھر اس نے دونوں ہاتھوں کو ایک مخصوص حرکت دی اور رشک آمیز انداز میں بولی ''وجدان! کیا سنسنی خیزی ہے تمہاری زندگی میں!''

میں تصور میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کریزی لڑکی کو سمجھانا بہت مشکل تھا۔ اس کے ساتھ دماغ سوزی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایسی کوئی کوشش وقت کی بربادی کے مترادف ہوتی۔ وہ اول آخر سمجھنے یا سنبھلنے کے موڈ میں نظر نہیں آتی تھی۔

اسی لمحے میرے تصور میں دو مہربان چہرے جلنے بجھنے لگے۔ یکے بعد دیگرے فرید پاشا اور منہاس باقر کی کہی ہوئی باتیں مجھے یاد آنے لگیں۔ انہوں نے صدف کے حوالے سے کم و بیش ملتے جلتے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ یہ اظہار بہت ہی سنگین اور خطرناک تھا۔ وہ قیامت قد لڑکی میری زندگی کے بکھیڑوں کا حصہ بننے والی تھی۔

☆☆☆

اس رات کو اگر ''ٹیلی فون نائٹ'' کا ٹائٹل دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ صدف کو میں نے ڈرائنگ روم سے ملحقہ ایک بیڈ روم میں آرام کی غرض سے بھیج دیا تھا اور خود بھی کرسیدھی کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

دوسری گھنٹی پر میں نے فون ریسیو کیا۔ دوسری طرف سے بولنے والے نے استفسار کیا ''کیا میں مسٹر پاشا سے بات کر رہا ہوں؟''

اس آواز اور لب و لہجے نے میرے پورے وجود میں سنسنی دوڑا دی۔ فرید پاشا کے بارے میں استفسار کرنے والا

شعیب غوری تھا۔ میں اس وقت حیرت اور تعجب کی آخری حدود کو چھو رہا تھا۔ شعیب کو میرے موجودہ ٹھکانے کا کس طرح پتا چلا؟ یہ سوال بہت وزنی تھا اور میرے دماغ پر کسی ہتھوڑے کے مانند ضربیں لگا رہا تھا۔ میں نے کسی ڈرامے بازی کے بجائے کھل کر کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ شعیب نے اگر کسی طور پر میرا سراغ لگا ہی لیا تھا تو پھر کیسی پردہ داری۔

مجھے خاموش پا کر اس نے دوبارہ پوچھا ''ہیلو! کیا یہ فلم پروڈیوسر فرید پاشا کا گھر ہے؟''

''تم پاشا کے توسط سے وجدان تک پہنچنا چاہتے ہو نا شعیب!'' میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ''اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ!'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ یقیناً اس نے میری آواز پہچان لی تھی ''تم کہاں غائب ہو گئے تھے وجدان؟'' وہ دوستانہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

''میں نے کہا نا، کسی تکلف کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی منافقت کی۔'' میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''بولو، تمہیں یہاں کا فون نمبر کس نے دیا اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ تم نے آدھی رات کو مجھے فون کیوں کیا؟''

وہ سنجیدہ آواز میں بولا ''وجدان! لگتا ہے، تمہیں میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے اور.....''

''بکواس بند کرو غلط فہمی کی اولاد۔'' میں نے تقریباً چیخ کر کہا ''تمہارا مکروہ چہرہ میرے سامنے کھل چکا ہے لیکن تمہاری کوئی مکاری مجھے متاثر نہیں کر سکے گی۔ تم نے دوستی کی آڑ میں مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ نہ صرف مجھے، بلکہ اس ملک کو عالمی سطح پر بدنامی اور رسوائی دلوانے میں بھی تم پیش پیش ہو!''

میں نے مال روڈ والے ہوٹل کو چھوڑتے ہوئے فیصلہ کیا تھا کہ از خود شعیب غوری سے رابطہ نہیں کروں۔ ہاں، اگر وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو موقع محل کی مناسبت سے اسے ٹریٹ کروں گا۔ میں اپنے فیصلہ پر قائم و دائم تھا۔

اس نے آخری مرتبہ مجھے غچا دینے کی کوشش کی اور اپنی مخصوص معتدل آواز میں بولا ''وجدان! یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟''

''زیادہ بگلا بھگت بننے کی کوشش نہ کرو شعیب۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا ''اب تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ میں تمہاری اصل و نسل سے واقف ہو چکا ہوں۔ تمہارا بہروپ مجھ پر کھل چکا ہے۔ تم اور تمہاری ''سی ایف کے'' ایک ڈراما ہے۔ تم اصلاحی کاموں کی آڑ میں اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہو۔ تم یہودیوں کے ہو۔ انہی اپنے اصلی باپوں کے اشاروں پر ناچتے ہو دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہیں آتا۔''

''بولتے جاؤ، میں سن رہا ہوں۔'' وہ گونج دار میں بولا ''شاید اس طرح تمہارے دل کا غبار ہلکا ہو جائے

وہ اب بھی منافقانہ چال چل کر بازی کو پلٹنے میں نظر آتا تھا لیکن اب میں اس کے کسی فریب میں نہیں تھا۔ دوستی کی آڑ میں، میں پہلے ہی بہت نقصان تھا۔ میں نے اس کے کانوں کے کیڑے جھاڑتے ہوئے

''شعیب! تم نہایت ہی گھٹیا اور کمینے شخص ہو خاصا جذباتی ہو رہا تھا مگر اس جذباتیت میں غصے کا عنصر تھا ''تم نے امتیاز علی، روبی اور میر بخش کو بڑی بے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان تینوں کا کیا قصور تھا۔ ناکہ امتیاز میرے بہت قریب ہو گیا تھا اور تمہیں ڈر

وہ مجھ پر ''سی ایف کے'' کی اصلیت نہ ظاہر کر اور میر بخش گندم کے ساتھ گھن کی طرح پس گئے واقعے کو لے لو، یورپی سفیر جم برادن کے قتل کی تمہارا ''ساؤتھ'' پوری طرح ملوث تھا۔ نجیب اور گرفتاری نے تمہارے سی ایف کے کا بھانڈا پھوڑ ایک دہشت گرد ملک دشمن عنصر کے طور پر سامنے میں.....''

وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا ''میں نہیں، کبیر

''اوہ، تو تم نے حقیقت کا اعتراف کر لیا۔''

سینے سے ایک اطمینان بخش سانس خارج ہوئی ''اب تم دو ہاتھ کرنے میں مزہ آئے گا شعیب! تم یہ مت سمجھو کہ کے فرار کے بعد پولیس خاموش ہو کر بیٹھ جائے گی۔ کا معاملہ حکومتی سطح کا ہے۔ ساؤتھ سے صابر علی، منظور الٰہی پولیس کے ہتھے چڑھ چکے ہیں۔ پولیس شاہ کا سراغ لگا لے گی اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا طرح جانتے ہو!''

وہ گمبھیر آواز میں بولا ''وہ تین گرفتار شدگان لیے بیکار ثابت ہوں گے۔ شعیب تک پہنچنا ناممکنات ہے۔ وہ سر پٹختے رہ جائیں گے۔ میں ان کے ہتھے اور نہ ہی میرے خلاف کوئی ثبوت وہ حاصل کر سکیں

''کیونکہ تمہارے عقب میں یہودی لابی ہے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''جب تک تم ان بنے رہو گے، وہ تم پر اور تمہاری دہشت گرد تنظیم کی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ یہ تو ان کا طریقہ کار

نے ہمیشہ یہی دتیرہ اپنایا ہے۔ وہ لوگ پوری دنیا میں یہی کر رہے ہیں۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے وہ لوگ تم جیسے مغفول افراد کو کسی ''برائے استعمال یک وقت'' شے کے مانند اپنے کام میں لاتے ہیں اور کام نکل جانے کے بعد بڑی خارت سے ''ڈسپوزیبل'' کہہ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیتے ہیں۔'' میں ایک لمحے کو رکا اور زہریلے لہجے میں اضافہ کیا۔ شعیب تمہارا انجام بہت حسرت ناک ہو گا!''

''تم اپنے انجام کی فکر کرو وجدان جو میرے ہاتھوں ہونے والا ہے۔'' وہ پھنکارتے سے مشابہ آواز میں بولا ''تم نے گزشتہ رات ساؤتھ میں جو کچھ کروایا ہے، میں اسے بھولنے والا نہیں۔''

میری باتوں کی آواز سن کر صدف دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی تھی اور خاموشی سے مجھے دیکھے چلے جا رہی تھی۔ میں نے شعیب غوری کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''ساؤتھ میں جو کچھ ہوا وہ پولیس کی چھاپا مار کارروائی تھی۔ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ البتہ اس واقعے نے میرے لیے دلی طمانیت کا سامان کیا ہے۔''

''تم صرف اپنے ہاتھ کے نہ ہونے کی بات کر رہے ہو؟'' وہ غرایا ''جبکہ میں تمہارے سر تا پا ملوث ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ پولیس نے وہ کارروائی تمہاری نگرانی میں کی ہے۔''

''تم نے کوئی خواب دیکھا ہو گا۔''

''میں نے خواب نہیں دیکھا بلکہ تمہیں ساؤتھ کے آس پاس دیکھا گیا ہے۔''

میں حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑا ''شعیب، کیا یہ کوئی تمہاری نئی چال ہے؟''

جس وقت کراچی میں شعیب غوری کے اڈے ساؤتھ پر پولیس نے ریڈ کیا یعنی رات ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان، ان لمحات میں، میں لاہور میں پاشا کی کوٹھی میں چند فتنہ پرور افراد سے نبرد آزما تھا۔ رانا عظمت کا بھتیجا سکندر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پاشا کی بیوی نائلہ کو اغوا کرنے کوٹھی میں گھس آیا تھا جنہیں میں نے وہاں سے نا کامیاب دُم سمیٹ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شعیب غوری کا دعویٰ سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

اس نے کہا ''میری چالیں تو سب پرانی ہیں اور خاصی آزمودہ بھی البتہ تم نے نیا پتا اڑانا سیکھا ہے۔''

''میں ایک مرتبہ پھر یہی کہوں گا، تم نے کوئی نہایت ہی ہیبت ناک خواب دیکھا ہے۔ ایسے اوٹ پٹانگ خواب ہاضمے کی خرابی کے باعث وجود پاتے ہیں۔ تم کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کراؤ۔''

وہ دہاڑ کر بولا ''چیک اپ تو میں عن قریب تمہارا کرانے والا ہوں۔ اس مقصد کے لیے میں نے منجھے ہوئے قسائیوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ بہرحال، تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں، ساؤتھ کے باہر بھی میرے چند نمک خوار نگرانی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ پولیس کے ریڈ کی اطلاع مجھے فوراً مل گئی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف ہوا کہ موقع پر تم بہ نفسِ نفیس موجود ہو۔ ایک لینڈ کروزر میں جس کا رنگ سرخ ہے اور چھت سفید۔ چوڑے ٹائروں والی یہ جیپ بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ تم جس چھوٹی جیپ میں دیکھے گئے، اس کا نمبر ہے، فور سیون تھری سیون۔ تم نے وہائٹ بے داغ پینٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور آنکھوں پر سیاہ اندھا چشمہ۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

وہ سراسر غلط کہہ رہا تھا۔ یہ نقلی وجدان کی کارستانی تھی۔ میں نے نہر کے کنارے، اس آفت زادے کو اسی لباس، اسی حلیے اور اسی سرخ جیپ میں دیکھا تھا اور جیپ کا نمبر بھی وہی تھا جو ابھی شعیب نے بتایا تھا۔ تو کیا گزشتہ رات نقلی وجدان کراچی میں تھا؟ یہ سوال بڑا ہولناک تھا۔ ساؤتھ کے آس پاس اس کی موجودگی کے بارے میں منہاس باقر نے مجھ سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا، اس کا مطلب یہ ہوا، وہ بہروپیا صرف شعیب کے بندوں کو نظر آیا تھا مگر کیوں؟ وہ موقع پر نظر آ کر کیا ظاہر کرنا چاہتا تھا؟ سیدھا اور واضح جواب تو یہی تھا کہ وہ اس کارروائی کو میرے سر ہے ٹانکنا چاہتا تھا اور اس مقصد میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔ شعیب غوری جیسا تجربے کار شخص بھی یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہ میں اس جگہ پر موجود تھا۔ میرا یہ نیا دشمن بڑے نرالے ڈھنگ سے دشمنی فرما رہا تھا۔

''تمہیں چپ کیوں لگ گئی وجدان!'' شعیب کی سرسراتی آواز نے مجھے خیالات سے چونکا دیا ''ایک ہی انکشاف نے تمہاری سٹی گم کر دی۔ ابھی تو اور بہت کچھ باقی ہے۔ تمہیں میری دانائی اور بینائی کا یقین آ جانا چاہیے کہ میں اس وقت تم تک کیسے پہنچ گیا؟ یہ نہیں پوچھو گے، میں نے تمہارا سراغ کیسے لگایا؟''

''خود ہی بتا دو۔'' میں نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

وہ بولا ''میرے جن آدمیوں نے تمہیں ساؤتھ کے قریب سرخ لینڈ کروزر میں دیکھا، انہوں نے مجھے یہ اطلاع بھی دی کہ پولیس کے علاوہ دو سویلین بھی اس کارروائی میں شریک تھے۔ ایک کا نام شہزاد علی اور دوسرے کا نام امجد معلوم

ہوا ہے۔ یہ دونوں افراد منہاس باقر کے لیے کام کرتے ہیں جو شام کے ایک اخبار کا ایڈیٹر و پبلشر ہے۔ شہزاد علی تو خاصا تیز بندہ ہے، وہ ہمارے ہاتھ نہ آسکا البتہ آج دن میں میرے آدمی امجد کو اٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔''

اس نے ذرا توقف کیا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا ''تم مجھے دہشت گرد اور پتا نہیں، کیا کیا کچھ کہہ چکے ہو وجدان۔ یہ بات تم سے چھپی نہیں ہو سکتی کہ میرے پاس عبرت اثر ٹارچر سیل بھی ہوں گے۔ شام سے ذرا پہلے امجد نامی اس شخص نے خاصے اہم انکشاف کیے ہیں۔ وہ ساؤتھ میں تمہاری موجودگی سے تو آگاہ نہیں تھا البتہ موت کے منہ میں جانے سے پہلے اس نے جو کچھ بتایا میں اسی کے سہارے تم تک پہنچا ہوں۔''

''تو..... کیا تم نے..... امجد کی جان لے لی؟'' میں نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایک امجد کیا، میں اپنے ہزاروں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔'' وہ سفاکی سے بولا ''اس راہ میں ناموں کی تخصیص بھی نہیں۔ اس فہرست میں کسی وجدان کا نام بھی ہو سکتا ہے۔''

''تم دنیا کے ذلیل ترین انسان ہو شعیب!'' میں نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

وہ ڈھٹائی سے بولا ''یہی الفاظ میں تمہارے لیے اور تمہارے دوستوں کے لیے بھی استعمال کر سکتا ہوں لیکن یہ میرا موضوع نہیں، اس وقت تو میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ امجد کی زبان کھلنے کے بعد میں تم تک کیسے پہنچا!''

پھر اس نے بتایا کہ امجد کی زبانی اسے معلوم ہو گیا کہ میں لاہور میں منہاس باقر کے ایک دیرینہ دوست کے پاس ٹھہروں گا جو فلم انڈسٹری میں ایک معروف پروڈیوسر ہے۔ فرید پاشا کا نام معلوم ہونے کے بعد اس کے گھر کا فون نمبر جان لینا چنداں مشکل نہیں تھا۔ اپنی بات کے اختتام پر اس نے کہا ''اب تو تمہیں یقین آ گیا ہوگا کہ میں اپنے دشمن کو کھوجنے کے لیے کہاں تک جا سکتا ہوں؟''

''میں تمہاری ہر کمینگی پر یقین رکھتا ہوں شعیب۔'' میں نے حقارت آمیز لہجے میں کہا ''تمہاری زبان سے اپنے لیے دشمن کا لفظ سن کر مجھے خوشی ہوئی ورنہ میں تو اب تک تمہیں اپنا دوست سمجھ کر فریب کھاتا آیا تھا۔''

''میری دشمنی تمہاری زندگی کا آخری تجربہ ہوگی۔'' وہ رعونت سے بولا ''تم اس تجربے سے گزر کر اپنے سابق دشمنوں کو بھول جاؤ گے کہ چوہدری نوازش علی کو بھی۔ تمہارے ذہن میں صرف ایک ہی نام کی گونج ہوگی۔ شعیب خوری..... اور یہ گونج تمہاری راتوں کی نیند اور دن کا آرام تم سے چھین لے گی۔''

''ایسی گیدڑ بھبکیوں والے میں نے لاکھوں دیکھے ہیں۔'' میں نے کہا ''جب ہاتھوں میں ہاتھ ڈالو گے تو تمہارا پیشاب خطا ہو جائے گا۔''

وہ تلملا کر بولا ''تم میری دہشت سے واقف نہیں ہو وجدان!''

''میں ایسی دہشت کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔''

''بہت جلد تمہیں میری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''منافقت کا اندازہ ہو چکا، اب طاقت بھی دیکھ لوں گا۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا ''تم نے اپنی منافقت کی گھٹیا پن کی بدولت مجھ سے دھوکا کیا۔ میں نے تمہاری دوستی میں فریب کھایا۔ تمہیں کثیر المالیت سونے کا راز بتا دیا۔ تم مسٹر نیل آرمر کے توسط سے وہ خفیہ دفینہ حاصل کر لیا لیکن اس میں وہ دوست نہیں رہا جسے تم دوستی کی آڑ میں مسلسل فریب دیتے آئے ہو۔ دشمنی ظاہر ہو جانے کے بعد تم میرا مال ہضم نہیں کر سکو گے۔ میں اپنا حصہ تم سے وصول کر کے رہوں گا چاہے اس کے لیے مجھے تمہاری آنتیں ہی کیوں نہ پیٹ سے باہر کھینچنا پڑیں۔ کسی بھی طرح، کسی بھی راستے! میں تمہیں بے ایمانی نہیں کرنے دوں گا۔''

وہ گمبھیر آواز میں بولا ''میں دوستی اور دشمنی اپنے طریقے سے نبھاتا ہوں اور تمہاری معلومات کے لیے بتاتا چلوں میں بے انصاف نہیں ہوں۔ تمہارا طے شدہ حصہ میں نے الگ نکال کر رکھ لیا ہے۔ اسے میں تمہاری فلاح و بہبود پر خرچ کروں گا!''

اس کے لہجے میں پوشیدہ سنگین دھمکی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے پوچھا ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''فلاح و بہبود کا مطلب نہیں سمجھتے وجدان!'' استہزائیہ انداز میں بولا ''حکومت نے بہبود آبادی کے جگہ جگہ کھول رکھے ہیں۔ میں نے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے ایک مستند اور کہنہ مشق قسائی سے رابطہ کر لیا ہے۔ وہ تمہاری ایسی نس بندی کرے گا کہ پھر تم ساری زندگی صف بندی کے قابل نہیں رہو گے۔''

وہ یقینی طور پر مجھے غصہ دلانا چاہتا تھا لیکن اس کے میں پوشیدہ دھمکیوں کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میرے بارے میں کوئی خطرناک قسم کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اپنے لہجے کو حتی الامکان معتدل رکھنے کی کوشش کی اور کہا۔

''تمہاری بکواس اگر ختم ہو چکی ہو تو میں ریسیور رکھ دوں۔''

جواب میں اس لعین کی اولاد نے ایک لفظ کہے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔

میں نے جھنجلاہٹ میں ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ریسیور نہ ہو، میرا فولادی مکا ہو..... اور میں نے وہ مکا کریڈل پر نہیں بلکہ شعیب خوری کے منحوس مکروہ چہرے پر رسید کیا ہو۔

صدف نے تشویش ناک لہجے میں کہا ''وجدان! لگتا ہے، معاملات کچھ زیادہ ہی گڑبڑ ہیں۔ یہ کال کراچی سے تھی نا؟''

اس سے پہلے کہ میں صدف کے سوال کا جواب دیتا، انٹرکام کا بزر بج اٹھا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انٹرکام کا ریسیور اٹھا لیا، دوسری طرف سیکیورٹی گارڈ عمر دین تھا۔ اس نے دہشت زدہ لہجے میں بتایا۔

''وجدان صاحب! سرخ جیپ والا وہ نقلی وجدان واپس آ گیا ہے۔''

''کہاں ہے وہ شیطان؟'' بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

''اس نے گاڑی کھڑی کی ہے اور نکل کر میری طرف آ رہا ہے۔'' گارڈ نے سنسنی خیز لہجے میں بتایا ''اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا بکس ہے۔''

میں نے کہا ''میں آ رہا ہوں۔ تم اسے روکنے کی کوشش کرو۔ اسے باتوں میں لگاؤ یا جو بھی کرو۔ زبردستی کی ضرورت پیش آئے تو بھی دریغ نہ کرو۔ اوکے؟''

''اوکے!'' سیکیورٹی گارڈ نے فرماں برداری سے کہا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

صدف میرے عزائم کو بھانپ چکی تھی۔ میں نے دیگر باتوں کے ساتھ ہی اسے نقلی وجدان کی کہانی بھی سنا دی تھی ''تم کہاں جا رہے ہو وجدان؟'' اس نے تشویش ناک نظر سے مجھے دیکھا۔

''اس بہروپیے نقلی وجدان سے نمٹنے!'' میں نے کہا ''وہ اس وقت کوٹھی کے باہر گیٹ پر موجود ہے۔''

اس کے بعد میں صدف کی بات سنے بغیر باہر کی جانب لپک گیا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر میں راہداری میں آیا پھر صحن میں سے ہوتے ہوئے کوٹھی کے صحن میں پہنچ گیا۔ صحن کا حصہ میں نے دوڑ کر عبور کیا اور گیٹ پر پہنچ گیا۔

دنیا کے حیرت انگیز فن
تحریر شناسی
کی مدد سے دوسروں کی شخصیت کو کھلی کتاب کی طرح پڑھیں
اُردو میں پہلی بار
تحریر شناسی کے فن پر ایک نادر اور رہنما کتاب
تحریر اور شخصیت
یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ .....
- یہ شخص کس کام کے لئے موزوں ہے؟
- کیا یہ حالات سے لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟
- کیا اسے جلد غصہ آتا ہے؟
- کیا یہ جھوٹ بولنے کا عادی ہے؟
- کیا اس کے ساتھ شادی کی جا سکتی ہے؟
- کیا اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟
- کیا یہ ایماندار اور ہمدرد ہے؟
- اس کا جنسی رویہ کیسا ہے؟
- اس میں برائیاں زیادہ ہیں یا اچھائیاں؟
- اور ایسی دوسری بہت سی باتیں۔
ہر شخص کیلئے یکساں طور پر کارآمد کتاب
قیمت 30 روپے ڈاک خرچ 23 روپے
منگوانے کا پتہ
[redacted]

اسی وقت میں نے کوٹھی کے باہر کسی گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھتے ہوئے سنا۔ انجن کی مخصوص غراہٹ اور بریج اسٹون ٹائروں کی فلک شگاف آواز یہ سمجھنے کے لیے کافی تھی کہ وہ شیطان بہروپیا وہاں سے فرار ہو رہا تھا۔ میں سیکیورٹی گارڈ کی طرف گھوم گیا۔

''وہ فرار ہو گیا سر!'' اس نے مایوسی سے بتایا۔

میں نے گیٹ سے باہر نکل کر سڑک کا جائزہ لیا۔ سو گز دور مجھے سرخ جیپ کی پشت دکھائی دی۔ وہاں سفید کور میں اسپیئر ٹائر مخصوص انداز میں ننگا ہوا تھا۔ سرخ لینڈ کروزر میری پہنچ سے نکل چکی تھی۔ میں دوڑ کر اسے نہیں پکڑ سکتا تھا اور جب تک گاڑی نکال کر اس کا تعاقب کرتا، وہ نو دو گیارہ ہو چکی ہوتی۔

میں واپس آ کر سیکیورٹی گارڈ پر برس پڑا ''اسے روکا کیوں نہیں؟ میں نے کہا تھا، ہر صورت اسے جانے نہیں دینا، چاہے زبردستی کرنا پڑے، تم گن کے زور پر اس کا راستہ کھوٹا کر سکتے تھے۔ جیپ کے ٹائروں پر ایک برسٹ ہی مار دیتے!''

سیکیورٹی گارڈ میری ڈانٹ ڈپٹ سے سہم گیا پھر معذرت آمیز لہجے میں بولا ''سر! آپ جس وقت مجھے یہ ہدایات دے رہے تھے، وہ منحوس، باکس کو ایک طرف رکھ کر دوبارہ گاڑی میں جا بیٹھا تھا، پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی قدم اٹھاتا، اس نے طوفانی رفتار سے جیپ آگے بڑھا دی۔''

گارڈ نے انٹر کام پر بھی کسی باکس کا ذکر کیا تھا۔ میں نے عجلت آمیز لہجے میں دریافت کیا ''کہاں ہے وہ باکس؟''

''وہ ادھر رکھا ہے سر!'' گارڈ نے سڑک کے ایک کنارے کی طرف اشارہ کیا۔

اس دوران میں صدف اور اللہ دتا بھی باہر نکل آئے تھے۔ ہم چاروں ایک ساتھ مذکورہ باکس کی جانب بڑھے۔ وہ کسی کوریئر سروس کا جمبو باکس تھا اور اس کے اوپر ایک چٹ لگی تھی۔ میں نے چٹ کی تحریر پڑھی۔ وہاں صرف یہ درج تھا..... ''وجدان علی ابن عابد علی۔''

واضح طور پر وہ باکس میرے لیے تھا اور تحفے کے انداز میں اسے پیک کیا گیا تھا۔ اس پر مخصوص گفٹ پیپر بھی لپٹا ہوا تھا۔ صدف نے کہا ''وجدان! یہ دشمن کی کوئی خطرناک چال بھی ہو سکتی ہے۔ تم اس باکس کو ہاتھ نہ لگانا۔ تحفہ یوں تو نہیں پہنچایا جاتا!''

میں نے کہا ''میں اس چال کو بے نقاب کرتا ہوں۔'' پھر میں نے گارڈ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''ذرا اپنی گن مجھے دینا۔''

گارڈ نے کلاشنکوف میرے حوالے کر دی۔ اف خوف زدہ لہجے میں کہا ''وجدان صاحب! اگر اس میں آتش گیر مادہ یا کسی قسم کا بم وغیرہ ہوا تو بہت خطرناک بھی ہو سکتا ہے!'' وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کیا کرنے کا ارادہ ہوں۔ اس کا اندازہ درست تھا۔

میں نے کلاشنکوف کو سنگل شاٹ پر سیٹ کیا اور گارڈ سے کہا ''نعلی وجدان نے یہ تو ثابت کر دیا کہ اس باکس اٹھانے میں کوئی خطرہ پنہاں نہیں۔ لہٰذا تم اسے اٹھا کر فاصلے پر رکھ دو۔ وہاں، اس کوٹھی کے سامنے جس کے مالک اسٹینس گئے ہوئے ہیں۔ میں جو تجربہ کرنا چاہتا ہوں، اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔''

گارڈ نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں نے ان تینوں پاشا کی کوٹھی کے اندر کھڑا ہونے کی ہدایت کی پھر ایک مخصوص فاصلے سے نشانہ لے کر باکس پر فائر کر دیا۔ میں اپنے ذہن میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر کسی قسم کا بلاسٹ ہوا تو میں کس طرح رول کروں گا۔

مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ باکس گولی کھانے کے بعد ہوا میں اچھلا اور کچھ دور جا گرا۔ ہم چاروں دوڑ کر اس گھائل باکس کے نزدیک پہنچ گئے..... اور حیرت کے ایک شدید جھٹکے نے ہمیں بیک وقت متاثر کیا۔ ہم بونقوں کے مانند ایک دوسرے کی صورت تکنے لگے۔

زخمی باکس کی ایک دیوار میں شگاف بن گیا تھا۔ ہماری حیرت کا سبب یہ تھا کہ اس شگاف میں سے کسی کی سفید ٹانگیں جھانک رہی تھیں۔ میں نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پہچان لیا۔ وہ میری ڈارلنگ کی عقبی ٹانگیں تھیں!

میں لپک کر اس باکس کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے چاروں جانب گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاید کوئی بڑا بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والی تاریکی میں صدف اپنی مجھ سے ٹکرائی اور پوری شدت سے اس نے مجھے اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔

میں نے اپنی پشت پر اس کے دل کو دھڑکتے محسوس کیا پھر اس سے قبل کہ تاریکی میں میری آنکھ کچھ دیکھنے کے قابل ہوتی، کوٹھی کی بالائی منزل سے ایک وحشت ناک چیخ بلند ہوئی۔

میری نگاہ بے اختیار بالائی منزل کے اس بیڈ روم کی طرف اٹھ گئی جس میں زرگل گہری نیند سو رہی تھی۔ ایک ضائع کیے بغیر میں نے صدف کے ہاتھ کو گرفت میں لیا اور کے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی!

کوٹھی گہری تاریکی کی لپیٹ میں تھی!

میں اندازے کی بنا پر صدف کے ساتھ دوڑتے ہوئے اس زینے کی جانب بڑھا جو زیریں اور بالائی منزل کے درمیان رابطے کا وسیلہ تھا۔ اچانک لائٹ چلے جانے کے سبب یوں محسوس ہو رہا تھا، کسی دبیز سیاہ چادر نے کوٹھی اور اس کے پیش و گرد کو اپنی کشادہ آغوش میں سمیٹ لیا ہو۔

زینہ طے کرتے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ دیے رکھنا ممکن نہیں تھا چنانچہ ہم آگے پیچھے بالائی منزل پر پہنچے۔ بے ساختہ میری نگاہ اس دروازے کی جانب اٹھ گئی جس کے پیچھے میں نے زرگل کو آرام کرنے کی غرض سے پہنچایا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کوٹھی کے باہر میں نے جو دہشت ناک نسوانی چیخ سنی تھی وہ یقیناً اسی بیڈ روم سے ابھری تھی۔

بیڈ روم کا دروازہ نیم وا تھا۔ ہم دونوں نے معنی خیز اور فیصلہ کن نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور بہ یک وقت آگے بڑھے۔

اسی لمحے اندھیرے میں سے ایک شخص نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کا رخ بھی بیڈ روم کے ادھ کھلے دروازے کی جانب تھا۔ ہمارے درمیان فاصلہ اتنا کم تھا کہ تاریکی کے باوجود بھی ہم نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ ویسے بھی اب تک ہماری آنکھیں اندھیرے میں اندازے لگانے کے قابل ہو گئی تھیں۔ ہم ایک دوسرے کو سیاہ ہیولوں کے مانند دکھائی دے رہے تھے۔

وہ شخص ہمارے اور بیڈ روم کے دروازے کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑا ہو گیا پھر ایک ہاتھ کو قدرے بلند کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں بولا ''خبردار! ایک انچ بھی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا۔''

بیڈ روم کے اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں ابھر رہی تھیں جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو دبوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کمرے میں زرگل تھی لہٰذا صورتِ حال خاصی تشویش ناک بلکہ لائٹ نہ ہونے کے طفیل خطرناک تھی۔ یقیناً وہ اس وقت کسی مشکل سے دوچار تھی۔

ہمارے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی دھمکی اور اٹھا ہوا ہاتھ یہ سمجھنے کے لیے کافی تھا کہ اس نے کوئی ریوالور یا پستول وغیرہ تھام رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود ہتھیار سے نکلنے والی کوئی اندھی گولی ہماری زندگی کا چراغ گل کر سکتی تھی۔

صدف نے ہمت کرتے ہوئے اس متوقع مسلح شخص سے پوچھا ''کون ہو تم اور ہماری کوٹھی میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟''

جملہ ختم ہوتے ہی اس نے مجھے ایک زور کا دھکا دیا۔ میں فوری طور پر صدف کی اس حرکت کو سمجھ نہ سکا۔ اس کا بھرپور پش لے کر سائیڈ میں لڑھکا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مجھے ایک جانب دھکیلنے کے بعد صدف کا جسم ہوا میں بلند ہوا پھر وہ فضا میں رہتے ہوئے کسی پھرکی کی مانند گھوم گئی۔ اگلے ہی لمحے ایک طوفانی فرنٹ وہیل فلائنگ اسلحہ بردار کی کنپٹی پر پڑی۔

صدف کی یہ حرکت اتنی سرپرائز اور بروقت تھی کہ مجھے یوں لگا، اندھیرے میں کوئی برق سی کوند گئی ہو۔ اس نے ایک نہایت ہی رسکی اسٹیپ لیا تھا لیکن اس نے جس اعتماد سے کک چلائی تھی اس سے یہ ثابت ہو گیا، صدف کا فن سچا اور نشانہ پکا ہے۔ صدف کی کک کھانے کے بعد مدِمقابل بری طرح لڑکھڑایا پھر تیورا کر زمین بوس ہو گیا۔ اس کے بھاری بدن نے زمین سے ٹکرا کر ایک مخصوص آواز پیدا کی۔ دراصل، اس کے زمین پر گرتے ہی دو مختلف قسم کی آوازیں پیدا ہوئیں۔ ایک تو اس کے بھاری بدن اور پختہ فرش کے ٹکراؤ کی ''دھپ'' نما آواز تھی اور دوسری آواز کسی دھاتی شے کے زمین سے ٹکرانے سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ اس شخص کے ہاتھ کا ریوالور یا پسٹل تھا جو پیش و گرد میں کہیں اندھیرے کی نذر ہو گیا۔ اس ہتھیار کو تلاش کرنا ایسا ہی مشکل تھا گویا بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنا!

اسی وقت بیڈ روم کے اندر سے کسی نے الجھن زدہ لہجے میں دریافت کیا ''عمران! باہر کیا ہو رہا ہے۔ یہ آوازیں کیسی ہیں۔ تم کسے دھمکی دے رہے تھے؟''

اس سے پہلے کہ عمران نامی وہ شخص اپنے ساتھی کے سوالات کا جواب دیتا، صدف ایک جست بھر کر اس کے سر پر پہنچ گئی۔ وہ اس وقت فل فارم میں نظر آتی تھی۔ وہ اندھیرے میں کسی بجلی کے مانند چمک کر آگے بڑھی اور لپک لپک کر زمین بوس شخص کی مزاج پرسی کرنے لگی۔ اس بدبخت کو اپنے بچاؤ میں ہاتھ پاؤں چلانے کا موقع نہیں مل رہا تھا، زبان کیا چلاتا۔

یہ میرے لیے ایک تسلی بخش صورتِ حال تھی۔ میں نے ایک آسودہ سانس خارج کی اور پٹنے والے شخص کو صدف کے رحم و کرم پر چھوڑا پھر تیزی سے بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کمرے میں پہلا محتاط قدم رکھا ہی تھا کہ لائٹ آ گئی۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دقت نہ ہوئی کہ یہ واپڈا کی فراہم کردہ لائٹ نہیں تھی۔ زیریں منزل پر کسی انجن سے ملتی جلتی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ غالباً اللہ دتا نے یا سیکیورٹی گارڈ نے کوئی جنریٹر آن کیا تھا۔ میری نگاہ نے روشن کمرے کے اندر جو پہلا منظر دیکھا اس نے میری رگوں میں

شرارے سے بھر دیے۔

زرگل مجھے بڑی مشکل میں نظر آئی۔ ایک دراز قامت بٹے کٹے شخص نے اسے اپنے بازو کی گرفت میں دبوچ رکھا تھا۔ میں سمجھ گیا، زرگل خطرناک نیک لاک (Neck Lock) کی زد میں تھی۔ اس پشتون حسینہ کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی کہ ایک وحشت ناک چیخ مارنے کے بعد زرگل نے خاموشی کیوں اختیار کر لی تھی۔ وہ بے چاری اس وقت جس مصیبت میں مبتلا تھی اس میں چیخنا تو درکنار، یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ اب تک سانس کی آمد و شد کا سلسلہ برقرار رکھے ہوئے تھی۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ صیاد چونکا اور اس نے میری توقع کے خلاف ایک حرکت کی۔ اس نے زرگل کی گردن کو اپنے بازو کی گرفت سے آزاد کر دیا پھر اسے ایک طرف دھکا دیتے ہوئے غرا کر میری جانب بڑھا۔ اس کا انداز بہت جارحانہ تھا۔

میں نے اس شخص پر نگاہ رکھتے ہوئے زرگل کا جائزہ لیا۔ وہ دھکا کھانے کے بعد بستر پر گری تھی اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کو سہلا رہی تھی۔ اس کا یہ عمل فطری اور وقت کی عین ضرورت تھا۔ اسی لمحے میری سماعت پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز نے دستک دی۔ کوٹھی کی زیریں منزل پر خاصی ہلچل کے آثار محسوس ہوئے۔ گارڈ اور اللہ دتا وغیرہ شاید بالائی منزل کی خبر گیری کے لیے زینے طے کر رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آواز میں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ میں صدف کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر بیڈ روم میں حاضر ہو گیا۔

میری لمحاتی غفلت سے مدِمقابل نے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ میں اس کے تیور اور انداز سے سمجھ گیا، وہ مارشل آرٹس سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے ہوا میں اچھل کر ایک فرنٹ فلائنگ کک چلائی۔ اس کے وار میں جھنجلاہٹ پائی جاتی تھی۔ شاید بیڈ روم سے باہر تیزی سے بدلتی ہوئی صورتِ حال نے اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

میں نے نیک جرک (Neck Jerk) سے اپنے چہرے کو بچایا پھر بیک فٹ پر جاتے ہوئے ٹی اسٹانس (T-Stance) بنا کر کھڑا ہو گیا۔

اپنے پہلے ہی وار کی ناکامیابی پر وہ تلملا اٹھا اور یکے بعد دیگرے اس نے مجھ پر دو رائونڈ ہاؤس کِکس چلائیں۔ میں بیک فٹ پر بلاکنگ کرتے ہوئے چارفٹ مزید پیچھے چلا گیا۔ اس مسلسل ناکامیابی نے اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا اور اس نے ہوا میں پرواز کرتے ہوئے مجھے سائیڈ فلائنگ کک چاہی۔ اس کے ایڑی میں کسی چیز کی پھرتی بھری ہوئی تھی۔

میں نے پہلو پر جھک کر آؤٹر بلاک کیا پھر ایک زبردست کے ساتھ ڈبل ہینڈ پُش اس کی تشریف پر رسید کیا۔ وہ مجھ سے چھے فٹ کی دوری پر ایک چوبی میز کی ٹاپ سے ٹکرایا پھر میز سے لڑھک کر قالین پر آن گرا۔ ایسے درجنوں پچاس دشمنوں کو میں مزہ چکھا چکا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے مدِمقابل کو دیکھا۔ وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر زمین سے اٹھ رہا تھا۔ میں نے بہ آہستگی دروازے کو بند کر کے بولٹ چڑھا دیا۔ اب میری مرضی کے بغیر کوئی شخص باہر سے اندر آ سکتا تھا نہ ہی اندر سے باہر جا سکتا تھا۔

میں جیسے ہی اپنے دشمن کی طرف پلٹا، زرگل کی دھماکہ لب ریز آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''خبردار! وہیں ہاتھ نہ لگانا، ورنہ میں گولی چلا دوں گی۔''

زرگل کے ہاتھ میں مجھے وہی ریوالور نظر آیا جو میں نہر کے کنارے، حفاظت کے پیشِ نظر اسے دیا تھا۔ میں نے بھرا ہوا وہ ریوالور اس سے واپس نہیں لیا تھا۔ غالباً سونے سے قبل زرگل نے وہ ریوالور تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا اور اب موقع ملتے ہی وہ ہتھیار نکال کر حملہ آور کو دھمکا رہی تھی۔ زرگل کے جس انداز میں حملہ آور کو دھمکی دی تھی اس سے میرا ماتھا ٹھنکا۔ آپوں آپ حکمت یار کی طرف چلا گیا۔ زرگل کا چاچا حکمت یار اس کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ ممکن تھا، حکمت یار کے بندوں نے زرگل کا سراغ لگا لیا ہو۔

مجھ سے پٹنے والا دراز قامت شخص آہستہ آہستہ اپنے پاؤں سے اٹھنے لگا۔ میں نے دشمن پر نگاہ رکھتے ہوئے زرگل سے استفسار کیا ''کیا تم اس شخص کو جانتی ہو؟''

زرگل نے نفی میں گردن ہلائی۔ میں نے پوچھا ''کہیں یہ حکمت یار کا بھیجا ہوا تو نہیں۔''

''نہیں وجدان!'' وہ قطعیت سے بولی ''میں نے اس شخص کو زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔''

اس دوران میں دراز قامت شخص اٹھ کر پوری طرح کھڑا ہو گیا اور میری جانب دیکھتے ہوئے بولا ''کسی زرگل یا حکمت یار سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں تو تم سے کچھ حساب برابر کرنے آیا ہوں وجدان۔ ہماری اطلاعات کے مطابق خواب گاہ میں تمہیں ہونا چاہیے تھا لیکن تمہارے بجائے پٹھان دوشیزہ سے مکراؤ ہو گیا، اس پر لائٹ چلے جانے میں مزید الجھ گیا۔ بہرحال۔'' وہ ٹرانس بنا کر کھڑا ہو گیا۔

ہے، تم نے بہت مارشل آرٹس سیکھ رکھا ہے۔ تم سے دو دو ہاتھ کرنے میں بہت مزہ آئے گا۔''

میں نے زرگل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''تم بے شک اس ٹیبٹ کو ریوالور کے نشانے پر رکھو لیکن اس وقت تک گولی نہ چلانا جب تک ناگزیر نہ ہو جائے۔ یہ سراسر میرا اشکار ہے، میری طرف اس کا حساب نکلتا ہے۔ اس نے قرض کی وصولی کے لیے ہاتھ پاؤں چلا کر دکھائے ہیں۔ اسے میں ہی دو چار ہاتھ دکھاؤں گا۔ تم خود کو شانت رکھو۔''

میری بات ختم ہوئی ہی تھی کہ اس شخص نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اس کی طرف سے چنداں غافل نہیں تھا لہٰذا میں نے فوراً اس کی خاطر داری شروع کر دی۔ وہ جیسے ہی ہوا میں اچھلا، میں نے ہائی جمپ کی۔ ہم دونوں نے بہ یک وقت ایک دوسرے کو سائیڈ فلائنگ کِکس مارنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ ہمارے پاؤں کے بلیڈ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ردِعمل کے طور پر ہم دونوں ہوا میں رہتے ہوئے پیچھے کی جانب کھسکے اور زمین پر آتے ہی اپنے اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی پھر اللہ دتا نے چلّا کر پوچھا ''صاحب جی! آپ خیریت سے تو ہیں۔ آپ کی ساتھی کا کیا حال ہے؟'' اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی ''اندر کی صورتِ حال کیسی ہے۔''

''تم اندر کی فکر نہ کرو۔'' میں نے تیز آواز میں کہا ''باہر کے حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرو۔''

''اس سانڈ کو ہم نے پوری طرح قابو کر لیا ہے۔'' اس کا اشارہ عمران کی طرف تھا جسے میں تھوڑی دیر پہلے صدف کے حوالے کر آیا تھا۔ اللہ دتا بتا رہا تھا ''صدف بی بی نے اس شخص کو بھلا منا کر دیا ہے۔''

میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا ''تم گارڈ کے ساتھ گردو نواح کا جائزہ لو۔ خمیسن کو بھی ساتھ لے لو۔ دشمن کا جو بھی ساتھی نظر آئے اسے فوراً بے بس کرنے کی کوشش کرو۔ میں اندر والے سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''صاحب جی! آپ نے دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے، ہمیں آپ کی بڑی فکر ہے۔''

''اندر پردے والا کام ہو رہا ہے۔'' میں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

وہ بولا ''صدف بی بی آپ کے پاس آنا چاہتی ہیں۔''

''تم صدف کو اپنے ساتھ رکھو۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا ''کمرے سے باہر، کوٹھی میں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔''

میں اللہ دتا سے مزید گفتگو جاری نہ رکھ سکا۔ اسی وقت دراز قامت شخص نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ میں نے اس کی فرنٹ کک سے بچنے کے لیے پہلو تہی کی۔ وہ رائونڈ ہاؤس آزماتے ہوئے مجھ پر چڑھ دوڑا۔ میں نے ہوا میں اٹھی ہوئی اس کی ٹانگ کو اپر بلاک کی مدد سے مزید اٹھا دیا۔ زمین پر موجود اس کا پاؤں تھوڑا ڈگمگایا، اسی لمحے میں نے اسے پیچھے دھکا دے دیا۔ وہ پشت کے بل زمین پر گرا۔

اس مرتبہ میں نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا اور اچھل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے زمین پر لیٹے لیٹے میری ٹانگوں پر ایک خطرناک فرنٹ سوئپ (Front Sweep) مارنا چاہی، میں نے ہوا میں ہائی جمپ کی۔ اس نے کمر کو مرکز مان کر اپنے بدن کو ہوا میں گھمایا اور پھرتی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کھڑا ہوتے ہی اسے میرے پاؤں کا ایک شاندار تختہ وصول کرنا پڑا۔ میں نے زمین پر آتے ہی ایک پاؤں پر گھوم کر اسے جرک والی بیک کک ماردی تھی۔

یہ دھواں دھار کک اس کے تھوبڑے پر پڑی۔ وہ کراہ کر پیچھے گیا۔ میں نے ایک لمبا اسٹیپ لے کر اسے زوردار سائیڈ کک ماردی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے بڑھتے ہوئے دیوار سے جا لگا۔

اسے توقع ہو گی کہ دو چار ہاتھ مار کر مجھے زیر کر لے گا لیکن یہاں معاملہ اس کی توقع کے خلاف پیش آ رہا تھا۔ ابھی تک میں یہ جان نہیں سکا تھا کہ وہ مجھ سے کس قسم کا حساب چکانے آیا تھا۔ پتا نہیں، اس کا تعلق میرے دیرینہ دشمنوں سے تھا یا تازہ ترین دشمنوں سے۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ وہ منشا کا آدمی ہو گا۔

میرے ان خیالات کے دوران میں اس شخص نے ایک نئی حرکت کی۔ وہ بلیو جینز پر کاؤبوائے جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ خالی ہاتھ وہ مجھے زیر نہیں کر پا رہا تو اس نے اپنی جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈال کر ایک ہتھیار برآمد کر لیا۔ مجھے اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا نن چکو نظر آیا (نن چکو..... مارشل آرٹس کا ایک مخصوص ہتھیار ہے جو کم و بیش فٹ بھر لمبائی کے دو ڈنڈوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں ڈنڈے ایک مضبوط آہنی زنجیر سے منسلک ہوتے ہیں۔ دونوں ڈنڈے لکڑی، ربر یا کسی بھی دھات کے ہو سکتے ہیں) میں نے شاؤلن ٹیمپل میں قیام کے دوران میں سیلف ڈیفنس کی تربیت لیتے ہوئے ٹو پیس اور تھری پیس نن چکو نہ صرف چلانا سیکھا تھا بلکہ اس سے بچاؤ کی ٹریننگ بھی لی تھی۔ شاؤلن ٹیمپل

(Shaolin Temple) دنیا میں مارشل آرٹس کی سب سے بڑی تربیت گاہ ہے جہاں پر شاؤلن مارشل آرٹس کے نام پر ایک جہانِ حیرت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔

اس مرتبہ میرے مدِمقابل نے فوراً حملہ نہیں کیا۔ وہ نن چکو کو اپنے بالائی بدن کے مختلف حصوں سے گزارنے کے بعد ایک دائرے میں قدم اٹھانے لگا۔ نن چکو کا ایک ڈنڈا (اسٹک) اس کی بغل میں دبا تھا جب کہ دوسری اسٹک کو اس نے مضبوطی سے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ اسے حملہ کرنے کی جلدی نہیں تھی لہٰذا میں نے اس پر نگاہ رکھتے ہوئے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

''تم کون ہو، مجھ سے کیا دشمنی ہے، تمہیں یہاں کس نے بھیجا اور کیوں بھیجا ہے؟''

وہ غرایا ''تم کسی اسکول ماسٹر کی طرح مجھ سے سوال نہ کرو مجھے بتاؤ، تم نے قادر بخش اور فیض احمد کے ساتھ کیا کیا ہے؟''

''اوہ!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''میرا تو اندازہ درست تھا۔ تم منشا کے آدمی ہو؟''

''مجھے تمہاری خیال آرائی یا اندازوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ دائرے میں پیش قدمی کرتے ہوئے باہمی فاصلہ بتدریج کم کرتے ہوئے بولا ''ریاض علی نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اگر تم نے قادر بخش اور فیض کے بارے میں مجھے نہ بتایا تو میں تمہارا برا حشر کردوں گا۔''

ریاض علی وہی شخص تھا جسے میں نے وہائٹ ہائی روف کی ڈرائیونگ سیٹ پر مخصوص داؤ آزماتے ہوئے اننا ٹھکانے کر دیا تھا۔ اس شخص کی بات سے ظاہر ہوا کہ ریاض ہوش میں آنے کے بعد اپنے کیمپ میں پہنچ چکا تھا۔

میں نے نن چکو بردار دشمن کی اسٹپنگ پر نگاہ رکھتے ہوئے پوچھا ''ریاض نے آنکھ کھولنے میں بہت دیر لگا دی کیا تمہارے پاس مجھ منشا کے پاس اس قسم کے بودے آلہ کار ہیں؟''

''تم اس قسم کی اشتعال انگیز باتیں کر کے مجھے غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو وجدان!'' وہ گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''تم سیدھی طرح میرے ساتھیوں کے بارے میں بتاتے ہو یا میں کوئی الٹا طریقہ استعمال کروں۔''

''مجھے الٹا طریقہ زیادہ راس آتا ہے۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''بہتر یہی ہوگا کہ اپنے ارادے پر عمل کر ڈالو۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ تمہارے مطلوبہ دونوں بندے اس کوٹھی میں موجود نہیں ہیں۔''

''پھر کہاں ہیں؟'' اس نے جارحانہ انداز میں پوچھا

''وہ وہاں ہیں جہاں کی تمہیں خبر نہیں۔'' میں نے کے اسٹیپ کی مناسبت سے موافق اسٹیپ اٹھاتے ہوئے وہ سٹپٹائے ہوئے لہجے میں بولا ''میں وہی تو جاننا ہوں، وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

''وہ دونوں فاضلیہ کالونی والی اس کوٹھی میں ہیں جو انہوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' وہ درشت لہجے میں ''یہاں آنے سے پہلے ہم وہاں گئے تھے۔ ہم نے اس کو کونا کونا چھان مارا لیکن قادر بخش اور فیض احمد کا کوئی نہیں ملا۔''

''میں نے انہیں وہاں بڑی حفاظت سے رکھا ہے میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''انہیں پانے کے تمہیں میرے ساتھ فاضلیہ کالونی والی اس کوٹھی پر جانا لیکن ایک مسئلہ ہے!''

''کیا مسئلہ ہے؟'' وہ میری باتوں میں آتے ہو سنجیدگی سے بولا۔

''تم اس حالت میں جیتے جاگتے وہاں نہیں جا میں نے معنی خیز انداز میں کہا ''تمہیں اس مقام میں داخلے شرائط پر پورا اترنا ہوگا یعنی بے دست و پا ہونا پڑے گا۔''

وہ بھنائے ہوئے لہجے میں بولا ''یہ کیا بکواس ہے؟''

''اگر میری بات کا یقین نہیں تو زرگل سے پوچھ لو۔'' نے زرگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس تمہارے دونوں ساتھیوں کی حالت کا مشاہدہ کیا ہے۔ کیفیت میں ہیں کہ میری مرضی سے جیتے ہیں، میری سے مرتے ہیں۔'' پھر میں نے زرگل کو مخاطب کرتے کہا ''تم کب تک ریوالور کو اس مردود پر تانے بیٹھی اس کے ساتھی یا ساتھیوں پر باہر قابو پا لیا گیا ہے اور یہ بخش اور فیض احمد کے پاس جانے کا تقاضی ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں توڑوں، تم باہر جا کر صورتِ حال لو۔ ہو سکے تو اپنے آدمیوں کی مدد بھی کرو۔ اس ریوالور پاس ہی رکھو کسی بھی لمحے اس کی ضرورت پیش ایک لمحے کا توقف دے کر میں نے اضافہ کیا ''ویسے نہیں کہ صدف کے ہوتے ہوئے کسی اور کو ہاتھ پاؤں دینا پڑے۔''

زرگل میری ہدایت پر بستر سے نیچے اتری اور لمحے وہ بیڈروم کا دروازہ کھول کر باہر جا چکی تھی۔ مدِمقابل کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر پہلی مرتبہ

ہراس نظر آیا۔ اس کمرے سے باہر کی صورتِ حال اس کی مخالفت میں ہموار ہو چکی تھی اور بیڈروم کے اندر میں اس کے ہاتھ پاؤں توڑنے کی باتیں کر رہا تھا۔

اس نے چوکنا نظر سے بیڈروم کے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھا اور لپک کر میرے سر پر نن چکو کا کھڑادار کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ میں نن چکو کی اسٹک پر نگاہ رکھتے ہوئے فوراً اندر آیا، ہم دونوں کے جسم ایک دوسرے سے ٹکرائے اور نن چکو کی اسٹک میرے سر کے اوپر سے ہوتے ہوئے پشت کی طرف چلی گئی۔ اسی وقت میں نے اس کے سینے پر ہینڈ پش (Hand Push) آزمایا۔ وہ نن چکو سمیت دو قدم پیچھے ہٹا اور اپنے قدموں پر جم کر اس ہتھیار کو ہوا میں گھمانے لگا۔ وہ نن چکو کی آزاد اسٹک سے ہوا میں انگلش کا آٹھ بنا رہا تھا۔ یہ نن چکو کی خود حفاظتی میں استعمال ہونے والی ایک مخصوص حرکت ہوتی ہے۔

میں نے اس کی کمر پر نگاہ رکھتے ہوئے پنچ مارنے کا جھانسا دیا۔ وہ میرے جھانسے میں آ گیا۔ اس نے نن چکو کی آزاد اسٹک سے میرے بازو پر لاک لگانے کی کوشش کی۔ اس کی یہ حرکت میرے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ میں نے نن چکو کی اسٹک کو اپنے ہاتھ میں قابو کیا پھر دوسرے ہاتھ کا ایک زوردار پنچ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔

اس دھواں دھار کک نے اس کے ہاتھ سے نن چکو چھڑا دیا جو نتیجے کے طور پر اب میرے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ میرا پنچ اپنے چہرے پر کھا کر وہ بری طرح ڈکرایا اور چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپا کر لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے کی جانب گیا۔ میں نے ایک اسٹیپ لے کر فرنٹ ویل کک چلائی اور اسے چاروں خانے چت کر دیا۔

وہ چند ثانیے تک فرش پر پڑا حیران نظر سے بیڈروم کی چھت کو دیکھتا رہا پھر دونوں ہاتھ فرش پر مارتے ہوئے ہینڈ اسپرنگ (Hand Spring) کے سے انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نن چکو کو ہاتھ میں لینے کے بعد ایک لمحے کے لیے کہیں ٹھہرنے نہیں دیا۔ وہ کسی وِنڈمل (Wind Mill) کے پنکھے کے مانند میرے ہاتھوں میں گردش کر رہا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں بروس لی سے زیادہ نن چکو کا ماہر اور کوئی نہیں دیکھا تھا۔ شاؤلن ٹیمپل میں، میں نے بروس لی کے ہر ہر اسٹائل کی وڈیو دیکھی تھی اور اس کے بہت سے اسٹیپ کو اپنے فن میں شامل کر لیا تھا۔ اس وقت بھی میں نن چکو کے جو گردشی کمالات دکھا رہا تھا انہوں نے مدِمقابل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ نن چکو میرے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتے ہوئے خوبصورت فارمیشن پیش کر رہا تھا۔ دونوں اسٹک باری باری ہوا کو چیرتیں تو ایک مخصوص قسم کی ''شائیں شائیں'' کی آواز پیدا ہوتی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ظالم اور چابک دست شخص ہوا پر کوڑا زنی کر رہا ہو۔

میں چند لمحات کا یہ برق رفتار مظاہرہ کر کے تھما تو مدِمقابل کو جیسے ہوش آ گیا۔ وہ پلکیں جھپکا کر مجھے تکنے لگا پھر اس سے پہلے کہ میں اس پر کوئی اٹیک کرتا، اس نے ایک انتہائی بزدلانہ حرکت کی۔ اس نے ایک لمحے کو ٹھٹک کر مجھے دیکھا اور بیڈروم کے کھلے ہوئے دروازے کی جانب دوڑ لگا دی۔

یہ اس کی ایک اضطراری حرکت تھی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس کوٹھی میں داخل ہو کر بری طرح پھنس چکا تھا۔ اسے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو فرار ہی میں عافیت سمجھی میں اتنی آسانی سے اسے نکل بھاگنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے اپنی جگہ سے ایک نیچی پرواز کی اور کسی چیتے کے مانند جست بھر کر اس کی جانب لپکا۔ اسی وقت مجھے بیڈروم کے کھلے دروازے میں صدف کی جھلک نظر آئی۔ وہ میری ہی طرف آ رہی تھی۔ اس پرواز کے نتیجے میں، میں فرار ہونے والے شخص کو چھاپنے میں کامیاب ہو گیا اور ہم دونوں سامنے سے آتی ہوئی صدف سے جا ٹکرائے۔ ہمارا تصادم بیڈروم سے باہر ہوا تھا۔

سب سے پہلے صدف فرش سے اٹھی اور کسی بپھری ہوئی شیرنی کے مانند وہ مغرور پر ٹوٹ پڑی۔ مجھے یقین کرنا پڑا کہ قدرت نے صدف کو ڈاکٹر بننے کے لیے پیدا نہیں کیا تھا۔ میں اس کے خیالات سے متفق ہو گیا کہ وہ اپنے باپ کی فرمائشی خواہش پر ایک غلط فیلڈ میں چلی گئی تھی۔ اس وقت وہ کسی فیلڈ مارشل سے کم نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس شخص کی اتنے شاندار طریقے سے درگت بنا رہی تھی کہ مجھے خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنا پڑا۔

صدف کے سامنے ایک مارشل آرٹسٹ تھا اس لیے بھی اسے اپنے فن کے جوہر دکھانے کا بھرپور موقع مل رہا تھا۔ میں نے دیکھا، صدف کے اٹیک میں مارشل آرٹ سے زیادہ جمناسٹک شامل تھی۔ وہ ہوا میں الٹی سیدھی قلابازیاں لگا کر دشمن کا... سوا ستیاناس مار رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں مشاق اس نمک خوار نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے۔ وہ زمین پر پڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ غنیمت تھا کہ وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا جب کہ عمران نامی اس کے پہلوان نما ساتھی کو صدف نے لہولہان کر کے گہری بے ہوشی میں پہنچا دیا تھا۔

صدف ہاتھ جھاڑتے ہوئے ایک طرف ہٹی تو میں نے اس شخص کے نزدیک پہنچ کر کہا ''نام کیا ہے تمہارا؟''

''جمشید!'' اس نے نقاہت آمیز لہجے میں بتایا۔

''صرف جمشید یا جام جمشید؟'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''بہرحال، اب تم اس کنڈیشن میں آ چکے ہو کہ تمہیں تمہارے سائنٹ نما ساتھی کے ہمراہ وہاں پہنچا دیا جائے جہاں تمہارے مطلوبہ دو بندے قادر بخش اور فیض احمد پہلے سے موجود ہیں۔''

''تم اچھا نہیں کر رہے وجدان!'' وہ تنبیہ والے انداز میں بولا ''منشا صاحب سے دشمنی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''

میں نے کہا ''میں دوستی اور دشمنی کا کاروبار کرتا ہوں اور اس میں مہنگا سستا نہیں دیکھتا۔ یہ سوچنا تمہارے باس منشا کا کام ہے کہ اس نے مجھے چھیڑ کر گھاٹے کا سودا کیا ہے یا پھر مارکیٹ لوٹ لی ہے۔''

''تم ہمارے ساتھی واپس کر دو، ہم اپنی راہ بدل لیں گے۔'' اس نے کہا۔

میں نے کہا ''تم اس راہ پر اپنی مرضی سے آئے ہو، میری مرضی کے بغیر تم راہ نہیں بدل سکو گے اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ زیرِدام آئے ہوئے کسی بھی شخص کو مطالبے یا تجویز کا حق نہیں ہوتا۔ تمہارے اور تمہارے باس منشا کے بارے میں جو بھی فیصلہ کروں گا وہ میں ہی کروں گا اس لیے اب تم اپنی چونچ بند ہی رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں تم جیسے منحوس پرندے کے فرزندِ ارجمند کی چونچ کاٹنے اور جڑ سے اکھاڑنے کے ایک سو ایک طریقے جانتا ہوں۔''

وہ سہم کر مجھے تکنے لگا۔ اسی وقت زرگل اللہ دتا کے ساتھ بالائی منزل پر آ گئی۔ صدف نے اللہ دتا سے مخاطب ہوتے ہوئے استفسار کیا ''شکار کا کیا حال ہے؟''

میں نے چونک کر صدف کو دیکھا اور اللہ دتا کے جواب دینے سے پہلے ہی پوچھ لیا۔ ''کون سا شکار صدف؟ عمران اور جمشید تو یہ پڑے ہیں؟'' پھر میں نے بیرونی حملہ آوروں کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

صدف نے بتایا ''وجدان! ان کا تیسرا ساتھی بھی ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ وہ کوٹھی کے عقب میں ایک گرے ہائی روف میں موجود تھا۔ میں نے سیکیورٹی گارڈ کی مدد سے جلال نامی اس شخص پر قابو پا کر کوٹھی کے اندر پہنچا دیا ہے۔ جلال کے قبضے سے ہمیں ایک کلاشنکوف بھی ملی ہے۔''

صدف کی اس کامیابی پر مجھے جس درجہ خوشی ملی، اس سے کہیں بلند درجہ رنج جمشید کو ہوا۔ اس کی رہی سہی امید بھی ختم ہو گئی ورنہ شاید وہ جلال کی طرف سے کسی مدد کی امید کر رہا ہو گا۔ اس نے کسی ہارے ہوئے جرنیل کے مانند گردن جھکا دی۔

اللہ دتا نے صدف کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''بی بی جی! جلال پوری طرح قابو میں ہے۔ تحسین نے اسے گن پوائنٹ پر لے رکھا ہے۔''

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جلال سے چھینی ہوئی کلاشنکوف اسے حدود میں رکھنے کے لیے ہی استعمال ہو رہی تھی۔ میں نے صدف کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا ''کیا ان لوگوں کی گرے ہائی روف ابھی تک عقبی سڑک پر ہی کھڑی ہے؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے اللہ دتا سے کہا ''اس گاڑی کو فوراً کوٹھی کے اندر لے آؤ جب تک میں ان لوگوں کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرتا، ہائی روف کوٹھی میں رہے گی۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے سوال کیا ''کیا چابی وغیرہ گاڑی میں لگی ہوئی ہے؟''

''جی ہاں، چابی اگنیشن میں موجود ہے۔'' اللہ دتا نے بتایا۔

''تب فوراً میری ہدایت پر عمل کیا جائے۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

آئندہ پندرہ منٹ میں ہم سب فرید پاشا کی کوٹھی کی زیریں منزل پر پہنچ چکے تھے اور دشمن کی آمد کا ذریعہ وہ گرے ہائی روف بھی کوٹھی کے اندر اپنی جگہ بنا چکی تھی۔ میں نے سیکیورٹی گارڈ کو گیٹ پر چوکس رہنے کی تاکید کی اور منشا کے بھیجے ہوئے تینوں افراد کو ایک ہاتھ روم میں بند کر دیا۔ انہیں اس ضروری کمرے میں پہنچانے سے پہلے میں نے تحسین اور اللہ دتا کی مدد سے ان کے ہاتھ پشت پر اچھی طرح کس کر باندھ دیے تھے۔ ان میں سے عمران ہنوز بے ہوش تھا جب کہ جمشید اور جلال بھی کسی قسم کی مزاحمت کے قابل نہیں تھے۔ لیکن احتیاط لازم تھی اس لیے میں نے ان کے ہاتھوں کو نائیلون کی بندشوں کے سپرد کر دیا تھا۔

وہ تینوں تسلی بخش انداز میں، واش روم نشین ہو چکے تو میں نے تحسین سے کہا ''تم یہ گن زرگل کے حوالے کر دو..... اور خود جا کر آرام کرو۔ تم ہماری خاطر اپنا ذہنی مون خراب نہ کرو۔ وہاں بیڈروم میں آمنہ تمہارے لیے فکرمند ہو گی۔ نو بیاہتا دلہن کو انتظار اور تشویش کی ان منزلوں سے گزارنا ٹھیک نہیں۔''

''وجدان صاحب! آمنہ واقعی اس واقعے سے بہت خوفزدہ ہے۔'' تحسین نے کہا ''ایک مرتبہ تو اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا، تحسین! کیا تمہارے سر کے گھر پر کسی فلم کی شوٹنگ ہو

رہی ہے۔''

تحسین، فرید پاشا کا اسسٹنٹ تھا اور ظاہر ہے فلم لائن کا بندہ ہونے کے سبب اس کی گفتگو میں فلمی سچویشن کا آ جانا کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

میں نے اس سے کہا ''تم اپنی بیوی کو جا کر سمجھاؤ کہ زندگی کسی فلم کے مانند ہی ہے۔''

''سر!'' وہ ممنون نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''ان حالات میں آپ کو چھوڑ کر بیڈروم میں جانا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ آمنہ کو بھی یہیں بلا لیتا ہوں۔''

''اور اگر یہاں پھر کسی حقیقی منظر کی شوٹنگ شروع ہو گئی تو.....!''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا ''تحسین! تم نے متعدد فلموں کے سیٹ پر فائٹ کے سین دیکھے اور شوٹ کروائے ہوں گے لیکن میں فلمی دنیا کا بندہ نہیں۔ میری حقیقی زندگی میں فلموں سے کہیں زیادہ مار دھاڑ اور تھرل موجود ہے۔ اور میں ہر قسم کی سچویشن سے نمٹنا جانتا ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو اور اپنی بیوی کے پاس چلے جاؤ۔ اگر تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئی تو میں تمہیں فوراً بلا لوں گا۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے مشورے پر اس بیڈروم کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کی نوبیاہتا دلہن اس کے لیے تشویش بھرے اندیشے اپنے ذہن میں سمائے بیٹھی تھی۔ ویسے تینوں حملہ آور ہمارے قابو میں آ چکے تھے اس لیے زیادہ فکرمندی کی بات نہیں تھی۔ اس وقت میرا ذہن ان تینوں کو فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے تہ خانے میں منتقل کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ انہیں پاشا کی اس کوٹھی میں رکھنا مناسب نہیں تھا۔

اس دوران میں واپڈا کی مہربانی سے لائٹ آ گئی اور اللہ دتا نے جنریٹر آف کر دیا۔ لائٹ آنے سے آپوں آپ میرا دھیان ڈارلنگ کی طرف چلا گیا پھر وہ منظر میری نگاہ میں گھوم گیا جب میں نے ایک زخمی باکس میں سے اس کی عقبی ٹانگیں جھانکتے دیکھی تھی اس کے بعد لائٹ چلی گئی تھی اور زرگل کی وحشت ناک چیخ نے ہمیں سب کچھ چھوڑ کر اس کی جانب دوڑ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اللہ دتا خاصا مردم شناس واقع ہوا۔ اس نے میرے چہرے سے میری سوچ کا اندازہ لگا لیا اور ٹھہری ہوئی آواز میں بولا ''صاحب جی! وہ ڈبا اندر لے آیا ہوں جس پر آپ نے فائر کیا تھا۔''

''کہاں ہے وہ باکس؟'' میں نے بے تابی سے پہلو

اس نے بتایا ''ادھر ڈرائنگ روم میں رکھا ہے جہاں

رات آپ نے ڈیرا جمار رکھا ہے۔''

میں اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہو گیا۔ صدف

کھڑی ہو گئی۔ میں نے زرگل کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

گن سمیت یہیں موجود رہو۔ اللہ دتا تمہارے ساتھ ہے۔

یہ تینوں خبیث واش روم کے اندر کسی قسم کا اودھم مچانے

کوشش کریں تو فوراً مجھے اطلاع دینا۔ ویسے مجھے امید نہیں

تمہارے لیے کوئی پریشانی پیدا کریں۔''

''تم ادھر سے بے فکر ہو کر ادھر جاؤ۔'' وہ کلاشنوف

مخصوص انداز میں تھپتھپاتے ہوئے بولی ''میں یہاں

صورتِ حال سے نمٹ لوں گی۔''

اس پشتون دوشیزہ کے ہاتھ میں گن بہت پھب رہی

تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ اس ہتھیار

بخوبی استعمال کرنا بھی جانتی ہے۔ میں مطمئن ہو گیا۔ پہلوان

نما عمران نے مجھے اور صدف کو جس پسٹل سے دھمکانے

کوشش کی تھی، لائٹ آنے پر اسے تلاش کر لیا گیا تھا اور

نے اسے اللہ دتا کے حوالے کر دیا تھا۔ فیض احمد سے چھینا ہوا

لوڈڈ ریوالور میں نے حفاظت کی غرض سے زرگل کو دیا

اسے تحسین کے سپرد کر دیا گیا۔ اس طرح میرے تمام ساتھی

مسلح ہو گئے سوائے میرے اور صدف کے.....اور ہمیں اپنے

معاملات سے نمٹنے کے لیے آتشیں اسلحے کی ضرورت بھی نہیں

تھی۔ ویسے جمشید کا نن چکو میری تحویل میں تھا لیکن میں اسے

استعمال کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس قسم کے ہتھیار میرے

لیے اہمیت کے حامل نہیں رہے تھے۔ مارشل آرٹس کے

فائٹرز، فائٹنگ کے دوران میں گاہے بہ گاہے جمناسٹک کی

میکینکس کا استعمال کرنا جانتے ہیں۔ انہیں نن چکو، اسٹک

اور نجا اسٹارز کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو بے اختیار میری

نگاہ اس باکس کی طرف اٹھ گئی جو سینٹرل ٹیبل پر رکھا تھا۔ تھوڑی

دیر پہلے میں نے اس جمبو باکس پر فائر کیا تھا جس کے نتیجے

اس میں پیدا ہونے والے شگاف نے مجھے ڈارلنگ کی

ٹانگوں کی جھلک دکھائی تھی۔ اس منظر نے میرے دل کی

دھڑکن کو حد درجہ بڑھا دیا تھا۔

میں اور صدف آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

باکس ہمارے درمیان ٹیبل پر موجود تھا۔ اور میری فائرنگ

اس میں بننے والے شگاف میں سے ڈارلنگ کی ٹانگیں

بھی جھانک رہی تھیں اللہ دتا نے بہت ہی احتیاط اور حفاظت

سے اس باکس کو یہاں پہنچایا تھا۔

فائرنگ نے صدف اور اللہ دتا کے خدشے کی تردید کر دی تھی کہ کہیں اس باکس میں کوئی بم یا آتش گیر مادہ نہ ہو لہٰذا اسے ہاتھ لگانے میں کسی قسم کا رسک پوشیدہ نہیں تھا۔ میں نے اس پر چپاں چٹ کو ایک مرتبہ پڑھا اور پھر بے دھڑک وہ باکس کھول ڈالا۔

باکس کے اندر ڈارلنگ کی گردن کٹی لاش رکھی تھی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس منظر نے مجھے سرتاپا لرزا دیا تھا۔ وہ میری محبوبہ کی حیثیت میں جلوہ گر ہونے لگی تھی اور بعض نازک لمحات میں اس نے ایک محسن کی طرح میری بھرپور مدد بھی کی تھی۔ کسی عزیز ہستی کی کٹی ہوئی گردن کو دیکھنا کس قدر تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے اس کا اندازہ بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے۔

باکس کے اندر خون کی زیادہ مقدار نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا یہی مطلب تھا، ڈارلنگ کو کہیں اور قتل کیا گیا تھا اور بعد میں اس کی گردن کٹی لاش کو اس کنگ سائز ڈبے میں پیک کر کے وجدان علی ابن عابد علی کو پیش کیا گیا۔ میں نقلی وجدان کی اس بہیمانہ حرکت پر تلملا کر رہ گیا۔ میری ڈارلنگ کا قاتل وہی تھا۔ اسی شیطان نے اسے پاشا کے بنگلے سے اغوا کیا تھا۔ وہ ڈارلنگ سمیت اللہ دتا اور سیکیورٹی گارڈ کو جل دینے میں کامیاب رہا تھا۔

اچانک صدف کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''وجدان! ڈارلنگ کے نیچے بھی مجھے کچھ نظر آ رہا ہے۔ ذرا ادھر دیکھو۔''

ڈارلنگ کی اس حالت نے صدف کو بھی گہرے صدمے سے دوچار کر دیا تھا۔ میں نے اس کی آواز میں غم کی پرچھائیں کو لہراتے محسوس کیا۔ اس کی توجہ دلانے پر میں نے بھی ڈارلنگ کے نیچے کسی دھاتی شے کو دیکھ لیا۔ میں نے اس باکس کو پہلو کے بل جھکایا تو مذکورہ شے کھل کر سامنے آ گئی۔

میں اس وفادار خنجر کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میرے مرحوم دوست امتیاز علی کی یادگار تھا اور میں نے اس کی پیاسی دھار کی مدد سے میاں زاہد حسین سمیت بہت سے کیسے پیچیدہ کی شہ رگ کی مزاج پرسی کی تھی۔ لیکن یہ خنجر یہاں کیسے پہنچ گیا۔ میں تو شعیب غوری کے مشورے پر اس خنجر کو کراچی ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ ڈارلنگ کی لاش کے ساتھ اس خنجر کو مجھ تک پہنچانے کا ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ مجھے بتایا جا رہا تھا، وہ میرے ہاتھوں میری گردن بھی کاٹ سکتا تھا۔ یہ نقلی وجدان تو بہت ہی کمینہ واقع ہو رہا تھا۔

پھر میرا دھیان شعیب غوری کی طرف چلا گیا۔ ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو میں وہ بہت بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا اور اس نے یہ انکشاف بھی کیا تھا بلکہ مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں گزشتہ رات کراچی میں موجود تھا اور اس کے اڈے ساؤتھ پر میں نے ہی اپنی نگرانی میں کارروائی کروائی تھی۔ اس نے جس حوالے سے میرا ذکر کیا وہ نقلی وجدان رفت بیٹھتا تھا۔ اور اب کراچی میں چھوڑا ہوا خنجر بھی یہاں پہنچ گیا تھا۔ نقلی وجدان نے اگر واقعی اس خنجر سے ڈارلنگ کی گردن کاٹی تھی تو پھر اس کی سفاکی اور پہنچ میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

میں نے اس باکس کو توڑا ہلایا جلایا تو ایک تہ شدہ کاغذ پر نظر پڑی۔ مذکورہ کاغذ ڈارلنگ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ صدف نے بھی وہ کاغذ دیکھ لیا اور بے اختیار انگلی سے اس جانب اشارہ بھی کر دیا۔ میں نے خنجر اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی نوک سے وہ تہ شدہ کاغذ ڈارلنگ کے مردہ وجود کے نیچے سے کھینچ لیا۔

تجسّس کے ہاتھوں مجبور ہو کر صدف اپنے صوفے سے اٹھی اور میرے پہلو میں جڑ کر بیٹھ گئی۔ اس دوران میں، میں وہ تہ شدہ کاغذ کھول چکا تھا۔ کاغذ کی تحریر پڑھتے ہی مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ ہو بہو میری تحریر تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے لکھے کو پڑھ رہا ہوں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس وقت میں کس کیفیت سے گزر رہا تھا۔ نقلی وجدان نہ صرف کمال کا ہپر پیا تھا بلکہ وہ تو بہترین نقال بھی ثابت ہو رہا تھا۔ میں حیرت اور تجسّس کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہ تحریر پڑھنے لگا۔ وہاں میری ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

''وجدان! ڈارلنگ نامی یہ بلی اب تمہارے لیے بہت خطرناک ثابت ہونے والی تھی۔ اسی لیے میں نے اسے ختم کر دیا۔ شاید تمہیں میری بات کا یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ پچھلے چند گھنٹوں سے اس کے اندر ایک بری طاقت نے بسیرا کر لیا تھا۔ بدی کی وہ طاقت آگے چل کر تمہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے والی تھی لہٰذا میں نے تمہیں محفوظ رکھنے کے لیے ڈارلنگ کا قصہ تمام کر دیا۔ بدی کی وہ قوت ایک بلی سمیت اپنے انجام کو پہنچ گئی اور تمہارا خنجر تمہارے پاس۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتا، عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے!''

میں نے اس عجیب و غریب تحریر کو بار بار پڑھا اور ہر بار ایک ہی نتیجہ برآمد ہوا اور وہ یہ کہ نقلی وجدان میرا دشمن نہیں بلکہ دوست ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس قسم کی دوستی نبھا رہا تھا اور کیوں؟ وہ کون ہے جو میرے بہروپ

میں کبھی لاہور میں موجود ہے تو کبھی کراچی میں نظر آتا ہے۔ ان حرکات سے وہ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ سچے دوست تو کھل کر سامنے آتے ہیں اور کندھے سے کندھا ملا کر دوستی کا عملی ثبوت دیتے ہیں۔ یہ بہروپیا تو عجیب حرکتیں کر رہا تھا۔ اس کا انداز چوروں والا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خطرناک سوال ابھرا..... کہیں یہ میرے دشمنوں کی کوئی نہایت ہی گہری چال تو نہیں وہ دوستی کی آڑ میں مجھے گھیرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟

صدف نے میرے خیالات پڑھ لیے۔ ظاہر ہے، وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی تھی۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات اور موجودہ صورتِ حال سے وہ اندازہ لگایا ہوگا جو الفاظ کا روپ دھار کر اس کی زبان سے پھسل گیا۔ میں نے اس کی آواز میں بڑی واضح تھرتھراہٹ محسوس کی۔

''وجدان! یہ دوستی کوئی خطرناک جال بھی ہو سکتی ہے۔ جس کے ذریعے دشمن تمہیں ٹریپ کرنا چاہتا ہو!''

''میں بھی اسی انداز میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

اسی وقت اللہ دتا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور یہاں کی صورتِ حال اس سے پوشیدہ نہ رہ سکی تاہم نقلی وجدان کے خط کو میں نے اس سے چھپانا مناسب سمجھا اور پوچھا ''تم خیریت سے آئے ہو نا؟''

''جی صاحب!'' وہ ڈرائنگ کے مردہ وجود کو حسرت ناک انداز میں دیکھتے ہوئے بولا ''میں یہ پوچھنے آیا تھا، آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کوئی چائے یا کافی وغیرہ؟''

میں نے صدف کا عندیہ لیے بغیر دوٹوک انداز میں کہا ''فی الحال نہیں ہم فوری طور پر ان تین شیطانوں کو ٹھکانے لگانے جا رہے ہیں جو واش روم میں بند ہیں۔ اتنی دیر میں تم ڈرائنگ کو ٹھکانے لگا دو۔ ہمیں اب اس سے جدا ہونا ہی پڑے گا۔''

حقیقت کو تسلیم کر لیں تو بڑے سے بڑے سانحے کا غم بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن عموماً انسان غیر حقیقت پسند واقع ہوا ہے اسی لیے زندگی بھر دکھ اور پریشانیاں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں جن میں سے زیادہ تر خود اس کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ ڈرائنگ کو واپس نہیں لایا جا سکتا تھا۔ نقلی وجدان کے تحریری پیغام میں کس حد تک صداقت تھی اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کر سکتا تھا۔ وقت..... جو بہت ظالم ہے۔ اس کا ظلم نظر نہیں آتا الزام انسان ہی کے سر جاتا ہے۔ یہ ظالم اپنی مخصوص رفتار سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔

اللہ دتا چند لمحے خاموش رہا پھر تشویش ناک لہجے میں پوچھنے لگا ''صاحب جی! یہ بلی تو مر چکی ہے۔ میں اسے کہیں بھی ٹھکانے لگا دوں گا۔ کیا آپ بھی ان تینوں کو ٹھکانے لگانے.....''

اس نے جملہ نامکمل چھوڑا اور سہمی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں اس کے ادھورے جملے کا مفہوم سمجھ گیا تھا، میں نے جلدی سے کہا ''نہیں اللہ دتا! تم جیسا سمجھ رہے ہو میرا ویسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں انہیں ایسی جگہ پہنچانے جا رہا ہوں جہاں یہ زندہ رہیں لیکن کسی بے ضرر کیچوے کی طرح۔ فرید پاشا کے آنے تک انہیں زندہ رکھنا ضروری ہے۔ پاشا ہی ان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرے گا۔''

وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگا۔

میں نے کہا ''ہم واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ تم اچھی سی چائے بنا کر پلا دینا، اس رات کی ساری کوفت دور ہو جائے گی۔''

پھر میں صدف کے ساتھ اس کمرے میں آیا جس کے ملحقہ واش روم میں تینوں حملہ آور مقید تھے۔ زرگل نے مجھ سے پوچھا ''وجدان! ان کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

وہ کلاشنکوف تھامے بڑی چاق و چوبند اور مستعد دکھائی دیتی تھی۔ میں نے کہا ''فی الحال تو میں انہیں اسی خفیہ مقام پر پہنچانے جا رہا ہوں جو تمہارا دیکھا بھالا ہے۔ اور جہاں ان کے دو ساتھی پہلے سے موجود ہیں۔ یہ انہی کو ڈھونڈتے ڈھانڈتے تو یہاں پہنچے ہیں۔ کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راہ دکھانا تو ثواب کا کام ہے۔''

اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور خاموش ہو گئی۔

میں نے اللہ دتا سے کہا ''تم نسان پٹرول (Nissan Patrol) کو گیرج سے باہر نکالو۔ میں آ رہا ہوں۔''

اس کے بعد میں نے تحسین اور زرگل کو چند ضروری ہدایات دیں پھر تحسین اور اللہ دتا کی مدد سے ہم نے زخمی حراست ان تین افراد کو ہیوی ڈیوٹی جیپ کے اندر پہنچا دیا۔ اس موقع پر سیکیورٹی گارڈ عمر دین نے بہت تعاون کیا۔ اس نے کوٹھی سے رخصت ہونے سے پہلے اسے چوکنا رہنے کی تلقین کی۔ عمر دین خاصا سمجھ دار گارڈ تھا۔ اس کے ساتھ زیادہ دماغ نہیں کھپانا پڑتا تھا۔ جب ہماری جیپ کوٹھی سے رخصت ہوئی تو رات کے دو بج رہے تھے، گویا ہفتے کا دن شروع ہو چکا تھا!

☆☆☆

سرِ شام جس خنکی نے لاہور کی فضا میں اپنی آمد کا اعلان کیا تھا، وہ رات کے تیسرے پہر اچھی خاصی ٹھنڈ میں بدل چکی تھی۔ میرے ساتھ گرمی سردی کا زیادہ مسئلہ نہیں تھا۔ میری زیبت اس انداز میں ہوئی تھی کہ موسمی سختیاں مجھے زیادہ پریشان نہیں کرتی تھیں البتہ صدف کو میں نے سکڑ کر بیٹھے دیکھا تو کہا ''اچھا ہوتا، تم کوٹھی سے روانہ ہوتے وقت کوئی گرم شال وغیرہ لے لیتیں!''

''میں کسی گرم کپڑے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی ''یہ سوئٹر کافی ہے۔''

صدف نے چست جینز پر سفید ہائی نیک لونز سوئٹر پہن رکھا تھا۔ میں نے کہا ''اگر تمہیں سردی نہیں لگ رہی تو یوں سکڑ سمٹ کر کیوں بیٹھی ہو؟''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ جلدی سے اپنے بدن کے زاویے تبدیل کرتے ہوئے بولی۔

میں سمجھ گیا، وہ عورت کی مخصوص نفسیات کے زیرِ اثر اس انداز میں بیٹھی تھی۔

وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی ''کیا ہمیں بہت زیادہ دور جانا ہے؟''

صدف نے اپنے سوال میں بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا اور مطلوبہ مقام کے بارے میں نہیں پوچھا۔ اسے خیال تھا کہ جیپ میں تین دشمن بھی موجود ہیں۔ یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ میں جسیشہ نامی دراز قامت شخص کو بتا چکا ہوں کہ ان کے دیگر دو ساتھی کہاں ہیں۔ بہرحال، صدف کا محتاط انداز موقع محل کی مناسبت سے بہت موزوں تھا۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

''کچھ زیادہ دور نہیں۔ تم یوں سمجھ لو کہ پاشا کی اس کوٹھی اور اس کوٹھی کے درمیان تمہارے ماموں اورنگ زیب خان کی رہائش گاہ ہے۔''

''اوہ!'' اس نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی ''اس کا مطلب ہے، ہم پاشا انکل کی کسی سرکوٹھی میں جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہم دس منٹ بعد وہاں ہوں گے۔''

''تمہارا خیال درست ہے'' میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے صدف کو مختصراً اپنے حالات سے آگاہ کر دیا تھا تاہم تہہ خانے کا راز اس پر عیاں نہیں کیا تھا اور اب یہ بات اس سے چھپی نہ رہتی۔ میرے خیال میں، اس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ صدف کو مجھ سے ملے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن دو تین مواقع پر اس نے جس طرح اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری مدد کی میں اسے فراموش یا نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اگر فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے تہہ خانے کا راز اس پر کھل جاتا تو اس میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ وہ اب میرے دوستوں میں شمار ہوتی تھی، اچھے دوستوں میں!

اس کے بعد صدف نے کوئی سوال نہیں کیا اور ہم شادمان کالونی کو پیچھے چھوڑ کر شاہ جمال روڈ پر آ گئے۔ ہماری منزل وہ کوٹھی شاہ جمال اور فاضلیہ کالونی کے سنگم پر واقع تھی تاہم اس کا شمار فاضلیہ کالونی میں ہی ہوتا تھا فرید پاشا نے مجھے بتایا تھا، کسی زمانے میں اس کے علاوہ دیگر چند معروف آرٹسٹ بھی فاضلیہ کالونی میں رہتے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہ گلبرگ اور ڈیفنس سوسائٹی کا رخ کرنے لگے بعض ماڈل ٹاؤن میں جا بسے مجھے فلم اور فلم والوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اس لئے میں نے پاشا کی فراہم کردہ معلومات پر زیادہ توجہ نہ دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہماری جیپ مطلوبہ کوٹھی کے قریب پہنچ گئی اور اسی لمحے ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آ گیا نسان پٹرول کے انجن نے احتجاجی آواز خارج کی اور بڑی نقاہت سے خاموش ہو گیا۔ میں نے مجبوراً جیپ کو روڈ سے نیچے اتار لیا مجھے اس دوران میں اتنا موقع مل گیا تھا کہ اسٹیئرنگ گھما کر جیپ کو ایک جانب کر لوں وہ مقام کوٹھی سے سو گز کے فاصلے پر ہوگا۔ یہ بڑی واہیات صورتِ حال تھی۔ مجھے اس دوران میں اتنا موقع مل گیا تھا کہ اسٹیئرنگ گھما کر جیپ کو ایک جانب کر لوں۔

میں نے ڈرائیونگ میں مہارت تو حاصل کر لی تھی لیکن گاڑی کے تکنیکی معاملات کا مجھے زیادہ علم نہیں تھا۔ دراصل مکینکل باتیں میرے لئے غیر دلچسپ اور بورنگ ثابت ہوتی تھیں اس لئے میں نے گاڑی اور انجن کے بارے میں جاننے کے سلسلے میں کبھی بھی سنجیدگی نہیں دکھائی۔

میں نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جیپ کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن کام یابی نہ ہوئی۔ صدف نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''وجدان! اس کے انجن سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرو، شاید بات بن جائے'' وہ یہ مشورہ دیتے ہوئے میری جانب اتنا زیادہ جھک آئی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ خود سے چھیڑ چھاڑ کی پیش کش کر رہی ہو۔ میں نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر مارتے ہوئے کہا۔

''میں اس معاملے میں اناڑی ہوں صدف!''

''کیا واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے میری آنکھوں میں

دیکھا۔

''کیا واقعی؟'' اس نے بے یقینی سے میری آنکھوں میں دیکھا۔

میں نے کہا ''ہاں، واقعی۔ میں صرف ڈرائیونگ جانتا ہوں، مکینک نہیں ہوں۔''

اس کی تشویش میں اضافہ ہوگیا، بولی ''میرے استعمال میں بھی اسی موٹر کمپنی کی گاڑی ہے لیکن تمہاری طرح میں بھی ڈرائیونگ تک محدود ہوں۔''

صدف کے پاس ایک چمچماتی ہوئی دھاتی سنی میں نے دیکھی تھی یہ ایک اتفاق تھا کہ اس وقت بھی ہم نسان کمپنی کی ایک جیپ میں بیٹھے تھے جس نے لبِ بام ہمیں دھوکا دے دیا تھا۔ میں نے صدف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے، ہم دونوں ہی اس معاملے میں اناڑی ہیں!''

میرا جملہ ذومعنی تھا اور اس وقت میں براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ بھی رہا تھا۔ وہ پتا نہیں، میری اس بات کا کیا مطلب سمجھی کہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو اپنی گاڑی میں جب بھی کوئی پرابلم پیش آتی ہے، میں گیراج والوں کو فون کردیتی ہوں۔ پاپا ڈیفنس کے ایک معروف گیراج سے اپنی گاڑیوں کا کام کراتے ہیں''

میں نے اس کی بوکھلاہٹ کو انجوائے کرتے ہوئے کہا ''تمہارے پاپا اور وہ معروف گیراج کراچی میں ہے ہم انہیں فون کرکے کسی قسم کی مدد حاصل نہیں کرسکتے''

''پھر کیا کریں؟'' وہ ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی ''ان تین لفنگوں کے ساتھ سرِ راہ کھڑے رہنا بھی ٹھیک نہیں۔ گشتی پولیس کی کوئی موبائل اس طرف آسکتی ہے۔ اگر ان تینوں کو انہوں نے اس حالت میں دیکھ لیا تو ہمارے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔''

وہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ ہم اس وقت ایک نازک صورتِ حال سے دوچار تھے میں نے کہا ''ہمیں دھکا لگا کر جیپ کو کوٹھی تک لے جانا ہوگا۔ اور کوئی صورت فی الحال ممکن نہیں''

صدف نے پوچھا ''وہ کوٹھی یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے جہاں تم جانا چاہتے ہو؟''

میں نے انگلی سے فاصلیہ کالونی والی کوٹھی کی جانب اشارہ کیا اور کہا ''میرے خیال میں یہ فاصلہ سو گز کے لگ بھگ ہوگا!''

''یہ تو اچھا خاصا فاصلہ ہے وجدان!'' وہ پریشان لہجے میں بولی ''ہمارے پاس ایک ہیوی ڈیوٹی جیپ ہے پش دے کر وہاں تک اسے لے جانا آسان نہیں ہوگا۔''

''میری زندگی میں کچھ بھی آسان نہیں صدف!'' میرا لہجہ اچانک قدرے تلخ ہوگیا ''دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم ان تینوں کو اپنے کندھوں پر ڈھو کر کوٹھی کے اندر لے جائیں''

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے پُرسوچ انداز میں بولی ''یہ صورت تو پہلی شکل سے بھی زیادہ مشکل ہے''

''تب ہم پہلی صورت کو ہی اپنائیں گے'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''تم ڈرائیونگ سیٹ پر آجاؤ۔ میں نیچے جاکر جیپ کو پش دیتا ہوں''

پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، میں ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر جیپ سے باہر نکل آیا میں نے جیپ کو دھکا لگانے سے پہلے پچھلے حصے میں فرش پر پڑے ان تینوں کا جائزہ لیا۔ وہ بڑی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چپ چاپ وہاں موجود تھے۔ ان میں پہلوان نما ساتھ عمران نامی شخص تو ہنوز بے ہوش تھا۔ جمشید کا شمار بھی نیم بے ہوش میں کرنا چاہئے البتہ گرے ہائی روف سے ہتھے چڑھنے والا جلال اپنے حواس میں نظر آتا تھا لیکن بے بسی و بے کسی کی کسی تصویر کو شرما رہا تھا۔

میں نے جیپ کو دھکا لگانا شروع کیا تو ایک احساس نے بری طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ سچ ہے نسان پٹرول جیسی بھاری جیپ کو دھکیلنا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں تھی اور میں اس کام کے لئے جی سے مدد لے رہا تھا لیکن میں نے جس عجیب احساس کا ذکر کیا ہے وہ یہ تھا کہ میرے ساتھ کوئی ... اور شخص بھی اس جیپ کو دھکیل رہا ہے اس احساس نے میرے رگ و پے میں سنسنی سی دوڑا دی۔

میں نے بہ دستور جیپ کو پش کرتے ہوئے سر کو جھٹکا لیکن اس احساس سے نجات نہ ملی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ احساس میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ میں نے اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے پیش و گرد کا جائزہ لیا چاروں طرف خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ رات کے اس پہر شاہ جمال روڈ سنسان پڑی تھی اور دور دور تک کسی جان دار کے آثار نظر نہیں آتے تھے اس کے باوجود بھی میں اپنے احساس سے چھٹکارا نہیں پاسکا۔

جب میں اپنی کیفیت کی کوئی وضاحت نہ کرسکا تو میں نے ایک تجربہ کرنا چاہا۔ میں نے جیپ کو پش دینے سے ہاتھ روک لیے اور ساتھ ساتھ دوڑتا رہا۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جیپ کو بہ دستور پش مل رہا تھا۔ اگر وہ میرے ہاتھ کی باقیات ہوتی تو تھوڑی دیر بعد پہیوں کی گردش رک جاتی

مگر میں دیکھ رہا تھا کہ جیپ کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی گویا اسے مسلسل دھکیلا جا رہا تھا۔ ایسا کون شخص تھا جو مجھے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جیپ کو پش دے رہا تھا پہلے میں اسے اپنے احساس کا دھوکا سمجھا تھا کہ کوئی میرے ساتھ موجود ہے مگر اس عملی تجربے نے ثابت کر دیا کہ میرے احساس کو دھوکا نہیں ہوا، کوئی پراسرار قوت میرے آس پاس موجود تھی جو جیپ کو دھکیل کر فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے گیٹ کی سمت بڑھا رہی تھی۔

پراسرار قوت کے خیال نے مجھے لامحالہ چی کی جانب متوجہ کر دیا۔ اس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ میں نے جیپ کو دھکیلنے کے لئے چی کی قوت سے مدد لی تھی۔ میرا پش ہٹا دینے کے بعد بھی اگر جیپ کی رفتار میں کمی نہیں آئی تو اس کا ایک ہی مطلب تھا، میں چی کی لامحدودیت کے تجربے سے گزر رہا تھا۔ ان دنوں نہایت ہی پابندی کے ساتھ میں چی کی ایڈوانس مشقیں کر رہا تھا۔ یہ ممکن تھا، میرے اندر بیدار چی کی قوت کی کوئی ارفع واعلیٰ شکل تک میری رسائی ہو گئی ہو۔ پراسرار قوتوں کا کوئی آخیر نہیں ہوتا۔ ان کی حدود کا تعین کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ کوئی بھی عامل ان کا منتہی نہیں ہو سکتا۔ یہ لامحدود (INFINITE) ہوتی ہیں۔

چی بھی ایک پراسرار اور حیرت انگیز قوت ہے۔ شاؤلن ٹیمپل میں تربیت کے دوران میں، میں نے اس قوت کے ایسے ایسے کمالات دیکھے تھے کہ آنکھیں خیرہ اور ذہن دنگ ہو کر رہ گیا۔ میرا دادا استاد ماسٹر ہینگ پائی اس قوت کا ماہر تھا۔ میں نے اس کی شاگردی میں رہتے ہوئے عجب عجب نظارے دیکھے جن کا تصور بھی محال ہے ماسٹر ہینگ پائی ہی نے مجھے چی کی ایڈوانس مشقوں کے بارے میں بتایا تھا۔

چی (CHI) کو چائنا والے اپنے تلفظ کے لحاظ سے (Q I) لکھتے ہیں اور اس کا پورا نام چی گونگ (QIGONG) ہے۔ تبت کے بعض لامااس قوت کو کئی کا تلفظ دیتے ہیں۔ بہرحال یہ وہ ہی قوت ہے جو پیٹ کے زیریں حصے میں پچھلی جانب ناف کے مقام پر خوابیدہ حالت میں موجود ہے۔ ناف کے مقام سے اگر پیٹ کے پچھلے حصے کی طرف سفر کیا جائے تو ریڑھ کی ہڈی کے نزدیک اس حیرت انگیز قوت کا مسکن واقع ہے۔ جو لوگ مخصوص مشقوں کے ذریعے اس خوابیدہ قوت کو بیدار کر لیتے ہیں وہ پھر اس کی مدد سے بڑے کمال دکھا سکتے ہیں چینی روحانیت کی یہ قوت ہندو یوگ میں کنڈلینی شکتی کے نام سے موجود ہے۔ مسلم صوفیا اسی قوت کو تصرف کا نام دیتے ہیں۔ کان کہیں سے بھی پکڑا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ہم اپنی مطلوبہ کوٹھی تک پہنچ گئے اور اس دوران میں، میں جس حیرت انگیز تجربے سے گزر رہا تھا اور گزر رہا تھا اس نے مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میری سوچ میں حیرت اور الجھن کا تناسب یک سا تھا۔ اگر میں جیپ کو بغیر دھکیلے کوٹھی تک پہنچنے والے معاملے کو چی کے کھاتے میں ڈال دیتا تو پھر اس احساس کو کیا نام دیتا جو اب تک موجود تھا میں واضح طور پر محسوس کر رہا تھا، کوئی میرے آس پاس موجود ہے۔ موجود ہے مگر مجھے نظر نہیں آ رہا۔ مجھے نہیں آ رہا تو اس کا یہ مطلب تھا، کسی اور کو بھی نظر نہیں آ رہا۔ آخر وہ کون تھا۔ کون تھا وہ؟

یہ سوال بڑی شدت سے میرے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ شاید میں اس سوال کا جواب ڈھونڈنے بہت دور تک خیالی سفر طے کر لیتا کہ صدف کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ ''وجدان! کیا ساری رات یہیں کھڑے رہو گے یا کوٹھی کے اندر بھی جانا ہے؟''

میں نے اپنے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور صدف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ جیپ سے باہر نکل آئی تھی اور حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر جلدی سے کوٹھی کا گیٹ کھول دیا۔ گلبرگ والی کوٹھی سے روانہ ہوتے وقت میں فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کی چابیاں ساتھ لے آیا تھا۔

میں نے صدف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''تمہیں الجن کی مدد کے بغیر تھوڑی سی ڈرائیونگ اور کرنا ہوگی۔ تم جیپ میں بیٹھو، میں پش دیتا ہوں، گاڑی کو کوٹھی کے اندر لے جانا ضروری ہے''

وہ اپنی جگہ کھڑی یک ٹک مجھے دیکھتی رہی۔ اس کی الجھن بتا رہی تھی، وہ مجھے نہیں، کسی عجوبے کو دیکھ رہی ہے۔ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم جیپ کے اندر کیوں نہیں بیٹھ رہی ہو؟''

وہ شک زدہ نظروں سے مجھے تکتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولی ''میں گاڑی میں بیٹھ کر کیا کروں گی۔ تم جس قوت سے جیپ کو دھکیل کر یہاں تک لائے ہو اسی کے ذریعے اسے کوٹھی کے اندر بھی پہنچا دو''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' میں نے چور لہجے میں کہا۔

''وجدان!'' وہ چٹانی لہجے میں بولی ''میں بھی سوچ سکتی نہیں سکتی تھی، تم اس درجہ پراسرار ہو گے!''

''اب سوچ لو..... اور اس سوچ میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں'' میں نے کہا ''ہمیں فوراً کوٹھی کے اندر پہنچنا ہے''

اس نے مزید کوئی بات نہیں کی اور نسان کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ میں نے جیپ کو پش دیا اور ہم کوٹھی کے اندر پہنچ گئے۔ جس دوران میں، میں نے گیٹ کو اندر سے بند کیا، صدف جیپ سے باہر آ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنی کارروائی کا آغاز کرتے، صدف نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وجدان! فی الحال میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ ہم ضروری کام نمٹا لیں تو پھر تمہیں میرے بہت سے سوالوں کے جواب دینا ہوں گے'' اس کی آواز میں جنس کا سمندر موج زن تھا۔

میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا، وہ مجھ سے کس قسم کے سوالات پوچھے گی۔ ابھی تک میرے لئے بہت سے معاملات جواب طلب تھے، میں اسے کیا بتاتا تا۔ بہرحال، کوٹھی کے اندر پہنچ جانے کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا کہ اب کسی بیرونی مداخلت کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں صدف بڑی کھوجنے والی نظر سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے اسے ٹالنے کیلئے کہہ دیا ''ٹھیک ہے، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ فی الحال یہ کام زیادہ ضروری ہے''

اس نے پوچھا ''تم نے ان تینوں کو کہاں اور کس طرح ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچا ہے؟''

''انہیں کوٹھی کے اندر ایک ہال نما کمرے میں لے جانا ہوگا'' میں نے جواب دیا۔ پھر تھوڑا توقف کرنے کے بعد کہا۔ ''جیپ تو ہال نما کمرے میں جا نہیں سکے گی۔ تم میری مدد کرو تو ہم انہیں گھسیٹ کر وہاں پہنچا سکتے ہیں''

وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی ''وجدان! اگر تم چاہو تو یہ جیپ کہیں بھی جا سکتی ہے بلکہ تمہاری انگلی کے اشارے پر تو یہ تینوں ہوا میں تیرتے ہوئے بھی ہال نما کمرے میں پہنچ سکتے ہیں!''

صدف کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا، اس نے ڈرائیونگ کے دوران میں بیک ویو مرر میں سارا تماشا دیکھ لیا تھا۔ میں نے جیپ سے لاتعلق اس کے پیچھے پیچھے دوڑا چلا آیا تھا۔ اس منظر کی وضاحت کیلئے مناسب نہیں تھے۔ وہ لمحات کسی بات کی ہو جو تین افراد کو ان کے ساتھیوں کے پاس نہ پہنچا دیتا، مجھے کل اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے صدف کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

''تم ہال نما کمرے تک جانے کیلئے راستہ کلیئر کرو جب کہ میں انہیں جیپ سے باہر نکالتا ہوں۔ تمہیں صرف دو کمروں کے دروازے کھولنا ہوں گے''

''موضوع سے پہلو تہی تمہیں مزید پراسرار بنا رہی ہے'' وہ سنسناتی ہوئی آواز میں بولی ''میں نے تھوڑی دیر پہلے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا ہے، اگر کسی کی زبانی سنا ہوتا تو ہرگز ہرگز یقین نہ کرتی'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ''وجدان!'' اگر تم نے اس واقعے کی وضاحت نہ کی تو میرا دماغ پھٹ جائے گا''

پھر وہ پلٹ کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ میں نے ان تینوں کو یکے بعد دیگرے کھینچ کر نسان سے باہر ڈھیر کر دیا۔ عمران اور جمشید تو کسی قسم کی مدافعت یا مزاحمت کے قابل نہیں تھے البتہ جلال نے نحیف سی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

''تم ہمارے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟''

''کمال ہے، تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے تم لوگوں کے لئے اتنی مصیبت کیوں اٹھائی ہے؟'' میں نے کہا۔

وہ سراسیمہ لہجے میں بولا ''واقعی میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا''

''تم باہر ہائی روف میں تھے شاید اس لئے تمہیں پتا نہیں'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا پھر جمشید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ کیا ''اس شخص نے مجھے بتایا تھا کہ تم لوگ قادر بخش اور فیض احمد کی تلاش میں ہم تک پہنچے تھے۔ میں تمہیں تمہارے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملانے لایا ہوں''

''کک..... کیا فیض اور قادر بخش اس کوٹھی میں ہیں؟'' وہ بے یقینی سے بولا۔ میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''مم..... مگر.....'' حیرت نے اس کی زبان میں لکنت پیدا کر دی تھی ''ہم تو اس کوٹھی کی تلاشی لینے کے بعد ادھر گئے تھے۔ فیض اور قادر بخش تو اس کوٹھی میں نہیں ہیں۔''

میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''پہلے تم بغیر اجازت اس کوٹھی میں داخل ہوئے تھے جیسے کوئی شخص چھپتے چھپاتے غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے کسی دوسرے ملک میں داخل ہوتا ہے اسی لئے تمہیں وہ یہاں نہیں ملے لیکن اب تم ہماری مرضی سے یہاں پہنچے ہو اور وہ بھی ملٹن ایکسپریس میں بیٹھ کر اس لئے تمہارے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملٹن ضرور ہوگا۔''

''ملٹن ایکسپریس؟'' اس کے لہجے سے شدید نوعیت کی حیرت ٹپکی تھی۔

میں نے خاموش نسان پٹرول کی جانب اشارہ کرتے

ہوئے کہا ”وہ رہی ملن ایکسپریس افسوس کہ یہ راستے ہی میں جواب دے گئی اور ہمیں دھکیلتے گھسیٹتے ہوئے اسے یہاں پہنچانا پڑا۔ گاڑی مسافروں کو ان کی منزل تک پہنچانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی فریضہ مسافروں کو انجام دینا پڑتا ہے۔ ہوتا ہے بھائی، سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔“

اسی وقت صدف میرے پاس پہنچ گئی پھر ہم دونوں نہایت ہی اہم کام میں مصروف ہوگئے۔ اس رات کے پہلے حصے میں زرگل نے بھی مجھ سے اسی قسم کا تعاون کیا تھا جیسا اب صدف کر رہی تھی۔ میں نے زرگل کی مدد سے ہال نما کمرے سے فیض احمد کو سمیٹ کر خفیہ تہ خانے میں پہنچایا تھا اور اب صدف کی مدد حاصل کر رہا تھا۔ ہم نے پہلے جلال پر کام کیا اس کے بعد باقی دونوں افراد کو ہال نما کمرے میں پہنچا دیا۔

اس مشقت کے نتیجے میں صدف واضح طور پر ہانپنے لگی، میں نے اس سے کہا ”تم تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنی سانس ہموار کرلو۔ باقی کام بعد میں کریں گے“

”میں ٹھیک ہوں“ وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولی ”بتاؤ، اب ان تینوں کا کیا کرنا ہے۔ تمہارے لہجے سے اندازہ ہوتا ہے، انہیں اس کمرے تک پہنچانا کافی نہیں!“

”تم نے بالکل درست اندازہ لگایا ہے“ میں دانستہ اسے باتوں میں لگا کر تھوڑا ریسٹ دینا چاہتا تھا۔ ”ان کے ساتھ ابھی مزید بہت کچھ کرنا ہے۔ تم جا کر جیپ میں سے رسی کا گچھا نکال لاؤ“

پاشا کی کوٹھی سے روانہ ہوتے وقت میں نے نائیلون کی مضبوط ڈوری کا ایک گچھا بھی ساتھ لے لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد صدف ڈوری لے کر آگئی۔ اب اس کی سانس بڑی حد تک ہموار ہوچکی تھی۔ اس دوران میں، میں نے مخصوص ٹیکنیک کو استعمال کر کے تہ خانے کا راستہ وا کر دیا تھا۔ صدف پر جب تہ خانے کا راز کھلا تو اس کی حیرت دوچند ہوگئی۔ ”میں جب ڈوری لینے باہر گئی تو اس ہال کی چاروں دیواروں کو دیکھ کر گئی تھی“ اس نے تہ خانے کے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”لیکن یہ۔۔۔“

میں اس کے نامکمل جملے کو سمجھ گیا اور کہا ”اس طرف ایک خفیہ تہ خانہ ہے۔ ان تینوں کے بچھڑے ہوئے ساتھی وہاں آرام فرما رہے ہیں۔ انہیں بھی وہیں پہنچانا ہوگا۔ تمہیں ایک مرتبہ پھر میری مدد کرنا ہوگی“

”تمہارے ایک دفعہ کہنے پر میں ہزار بار تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں“ وہ ٹھوس لہجے میں بولی پھر ہائی نیک کی آستینیں چڑھاتے ہوئے میری جانب بڑھی۔

صدف کا یہ انداز خاصا متاثر کن تھا۔ ہم ایک مرتبہ پھر بے ہوش افراد کو گھسیٹنے لگے البتہ جلال کے لئے ہاتھ گاڑی زیادہ مناسب ہوگا۔ کچھ دیر بعد ہم تہ خانے کے اندر موجود تھے۔

تہ خانے کے اندرونی مناظر نے صدف کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ خاص طور پر سابق سیکورٹی گارڈ خادم حسین کو دیکھ کر صدف کافی دیر تک نفی میں گردن جھٹکتی رہی پھر بولی۔

”یہ سب کیا ہے وجدان؟“

رفتہ رفتہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ ذہن پر زیادہ زور نہ دو“ میں نے کہا۔

وہ بولی ”یہ تمہارا کارنامہ ہے؟“

”ایسا ہی سمجھ لو“ میں نے مبہم انداز میں کہا ”باقی باتیں بعد میں کریں گے، پہلے ضروری کام نمٹا لیں“

گینڈا نما قادر بخش صدف کو میرے ساتھ دیکھ کر کچھ حیرت زدہ تھا۔ اس سے پہلے زرگل کی موجودگی نے اسے الجھا دیا تھا۔ عمران، جمشید اور جلال کو بے کسی کی حالت میں دیکھ کر قادر بخش خاموش نہ رہ سکا، اس نے تلخ لہجے میں کہا ”وجدان! میں ایک مرتبہ پھر یہی کہوں گا، تم اچھا نہیں کر رہے ہو!“

”میں اچھوں کے ساتھ اچھا اور بروں کے ساتھ برا ہوں“ میں نے سفاکی سے کہا ”اب تم خود اندازہ لگا لو، اس کے ساتھ کیا کر رہا ہوں“

وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا ”تم اپنے انجام سے بے خبر تاریک کنوئیں کی جانب بڑھ رہے ہو۔“

”میں نے کہا ”تم صرف اپنے انجام پر نظر رکھو قادر۔ میں اپنے کہے، سنے اور کیے کا خود ذمے دار ہوں“

”تمہیں ایک دن بری طرح پچھتانا پڑے گا“ وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولا۔

”وہ دن کبھی نہیں آئے گا“ میں نے کہا ”تم اس فکر میں خود کو دبلا نہ کرو“

وہ اپنے تازہ ترین مہمان ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ”تم انہیں کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟“

”یہ لوگ تمہاری تلاش میں بھٹک رہے تھے“ میں نے کہا ”میں نے انہیں سیدھا راستہ دکھا دیا۔“

وہ بے بسی اور غصے کی شدت سے کپکپانے لگا ”او اور چوہدری دلدار کے.....“

میں نے اس کے منہ پر الٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر کے اس کا جملہ نامکمل چھڑا دیا اور غضب ناک

لہجے میں غرایا ”کسی جائز وقت کی ناجائز اولاد! تم پہلے بھی مجھے منشا اور چوہدری دلدار کے نام سے دھمکا چکے ہو لیکن یاد رکھو، تمہارے وہ دادا پردادا تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا، میرے اگلے ٹارگٹ یہی دونوں افراد ہیں۔ اگر انہوں نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو وہ تینوں تمہیں یہیں نظر آئیں گے۔ اسی تہ خانے میں، اسی سنگین اور ٹھنڈے فرش پر پھر آقا اور غلام ایک ہی فرش پر بچھ جائیں گے۔ نہ کوئی خادم رہے گا اور نہ ہی کوئی مخدوم“

میرے لہجے میں اس قدر سختی اور قطعیت تھی کہ قادر بخش کو چپ لگ گئی تاہم وہ سہمی ہوئی معاندانہ نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے تہ خانے میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کمرے کے واحد روشن دان کا جائزہ لیا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا کہ روشن دان کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی تھی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ قادر بخش کوئی نہایت ہی شریف النفس اور فرماں بردار شخص تھا! دراصل، زرگل کے ساتھ اس تہ خانے سے رخصت ہوتے وقت میں نے اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ روشن دان پر طبع آزمائی کا سامان وہاں موجود نہ ہو۔ اگر گینڈا طاقت آزمائی پر ہی اڑ جاتا تو زیادہ سے زیادہ وہ روشن دان کی آہنی گرل کو ہی اکھاڑ سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی انہیں وہاں سے فرار ہونے میں کامیابی حاصل نہ ہوتی کیوں کہ اس روشن دان میں سے کسی انسان کا گزر ممکن نہیں تھا۔ وہ محض چھے انچ چوڑا اور تین فٹ لمبا ایک شگاف تھا جو روشنی اور ہوا کی آمد و شد کے لیے چھوڑا گیا تھا۔

گینڈا نما قادر بخش کا ساتھی فیض احمد ہنوز بے ہوش مگر زندہ تھا۔ اس کے دو بے ہوش ساتھی مزید وہاں پہنچا دیے گئے تھے۔ جلال کا ہوش و حواس میں رہنا بھی کسی لنگڑی مدد سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ آئندہ پندرہ بیس منٹ میں، میں نے صدف کے ساتھ مل کر ان پانچوں کے ہاتھ پاؤں نائیلون کی مضبوط ڈوری سے کس کر باندھ دیے۔ وہ اس طرح بے دست و پا ہو گئے کہ صرف امداد طلب نظروں ہی سے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے، کسی کے کام آسکتے تھے اور نہ ہی کسی کو اپنے کام میں لا سکتے تھے۔

میں نے قادر بخش سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ”مجھے امید ہے، تم اب بھی اسی شرافت کا ثبوت دو گے جس کا مظاہرہ پہلے کر چکے ہو۔ اگر زندہ سلامت رہنا چاہتے ہو تو صبح ہونے کا انتظار کرو۔ کل فرید پاشا یہاں آکر تمہاری قسمت کا فیصلہ کرے گا..... اور اگر کل کا سورج نکلنے کا انتظار نہیں کر سکتے ہو تو پھر قسمت آزما کر دیکھ لو۔“

اس کے بعد میں جلال کی طرف متوجہ ہوا ”تمہیں میں اس لیے ہوش و حواس میں چھوڑے جا رہا ہوں کہ قادر بخش کو سمجھا سکو۔ اگر یہ کسی نادانی کا ارادہ کرے تو اسے ٹوک دینا۔ تم تینوں ملن ایکسپریس میں بیٹھ کر یہاں پہنچے ہو۔ اپنے حالات سے تمہیں سمجھوتا کرنا ہوگا۔ ورنہ ملن ایکسپریس ابدی جدائی کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے!“

وہ بے اختیار اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کی ان جنبشوں میں بے پناہ خوف اور دہشت سمٹ آئی تھی۔ میں نے تہ خانے میں موجود ہر شے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور صدف کے ساتھ باہر آگیا۔ واپسی پر میں نے اسی مخصوص ٹیکنیک سے دروازہ بند کیا اور ہم ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔

صدف کی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ پھٹ پڑنے کو تھی۔ میں اگر اس کو نہ سنبھالتا تو جانے اس پر کیا قیامت گزر جاتی۔

”کیسا لگ رہا ہے صدف؟“ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے معتدل لہجے میں دریافت کیا۔

وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی ”خدا کی پناہ! یہ سب بہت سنسنی خیز ہے!“

”تمہیں ایسی سنسنی ہی کی تلاش تھی؟“

”وہ کچھ نہیں بولی اور تشویش بھری نظر سے مجھے تکنے لگی۔

”کیا ہوا صدف، تم خاموش کیوں ہو؟“

”وجدان!“ وہ سرسراتی آواز میں بولی ”تمہیں لاہور میں قدم رکھے ابھی چند روز ہوئے ہیں اور تم نے اتنی زیادہ دشمنی بڑھا لی؟“

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ”یہ میرے اور پاشا کے مجموعی دشمن ہیں۔ اب تمہارے پاشا انکل تو یہاں ہیں نہیں۔ ان کی شفٹ میں بھی مجھے ہی چلنا پڑ رہا ہے۔ اس وقت میں ڈبل ڈیوٹی پر ہوں۔“

وہ ایسی نظر سے مجھے دیکھنے لگی جسے میں کوئی مفہوم یا معنی نہ پہنا سکا۔ اس نگاہ میں حیرت بھی تھی، اور دلچسپی بھی، فخر بھی تھا اور ستائش بھی، محبت بھی تھی اور فرمائش بھی۔ میں نے اس کی ہزار معنی نگاہ سے نظر چراتے ہوئے کہا۔

”صدف تمہیں تو ان حالات میں بہت مزہ آ رہا ہوگا۔ تم بہ قول خود، خاصی مہم جو واقع ہوئی ہو!“

اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں موضوع بدل دیا ”اگر اس کوٹھی کی مہم جوئی نمٹ چکی ہو تو ہمیں فوراً یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ ادھر پاشا انکل کی دوسری کوٹھی پر بھی ہماری اشد ضرورت ہے۔ وہاں کے حالات کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔“

''میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے کہا ''لیکن فوری طور پر روانہ ہونا ہمارے لیے ممکن نہیں!''

''کیوں ممکن نہیں۔'' اس نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''شاید تم بھول گئی ہو کہ ہم جس جیپ کے ذریعے یہاں پہنچے تھے وہ ہینڈز اپ ہو چکی ہے۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں فاضلیہ کالونی سے گلبرگ تھری تک گاڑی کو دھکا لگاؤں۔''

دھکا لگانے کے ذکر پر اس نے استعجابیہ نظر سے مجھے دیکھا پھر تشویش ناک انداز میں بولی ''پھر ہم واپس کیسے جائیں گے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے اضافہ کیا ''اگر کہو تو میں اپنے ماموں کو فون کر دیتی ہوں۔''

فون کے ذکر پر میں چونک اٹھا اور مجھے یاد آ گیا کہ جب آج شام کے وقت میں اس کوٹھی میں برسرِ پے کار تھا تو کسی حصے میں فون کی گھنٹی بجی تھی۔ ازاں بعد اللہ دتا نے مجھے بتایا کہ فرید پاشا نے فون کے ذریعے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کوٹھی میں فون کی موجودگی ہی خوش کن تھی۔

میں نے صدف سے کہا ''ان معاملات میں تمہارے ماموں کو انوالو کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ ویسے بھی پولیس والے ہیں۔ ایک بات کے سو مطالب اور ایک مطلب کے ہزار مفہوم نکالیں گے۔ میں اللہ دتا سے رابطہ کرتا ہوں۔''

''کیا اس ویران کوٹھی میں فون موجود ہے؟''

''ہے تو..... لیکن تلاش کرنا پڑے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔'' میں نے کہا۔

صدف میرے ہم قدم ہو گئی۔

تھوڑی سی دیر بعد ہم ایک ایسے ڈرائنگ روم نما کمرے میں پہنچے جہاں فون سیٹ موجود تھا۔ میں نے فرید پاشا کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری گھنٹی پر فون اللہ دتا نے ریسیو کر لیا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اس سے وہاں کی خیر و عافیت دریافت کیا۔ جواباً اس نے کہا۔

''صاحب جی! یہاں تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ آپ اپنے بارے میں بتائیں؟''

''ہمارے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا ''ہمیں فوری طور پر ایک گاڑی کی ضرورت ہے تاکہ ہم یہاں سے نکل کر تمہارے پاس پہنچ سکیں۔ جیپ میں کچھ ایسی خرابی ہو گئی ہے کہ وہ ہمارا کہنا ماننے سے انکاری ہے۔''

''آپ جس مشن پر گئے تھے اس کا کیا رہا؟''

''مشن کامیاب رہا ہے۔''

اللہ دتا نے کہا ''وجدان صاحب! اس وقت گیراج میں ٹویوٹا کرولا اور ہائی روف کھڑی ہیں۔ آپ کے لیے کون سی گاڑی مناسب رہے گی؟''

میں نے کہا ''دشمنوں سے چھینی ہوئی ہائی روف کو فی الحال باہر نکالنا ٹھیک نہیں ہوگا اس لیے ٹویوٹا چلے گی۔ کیا تم خود گاڑی لے کر آؤ گے؟''

''جو آپ کا حکم۔'' وہ فرماں برداری سے بولا ''ویسے تحسین نے بھی پاشا صاحب کی وہ کوٹھی دیکھی ہوئی ہے۔''

''تحسین کو ڈسٹرب نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔'' میں نے کہا ''وہ بے چارہ اس کوٹھی میں آرام و آسائش کے لمحات گزارنے آیا تھا۔ یہاں پر قیام کی پہلی رات اس پر بھاری گزر گئی۔'' تھوڑا وقفہ دے کر میں نے پوچھا ''وہ اپنی بیوی کے پاس ہی ہے نا!''

''نہیں جناب! وہ اس وقت میرے پاس بیٹھا ہے۔'' اللہ دتا نے بتایا ''میں نے زرگل کو آرام کرنے کے لیے باہر کے پاس بھیج دیا ہے۔ تحسین کا کہنا ہے، جب تک آپ خیریت سے واپس نہیں آ جاتے، وہ بھی میرے ساتھ جاگتا رہے گا۔''

''ٹھیک ہے، پھر تم دونوں آپس میں صلاح کر کے کچھ کر لو۔ میں نے کہا ''جیسے بھی ہماری طرف آنا ہے، فوراً نکلو پڑے۔ میں یہاں پر انتظار کر رہا ہوں۔''

رابطہ ختم ہوا تو صدف نے استفسار کیا ''وجدان! یہ خیال ہے، پندرہ منٹ میں ان میں سے کوئی یہاں پہنچ جائے گا۔ رات کے اس پہر تمام سڑکیں خالی ملیں گی۔ کیا ہم گیٹ بیٹھ کر انتظار کریں یا گیٹ پر چلیں؟''

میں نے کہا ''میرے خیال میں ہم نسان میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ وہ فی الحال سفر کے قابل نہیں رہی تو کیا ہوا، ایک بہتر نشست گاہ وہ اب بھی ہے۔''

صدف نے میری بات سے اتفاق کیا اور ہم مختلف کمروں کے دروازے بند کرنے کے بعد کوٹھی کے گیٹ میں آ گئے۔ گیٹ کے نزدیک ہی وہ جیپ کھڑی تھی جہاں بیٹھ کر سواری کا انتظار کرنا تھا۔ رات ٹھنڈ اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آسمان پر آخری تاریخوں کا چاند اپنی مخصوص تاب دکھا رہا تھا۔ میں نے نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ چاند مجھے دیکھ رہا ہو۔

یہ چاند بھی اللہ نے خوب تخلیق کیا ہے۔ جو بھی اس کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ اسی کو دیکھنے لگتا ہے۔ یہ ایک ایسا محبوب ہے جو کسی سے جیلس نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کی حسد میں مبتلا ہے۔ بعض لوگوں کو تو چاند میں اپنے محبوب کا چہرہ بھی نظر آتا ہے۔ مغرب میں تو باقاعدگی کے ساتھ اس نسبت سے ایک مخصوص تہوار بھی منایا جاتا ہے۔ جسے روزِ محبوب (St. Valentine's Day) کہا جاتا ہے۔ ہر سال چودہ فروری کو منائے جانے والے اس دن لوگ اپنے محبوب کا انتخاب کرتے ہیں اور اس محبوب ہستی کے ساتھ وہ دن گزارتے ہیں۔

میں غیر ارادی طور پر چاند اور محبوب کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیسرا شخص بھی ہمارے پیچھے آ رہا ہو۔ میں نے بے اختیار پلٹ کر عقب میں دیکھا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کوٹھی کے صحن میں ہر جانب خاموشی اور چاندنی کا بسیرا تھا۔

صدف نے پوچھا ''وجدان! کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا اور ایک مرتبہ پھر اپنے عقب میں نگاہ دوڑائی۔

وہ بولی ''تم اچانک اس طرح پلٹے تھے جیسے پیچھے سے تمہیں کسی نے آواز دی ہو۔''

''مجھے یوں لگا تھا، کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔'' میں نے صاف کوئی کا مظاہرہ کیا۔

''لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں۔'' وہ دوبارہ میرے ساتھ جیپ کی طرف قدم بڑھانے لگی ''وہ تمہارا وہم ہوگا۔ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے۔''

میں نے کہا ''ہاں، وہ میرا وہم ہی ہو سکتا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے وجدان!'' وہ ایک دم گہری سنجیدگی سے بولی ''تم جیسا پراسرار اور عجوبہ شخص بھی وہم میں مبتلا ہو سکتا ہے۔''

میں سمجھ گیا، وہ مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہی تھی ''تم نے مجھ میں ایسی کون سی پراسرار اور عجیب بات دیکھی ہے؟'' جب بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو میں نے اسی سے استفسار کر ڈالا۔

وہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ میرے استفسار نے اس کے صبط کے بند کھول دیے۔ اس نے جیپ کے بیک ویو مرر میں جو حیرت ناک مناظر دیکھے تھے انہیں دہرایا تھا پھر ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رکی اور پوچھا ''میں ان واقعات کو کیا سمجھوں وجدان! اب یہ نہ کہہ دینا کہ وہ سب میری نظر کا دھوکا تھا!''

''وہ تمہاری نظر کا دھوکا نہیں تھا صدف۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''چلو، آرام سے گاڑی میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

ہم دونوں، خاموش کھڑی نسان پٹرول میں آ کر بیٹھ گئے۔

میں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں صدف کو شاؤلن ٹیمپل میں اپنی مارشل آرٹس کی تربیت کے بارے میں بتایا۔ وہ حیرت اور دلچسپی سے میری کہانی سنتی رہی۔ وہ خود بھی مارشل آرٹس کی ماہر تھی اس لیے بھی یہ موضوع اسے زیادہ کشش کر رہا تھا۔ دنیا کا ایک کوئی اسٹوڈنٹ یا ماسٹر نہیں، جو شاؤلن ٹیمپل سے ناواقف ہو، ہر مارشل آرٹسٹ کا یہ خواب ہے کہ اسے شاؤلن ٹیمپل نامی اس سب سے بڑی مستند تربیت گاہ سے فیض اٹھانے کا موقع ملے لیکن یہ سعادت خوش قسمتی ہی سے ہاتھ آتی ہے۔

''تو تم نے چینی کنگ فو شاؤلن ٹیمپل سے سیکھا ہے!'' وہ حیرت بھری آواز میں بولی ''جبھی میں کہوں، تمہاری موومنٹس میں اتنی پرفیکشن کیوں ہے۔''

میں نے کہا ''شاؤلن ٹیمپل میں سکھایا جانے والا کنگ فو (Kung-Fu) درحقیقت شاؤلن کنگ فو (Shaolin Kung-Fu) کہلاتا ہے جس کی بنیاد جانوروں کی لڑائی کے انداز پر رکھی گئی ہے۔ شاؤلن کنگ فو کی تربیت صرف قابلِ اعتماد اور اہل اسٹوڈنٹ ہی کو دی جاتی ہے۔''

''تم تو وہاں بھی اپنے ماسٹرز کی آنکھ کا تارا رہے ہو!'' صدف نے کہا ''تمہاری داستان کے خلاصے سے تو میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔''

میں نے کہا ''تم ایسا نتیجہ اخذ کرنے میں حق بہ جانب ہو۔ شاؤلن ٹیمپل میں مجھے دو وجوہات کی بنا پر بہت اہمیت دی گئی تھی اور ازاں بعد میں نے خود کو اس سلوک کا حق دار بھی ثابت کیا۔''

''اور وہ دو وجوہ کون سی ہیں؟''

میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''پہلی وجہ تو یہ تھی کہ میرے استاد محترم مہاراج وانگ ونگ پائے نے مجھے بنکاک سے شاؤلن ٹیمپل بھیجنے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ میں بنکاک میں مہاراج کے جمنازیم میں رہتے ہوئے عام باکسنگ، کک باکسنگ اور موئے تھائی باکسنگ کی تربیت لے چکا تھا۔ موئے تھائی باکسنگ تھائی لینڈ کا معروف مارشل آرٹ ہے۔ مہاراج نے مجھ میں کوئی خاص بات نوٹ کی اور فیصلہ کیا کہ وہ مجھے اپنے استاد ماسٹر ہنگ پائی کے پاس شاؤلن ٹیمپل بھیجیں گے۔ ہنگ پائی اس وقت شاؤلن ٹیمپل کا سب سے بڑا ماسٹر تھا اور وہاں انتظام و انصرام اسی کے اشارے پر چلتا تھا۔ اسی حوالے سے وہ میرا دادا استاد تھا۔''

میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا ''اور دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نے شاؤلن ٹیمپل میں پہنچ کر ماسٹرز کو اپنے فن کی سچائی سے متاثر کر لیا تھا۔ پہلے مجھے عام چھوٹے ماسٹرز کے حوالے کیا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد ماسٹر ہینگ پائی براہِ راست مجھے تربیت دینے لگا۔ میں نے اسی گرینڈ ماسٹر سے کنگ فو، یوگا اور چی کی خصوصی تربیت حاصل کی۔'' میں اچانک خاموش ہو گیا پھر دل گرفتہ لہجے میں کہا ''افسوس کہ میرے استاد مہاراج وانگ ونگ یائے اور دادا استاد ماسٹر ہینگ پائی اب اس دنیا میں باقی نہیں رہے۔ میں اپنے حقیقی والدین سے تو بچپن ہی میں محروم ہو گیا تھا، اب روحانی والدین کا سایہ بھی میرے سر پر نہیں رہا۔''

وہ چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ ان افسردہ لمحات میں اس نے میرے نجی معاملات کو نہیں چھیڑا اور سنجیدگی سے بولی ''پراسرار قوت چی کے بارے میں مجھے کچھ تفصیل بتاؤ۔ میں نے جیپ کے حوالے سے تھوڑی دیر پہلے چی کا جو مظاہرہ دیکھا ہے وہ ناقابلِ یقین اور سنسنی خیز ہے۔''

''مجھے بھی اس پر حیرت ہے۔'' میں نے کہا ''شاید چی کی ایڈوانس مشقوں کی بدولت میں اس کی کوئی ارفع شکل حاصل کر رہا ہوں۔ چھوٹے موٹے تجربات تو پہلے بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن آج تو حد ہی ہو گئی۔''

''کیا تم کنگ فو کے ساتھ ساتھ مجھے چی کی تربیت بھی دو گے؟''

صدف کے اس سوال نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا اور بے ساختہ میرے لبوں سے پھسل گیا ''اسے بھی بہت شوق تھا یہ سب کچھ سیکھنے کا!''

''تم کس کا ذکر کر رہے ہو وجدان؟'' وہ سنجیدگی سے مجھے دیکھنے لگی۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سنبھل کر جلدی سے کہا ''میں کسی خاص شخص کا ذکر نہیں کر رہا۔ ''چی'' ایسا دلچسپ موضوع ہے کہ ہر کوئی اسے حاصل کرنے کا خواہاں نظر آتا ہے۔''

''تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وہ ٹٹولتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ''تمہاری آنکھیں، زبان کا ساتھ نہیں دے رہیں۔ تم یقیناً کسی خاص ہستی کا ذکر کرنے والے تھے۔ ایسی ہستی جو تمہاری زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہو۔ اب تم بات کو بدل کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

وہ صفرنی صد بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ میں بے خیالی میں ساحل کا ذکر کرنے والا تھا۔ احتیاط کے باوجود بھی اس دفعہ میں ساحل کا تذکرہ کر بیٹھا تھا۔ ساحل کو بھی مارشل آرٹس اور چی کی تربیت کا بہت شوق تھا بلکہ میں نے اس کی ٹریننگ بھی شروع کر دی تھی۔ کراچی میں، امتیاز علی کے فلیٹ میں قیام کے دوران میں ایک روز علی الصباح ہل پارک میں، میں نے اسے اس سلسلے میں ایک طویل اور معلومات سے بھرپور لیکچر دیا تھا۔ چی کی بیداری کے سلسلے میں ابتدائی مشق اپنی نگرانی میں کرائی تھی پھر اس سے پہلے کہ میں اسے مزید کچھ سکھاتا، وہ ظالم کے دستِ ظلم نے اسے مجھ سے جدا کر دیا۔ میں ساحل کی تلاش میں دن و رات انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور اب میری منزل سے چند گھنٹوں کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی مجھے سید پور روانہ ہو جانا تھا..... اور رکھاں والی سے سید پور سے چند منٹ کی دوری پر تھا۔ جہاں میری روح، میری جانِ تمنا ساحل ایک جابر شخص کے قبضے میں تھی۔

میں بے ساختہ ساحل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اندرون اور بیرون کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ ہم بیرونی چیزوں کے بارے میں ساختہ سوچتے ہیں۔ ہماری سوچ، ارادے کا دخل ہوتا ہے اور یہ ایک خود ساختہ عمل ہوتا ہے لیکن اندرونی معاملات میں ہمیں اپنی سوچ اور عمل پر اختیار نہیں ہوتا۔ ہم بے ساختہ حرکت کرتے ہیں، اس کے لیے نہ سوچنے باندھنے کی ضرورت پڑتی ہے نہ ہی ارادہ کرنے کی۔

ساحل میرے اندرون کے ایک ایک گوشے پر قابض تھی، اس کا احساس میری سانس میں بسا رہتا تھا اور میرا تصور اس کے بارے میں مہکتا تھا لیکن میں بھی ایک انسان تھا اور انسان اپنے فطری و جبلی مطالبات سے مجبور ہوتا ہے۔ تقاضے نظر انداز کرنے کے لیے حد درجہ بے حس نہیں تھا۔ میرے حواس خمسہ فعال تھے۔ میں چھونے والی شے کو چھونا اور دیکھنے والی چیز کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اپنی قوتِ شامہ کو آزمانا چاہتا تھا اور قوتِ گویائی اور قوتِ ذائقہ کو پرکھنا برتنا چاہتا تھا اور یہ سب ''چاہتا'' کے لیے ساحل کی ضرورت تھی۔ جسم ساحل میرے اختیار میں ہو! ہجر کے کرب اور وصل کے سرور سے وہی لوگ آشنا ہیں جو کبھی ان کیفیات سے گزرے ہوں۔ خوش نما شراروں کو کسی لذیذ شے کی طرح نگلنا پڑتا ہے۔ احتیاط اور ظرف کے ساتھ کہ نہ آپ کی زبان پر آبلے پڑیں اور نہ ہی چہرے سے کسی تکلیف کا اظہار ہو!

صدف ٹکٹکی باندھے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

میں نے اس کو مطمئن کرنے کی خاطر کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم خواہ مخواہ کے مطالب نہ نکالو۔''

''تم بتانا نہیں چاہتے تو میں اصرار نہیں کروں گی۔'' وہ عقل مندی سے موضوع بدلتے ہوئے بولی ''خیر، تم ''چی'' کے بارے میں مجھے کچھ بتانے جا رہے تھے۔''

میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ میری بات سے قطعاً مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایک طویل سانس خارج کی اور اسے چی گونگ (Qi Gong) کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگا۔ وہ یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی کہ چی کی مدد سے کسی بھاری بھرکم شے کو پلک جھپکتے میں اٹھایا جا سکتا ہے، اپنی گردن پر تلوار کا وار سہہ کر زندہ رہا جا سکتا ہے، نیزے کی انی پر شہ رگ ٹکا کر اپنے جسم کو ہوا میں بلند کیا جا سکتا ہے۔ ایک عام سوئی کو دو انگلیوں کی چٹکی میں دبوچ کر اگر اسے کسی چیز پر پھینکا جائے تو وہ تباہ و برباد کر سکتی ہے، یخ بستہ پانی میں گھنٹوں بیٹھا جا سکتا ہے، لوہے کی دہکتی ہوئی سلاخ کو مسکراتے ہوئے پکڑا جا سکتا ہے اور سیکڑوں قسم کی بیماریوں کا شافی علاج کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ تمام مظاہرے شاؤلن ٹیمپل میں دیکھے تھے لیکن اس کے لیے ''چی'' پر مکمل عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔

بات بہت سادہ اور موثر ہے۔ ناف کے عقب میں، ریڑھ کی ہڈی کے نزدیک موجود اس خوابیدہ قوت کو بیدار کرنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا اس پر قابو رکھنا اہم ہے۔ قدرت نے جانوروں کے پیٹ کے اندر بڑے اسرار رکھے ہیں۔ اس تھیلے میں پوشیدہ قوتیں بہت ہی کیف آور، خواب ناک، لذت آفرین اور حیات بخش ہوتی ہیں۔ یہ یوز اور مس یوز (Use & Miss Use) کا کھیل ہے۔ درست استعمال کرنے والے فائدہ اٹھاتے اور فیض پہنچاتے ہیں جب کہ غلط کاروں کو اپنے کرتوتوں کے سبب ذلت اور رسوائی اٹھانا پڑتی ہے۔ وہ مخلوقِ خدا کو جو نقصان پہنچاتے ہیں، وہ الگ ہیں۔

کہنے اور سننے کا سلسلہ جاری تھا کہ کوٹھی کے باہر کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔

''لگتا ہے، یہ گاڑی ہمارے لیے آئی ہے۔'' صدف نے خیال آرائی کی۔

مذکورہ گاڑی ... کوٹھی کے گیٹ کے قریب آ کر رک گئی۔ صدف کا خیال درست ثابت ہوا۔ میں نے ادھ کھلے گیٹ میں سے فریدہ پاشا کی ٹویوٹا کرولا کو پہچان لیا۔ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر تحسین کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ اس نے اپنی نوبیاہتا بیوی کو کوٹھی پر چھوڑ کر ہماری طرف آنے کا قصد کیا تھا تو یہ بڑی ہمت کی بات تھی۔ میں اللہ دتا کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔

تحسین اور ناہید کی جوڑی دیکھ کر مجھے جھٹکا لگا تھا۔ جو بھی انہیں دیکھتا اور اسے بتایا جاتا کہ وہ میاں بیوی ہیں تو وہ ضرور حیران ہوتا۔ ناہید دراز قامت اور خوش شکل عورت تھی۔ قدرے فربہ جسم اور سانولی رنگت نے اسے جاذبِ نظر اور پرکشش بنا دیا تھا جب کہ تحسین میں مردانہ وجاہت والی کوئی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ پستہ قامت اور بس اوسط سی صورت کا مالک تھا۔ سب چہرے اسی خالق کے بنائے ہوئے ہیں، کسی کم رُو کی تحقیر نہیں کرنا چاہیے تاہم میری نظر میں وہ ایک بے میل جوڑا تھا۔

تحسین ٹویوٹا کو کوٹھی کے باہر چھوڑ کر اندر آ گیا۔ اس دوران میں ہم دونوں بھی نسان پٹرول سے باہر آ گئے تھے۔ تحسین نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا ''وجدان صاحب! جیپ میں کیا خرابی پیدا ہو گئی؟''

''اگر میں فالٹ کے بارے میں کچھ جانتا تو ممکن ہے، اسے ٹھیک بھی کر لیتا۔'' میں نے کہا ''اس معاملے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

وہ اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے بولا ''اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کے انجن کے ساتھ تھوڑی چھیڑ چھاڑ کرتا ہوں۔ فلم لائن میں آنے سے پہلے میں نے بہت دھکے کھائے ہیں۔ میں مختلف کام کرتا رہا جس میں موٹر مکینکی بھی شامل ہے۔''

''اگر تم ٹرائی کرنا چاہتے ہو تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا ''چابی اگنیشن میں لگی ہے۔ تم کوشش کر کے دیکھ لو۔ جب تک ہم ٹویوٹا میں جا کر بیٹھتے ہیں۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پوچھا ''اسے ہوا کیا تھا؟''

''انجن اچانک بند ہو گیا تھا۔'' میں نے بتایا۔

''کوٹھی میں اندر آنے کے بعد یا باہر کہیں؟''

میں نے جان چھڑانے کی خاطر کہہ دیا ''کوٹھی کے گیٹ پر پہنچ کر۔ میں نے دھکیل کر اسے اندر پہنچایا ہے۔''

میں صورتِ حال سے آگاہ کر کے اپنے لیے سوالات کے دروازے نہیں کھولنا چاہتا تھا۔

تحسین نے عدسہ نما گلاسز والا چشمہ ایک مرتبہ پھر درست کیا اور نسان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ میں نے صدف کی معیت میں کرولا کی جانب قدم بڑھا دیے۔ چاند اب مزید کھل کر سامنے آ گیا تھا اور اس کی رومان پرور چاندنی میں ہر شے چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس خواب ناک ماحول میں ٹھنڈک کو سانس کے ذریعے اپنے اندر اتارتے ہوئے ہم

ابھی باہر کھڑی گاڑی تک پہنچے بھی نہیں پائے تھے کہ عقب میں نسان کے اسٹارٹ ہونے کی مخصوص آواز ابھری۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ جیپ واقعی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ صدف نے حیرت بھرے لہجے میں کہا ''یہ تو واقعی موٹر مکینک نکلا۔ اس نے اپنی مہارت سے جیپ کا انجن بیدار کر دیا۔''

ہم چلتے چلتے رک چکے تھے۔ تحسین جیپ سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''کس گاڑی میں چلیں گے؟ کرولا یا پٹرول؟''

''تم نے جیپ کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' میں نے حیرت آمیز لہجے میں کہا ''اس میں کون سی ایسی خرابی پیدا ہو گئی تھی جو تم نے پلک جھپکتے میں ٹھیک کر دی؟''

وہ موٹی تہ والے گلاسز کے پیچھے سے آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا ''یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک کھڑی تھی۔ میں نے اسے اسٹارٹ کرنے کی شریفانہ کوشش کی اور اس نے کسی فرماں بردار بیوی کی طرح فوراً مان لی!''

اس کے بیان پر مجھے حیرت ہوئی تاہم میں نے اپنی سوچ کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اس سے پوچھا ''تمہاری شادی کو تو ابھی صرف ایک مہینا ہوا ہے۔ یہ فرماں بردار اور نافرمان بیویوں کا تجربہ تمہیں کہاں سے ہو گیا؟''

وہ ایک دم جھینپ گیا پھر کھسیانا ہو کر بولا ''وہ جی تجربہ تو نہیں۔ میں نے تو بس ایسے ہی ایک سنی سنائی بات کہہ دی تھی۔''

''تم نہیں جانتے کہ سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا ''اس سے اکثر دھوکا ہو جاتا ہے اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔''

میں نے محض اس سے تفریح لینے کی غرض سے وہ انداز اپنایا تھا۔ فرید پاشا کا دوست ہونے کے ناتے وہ مجھ سے اس قدر مرعوب تھا کہ فوراً عاجزی سے بولا ''میں آئندہ خیال رکھوں گا جناب!''

میں نے کہا ''جب تمہاری شادی کو دو چار سال گزر جائیں اور آئندہ کبھی ہماری ملاقات ہو تو پھر میں تم سے بیویوں کے تجربات کے بارے میں سوال کروں گا۔ تم اس وقت جو بھی جواب دو گے، اس میں وزن ہو گا۔ بیوی اور شوہر کے بارے میں تجربہ کیے بغیر جو بھی رائے دی جائے گی، اس کی صحت مشکوک ہو گی۔''

وہ خاموشی سے اثباتی انداز میں سر کو جھٹکا دیتے ہوئے بولا ''آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ہم واپس کس گاڑی میں جائیں گے؟''

میں نے کہا ''نسان پٹرول کو تم ڈرائیو کرو... ہم کر میں جائیں گے لیکن اس سے پہلے تسلی کر لو کہ جیپ راستے تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔ اگر یہ پھر کسی مقام پر بند ہو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ تم یا تو رات کا باقی اپنی بیوی سے دور اسی جیپ کے اندر گزارو گے یا پھر دھکا لگا کر اسے گلبرگ تھری تک پہنچانا ہو گا۔ اگر تم دھکے والے مشن میں کامیاب ہو بھی گئے جو کہ ایک ہے، تو پھر بھی تمہاری رات کالی ہو جائے گی۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔''

''میں نے فیصلہ کر لیا جناب۔'' وہ روٹوک لہجے میں ''میں اسی جیپ میں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے، یہ کسی قسم گڑبڑ نہیں کرے گی۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے ''مجھے تو ایک بات کی حیرت ہے کہ آپ..... آپ.....''

اس نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے کہا ''تم رک کیوں گئے۔ کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''آپ میری بات کا برا تو نہیں منائیں گے؟''

''بالکل نہیں، آئندہ پانچ منٹ میں تم جو کچھ بھی کہو گے میں اس پر ناراض نہیں ہوں گا۔'' میں نے فرید پاشا اسسٹنٹ سے مزید تفریح لیتے ہوئے کہا ''اس کے بعد کی گارنٹی نہیں لیتا ہوں اور..... تمہارے وہ پانچ منٹ شروع ہوتے ہیں۔'' بات ختم کرتے ہی میں نے ایک چٹکی بجائی۔

صدف میری شرارت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس لیے وہ خاموش کھڑی تھی۔ تحسین نے محدود مدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ دی ''میں اس بات پر حیران ہوں وجدان صاحب کہ جیپ تو بالکل ٹھیک ہے۔ آپ نے میرا مذاق اڑانے کے لیے تو نہیں بلا لیا!''

مجھے اس کی سوچ پر ہنسی آ گئی لیکن اس ہنسی کے ساتھ ایک تشویش بھی مجھے لاحق ہو گئی۔ تحسین اگر یہ کہہ رہا تھا کہ جیپ میں کوئی خرابی موجود نہیں تو وہ غلط بیانی سے کام لے رہا تھا پھر میری ڈرائیونگ کے دوران میں وہ اچانک بند کیسے ہو گئی تھی؟ یہ ایک غور طلب اور سنسنی خیز سوال تھا..... اس سنسنی خیزی کو بے پناہ تقویت اس واقعے سے ملتی تھی کہ پٹرول میں گاڑی کو دھکیل کر کوٹھی تک لے آیا تھا۔ اس احساس کے ساتھ کہ کوئی دوسرا بھی میرے قدم بہ قدم جیپ کو پش کر رہا ہے۔ وہ جو کوئی بھی تھا، مجھے نظر نہیں آیا تھا تاہم میں نے احساس کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے تھا جیسے کوئی شخص میرے پیچھے آ رہا ہو۔ صدف نے وہم قرار دیا تھا اور میں نے اسے خاموش کرنے کے

کی تائید بھی کر دی تھی لیکن میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا.....

وجدان! یہ کوئی اور ہی چکر ہے۔ کیا چکر ہے، یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب کوئی بات واضح نہ ہو تو انسان کا ذہن الجھتا ہے اور میں واقعی اس وقت بہت الجھا ہوا تھا اور یہ الجھن اس وقت تک برقرار رہتی جب تک وہ نادیدہ شخص میرے سامنے نہ آ جاتا۔ پتا نہیں، وہ کوئی شخص تھا یا کوئی نادیدہ قوت تھی یا پھر، جن کی کوئی کارفرمائی؟ فی الحال، میں اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

تحسین اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد میرے جواب کا منتظر تھا اور اسے تسلی بخش جواب دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس نے واقعی ایک احمقانہ بات کی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

''تحسین! تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔ اوّل تو میرا تم سے کوئی مذاق نہیں اس لیے میں ایسی کوئی حرکت نہیں.....''

''یہ تو میں جانتا ہوں۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔ ''اسی لیے تو میں پریشان ہو رہا ہوں۔''

''تمہاری پریشانی خود ساختہ ہے۔'' میں نے کہا ''اگر تم بیچ میں مداخلت نہ کرو تو میں اپنی بات پوری کر لوں!''

''جی، جی۔ آپ کہیں۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گا۔''

میں نے کہا ''تمہاری تسلی کے لیے اتنا ہی بتا دینا کافی ہو گا تو میں نے براہِ راست تم سے یہاں آنے کو نہیں کہا تھا۔ میں نے فون پر اللہ دتا کو اپنی مجبوری بتائی تھی۔ تم یا تو اس کے کہنے پر آئے یا پھر اپنی مرضی سے اس لیے تمہارا خیال وہم سے زیادہ کچھ نہیں۔ بات آئی سمجھ میں؟''

''سوری سر۔'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا ''دراصل ٹھیک ٹھاک جیپ نے مجھے ایسا سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

''پھر تم اسی جیپ میں جا کر بیٹھو جو ایسے غلط قسم کے خیالات تمہارے ذہن میں پیدا کر رہی ہے۔'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا ''اب ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔''

کوٹھی کو بند کرنے کے بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو اچانک میرے ذہن میں ایک خیال نے سر ابھارا۔ میں نے تحسین کو اپنے پاس بلایا اور استفسار کیا۔

''کیا تم لاہور ہی کے رہنے والے ہو؟''

''جی ہاں، باپ دادا کی ہڈیاں یہیں دفن ہیں۔'' اس نے فخریہ لہجے میں بتایا ''میں بھی یہیں کی پیداوار ہوں۔''

''پھر تو تم اس شہر سے اچھی طرح واقف ہو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''چپے چپے سے واقف ہوں جناب۔'' اس نے کہا ''بے کاری اور بے روزگاری کے دنوں میں، میں نے بہت سفر کیا ہے۔ اردو کا بھی انگریزی کا بھی!''

میں نے پوچھا ''یہ انگریزی کا سفر کیا ہوتا ہے بھئی؟''

''وجدان صاحب! میں دراصل ایس یو ڈبلیو ایف ای آر، والے (Suffer) کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''بہت خوب۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا ''میں گلبرگ تھری جانے سے پہلے ذرا مسلم ٹاؤن کی طرف ایک چکر لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک کوٹھی کی جھلک دیکھنا ہے۔''

یہ خیال اچانک ہی میرے ذہن میں چمکا تھا۔ آج شام سے اب تک میں کسی طرم خان محمد منشا کے چمچوں سے نبرد آزما رہا تھا۔ اتفاق سے گینڈا نما قادر بخش نے اپنے باس منشا کا پتا اگل دیا تھا لہٰذا میں نے سوچا، کیوں نہ اس نئے دشمن کا ٹھکانا بھی دیکھ لوں۔ کسی وقت بھی ان معلومات کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

تحسین نے پوچھا ''آپ مسلم ٹاؤن میں کسی خاص جگہ جانا چاہتے ہیں یا بس ایسے ہی چکر لگانا ہے؟''

''میں نے بتایا ہے نا، مجھے ایک کوٹھی کی جھلک دیکھنا ہے۔''

''اس کوٹھی کا پتا کیا ہے؟''

میں نے تحسین کو منشا کی آب پارہ مارکیٹ والی کوٹھی کا پتا سمجھا دیا۔

وہ بولا ''میری معلومات کے مطابق یہ کوٹھی آب پارہ کے قریب ہی پڑے گی۔ وہاں تک جانے کے لیے ہمیں وحدت روڈ پکڑنا ہو گی۔''

''بس تو ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا ''تم پہلی فرصت میں وحدت روڈ پکڑ لو۔ جب تم میری مطلوبہ کوٹھی کے سامنے پہنچو تو انڈی کیٹر دینا۔ ہم جیپ کے پیچھے تھوڑا فاصلہ رکھ کر چلیں گے۔ مجھے معلوم ہو جائے گا، وہ کوٹھی کون سی ہے اور کہاں پر واقع ہے۔ رکنا بالکل نہیں۔''

''ٹھیک ہے وجدان صاحب! میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔'' تحسین نے کہا ''اگر آپ کی بتائی ہوئی کوٹھی دائیں طرف پڑی تو میں دایاں اور بائیں طرف پڑی تو میں بایاں انڈی کیٹر دوں گا۔''

پھر ہم آگے پیچھے فاضلیہ کالونی والی پاشا کی کوٹھی سے روانہ ہو گئے۔ ہم شاہ جمال روڈ پر آنے کے بعد شادمان

کالونی کی طرف نہیں گئے بلکہ ہمارا رخ اس وقت فیروز پور روڈ کی جانب تھا۔ تحسین جیپ میں ہم سے آگے تھا اور ہم لگ بھگ سو گز کا فاصلہ رکھ کر اس کے عقب میں جا رہے تھے۔ گاڑیوں کی رفتار معتدل تھی۔

مین فیروز پور روڈ خاصی کشادہ سڑک ہے پھر وہ رات کا آخری پہر تھا اس لیے بھی وہ ہمیں خالی ملی۔ ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے گلیکسی اور رحمان پورہ سے گزرے پھر آئندہ سگنل سے تحسین نے جیپ کو دائیں طرف موڑ لیا۔ رات کے اس وقت سگنلز کی پابندی ضروری نہیں رہتی۔ اس لیے تمام سگنلز کو فری کر دیا جاتا ہے سرخ اور سبز بتیاں لمبی اوڈھ کر سو جاتی ہیں۔ صرف پیلی لائٹ نائٹ واچ مین کا کردار ادا کرتی ہے اور مسلسل جل بجھ میں مصروف رہتی ہے۔''

میں نے بھی تحسین کی تقلید میں کرولا کو دائیں جانب ٹرن کیا۔ اب ہم وحدت روڈ پر تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد آب پارہ مارکیٹ آ گئی پھر تحسین رہائشی علاقے میں گھس گیا۔ دو منٹ بعد اس کی گاڑی کا انڈی کیٹر اپنا فنکشن کرنے لگا۔ میں نے اس اشارے پر اپنی مطلوبہ کوٹھی کو دیکھ لیا۔ وہ ایک چھوٹی دو منزلہ سفید رنگ کی کوٹھی تھی۔ میں نے مذکورہ کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے نیم پلیٹ پر نگاہ دوڑائی۔ وہاں کسی شمشاد علی ایڈوکیٹ کا نام لکھا تھا۔ پتا وہی تھا جو قادر بخش کی زبانی میری یادداشت میں محفوظ ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں منشا نامی اس شخص کی چالاکی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وکیل والی آڑ اس نے خوب لی تھی۔ یہ تو قع تھی کہ کوٹھی کی نیم پلیٹ پر مجھے محمد منشا کا نام نظر نہیں آئے گا لیکن کسی ''ایڈوکیٹ'' کا بھی میں نے تصور نہیں کیا تھا!

چند گلیوں میں گھوم کر تحسین ہمیں نہر کے کنارے لے آیا پھر ایک جگہ اس نے جیپ روک دی۔ میں نے اس کے برابر کرولا روکی اور سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے پوچھا ''دجدان صاحب! آپ کا مقصد پورا ہو گیا یا نہیں؟''

''تم نے اس کوٹھی کی بھرپور نشان دہی کر دی ہے۔'' میں نے جواباً کہا ''میں نے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی ازبر کر لیا ہے۔ اب ہمیں فوری طور پر واپس چلنا چاہیے۔''

تحسین نے سفید کوٹھی اور اس کے مکین کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور بولا ''ٹھیک ہے، آپ میرے پیچھے آئیں۔ اب ہم دوسرے راستے سے گھر جائیں گے جو شارٹ کٹ بھی ہے۔''

ایک مرتبہ پھر ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ نہر کے کنارے چلتے ہوئے ہم نے فیروز پور روڈ کو عبور کیا پھر ایف سی کالج کے پاس سے گزرتے ہوئے ہم تھوڑا آگے جا کر گلبرگ میں داخل ہو گئے۔ لاہور کے قلب سے گزرنے والی یہ نہر درحقیقت ایک برانچ کینال ہے جو ایک بڑی نہر اپر باری دوآب سے نکلتی ہے۔ یہ برانچ کینال لاہور میں شاہدرہ مشرق کی طرف سے داخل ہو کر جنوب مشرق کی سمت چلی جاتی ہے۔ اس کے اطراف میں، سڑک کے ساتھ ساتھ سرسبز و شاداب ''نرسریز'' کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اس کے بعد صاحبِ ثروت افراد کی رہائشی علاقہ ہے۔ یہ نہر اور اس کے کناروں پر استادہ بلند و پست درخت ہوا سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے جنت نظیر مناظر تخلیق کرتے ہیں۔''

ہم آگے پیچھے سفر کرتے ہوئے فرید پاشا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔

کوٹھی پر امن و امان کی صورتِ حال نے ہمارا استقبال کیا۔ مستعد سیکیورٹی گارڈ عمر دین اپنی ڈیوٹی پر مخصوص کیبن میں موجود تھا۔ اس نے ہمیں ''سب ٹھیک ہے'' کا سگنل دیا۔ ہم گاڑیوں کو گیراج میں پہنچا کر کوٹھی کے اندر آ گئے۔ اس وقت رات کے ساڑھے تین بجے تھے۔ ہمارے پاس ڈھائی گھنٹے کا وقت تھا۔ اسی دوران میں ہمیں نیند لینا تھی اور آرام کرنا تھا۔''

میں نے اللہ دتا سے پوچھا ''زرگل سو گئی یا ابھی تک جاگ رہی ہے؟''

''صاحب جی! ان حالات میں سو کون سکتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا ''وہ دونوں جاگ رہی ہیں۔''

میں نے تحسین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''تم اپنی بولا کے پاس چلے جاؤ اور زرگل کو باہر بھیج دو۔ مجھے امید ہے، تمہیں مزید ڈسٹرب نہیں ہونا پڑے گا۔''

اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی۔ زرگل ہمارے ہاں ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اللہ دتا نے پوچھا ''دجدان صاحب! اب تو چائے چلے گی نا؟''

میں نے کہا ''رہنے دو۔ تم بھی تھوڑا آرام کر لو۔ کل نہیں، کیا حالات پیش آ ئیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ سپر پور جانا ہے۔ میں بھی ایک ہلکی سی نیند لینا چاہتا ہوں۔''

اللہ دتا سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر اپنے کوارٹر کی طرف جانے لگا تو اس نے کہا ''آپ لوگ جہاں اور جس طرح چاہیں آرام کریں۔ بیڈ روم زیریں منزل پر بالکل تیار حالت میں خالی ہیں اور نیچے بالائی منزل پر ہے۔ میں نے آپ کی غیر موجودگی میں کمرے کی ہر شے ضرورت کے مطابق سیٹ کر دی ہے۔''

اللہ دتا رخصت ہوا تو میں صدف اور زرگل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے باری باری انہیں دیکھا اور کہا ''میں تو یہیں ڈرائنگ روم کے صوفے پر کمر سیدھی کر لوں گا۔ تم دونوں کا کیا ارادہ ہے؟''

''مجھے تو بالکل نیند نہیں آ رہی۔'' صدف نے کہا ''دراصل میں نے دن میں، یہاں سے جانے کے بعد ایک بھرپور نیند لے لی تھی۔''

زرگل نے کہا ''وجدان! تم جانتے ہو، میں کس قسم کے حالات سے گزر رہی ہوں۔ میری نیند بھی اچاٹ ہو گئی ہے لہٰذا صبح تک جاگنا ہی ہو گا۔''

میں نے محسوس کیا وہ دونوں سونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''نیند نہ بھی آئے پھر بھی آرام بہت ضروری ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''میرا مشورہ تو یہ ہے کہ زیریں منزل والے دونوں بیڈ روم تم سنبھال لو۔ میں یہاں ڈرائنگ روم میں موجود ہوں۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

اس دفعہ انہوں نے بڑی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا اور یکے بعد دیگرے ڈرائنگ روم سے اٹھ کر کمروں کی طرف چلی گئیں۔ زرگل کے چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں اس وقت قصے کہانیوں کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی داستان صبح بھی سنی جا سکتی تھی۔ کل کے حالات کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ پوری طرح چاق و چوبند رہنے کے لیے تھوڑی نیند ازحد ضروری تھی!

میں ایک آرام دہ صوفے پر دراز ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اگرچہ مجھے کوئی خاص نیند نہیں آ رہی تھی پھر بھی مجھے سونا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی میرا دھیان فرید پاشا کی طرف چلا گیا۔ فرید ایک مخلص اور سچا جاں نثار دوست ثابت ہو رہا تھا لیکن میری وجہ سے وہ بے چارہ اچانک مشکلات میں گھر گیا تھا۔ زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے باپ کے انتقال میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا لیکن اس کی دیگر مشکلیں میرے ہی سبب تھیں۔ سکندر اور رانا عظمت کی دشمنی ہی کیا کم تھی جو اب منشا کا سلسلہ بھی نکل آیا۔ یہ سلسلہ اگر دراز ہو جاتا تو بات چوہدری دلدار تک پہنچ سکتی تھی..... اور یہ سب کچھ میری موجودگی کی وجہ سے تھا۔ اگر میں پاشا کا مہمان نہ ہوتا تو وہ اس قسم کے سنگین حالات سے دوچار نہ ہوتا۔

اس تناظر میں سوچتے ہوئے میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے پہلی فرصت میں فرید پاشا سے دور ہو جانا چاہیے۔ دوستی دوررہ کر بھی تو نبھائی جا سکتی ہے۔ اگر آپ کی دوستی، دوست کے لیے مشکلات کھڑی کر رہی ہو تو ایک فاصلہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ میں تو ایسا شخص تھا کہ ہر پل دشمن میرے ہم رکاب رہتے تھے۔ مجھے ان کی عادت ہو گئی تھی اور ان سے نمٹنے میں مجھے مزہ آتا تھا۔ میں کچھ دشمن پیشہ سا ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے ایک اٹل فیصلہ کر لیا کہ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اور ساحل کو حاصل کرنے کے بعد میں فرید پاشا سے فاصلہ بڑھا لوں گا۔ ویسے بھی یہ کوٹھی اب میرے لیے زیادہ محفوظ پناہ گاہ نہیں رہی تھی۔ شعیب غوری میرے اس ٹھکانے سے واقف ہو چکا تھا۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ اس نے اب تک کوئی اوچھی حرکت نہیں کی تھی۔ میرے خیال میں چوہدری نوازش علی کے بعد وہ شخص میرا دشمنِ اوّل تھا۔ میں اسے اور وہ مجھے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ شعیب یا اس کے بندے پنجے جھاڑ کر اس کوٹھی کا پیچھا کرتے، مجھے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے تھا۔

پھر مجھے شعیب غوری کی دھمکی یاد آ گئی۔ اس نے ٹیلی فون پر رابطے کے دوران میں بڑے سنگین الفاظ میں کہا تھا..... میں نے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے ایک مستند اور کہنہ مشق قسائی سے رابطہ کر لیا ہے۔ وہ تمہاری ایسی نس بندی کرے گا کہ پھر تم ساری زندگی صف بندی کے قابل نہ رہو گے!

شعیب غوری کوئی غیر سنجیدہ یا کمزور شخص نہیں تھا کہ میں اس کی وارننگ کو کوئی خالی خولی دھمکی سمجھتا۔ وہ ایک فعال تنظیم ''سی ایف کے'' کا باس تھا اور یہ بودی لابی اس کی پیٹھ ٹھونک رہی تھی۔ وہ بہت ہی خطرناک اور سفاک شخص جو کسی لمحے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی سفاکی کا مظاہرہ اپنے تین ساتھیوں کی بھیانک موت کی صورت دیکھا تھا۔ شعیب غوری کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا خیال منشا کی طرف چلا گیا۔ کہیں یہ منشا ہی وہ قسائی تو نہیں جس کا ذکر غوری نے کیا تھا۔ شعیب کا لاہور میں نیٹ ورک نہیں تھا لیکن یہ عین ممکن تھا، اس نے میری سرکوبی کے لیے منشا جیسے شخص سے گٹھ جوڑ کر لیا ہو! سکندر اور منشا کا ربط ضبط بھی یہی ظاہر کرتا تھا کہ انہیں میری تلاش تھی۔ کیا یہ تلاش شعیب غوری کی فرمائش پر شروع کی گئی تھی؟

میں اب تک یہی سوچ رہا تھا کہ منشا اور چوہدری دلدار کا تعلق چوہدری نوازش علی سے ہو گا۔ اب نظر آ رہا تھا کہ یہ سارا

آتش فشاں 179 حصہ 9

کھیل شعیب غوری کا بھی ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں فرید پاشا کو کسی وبال سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ میں فوری طور پر اس سے کنارہ کش ہو جاؤں، چاہے عارضی طور پر ہی سہی! اس کوٹھی کا راستہ میرے اتنے دشمنوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی۔ انہی دشمنوں میں وہ بہروپیا بھی شامل تھا..... نقلی وجدان!

میں اس شخص کے بارے میں ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا کہ وہ میرا دشمن ہے یا دوست! اگر چہ ڈارلنگ والے باکس میں سے جو تہ شدہ پرچہ برآمد ہوا تھا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا، وہ میرا خیر خواہ ہے۔ ڈارلنگ کے شر سے مجھے بچانے کے لیے اس نے اس بلی کو ذبح کر ڈالا تھا۔ اس کا خیال تھا، کوئی بد روح ڈارلنگ کے اندر گھس آئی تھی جو مجھے شدید قسم کا نقصان پہنچانے والی تھی۔

ماضی میں، بدی کی قوتوں سے مجھے قدم قدم پر واسطہ پڑتا رہا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا، تعارف کا سلسلہ ابھی موقوف نہ ہوا ہو اور میری دشمن پراسرار قوتوں کی باقیات ڈارلنگ کو وسیلہ بنا کر مجھ تک پہنچ گئی ہو۔ ڈارلنگ نے متعدد مواقع پر میری مدد کی تھی اس لیے اس کی موت کا مجھے بہت زیادہ غم تھا۔ اگر بہروپیے وجدان کا کہا درست تھا تو پھر میں یہی کہوں گا کہ ڈارلنگ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے مجھے ایک مرتبہ پھر محفوظ کر دیا تھا۔ افسوس صرف اس بات کا تھا کہ میں ڈارلنگ کے لیے کچھ نہیں کر پایا تھا۔

پھر اس رات کا منظر میری نگاہ میں گھوم گیا جب میں نے اس کی اصلیت جاننے کے لیے اس پر تنویمی عمل کیا تھا اس تنویمی عمل میں چی کا بگھار بھی شامل تھا لیکن عین آخری لمحات میں، جب کہ میں ڈارلنگ کا راز پانے ہی والا تھا کہ فرید پاشا کی بیوی نائلہ کی دلخراش چیخ نے سب کچھ تباہ و برباد کر دیا۔ میں انگلش فلم ''گولڈ مین'' کے ہیرو ڈینجر ڈیبولک سے مشابہ تین افراد سے نمٹنے کے لیے ہر شے کو فراموش کر کے نائلہ کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

اگر اس وقت مجھے چند لمحات کی مہلت مل گئی ہوتی تو ممکن ہے میں ڈارلنگ کی اصلیت کو پالیتا۔ وہ کسی بدی کی قوت کے زیر اثر تھی یا نیکی کی قوت اس کے اندر کارفرما تھی اس کا فیصلہ ہو جاتا۔ بہرحال، اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ ڈارلنگ ایک حیرت انگیز اور پراسرار بلی تھی۔ میں اپنی زندگی میں آنے والے اس کردار کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے دل و دماغ میں ایک محسن کی حیثیت سے نقش ہو کر رہ گئی تھی!

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔ آواز سرگوشیانہ اور واضح تھی۔ میں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں اور ڈرائنگ روم میں نظر دوڑانے لگا۔ میری متلاشی نظر کو ناکامی ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ کیا میری سماعت کو دھوکا ہوا تھا؟''

میں بے چین ہو گیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ میں نے بڑے کھلے اور واضح الفاظ میں اپنا نام سنا تھا۔ کسی نے مجھے پکارا تھا لیکن یہاں کسی متنفس کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے آنکھیں بند کرنے سے پہلے ڈرائنگ روم کی لائٹ آف نہیں کی تھی۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ مجھے پکارنے والا آواز دے کر چھپ گیا ہو۔ پھر نے اپنا نام سنتے ہی آنکھیں کھول دی تھیں۔

میں تشویش ناک انداز میں بڑی سرعت سے سوچنے لگا۔ میری سماعت کو بار بار دھوکا کیوں ہو رہا تھا؟ فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے صحن میں بھی مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی میرے پیچھے آ رہا ہو۔ میں نے قدموں کی باقاعدہ آواز سنی تھی لیکن صدف نے اسے میرا وہم قرار دے کر بات ختم کر دی۔ اس سے قبل نسان پٹرول کو پش دیتے وقت بھی میں نے جو کچھ محسوس کیا، وہ ناقابل فہم اور حیرت انگیز تھا۔ تو کیا کوئی قوت میری ہم سفر بن چکی تھی۔ یہ قوت نیکی کی تھی یا بدی کی؟ اس کا فیصلہ کرنا ناممکن نہیں تھا کیوں کہ اس نے ابھی تک ذاتی طور پر مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور نہ ہی فائدہ! البتہ ایک بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ میرے ساتھ کوئی پراسرار معاملہ شروع ہو چکا تھا جسے میں فی الحال سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

پراسراریت کے حوالے سے میرا دھیان ایک لمحے کے لیے بیلگری کی طرف بھی گیا جو پچھلے کئی روز سے غائب تھا۔ آخری خواب ناک ملاقات میں اس نے بڑے غرور سے دعویٰ کیا تھا کہ اب وہ کبھی بھی میری طرف نہیں آئے گا بلکہ مجھے اپنے پاس آنے پر مجبور کر دے گی..... مجھے حالیہ کی میں اس کے مسکن تک جانا ہوگا اور ہر حال میں جانا ہوگا۔ یہ ممکن تھا، بیلگری نے اپنی کسی پراسرار کارروائی کا آغاز کر دیا ہو۔

بیلگری کی دو خواہشیں میں نے نوٹ کی تھیں۔ ایک یہ حصول اور دوسرے مجھے ساحل سے دور رکھنا۔ وہ اپنے میں جزوی طور پر کامیاب رہی تھی۔ ساحل کا اغوا اور اے اسکیم کے بنگلے میں پیش آنے والے واقعات اسی کڑیاں تھے۔ سرمہ بدن لیلیٰ کے جلو میں اس نے جو

دکھائی، میں ابھی تک اس کے سحر میں تھا!

دیوار گیر کلاک نے صبح کے چار بجنے کا اعلان کیا تو میں ان نے خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اور سونے کے لیے خود کو ہدایات دینے لگا..... میں نہایت ہی پرسکون میٹھی اور گہری نیند سوؤں گا اور ٹھیک سات بجے میری آنکھ ہشاش بشاش کھل جائے گی لیکن میری اس نیند کے دوران میں اگر اس کوٹھی کی حدود میں کوئی غیر معمولی یا سنگین واقعہ پیش آنے کی توقع یا آثار نمودار ہوئے تو وقتِ مقررہ سے پہلے ہی میری آنکھ فوراً کھل جائے گی۔

آئندہ چند لمحوں میں، میں نیند کی مہربان آغوش میں سر رکھ چکا تھا۔

☆☆☆

عملی لوگ بہت کم خواب دیکھتے ہیں، انہیں عمل ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ تھک ہار کر سونے کے لیے اگر کچھ وقت میسر آتا ہے تو وہ ایسا بے خبر سوتے ہیں کہ پھر اگلے دن ہی کی خبر لاتے ہیں۔ میری ساری زندگی پریکٹیکل گزری تھی اس لیے مجھے بہت کم خواب دیکھنے کا موقع ملا اور میں نے جو بھی خواب دیکھا وہ لایعنی اور بے معنی بھی نہیں رہا۔

اس رات میں لگ بھگ چار بجے سویا تھا۔ یہ رات نہیں بلکہ صبح ہی تھی۔ میں نے صبح سات بجے تک سونے کے لیے ذہن کو ہدایت دی تھی لیکن ساڑھے پانچ بجے میری آنکھ کھل گئی۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں پورے بدن سے پسینے میں نہایا ہوا ہوں۔ یہ مزید حیرت کی بات تھی۔ ایک ٹھنڈی ٹھار رات میں پسینا! ہدایت کے خلاف قبل از وقت آنکھ کھل جانا یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اس کوٹھی میں کوئی غیر معمولی واقعہ ہو چکا ہے یا ہونے جا رہا ہے۔

پھر مجھے یاد آیا کہ میں ایک انوکھا خواب دیکھ رہا تھا کہ اچانک آنکھ کھل گئی۔ میں نے بہ آہستگی صوفہ چھوڑا اور ڈرائنگ روم کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ہر شے معمول کے مطابق اور اپنی جگہ پر تھی۔ میں اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ محتاط قدموں سے چلتے ہوئے میں نے کوٹھی کے اندرونی حصے کو ہر طرف جھانک کر دیکھ لیا۔ ہر جانب امن و امان کی صورتِ حال تھی۔ کوٹھی کے عقبی حصے میں سکون تھا۔ گیٹ پر چوکیدار عمر دین المعروف بہ سیکیورٹی گارڈ مستعد کھڑا تھا۔ جب سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا تو پھر میری آنکھ خلافِ معمول کیوں کھل گئی؟ کیا میرے دماغ نے مجھے دھوکا دیا تھا؟

یہ میرے لیے ایک ناقابلِ یقین بات تھی اس لیے میرا دھیان لامحالہ اس انوکھے خواب ہی کی طرف چلا گیا۔ واپس ڈرائنگ روم میں آیا اور صوفے پر نیم دراز ہو کر خواب کے بارے میں سوچنے لگا۔ نیند کا اب سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے جو خواب دیکھا وہ اپنی نوعیت کا خواب تھا۔ میں نے خواب میں خود کو دیکھا جیسی اپنے علاوہ وہ ہو بہو میں ہی تھا۔ وجدان! میں اور وجدان ایک مختلف مناظر کے کردار بنے ہوئے تھے اور اس بات پر الجھن یا حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ میں خواب میں ایک لیے بھی نہیں چونکا کہ جب وجدان میں ہوں تو پھر وجدان کیا معنی رکھتا ہے۔ میرے علاوہ کوئی اور وجدان ہے؟ اس قسم کا کوئی سوال یا اعتراض میرے ذہن میں نہیں ہوا۔ خواب کے دوران میں دوسرا وجدان اپنا میرے اندر داخل ہو کر میرے وجود کا حصہ گیا تو اسی لمحے آنکھ کھل گئی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، خواب دیکھتے وقت ایک لمحے کے لیے مجھے نقلی وجدان کا خیال نہیں آیا تھا۔ وہ ہو میرے خواب میں داخل نہیں ہوا لیکن اب میرا خیال اس طرف جا رہا تھا۔ میں نے جب سنجیدگی سے اپنا تجزیہ کیا تو نتیجے پر پہنچا کہ پچھلے آٹھ دس گھنٹے میں اس بہروپ کے حوالے سے جو واقعات پیش آ چکے تھے۔ شاید انہی کی خیالی بازگشت نے مجھے وہ خواب دکھا دیا تھا۔ میں نے ان تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اسی وقت ڈرائنگ روم کے نیم وا دروازے پر صوفہ صورت نظر آئی۔ وہ کسی بلی کی مانند دبے قدموں وہاں تھی۔ میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس سے کہا ''تم ابھی سوئی نہیں ہو؟''

''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ مجھے نیند بالکل نہیں آتی۔'' وہ میرے مقابل دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی پوچھنے لگی ''ابھی تھوڑی دیر پہلے تم میرے بیڈروم کے سامنے سے گزرے تھے؟''

''ہاں گزرا تھا۔'' میں نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''کیا تم نے مجھے دیکھا تھا؟''

''دیکھا تو نہیں، بس یوں محسوس ہوا جیسے وہاں سے تم گزر رہے ہو!''

مجھے اس کے بیان پر شک ہوا۔ دیکھے بغیر وہ اندازہ کس طرح کہہ سکتی تھی کہ گزرنے والا میں ہی ہوں، میرے علاوہ بھی تو کوئی ہو سکتا تھا۔ میں نے اسے پوچھا۔

''کیا تمہیں کوئی پراسرار شکتی حاصل ہو گئی ہے۔ جو تم بغیر دیکھے اتنا درست اندازہ لگا لیتی ہو؟''

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ بات بناتے ہوئے بولی ''میں نے ایک اندازہ لگایا جو اتفاق سے سچ نکلا، اس میں کسی شکتی کا کوئی دخل نہیں، تم خواہ مخواہ کسی وہم میں مبتلا نہ ہو۔''

میں نے اس سلسلے میں صدف سے زیادہ جرح نہیں کی۔ یہ تو مجھے یقین تھا کہ اس نے کسی نہ کسی طرح مجھے دیکھ لیا ہو گا اور اب یہ بات مجھ سے چھپا رہی تھی۔ میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''آج تو وہم ڈے ہے۔ فاضلیہ کالونی والی کوٹھی میں مجھے وہم ہوا کہ ہمارے پیچھے بھی کوئی آ رہا ہے اور اب بھی تم مجھے کسی وہم میں مبتلا نہ ہونے کا مشورہ دے رہی ہو۔''

وہ اچانک بات بدلتے ہوئے بولی ''کیا تم کسی خاص کام سے اٹھے تھے؟''

''نہیں، کوئی خاص کام نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔

''تم نے تھوڑی بہت نیند لے لی یا میری طرح ابھی تک جاگ رہے ہو؟''

''میں نے ڈیڑھ گھنٹے کی نیند لے لی ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''اگر تمہارا چائے کا موڈ ہو تو میں بنا لاتی ہوں۔ میں تو اس وقت خواہش محسوس کر رہی ہوں۔ دراصل، میں بیڈ ٹی لینے کی عادی ہوں۔''

میں نے کہا ''اگر تمہیں خواہش ہو رہی ہے اور یہ تمہاری عادت بھی ہے تو تم ضرور چائے بنا کر پی لو۔ میرا تو اس وقت موڈ نہیں ہو رہا۔''

''اگر تم نہیں پی رہے ہو تو پھر کیا فائدہ۔'' وہ بے پروائی سے بولی ''میں نے سوچا تھا، اگر تم ساتھ دو تو پھر ہمت کی جا سکتی ہے۔''

میں نے کہا ''یہ ہمت کی نہیں بلکہ عادت کی بات ہے۔ میرے ساتھ دینے یا نہ دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم بیڈ ٹی کی عادی ہو تو تمہیں ضرور چائے لینا چاہیے۔''

''تمہیں فرق نہیں پڑتا ہو گا لیکن مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔''

''چائے پینے سے یا نہ پینے سے؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''تمہارے ساتھ دینے یا نہ دینے سے۔'' وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے دھڑک انداز میں بولی۔

اس کے انداز نے میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ میں نے پوچھا ''کیا ایسی ہی بات ہے؟''

''بالکل ایسی ہی بات ہے!'' وہ قطعیت سے بولی پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور کہا ''میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

ہمارے درمیان بڑے مبہم انداز میں بات چیت ہوئی تھی لیکن صدف کے تیور مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کررہے تھے اور اسی دوری میں فرید پاشا و منہاس باقر کے کہے ہوئے الفاظ کی بازگشت بھی شامل تھی۔ ان دو مردم شناس افراد نے فتویٰ دیا تھا کہ صدف آگے چل کر میری زندگی کا ایک حصہ بن جائے گی۔ ان حضرات کی پیش گوئی کے پورا ہونے کے آثار دکھائی دینا شروع ہوگئے تھے۔

صدف بلا کی پراعتماد اور بے باک لڑکی تھی۔ اسے کوئی بات کہنے میں دریغ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ شاید یہ اس کی مارشل آرٹس کی ٹریننگ کا نتیجہ تھا۔ سخت اور مشقت دار ایکسر سائزز نے اس کی نسوانیت میں قدرے کمی کر کے اس کے اندر مردانیت کا سا انداز پیدا کردیا تھا۔ وہ بڑے دھڑلے سے بات کرتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی ٹرے بھی موجود تھی جس میں چائے کی دو پیالیاں رکھی نظر آرہی تھیں۔ اس نے ٹرے کو میز پر میرے سامنے رکھا اور ایک پیالی اٹھالی۔ مطلب یہی تھا کہ دوسری پیالی میرے لیے ہے۔

''میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا۔'' میں نے چائے کی پیالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''مجھے اس وقت چائے کی ضرورت محسوس نہیں ہورہی۔ اگر میں نے یہ پیالی معدے کے اندر اتار لی تو مجھے فوراً نیند آنا شروع ہوجائے گی۔ چائے اور کافی میرے لیے کسی اپی ٹائزر (Appetizer) یا سلیپنگ پلز (Sleeping Pills) سے کم نہیں ہے۔''

''چھوڑو ان باتوں کو۔'' وہ بڑی لگاوٹ سے بولی ''میں اتنی محنت سے تیار کر کے لائی ہوں۔ اپنے معمول کو ایک دن کے لیے توڑ دو گے تو کون سی قیامت آجائے گی؟''

وہ سچ کہہ رہی تھی۔ واقعی اگر میں ایک روز ہیڈ ٹی لے لیتا تو اس سے کسی قسم کی قیامتِ صغریٰ یا کبریٰ نہیں آسکتی تھی۔ میں نے کندھے اچکائے اور میز پر رکھی ٹرے میں سے چائے اٹھا لی۔

''شکریہ وجدان۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی ''تم نے میرا مان رکھ لیا۔''

میں خاموشی سے چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

صدف نے استفسار کیا ''وجدان! ویسے تمہارا روز کا معمول ہے۔ تم صبح اٹھ کر، ناشتے سے پہلے کیا کرتے ہو؟''

''میں علی الصباح اٹھتا ہوں اور سب سے پہلے ایک چند مشقیں کرتا ہوں جن میں چی کی ایڈوانس مشقیں بھی شامل ہیں۔'' میں نے بتایا ''اس کے تھوڑی دیر بعد ناشتا کرتا ہوں۔''

وہ جلدی سے بولی ''چی کے حوالے سے یاد آیا کہ جب ہم فاضلیہ کالونی والی کوٹھی میں تھے اور میں نے اس قوت حاصل کرنے کے لیے تمہاری راہ نمائی والی بات کی تھی بے ساختہ چونک کر کہا تھا..... اسے بھی یہ سب کچھ سیکھنے کا شوق تھا۔ میں نے جب ''اسے'' کے بارے میں پوچھا تو تم نے مجھے ٹہلانے کی کوشش کی۔ اس وقت تو میں نے تم پر زیادہ دباؤ نہیں دیا لیکن اب ضرور پوچھوں گی، وہ کون ہے اور اب کہاں ہے؟'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بولی ''تمہارے لہجے کی اداسی نے مجھے اندازہ دیا ہے کہ وہ ہستی اب تمہارے ساتھ نہیں۔ کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے جدا ہوگئی ہے یا.....''

''صدف!'' اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

میری آواز اچھی خاصی بلند تھی اور اس میں ایک خاص قسم کا جارحانہ پن پایا جاتا تھا، اسے دیوانگی بھی کہا جاسکتا ہے۔ صدف نے بات کے اختتام پر مؤنث کا صیغہ استعمال کر کے تو ثابت کردیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہی ہے لیکن اس کے الفاظ ''ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے جدا'' میرے اندرون کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور غیر ارادی طور پر میں دیوانگی کے سے انداز میں غرایا تھا۔ صدف کو اتنے جذباتی دخشیانہ انداز میں پکار کر میں نے اس کے خیال پر مہرِ ثبوت لگادی تھی۔

وہ بہ دستور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ندامت آمیز لہجے میں بولی ''وجدان سوری! خدانا خواستہ، میں تمہیں کسی جذباتی یا روحانی صدمے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھی بس ایک بات روانی میں میری زبان سے پھسل گئی۔ آئی رئیلی سوری!''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا دوبارہ چائے کے ساتھ مصروف ہوگیا۔

صدف نے پھر اس سلسلے میں کوئی مزید کریدنہیں کی سمجھ گئی تھی کہ اس ہستی سے میرا کوئی جذباتی تعلق ہے جس نے مجھے بے اختیار کردیا۔ صدف نے حالانکہ ایک عام سا بات

نما لیکن ساحل کا معاملہ میرے لیے اتنا نازک تھا کہ میں نے اسے خاص لیا اور بے ساختہ ردِعمل کا اظہار کردیا۔ میں بھی بولے سے بھی یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ ساحل مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئی۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... الفاظ بہت ہی سنگین تھے اور اپنے اندر موت کی سفاکی لیے ہوئے تھے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے، کوئی ذی روح اس سے انکار نہیں کرسکتا اور ہر نفس کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے لیکن اپنی عزیز ترین ہستی کی موت کا تصور یا ذکر کس طرح قلب و روح پر آبلے ڈال دیتا ہے اس بات کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے کسی کو چاہا ہو، کسی سے محبت کی ہو۔ ساحل میری چاہت تھی، میری محبت تھی۔ میں نے اسے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔ خیالی تنہائیوں اور وقت کی گھٹاؤں سے گزر کر اس سے محبت کی تھی۔

میں اس کی ابدی جدائی کا تصور کیونکر کرسکتا تھا۔ میں تو اس کی عارضی اور وقتی جدائی میں آبلہ پا اس کے سراغ کی جانب محوِ سفر تھا۔

ہمارے درمیان اچانک خاموشی نے ایک دبیز چادر تان دی۔ صدف منہ سے بولی اور نہ ہی میں نے زبان سے ایک لفظ ادا کیا۔ ہم اپنے اپنے خیالوں میں گم سر جھکائے وقفے وقفے سے چائے کی گنگناتی شیرینی سے اپنے لب سینکتے رہے اور تصور میں اپنے ٹارگٹ کو دیکھتے رہے۔

چھے اور سات بجے کے درمیان گھر کے دیگر افراد بھی یکے بعد دیگرے بیدار ہوگئے۔ موسم کی مناسبت سے سات بجے کے وقت کو علی الصباح کہا جاسکتا تھا۔ ساڑھے سات بجے ہم سب ناشتے کی میز پر تھے۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں زرگل کو لے کر ایک کمرے میں بیٹھ گیا۔ ابھی تک اس سے کھل کر بات نہیں ہوسکی تھی۔ وہ مصیبت زدہ پشتون دوشیزہ مجھے اپنی طویل داستان سنانا چاہتی تھی۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا، ہمیں جتنی جلدی ممکن ہو، وہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ فضا کی طرف سے پھر کسی اوچھی اور ناخوشگوار حرکت کی توقع کی جاسکتی تھی۔ پتا نہیں، وہ اب تک دم سادھے کیوں بیٹھا تھا۔ جمشید، عمران اور جلال کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہ آنے پر اسے فوراً ایکشن میں آجانا چاہیے تھا۔ اس کا پہلا اور آخری نشانہ فرید پاشا کی کوٹھی ہی ہوتی!

میں نے زرگل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''اب تک تم یہ بات تو اچھی طرح جان چکی ہو کہ چند لمحات کے بعد مجھے اپنے دوست فرید پاشا کے گاؤں سید پور روانہ ہوجانا ہے۔ فی الحال میرے پاس تم سے تفصیلی گفتگو کا وقت نہیں۔ اگر تم ایسا چاہتی ہو تو چند روز کے لیے اسی کوٹھی میں رک جاؤ۔ میں دو تین روز میں واپس آجاؤں گا۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اضافہ کیا ''ویسے تو تمہارے لیے صرف ایک رات گزارنے کا مسئلہ تھا۔ تم نے کہا تھا کہ صبح تم اپنی منزل کی جانب روانہ ہوجاؤ گی۔ تم جہاں بھی جانا چاہو، تمہیں بہ حفاظت پہنچا دیا جائے گا۔ بولو، کیا کہتی ہو؟''

جس طرح یہ طے تھا کہ صدف میرے ساتھ سید پور جائے گی بالکل اسی طرح میں نے یہ فیصلہ بھی کرلیا تھا کہ زرگل کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔ وہ چند لمحے دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھتی رہی پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔

''فی الحال تو میرے سامنے کوئی متعین منزل نہیں ہے۔ حکمت یار کے بندوں سے میری جان محفوظ ہوچکی ہے۔ آئندہ لائحہ عمل بہت سوچ سمجھ کر بنانے کی ضرورت ہے۔ ابھی تک میں ذہنی طور پر اس قدر الجھی ہوئی ہوں کہ اس بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی سوچ نہیں سکی۔''

میں نے حتمی انداز میں کہا ''ٹھیک ہے تم جب تک چاہو، اس کوٹھی کی پناہ میں آرام کرسکتی ہو۔ اس دوران میں تمہیں سکون سے سوچنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ میری واپسی سے قبل اگر تم یہاں سے رخصت ہونا چاہو تو تمہیں کوئی نہیں روکے گا بلکہ تمہیں تمہارے بتائے ہوئے مقام پر بہ حفاظت پہنچا دیا جائے گا۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گی وجدان!'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور سرسری انداز میں کہا ''ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی۔ چلو اسی بہانے مجھے تمہاری سنسنی خیز کہانی سننے کا موقع مل جائے گا۔''

''اور مجھے بھی!'' وہ جلدی سے بولی ''میں بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا، مجھے اپنی کہانی سناؤ گے۔''

میں نے کہا ''تم بھول رہی ہو۔ میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، صرف اتنا کہا تھا، اگر کبھی فرصت ملی تو میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیلاً بتاؤں گا۔''

وہ بولی ''تم سید پور کے معاملات نمٹا آؤ تو پھر فرصت کے لمحات بھی میسر آجائیں گے۔''

''اس بارے میں صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔'' میں نے اپنے سابق تجربے کی روشنی میں کہا ''یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارا خیال درست ثابت ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے، میں پہلے سے زیادہ مصروف ہوجاؤں۔''

''اللہ مالک ہے!'' میری صاف گوئی کے نتیجے میں اس نے صرف اتنا کہا اور خاموش ہوگئی۔

اس کے بعد میں نے سیکیورٹی گارڈ عمر دین اور پاشا کے اسسٹنٹ تحسین کو باری باری اپنے پاس بلا کر ضروری ہدایات دیں پھر اللہ دتا سے معلوماتی گفتگو کرنے لگا۔

''اللہ دتا!'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میں اپنے ہوش وحواس میں پہلی مرتبہ ایل ہور آیا ہوں اس لیے اس شہر اور اس کے گردونواح میں واقع گاؤں دیہات سے واقف نہیں۔'' تم مختصر الفاظ میں ہمیں بتاؤ کہ یہاں سے سید پور جانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے گا؟''

اس وقت صدف بھی میرے پاس بیٹھی تھی۔ اللہ دتا نے کہا ''صاحب جی! میں آپ کے ساتھ جا رہا ہوں پھر آپ کو راستوں کے لیے فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے برموقع اور اہم سوال کیا تو مجھے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا پڑا۔ وہ فیصلہ جس کے بارے میں، میں نے ابھی صدف کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے اللہ دتا کو ساتھ نہ لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کوٹھی پر اس کا موجود رہنا زیادہ ضروری تھا۔ تحسین، ناہید اور زرگل کا درحقیقت اس کوٹھی سے کوئی تعلق نہیں تھا جب کہ اللہ دتا سال ہا سال سے اس کوٹھی کا ایک حصہ رہا تھا۔ وہ وہاں نمودار ہونے والی ناخوشگوار اور ہنگامی صورتِ حال سے زیادہ بہتر طور پر نمٹ سکتا تھا۔ میں اور صدف اس کے بغیر سید پور جا سکتے تھے۔ میں نے اللہ دتا کے سوال کے جواب میں کہا۔

''میں چاہتا ہوں، تم یہیں کوٹھی پر موجود رہو۔''

''پاشا صاحب تو ناراض نہیں ہوں گے!'' اس نے ایک امکانی بات کی ''انہوں نے آپ کو ساتھ لانے کے لیے کہا تھا۔''

میں نے کہا ''میں پاشا کو سمجھا دوں گا۔ اگر آج رات والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو میں تمہیں ساتھ لے کر جاتا لیکن موجودہ صورتِ حال میں تمہارا یہاں رکنا زیادہ ضروری ہے۔''

''آپ کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہیں صاحب جی۔''

''بس تو پھر تم مجھے سید پور جانے والے راستے کے بارے میں تفصیلاً بتا دو۔''

وہ بتانے لگا ''وجدان صاحب! گلبرگ سے نکل کر آپ کو پہلے تو نہر کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہوگا۔ میاں میر، دھرم پورہ اور مغل پورہ سے ہوتے ہوئے آپ فتح گڑھ پہنچ جائیں گے۔''

میں نے پوچھا ''نہر کے ساتھ سے تمہاری مراد ہے کینال بینک روڈ پر؟''

''جی ہاں، میں کینال بینک روڈ کی ہی بات کر رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''اس سڑک پر چلتے ہوئے آپ نہر کی مخالف سمت میں سفر کریں گے جو جدھر سے نہر آ رہی ہے آپ ادھر جائیں گے۔ فتح گڑھ کے بعد راستہ تھوڑا پیچیدہ ہے۔ اس راستے پر بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا ہوگی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو، میں پیچیدہ راستے سے نمٹ لوں گا۔'' میں نے کہا ''آگے بتاؤ۔''

اللہ دتا نے مجھے فتح گڑھ سے سید پور کے راستے کی تفصیل بتائی پھر کہا ''سید پور سے آگے لگ بھگ پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر موضع رکھاں والی ہے۔ اس کے بعد پاک بھارت سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ سرحد کے اس پار امرتسر ہے۔''

اللہ دتا نے تو یہ معلومات عام انداز میں مجھ تک پہنچائی تھیں لیکن رکھاں والی کے ذکر پر آپوں آپ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ساحل کی یاد نے میرے سینے میں ایک خوفناک انگڑائی لی تھی۔ میری محبوبہ رکھاں والی کے چوہدری نوازش علی کی قید میں تھی اور میں نے یہ سارا کمٹ راگ ساحل کے حصول کے لیے ہی پھیلایا تھا، اس کے ساتھ ہی میں اس ظالم چوہدری سے برسوں پہلے کا حساب بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس قرض کی چند گٹھریاں میرے شانوں پر بھی دھری تھیں۔ سب سے بڑی گٹھری ساحل کی تھی جو مجھے پہلی فرصت میں اتار پھینکنا تھی!

ہمارے درمیان مزید چند منٹ تک ضروری بات چیت ہوتی رہی پھر اللہ دتا نے پوچھا ''آپ کون سی گاڑی لے جانا پسند کریں گے؟''

نسان پٹرول ایک مرتبہ دھوکا دے چکی تھی۔ میں اسے لے جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا حالانکہ ازاں بعد پتا چل گیا تھا کہ اس جیپ میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہوئی تھی۔ یہ گتھی سلجھانا ابھی باقی تھی۔

میں نے کہا ''ہم یہاں سے ٹویوٹا کرولا میں جائیں گے۔''

''صاحب جی! ویسے تو آپ کی مرضی ہے، لیکن میں یہ ضرور کہوں گا، گاؤں دیہات کے راستے کے لیے جیپ زیادہ موزوں رہے گی۔'' اللہ دتا نے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

اس کی تجویز میں اگرچہ وزن تھا تاہم میں نے اس سے پوچھا ''کیا سید پور کا راستہ کار کے لیے مناسب نہیں؟''

''ایسی بات نہیں ہے وجدان صاحب!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''پاشا صاحب خود اپنی دوسری کار میں گئے ہیں۔ میں تو اس حوالے سے کہہ رہا تھا کہ جیپ کا ایک اپنا رعب ودبدبہ ہوتا ہے، راستے کا ذکر تو بس ایسے ہی نکل آیا۔''

مجھے یہ بات معلوم تھی کہ پاشا کل شام اپنی ہونڈا اکارڈ میں سید پور گیا تھا جس کا یہی مطلب تھا کہ کار کے لیے وہ راستہ ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔ میں نے اللہ دتا سے کہا کہ میں کرولا میں جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو بس اسی میں جاؤں گا۔ ظاہر ہے، وہ میرے اس فیصلے کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے اغماض کرتے ہوئے ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پوچھا۔

''اور گرے ہائی روف کا کیا کرنا ہے؟''

مذکورہ گاڑی اس وقت کوٹھی کے گیرج میں کھڑی تھی۔ میں نے کہا ''اس گاڑی سے جلد از جلد چھٹکارا پانا ضروری ہے۔'' پھر ایک فوری خیال کے تحت میں نے کہا ''تم ایسا کرو اللہ دتا! جا کر ہائی روف کے کاغذات وغیرہ چیک کرو۔''

''میں اس گاڑی کی مکمل تلاشی لے چکا ہوں۔'' اللہ دتا نے بتایا ''اس گاڑی کے کاغذات پورے ہیں اور ڈیش بورڈ کے اندر رکھے ہیں۔'' بات ختم کر کے اس نے ایسی نظر سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو، آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟

میں نے اس کی نگاہ کے جواب میں کہا ''میں نے رات واپسی پر، نہر کے مسلم ٹاؤن والے پل کے نزدیک مٹھائی کی ایک دکان دیکھی تھی۔ تم اس گاڑی کو لے جا کر اس دکان کے سامنے کھڑا کرو اور خود کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس آ جاؤ۔''

''آپ غالباً عربین ڈیلائٹ کا ذکر کر رہے ہیں!'' اللہ دتا نے کہا۔

میں نے کہا ''ہاں اس مٹھائی کی دکان کا کچھ ایسا ہی نام تھا۔''

اللہ دتا نے پوچھا ''بس ہائی روف کو عربین ڈیلائٹ کے سامنے چھوڑ کر واپس آ جاؤں؟''

''تم ہائی روف کو وہاں کھڑا کرو گے اور اس کا دروازہ لاک کیے بغیر دکان کے اندر جاؤ گے۔'' میں نے وضاحتی لہجے میں کہا ''گاڑی کے کاغذات اور چابیاں اس کے اندر ہی رہیں گے۔ تم مٹھائی کی اس دکان سے دو کلوگرام مٹھائی خریدو گے اور کسی رکشا ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس آ جاؤ گے پھر اس مٹھائی پر فاتحہ پڑھ کر بڑے پاشا کے لیے دعا وغیرہ مانگ لینا۔ تم ان کے جنازے میں تو شرکت نہیں کر سکو گے، اسی طرح تمہاری حاضری لگ جائے گی!''

''یہ سب ٹھیک ہے۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''لیکن گاڑی کو کھلا چھوڑ کر آنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟''

میں نے کہا ''تم جب واپس آ جاؤ گے تو ہر بات واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گی۔''

صدف استعجابیہ نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی لیکن میں نے اس کا استعجاب دور کرنے کے لیے کوئی وضاحت نہ کی اور نہ ہی اللہ دتا نے مجھ سے مزید کوئی سوال کیا۔ ہم لگ بھگ آٹھ بجے کوٹھی سے سید پور کے لیے روانہ ہوگئے۔ میں نے اور صدف نے اپنا اپنا بیگ کرولا میں رکھ لیا۔ میرے بیگ میں شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ سب کچھ موجود تھا۔ کرولا کے کاغذات وغیرہ میں نے چیک کر لیے تھے تاکہ راستے میں کسی بھی مرحلے پر ہمیں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اللہ دتا ہم سے چند لمحے پہلے نکلا تھا اور مجھے امید تھی، وہ زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں واپس کوٹھی پہنچ جائے گا۔ میں نے کرولا کو جب گلبرگ تھری سے نکالنے کے بعد بائیں جانب موڑا تو صدف نے کہا۔

''وجدان! میرے خیال میں تم غلط رخ پر جا رہے ہو۔ اس راستے پر چل کر تو ہم شادمان کالونی کی طرف پہنچ جائیں گے۔ تمہیں گاڑی کو دائیں طرف موڑ کر کینال بینک روڈ پر لینا چاہیے۔''

میں نے اطمینان سے ڈرائیونگ جاری رکھتے ہوئے کہا ''ہم شادمان کالونی ہی کی طرف جا رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اس وقت وہ میرے برابر میں پسنجر سیٹ پر بیٹھی تھی ''کیا ہم ماموں کی طرف جا رہے ہیں؟'' اس نے استفسار کیا۔

میں نے قطعیت سے کہا ''بالکل نہیں!''

''پھر؟'' اس کی حیرت دوچند ہوگئی۔

میں نے کہا ''ہم فاضلیہ کالونی والی کوٹھی میں جا رہے ہیں۔''

''وہاں کیوں جا رہے ہیں؟''

''بس ایسے ہی۔ کیا تمہیں وہاں جانے میں کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں، مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

میں نے اس کی الجھن کو دور کرتے ہوئے کہا ''دراصل

میں ایک نظر اس کوٹھی کا تنقیدی جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی میں سید پور جاؤں گا۔ پتا نہیں، پھر کبھی اس طرف آنے کا موقع ملے بھی یا نہ ملے!''

''تم آج صبح ہی سے خاصی کھوئی کھوئی باتیں کر رہے ہو۔'' وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولی ''تھوڑی دیر پہلے تم نے اللہ دتا سے بھی گرے ہائی روف کے حوالے سے جو کچھ ڈسکس کیا ہے، اس میں سے میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑا۔''

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''پلے پڑ بھی کیسے سکتا ہے۔ تم نے میری باتوں کو ''کھوئی کھوئی'' کا ٹائٹل دیا ہے کھوئی ہوئی چیز کو پانے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔''

''تمہیں اگر میری بات کا جواب نہیں دینا تو نہ دو لیکن فلسفیانہ وضاحتوں کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی

''ایسی بات نہیں ہے صدف!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا ''فاضلیہ کالونی والی کوٹھی میں جانے کا سبب میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ہائی روف کو مٹھائی کی دکان کے سامنے میں اس لیے چھوڑنا چاہتا ہوں کہ وہاں سے اس گاڑی میں ہم سفر کریں گے۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو وجدان؟'' وہ ایسے اُچھلی جیسے سیٹ میں اچانک کوئی اسپرنگ نمودار ہو گیا ہو۔

میں نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا ''میں وہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا۔''

''گرے ہائی روف ہمارے دشمنوں کی ملکیت ہے۔'' صدف نے دلیل دی ''اس گاڑی میں سفر کرنا ہمارے لیے کوئی بڑی مصیبت بھی کھڑی کر سکتا ہے۔''

''مجھے امید ہے، ایسا کچھ نہیں ہو گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا ''کوئی انتہائی خطرناک مجرم جس کی پورے شہر میں تلاش جاری ہو، اگر وہ تھانے کے سامنے واقع بلڈنگ میں پناہ گزین ہو جائے تو پولیس کا باپ بھی اسے ڈھونڈ نہیں سکتا کیوں کہ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جائے گا۔ کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ پولیس سے چھپتا پھرنے والا مجرم اسی کے سائے میں قیام کرے گا۔ بعض معاملات میں عمومی سوچ اور عوامی نفسیات (Mob Psychology) بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔'' میں نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے، ہم گرے ہائی روف میں زیادہ حفاظت کے ساتھ سفر کریں گے۔ گاڑی کے کاغذات مکمل ہیں، میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس موجود ہے اس لیے قانون کی طرف سے مجھے مکمل بے فکری ہے اور جہاں تک دشمنوں کا سوال ہے تو بھئی، دشمن تو دشمن ہوتا ہے۔ وہ آدھی رات کو دیوار پھاند کر بھی گھر میں گھس آتا ہے۔ دشمنوں سے نمٹنا مجھے خوب آتا ہے۔''

وہ پوری توجہ سے میری بات سنتی رہی پھر بولی ''اگر میں تمہاری بات سے مکمل اتفاق کر بھی لوں تو مجھے یہ بتاؤ، اس مقصد کے لیے اتنا لمبا چوڑا ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم پاشا الکل کی کوٹھی سے اسی ہائی روف میں بیٹھ کر جا سکتے تھے!''

''ایسا کیا جا سکتا تھا۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''لیکن میں نے دانستہ نہیں کیا۔''

''اب خود ہی یہ بھی بتا دو، تم نے ایسا کیوں کیا؟''

''اس لیے۔'' میں نے کرولا کو شاہ جمال روڈ پر ڈالتے ہوئے کہا ''میں چاہتا ہوں، اللہ دتا وغیرہ ہائی روف کے حوالے سے بالکل مطمئن رہیں۔ وہ یہی سمجھیں کہ دشمنوں کی گاڑی سے نجات مل گئی اس طرح انہیں ذہنی سکون حاصل رہے گا۔ میں اپنی پوری زندگی غیر یقینی حالات سے گزارتا ہوں اور گزر رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم، سید پور کے راستے میں کس وقت، کس قسم کی صورتِ حال سے میرا واسطہ پڑ جائے۔'' میں چند لمحات کے لیے رکا پھر کہا ''صدف! ایک بات میں تمہیں واضح طور پر بتا دوں کہ میں اب واپس فریدہ پاشا کے پاس نہیں آؤں گا۔ میری وجہ سے اس نے بلاوجہ مصیبت اٹھائی اور آئندہ بھی اس کے دشمنوں میں مزید اضافہ ہونے والا ہے۔ میں ایک دشمن دار شخص ہوں، مجھے اپنے مخلص اور خیر خواہ دوستوں سے فاصلہ رکھنا چاہیے، کہیں وہ لوگ میرے پاؤں سے بندھے بگولوں کے چکر میں نہ آ جائیں۔ میں تو دہکتے ہوئے الاؤ کی لپٹوں پر محوِ سفر ہوں۔ میرے ماحول کی تپش کسی بھی شخص کو بری طرح جھلسا سکتی ہے۔''

''تو تم سید پور محض اس لیے جا رہے ہو کہ پاشا الکل کی تجہیز و تکفین میں شرکت کر سکو۔'' صدف نے گمبھیر آواز میں کہا ''اس کے بعد تم اپنا راستہ الگ کر لو گے؟''

''ہاں، فی الحال تو یہی سوچا ہے۔'' میں نے گول مول جواب دیا ''میں اس سے فاصلہ رکھ کر اس کی ہر قسم کی مدد کروں گا، اس سے میل ملاپ بھی رکھوں گا لیکن اس کے یہاں مستقل ڈیرا نہیں ڈالوں گا۔ بڑے پاشا کی موت تو ایک بہانہ بن گیا ہے۔ درحقیقت میں ویسے آج ضروری کام سے سید پور جانے والا تھا۔''

''اس ضروری کام کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ گے؟''

وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔

میں ساحل کے بارے میں صدف کو کچھ بتانے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے ٹال دیا ''تم تو میرے ساتھ ہی جا رہی ہو۔ کوئی بھی ضروری اور غیر ضروری کام تم سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔''

''اس گاڑی کا کیا کرو گے؟'' اس نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ مار کر سٹپٹائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں ٹویوٹا کرولا کو فی الحال فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے کار پورچ میں کھڑا کر دوں گا۔'' میں نے کہا ''وہاں سے ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر نہر کے پل تک پہنچ جائیں گے۔ بعد میں سید پور پہنچنے کے بعد میں پاشا کو گاڑی کے بارے میں بتا دوں گا۔''

''تمہاری پلاننگ اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے بولی ''تم جانو اور تمہارے کام جانیں۔ اب میں اس سلسلے میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی۔''

میں نے کرولا کو کوٹھی کے سامنے روکتے ہوئے کہا ''یہ تم میرے اور اپنے دونوں کے حق میں بہت بہتر کرو گی!''

اس نے مزید کچھ نہ کہا۔ میں نے کوٹھی کا گیٹ کھولا اور گاڑی کو اس کے جائز مقام پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ صدف نے پچھلے چند روز سے مجھے بہت زچ کیا تھا۔ وہ وجیہہ اور وجدان کے چکر کو اتنی سنجیدگی سے لے کر میرے پیچھے پڑ گئی تھی کہ میں ایک طرح کی کوفت محسوس کرنے لگا تھا۔ اب اسے زچ دیکھ کر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

آئندہ پندرہ منٹ میں، میں نے کوٹھی کے پائیں باغ میں جھانک کر دیکھا۔ جھاڑیوں کے پیچھے تہ خانے کا روشن دان اپنی جگہ پر صحیح و سالم حالت میں موجود تھا۔ میں نے کوٹھی کا ایک چکر لگایا اور صدف کے ساتھ باہر نکل آیا۔ شاہ جمال روڈ پر آنے کے بعد ہمیں تھوڑی دیر تک ٹیکسی کا انتظار کرنا پڑا پھر ہم اپنی منزل کی جانب چل پڑے۔

عریبین ڈیلائٹ کے سامنے دیگر گاڑیوں کے ساتھ گرے ہائی روف موجود تھی۔ ہم اعتماد کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ میں نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا اور اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ صدف کے لیے میں نے دوسری جانب کے دروازے کا لاک ہٹا دیا۔ وہ بھی گاڑی کے اندر داخل ہو کر پسنجر سیٹ پر آ بیٹھی۔ اپنے سفری بیگز کو ہم نے عقبی نشست پر ڈال دیا۔

میں نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور گھما کر اسے کینال بینک روڈ کی طرف لانے کا ارادہ ... کر ہی رہا تھا کہ مجھے بڑی شدت سے چونک جانا پڑا اور میرے چونکنے کا سبب ایک سرخ لینڈ کروزر تھی۔ وہ ٹویوٹا فورویل ڈرائیو جیپ جس کی پوری باڈی سرخ اور چھت سفید تھی۔ اتنی دور سے میں اس کی نمبر پلیٹ نہ پڑھ سکا۔ وہ جیپ فیروز پور روڈ پر نہر کے پل کو عبور کر رہی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے پل عبور کیا اور وحدت روڈ پر مڑ گئی۔ میں نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اپنی گاڑی کو سرخ لینڈ کروزر کے پیچھے دوڑا دیا۔

صدف بھی اس جیپ کو دیکھ چکی تھی، سنسنی خیز لہجے میں بولی ''وجدان! تم نے مجھے جس بہروپیے کی کہانی سنائی ہے، کہیں اس گاڑی میں وہی تو نہیں۔ تمہاری اضطراری حالت بھی اس کی نشان دہی کر رہی ہے؟''

''ننانوے فی صد امکان تو اسی بات کا ہے۔'' میں نے ہیجانی انداز میں کہا ''میں ذرا اس کی نمبر پلیٹ دیکھ لوں، پھر صد فی صد بات کر سکوں گا۔ اگر یہ وہی بدمعاش ہے تو آج میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔''

میں نے وحدت روڈ پر اپنی گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔ سرخ لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کی پشت مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ وہ شخص سفید سوٹ میں ملبوس تھا۔ میں نے اسے وحدت روڈ پر مڑتا دیکھ کر ایک لمحے کے لیے سوچا تھا کہ کہیں اس مکار کا تعلق منشا سے نہ ہو! منشا کی چھوٹی دو منزلہ سفید کوٹھی بھی اسی علاقے میں تھی لیکن جب آب پارہ مارکیٹ بہت پیچھے رہ گئی اور سرخ لینڈ کروزر سیدھی آگے نکلتی چلی گئی تو مجھے اپنی سوچ کی نفی کرنا پڑی۔

میں نے کوشش کر کے گاڑی کی رفتار بڑھا کر جیپ کی نمبر پلیٹ پڑھ لی اور میرے سینے سے ایک اطمینان سانس خارج ہوئی۔ وہ فعلی وجدان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ مذکورہ سرخ جیپ کا نمبر فورسیون ٹھری سیون ہی تھا۔ میں نے صدف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''صدف! یہ وہی بہروپیا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔''

صدف نے پُرعزم انداز میں کہا ''وجدان! تم گاڑی کی رفتار کو اور بڑھاؤ اور اسے گھیر کر روکنے کی کوشش کرو آج ہم دونوں مل کر اسے ایسا سبق سکھائیں گے کہ اس کا سارا بہروپ ناک کے راستے نکل جائے گا۔ یہ مت بھولو کہ یہی خبیث تمہاری ڈارلنگ کا قاتل بھی ہے۔''

''میری یادداشت بہت اچھی ہے صدف۔'' میں نے برج اسٹون ٹائروں والی اس سرخ جیپ کا تعاقب جاری رکھتے ہوئے کہا ''اگرچہ اس بہروپیے نے اپنی تحریر کے

ذرلیے ڈارلنگ کی موت کو بڑے جاندار انداز میں جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جب تک میں اس معاملے کی تہ تک نہیں پہنچ جاتا، کسی بات پر یقین نہیں کرسکتا۔''

ہم آگے پیچھے وحدت روڈ پر گاڑیاں دوڑاتے ہوئے ہینک اسٹاپ، پائلٹ ہائی اسکول اور موڑ پیکھے وال سے گزرے لیکن حیرت مجھے اس بات کی تھی کہ میں اپنی گاڑی کی جتنی رفتار بڑھاتا، وہ بھی جواب میں جیپ کو اتنا ہی تیز کردیتا اور اس دوران میں اس نے ایک مرتبہ بھی مڑ کر عقب میں دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے اپنے تعاقب کا علم ہو چکا ہے یا نہیں البتہ ہمارے درمیان ایک مخصوص فاصلہ برقرار تھا۔

تھوڑا آگے جا کر بہروپیے نے اپنی جیپ اسکیم موڑ کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ میں نے بھی وحدت روڈ کو چھوڑ دیا۔ کچھ سفر طے کرنے کے بعد ہم ملتان روڈ پر آگئے۔ میں باوجود کوشش کے بھی درمیان حائل فاصلے کو کم نہیں کرپایا تھا۔ پتا نہیں، وہ منحوس کس طرح میرے ارادے سے واقف ہوجاتا تھا اور اپنی جیپ کی اسپیڈ بھی بڑھا کر مجھے پریشان کررہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں نہیں بلکہ وہ میرا تعاقب کررہا ہو!

چوبرجی پر پہنچ کر اس نے جیپ کو بہاول پور روڈ پر موڑ لیا۔ اس روڈ کے دونوں اطراف میانی صاحب قبرستان کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ سڑک تنگ ہونے کے باعث بے پناہ رش رہتا ہے لہٰذا مجھے یہاں فاصلہ کم کرنے میں تھوڑی کامیابی حاصل ہوگئی لیکن مزنگ چونگی پر آکر اس نے پھر وہ سابق فاصلہ برقرار کرلیا۔ اب اس کی سرخ جیپ فاطمہ جناح روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ ہم پلازا سنیما کے پاس سے گزر کر مال روڈ پر پہنچے اور آگے پیچھے بائیں جانب مڑ گئے۔ اب ہمارا رخ ریگل سنیما کی طرف تھا۔ یہاں ایک ٹریفک سگنل نے ہمارا درمیانی فاصلہ بڑھا دیا اور بہروپیے کو میری پہنچ سے نکلنے کا موقع مل گیا۔

صدف نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا ''بے کار ہے وجدان! یہ چھلاوا ہے تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔ اس کا تعاقب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

''تم اتنی جلدی حوصلہ ہار گئیں۔'' میں نے کہا ''بڑی بازیاں اتنی کم ہمتی سے تو نہیں جیتی جاسکتیں۔''

وہ بولی ''انسان کا مقابلہ انسان سے ہو تو ہمت اور جرأت دکھانے کا مزہ آتا ہے مگر میں تو دیکھ رہی ہوں اس بہروپیے میں جنّاتی قوت بھری ہے۔ یہ شیطان کی طرح پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیں مسلسل جل دے رہا ہے اور اب تو اس بند سگنل نے اسے ہماری نظروں سے اوجھل کردیا ہے۔''

اسی وقت سگنل کھل گیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے ہائی روف آگے بڑھا دی۔ میری متلاشی نظر دور دور تک شاہراہ قائداعظم (مال روڈ) کا جائزہ لے رہی تھی پھر وہ سرخ جیپ مجھے ایک جانب کھڑی نظر آگئی۔ وہ ایک بہت بڑا ڈیپارٹ مینٹل اسٹور تھا۔ جس کی پارکنگ میں جیپ کھڑی تھی۔ جیپ کے اندر بہروپیا موجود نہیں تھا۔ بے ساختہ میری نگاہ ڈیپارٹ مینٹل اسٹور کے داخلی دروازے کی طرف اٹھ گئی اور میرے وجود میں سنسناہٹ سی بھر گئی۔

انڈے کی طرح سفید سوٹ میں ملبوس وہ دراز قامت فلی وجدان دروازے سے اسٹور کے اندر داخل ہورہا تھا۔ اس کی پشت میری جانب تھی لیکن میں حلیہ، شکل اور جسامت میں ہو بہو اپنی کاپی کو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پہچان گیا۔ میں ہائی روف کو روکنے کے بعد باہر آیا اور صدف کے ساتھ ڈیپارٹ مینٹل اسٹور کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

صدف نے کہا ''وجدان! اسٹور کے اندر اسے گھیرنا مناسب نہیں ہوگا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی ہنگامہ آرائی ہوسکتی ہے جو ہماری راہ کھوٹی کردے گی، ہم سید پور جانے کے لیے گھر سے نکلے ہیں۔''

''پھر کیا کیا جائے؟''

''ہمیں اس کے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے، اس کی جیپ کے قریب رہ کر۔'' اس نے کہا ''وہ آخر کتنی دیر اندر رہ سکتا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو اسے باہر آنا ہی پڑے گا۔''

میں نے کہا ''تمہاری تجویز تو معقول ہے لیکن اس شیطان نے مجھے جتنا پریشان کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ میں اس کے تعاقب میں اندر جاؤں۔ ویسے میں اسٹور کے اندر کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نہیں کروں گا، صرف فلی وجدان پر نظر رکھوں گا۔ گھیریں گے ہم اسے باہر نکلنے کے بعد ہی اور۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا اور کہا ''میرا تو خیال ہے، تم ہائی روف میں اندر جا کر بیٹھو، میں اسٹور کے اندر جاتا ہوں۔ اگر وہ میری نظر بچا کر باہر نکل آیا تو تم اسے چھاپنے کی کوشش کرنا۔'' پھر میں نے استفسارانہ نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا ''اس کام کے لیے تم کسی قسم کا ڈر خوف تو محسوس نہیں کررہی ہو؟''

''ڈر اور خوف!'' وہ زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولی ''تمہارے جیسا مارشل آرٹسٹ اور جی کا ماہر میرے ساتھ ہو تو کیسی پریشانی۔ تم مطمئن ہوکر جاؤ۔ میں اس کی ایسی تیسی لگاؤں گی کہ زندگی بھر پھر اسے بہروپ بھرنے کا خیال نہ آئے گا۔''

''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہورہی ہے کہ تم حوصلہ اور جرأت کی نئی مثالیں رقم کررہی ہو۔'' میں نے کہا ''ورنہ تھوڑی دیر پہلے تم بہت ڈری ہوئی تھیں۔''

وہ بولی ''انسانی جذبات و احساسات موقع محل کی مناسبت سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ ہمارے قابو میں نہیں آرہا تھا اس لیے بددلی نے مجھے گھیر لیا تھا لیکن اب تو بہروپیا کوشش کرکے اسے اپنے دام میں لاسکتے ہیں۔'' پھر وہ جوشیلے لہجے میں بولی ''اور تم یہاں باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ وہ اگر اس اسٹور سے نکل کر کہیں اور چلا گیا تو میں انتظار میں سوکھتی رہوں گی اور تمہیں بھی خاصی دربدری ہوگی۔ میں گاڑی کی طرف جارہی ہوں۔''

''اوکے!'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر اسٹور کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔

وہ ایک شعبہ جاتی (ڈیپارٹ مینٹل) اسٹور تھا جس کی عمارت دو سے زیادہ منزلیں تھیں۔ میں کسی عجلت یا بدحواسی کا مظاہرہ کیے بغیر اپنی کاپی کو تلاش کرنے لگا۔ میرے انداز سے یہی ظاہر ہوتا تھا، میں شان دار شوکیسز میں سجے آئٹمز کو دیکھ رہا ہوں لیکن درحقیقت میں نقلی وجدان کو کھوج رہا تھا۔ جو ایک جھلک دکھا کر اوجھل ہوگیا تھا۔

میں اس تلاش کے دوران میں داخلی دروازے کو بھی نظر میں رکھے ہوئے تھا کہ کہیں وہ بدبخت نگاہ بچا کر اسٹور سے نہ نکل جائے۔ میں نے نہایت ہی چابک دستی سے اسٹور کی دونوں منزلیں دیکھ لیں لیکن اس کی صورت کہیں نظر نہ آئی۔ پتا نہیں، وہ کم بخت کہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ اسی وقت میرے ذہن میں اس خیال نے بھی سر ابھارا کہ کہیں وہ کسی اور دروازے سے باہر نہ چلا گیا ہو!

ایسا سوچتے ہی میں نے سیکیورٹی کے ایک جوان سے دریافت کیا ''کیا اس اسٹور میں آمد و شد کا صرف ایک ہی دروازہ ہے یا اس کے علاوہ بھی ہے؟''

اس نے جواب دیا ''جناب! اسٹور میں آنے جانے کے لیے تین دروازے ہیں۔ ایک وہ جو سامنے کی طرف ہے، جس میں سے آپ اندر داخل ہوئے تھے۔ باقی دو دروازے پیلوؤں میں ہیں۔''

وہ سیکیورٹی والا خاصا مستعد اور عقاب نگاہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھے اسٹور میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا ''میں دراصل یہاں کسی قسم کی خریداری کے لیے نہیں آیا ہوں.....''

''پھر؟'' اس نے محتاط نظر سے مجھے دیکھا جیسے اس کا

ذاتی ہپناٹزم

مصنف: ڈاکٹر اے ایم چغتائی ایم ڈی

اپنے آپ کو ہپناٹائز کرکے اپنی گمشدہ یادیں اور خرابیاں دور کریں

- ہپناٹیزم کی تاریخ
- ہپناٹک نیند پیدا کرنے کے طریقے
- ظہورات ہپناٹیزم
- مشورات
- ہپناٹیزم کی مختلف تھیوریاں
- ذاتی مشورات
- طبی علاج

قیمت:-/25 روپے | ڈاک خرچ:-/23 روپے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطہ کیلئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی

خیال ہو کہ اگر میں خریداری کے لیے نہیں آیا تو پھر کیا چوری یا ڈکیتی کے لیے آیا ہوں۔

میں نے اس کی الجھن دور کرنے کی خاطر کہا ''میں نے ایک دوست کو اس اسٹور میں داخل ہوتے دیکھا تھا تو ادھر چلا آیا۔ اس سے ملے کافی عرصہ گزر گیا تھا۔''

''تو؟'' سیکیورٹی گارڈ کے استفسار میں تشویش در آئی۔

میں نے کہا ''کیا تم نے میرے اس دوست کو کہیں دیکھا ہے۔ اس نے بے داغ سفید پتلون کوٹ پہن رکھا ہے اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہے، اس نے جوتے بھی سفید ہی پہن رکھے ہیں۔ میں نے اسے اوپر نیچے تلاش کرلیا لیکن مجھے وہ کہیں ملا نہیں!''

سیکیورٹی گارڈ نے شک زدہ انداز میں مجھے سرتاپا دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''نہیں سر، میں نے ایسے کسی شخص کو یہاں نہیں دیکھا۔''

''کیا تمہاری ڈیوٹی صرف بالائی منزل تک ہی محدود ہے؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے سوچا، ممکن ہے نقلی وجدان اس منزل پر آیا ہی نہ ہو اور نیچے ہی سے کہیں غائب ہوگیا ہو۔ میں نے فی الفور نیچے کا رخ کیا، تیزی سے زینے طے کرتے ہوئے میں دوبارہ زیریں منزل پر پہنچ گیا۔ ایک مرتبہ پھر میں نے تنقیدی نگاہ سے اس جگہ کا جائزہ لیا اور قدرے مایوس ہو کر بیرونی دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ نوے فیصد امکان اس بات کا تھا کہ وہ بہروپیا ایک مرتبہ پھر مجھے چکر دینے میں کامیاب رہا تھا۔ اس خیال سے ذرا تقویت ملی کہ اس کی گاڑی، صدف کی نگرانی میں تھی۔ وہ کہیں بھی جاتا، اپنی سرخ لینڈ کروزر ہی میں بیٹھ کر جاتا اور ایسا کرتے وقت وہ فوراً صدف کی نگاہ میں آجاتا..... اس کے بعد یقینی طور پر ایک طویل فائٹ شروع ہوجاتی۔

میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس جدید ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے باہر آیا اور جیسے ہی پارکنگ کی جانب قدم بڑھائے، ایک جھٹکے سے رک گیا۔ میری نگاہ نے ایک ایسا منظر دیکھا جس کے لیے میں ذہنی طور پر قطعاً تیار نہیں تھا۔ پارکنگ میں نقلی وجدان کی لینڈ کروزر تو اپنی جگہ موجود تھی لیکن ہماری گرے ہائی روف کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا، میں نے ہائی روف کو فورڈ بلیو ڈی لینڈ کروزر کے پیچھے پارک کیا تھا تاکہ وہ بہروپیا کسی بھی طور بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہو لیکن ہائی روف کا دور دور تک نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔

جب ہماری گاڑی وہاں موجود نہیں تھی تو پھر صدف [illegible] موجود گی بھی کیا معنی رکھتی تھی۔ میرا ذہن لاکھوں قسم [illegible] خطرناک اندیشوں میں گھر گیا۔ صدف کہاں گئی؟ اس [illegible] گرے ہائی روف کو کہاں پہنچا دیا؟ میرا انتظار کیے بغیر [illegible] اچانک وہاں سے کیوں ہٹی جبکہ وہ نقلی وجدان کے ''استقبال'' کے لیے وہاں انتظار کر رہی تھی؟ کہیں اسے کوئی حادثہ وغیرہ [illegible] نہیں پیش آ گیا؟

آخری سوال بہت ہی سنگین تھا۔ میں تڑپ کر رہ گیا۔ ویسے ایک خوش امیدی یہ تھی کہ نقلی وجدان کی لینڈ کروزر پارکنگ میں نظر آ رہی تھی جس کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ ابھی وہاں سے روانہ نہیں ہوا۔ ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے نکل کر کہیں اِدھر اُدھر ہوگیا ہے۔ میں بے چینی سے ٹہلتے ہوئے [illegible] آمدہ صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ اس دوران میں میری سوچ صرف ایک ہی نقطے پر مرکوز تھی کہ صدف کہاں غائب ہوگئی اور وہ بھی ہائی روف سمیت؟ میں اسے تلاش بھی کروں تو کہاں؟

اسی سوچ کے دوران میں میرے ذہن میں ایک نہایت ہی خطرناک سوال نے سر ابھارا اور میرے پورے وجود [illegible] ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ خیال بہت ہی سنگین اور روح کھڑے کر دینے والا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے [illegible] کہیں صدف نقلی وجدان کے جھانسے میں آ کر اس کی [illegible] سازش کا شکار تو نہیں ہوگئی!

ایسا سوچتے ہوئے خود بخود میرا دھیان ڈارلنگ کی طرف چلا گیا۔ گزشتہ شام میری غیر موجودگی میں وہ عیار [illegible] پاشا کی کوٹھی پر پہنچا تھا اور وہاں میرا بھرپور کردار ادا کر کے ڈارلنگ کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب رہا۔ [illegible] وجدان نے پھر وہی چال یہاں بھی تو نہیں چل دی؟ عین [illegible] تھا، وہ میری حیثیت میں صدف کے پاس آیا ہو اور اسے [illegible] ساتھ لے کر گرے ہائی روف میں وہاں سے روانہ ہوگیا ہو۔ نقلی وجدان نے معنوی ڈارلنگ کے ساتھ جو سلوک کیا [illegible] اس کی روشنی میں صدف کے بارے میں سوچتے ہوئے [illegible] دل ہولنے لگا، کیا عنقریب صدف بھی کسی باکس.....!

میں اس سے آگے نہ سوچ سکا، میرے ذہن نے [illegible] واہیات خیال کی تردید کر دی۔ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ [illegible] صدف کو بے وقوف بنا کر اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ [illegible] نے جو مخصوص لباس پہن رکھا تھا اسے دیکھ کر صدف [illegible] کہ وہ میں نہیں بلکہ میری نقل ہے۔ وہ اس کے ساتھ ایک [illegible] فاصلہ طے نہ کرتی۔ ڈارلنگ کو جھانسا دینا دوسری بات تھی۔

مدعف کی جانب سے میرا دل قدرے مطمئن ہوگیا لیکن [illegible] ہمت اس کا منظر سے ہٹ جانا مجھے سخت تشویش میں [illegible] کر رہا تھا۔ میں وہ جگہ چھوڑ کر کہیں آ جا بھی نہیں سکتا تھا۔ [illegible] وہاں سے ہٹتا تو عین ممکن تھا وہ سرخ لینڈ کروزر کو نکال [illegible] لے جاتا۔ اسی جیپ کی موجودگی میں اطمینان بخش امکان اس [illegible] تھا کہ وہ وہاں ضرور آئے گا، جلد یا بدیر!

میں بے قراری سے ٹہلتے ہوئے لینڈ کروزر کے پاس [illegible] آیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی [illegible] پلیٹ کو دیکھا کہ کہیں مجھے کوئی دھوکا نہ ہوا ہو۔ میں غلطی پر [illegible] نہیں تھا۔ یہ وہی جیپ تھی جسے شعیب غوری کے بندوں نے کراچی میں ''ساؤتھ'' کے قریب دیکھا تھا۔ فورسیون تھری [illegible] سیون نمبر والی یہ سرخ جیپ کل رات مجھے بھی نہر کے کنارے کھڑی ملی تھی اور اسی منحوس جیپ نے شادمان کالونی سے نہر تک ہمارا تعاقب بھی کیا تھا۔

اسی انداز میں تیزی سے سوچتے ہوئے میرا دھیان گزشتہ رات کے اس واقعے کی طرف چلا گیا۔ جب شاہ جمال روڈ پر نسان پٹرول نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ بعد میں تحسین کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ جیپ میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی۔ اسی جیپ کے خراب ہونے کے حوالے سے نقلی وجدان نے اللہ دتا کو چکر دیا تھا۔ جب وہ ڈارلنگ کو اغوا کرنے فرید پاشا کی کوٹھی پر پہنچا تو اللہ دتا کے ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا تھا، نسان میں اچانک کوئی خرابی پیدا ہوگئی اور وہ اسے کسی گیراج میں ٹھیک ہونے کے لیے چھوڑ آیا ہے۔

نسان پٹرول کی خرابی کا حوالہ مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ مسلم ٹاؤن سے یہاں تک میں سرخ لینڈ کروزر کا تعاقب کرتے ہوئے جن تجربات سے گزرا، وہ نقلی وجدان کو حاصا پراسرار ثابت کر رہے تھے۔ میں باوجود انتہائی کوشش کے بھی اسے چیز (CHASE) نہیں کر پایا تھا۔ میں ہائی روف کی جس قدر اسپیڈ بڑھاتا، وہ خبیث بھی اپنی جیپ کو اتنا تیز کر دیتا۔ ہمارے درمیان ایک مخصوص فاصلہ برقرار رہا اور اس دوران میں اس شخص نے ایک مرتبہ بھی پلٹ کر نہیں دیکھا حالانکہ وحدت روڈ سے جب وہ اسکیم موڑ کی طرف بڑھا تو ٹریفک کے اس ٹکڑے پر ٹریفک بھی زیادہ نہیں تھا۔ یہ ممکن تھا، اسے اپنے تعاقب کا احساس نہ ہو۔ اس کی بے پروائی اور اعتماد ظاہر کرتا تھا، وہ ہر شے سے باخبر ہے۔ یہ بات حالی پراسراریت پر دلالت کرتی تھی۔ میں لامحالہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ مجھے پیش آنے والے پراسرار واقعات کا تعلق کہیں نقلی وجدان ہی سے تو نہیں؟

اسی وقت میں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا، کسی نے مجھے پکارا تھا۔ میں نے واضح طور پر اپنا نام سنا تھا لیکن جس سمت سے وہ آواز ابھری تھی وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میری سماعت نے یہ دھوکا کیوں دیا۔ میں نے اس واقعے کو موجودہ صورتِ حال کی افراتفری کے کھاتے میں ڈال دیا۔ میرا ذہن اس وقت صدف کے لیے خاصا پریشان تھا۔ اس کیفیت میں انسان کے حواس اکثر دھوکا دینے لگتے ہیں۔

جب مزید پانچ منٹ تک صدف اور نقلی وجدان کے آثار نظر نہ آئے تو میری پریشانی انتہا کو پہنچ گئی۔ وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا۔ مجھے سید پور جانا تھا اور یہ ایک عجیب مصیبت میرے راستے کی رکاوٹ بن گئی تھی۔ میں اس لمحے کو کوسنے لگا جب میں نے فیروز پور روڈ پر سرخ لینڈ کروزر کو دیکھ کر اس کے تعاقب کا فیصلہ کیا تھا۔ اس منحوس کے سبب میری راہ کھوٹی ہوتی نظر آ رہی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اس بہروپیے کو اسٹور کے اندر جا کر چیک کرنے کے بارے میں سوچا اور خود بخود میرے قدم ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ مسئلہ یہ تھا کہ میں کسی سے صدف، ہائی روف یا نقلی وجدان کے بارے میں کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں پوچھتا تو کیا پوچھتا؟ کوئی مجھے کچھ بتاتا تو کیا بتاتا؟

ایک مرتبہ پھر مجھے ناکامیاب و نامراد اسٹور سے لوٹنا پڑا لیکن جب میں نے دروازے سے باہر قدم رکھا تو ایک اور حیرت میری منتظر تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ پارکنگ میں سرخ لینڈ کروزر کے عقب میں گرے ہائی روف کھڑی تھی اور اس میں صدف بھی موجود تھی۔

میں تیزی سے چلتے ہوئے صدف کے پاس پہنچا اور اضطراری لہجے میں کہا ''تم کہاں چلی گئی تھیں؟''

''میں کہاں چلی گئی تھی؟'' اس نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا ''میں تو تمہارے انتظار میں یہاں سوکھ رہی ہوں تم نے اسٹور کے اندر اتنی دیر کیوں لگا دی؟ اس بدمعاش کا کوئی سراغ ملا؟''

صدف کے پے در پے سوالات نے میرا دماغ جھنجھنا کر رکھ دیا۔ وہ اس وقت انتہائی سنجیدہ اور کوفت زدہ دکھائی دیتی تھی لیکن وہ جو کچھ بیان کر رہی تھی وہ ناقابلِ یقین تھا۔ اگر میں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ نہ دیکھا ہوتا تو ممکن تھا، میں صدف کی بات کا یقین کر لیتا۔

میں نے ایک جھٹکے سے ڈرائیونگ سائیڈ والا دروازہ کھولا پھر ہائی روف کا اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے صدف سے

کہا ''دیکھو صدف! میں اس وقت کسی تفریح یا مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا ہے۔ تم سچی سچی بتا دو، کہاں گئی تھیں؟''

صدف سے بات کرنے کے دوران میں، میں وقفے وقفے سے سرخ لینڈ کروزر کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ میری سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''وجدان! میں ایک لمحے کے لیے بھی اس جگہ سے نہیں ہٹی۔ گاڑی میں بیٹھ کر میں تمہارا اور نقلی وجدان کا انتظار کر رہی تھی۔''

''تھوڑی دیر پہلے تم یہاں تھیں اور نہ ہی یہ ہائی روف!''

''تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو وجدان۔'' اس مرتبہ صدف کے لہجے میں احتجاج در آیا تھا ''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں۔ میں تم سے جھوٹ بولوں گی..... میں؟''

صدف کے لہجے کی شدت نے مجھے گڑبڑا دیا تاہم میں اپنے تجربات کی بھی نفی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے گمبھیر آواز میں اس سے کہا ''صدف، میں کچھ دیر پہلے یہاں آیا تھا اور تمہیں گاڑی سمیت غیر موجود پا کر میری جو حالت ہوئی ہوگی اس کا تم اندازہ لگا سکتی ہو۔''

''میں بخوبی اندازہ لگا رہی ہوں کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہے۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی ''اگر یہ کوئی سنجیدہ مذاق ہے تو پلیز اسے ختم کر دو۔ میں بہت الجھن محسوس کر رہی ہوں۔''

میں چند لمحے اسے گہری نظر سے دیکھتا رہا پھر مختصر الفاظ میں اسے تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے واقعے اور اپنی پریشانی کے بارے میں بتا دیا۔ وہ توجہ سے پوری بات سننے کے بعد بولی۔

''وجدان! اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو پھر میں یہی کہوں گی، تمہارے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے۔ ان واقعات کو نارمل نہیں کہا جا سکتا۔ ایک چیز تم دیکھتے ہو لیکن وہ مجھے نظر نہیں آتی، ایک منظر تمہیں دکھائی دیتا ہے مگر میں اس سے محروم رہتی ہوں۔ اسی طرح تم جو آواز سنتے ہو وہ میری سماعت تک رسائی حاصل نہیں کرتی کیوں؟'' اس نے ذرا توقف کر کے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ اس وقت وہ ایک ڈاکٹر نظر آتی تھی ''کیا پہلے بھی تمہارے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے؟''

''نہیں، اس نوعیت کے یہ ابتدائی اور انوکھے تجربات ہیں۔''

''تمہیں پہلی فرصت میں کسی ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔'' اس نے مشورہ دیا۔

میں کسی اور ہی سوچ میں کھو گیا۔ میرے اندر سے کوئی آواز اٹھی تھی، وجدان! پراسرار معاملات اور واقعات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے۔ پراسرار واقعات کا خیال آتے ہی دھیان نیلگری کی طرف چلا گیا پھر اس کی سحر انگیز ذات وابستہ ہوش ربا اور مسحور کن یادیں مجسم ہو کر سامنے آنے لگیں میں خیالات کی جادو نگری میں جانے اور کتنی دیر تک بھٹکتا کہ صدف کی آواز نے میری سماعت پر دستک دی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔

''وجدان! کیا آج کا دن یہیں کھڑے کھڑے گزارنے کا ہے؟''

میں ہائی روف میں حاضر ہو گیا اور سرخ لینڈ کروزر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس کا ڈراپ سین کیسے ہوتا دیکھو گی؟''

''ابھی تو اس کا ٹائٹل شروع ہوا ہے۔'' وہ بوجھل لہجے میں بولی ''اگر اس کہانی کے اختتام تک ہم گاڑی میں ساتھ رہے تو سید پور پہنچنے کے امکانات مائنس میں چلے جائیں گے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو، مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا ''آج ظہر اور عصر کے درمیان بڑے پاشا صاحب کی تدفین ہے۔ ہمیں اس سے پہلے سید پور میں ہونا چاہیے۔''

''اور اس کے لیے ہمیں یہاں سے روانہ ہونا پڑے گا۔'' وہ بولی ''وجدان! میں تو کہتی ہوں، گاڑی کو نور بیابان سے نکالو۔ اگر پھر بھی یہ بہروپیا ہماری راہ میں آیا تو اس سے بڑے تسلی بخش طریقے سے نمٹ لیں گے۔''

صدف کی تجویز معقول اور بروقت تھی لہٰذا میں ہائی روف کو اسٹارٹ کر کے مال روڈ پر لے آیا۔ اگلے کٹ سے میں گاڑی کو موڑا اور ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ مال روڈ کا یہ سنہرہ نہر کے قریب پہنچ کر کینال بینک روڈ تک لے جاتا پھر نہر کے ساتھ ساتھ یہ سفر جاری رکھتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتے۔

میں ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے حالیہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعے کے بارے میں سوچنے لگا۔ صدف دعویٰ تھا کہ وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی وہاں سے ادھر ادھر نہیں ہوئی تھی۔ اسے مجھ سے جھوٹ بولنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی اور میں اپنے تجربے کو نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ میں بھگ آٹھ منٹ پریشانی کی حالت میں ٹہلتے ہوئے گزارے تھے۔ یہ واقعہ میری یادداشت میں نقش ہو گیا اور میں ابھی تک اس کی کوئی حتمی توجیہہ نہیں کر پایا تھا۔

چیز جگ کر اس کا سگنل کراس کیا تو صدف مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی ''وجدان! تمہیں کیوں چپ لگ گئی۔ کیا میری کسی بات کا تم نے برا منایا ہے؟''

''کیا تم نے ایسی کوئی بات کی ہے؟'' میں نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

وہ ہنستے ہوئے بولی ''اپنی دانست میں تو نہیں کی۔''

''تب میری دانست میں بھی نہیں کی۔''

''پھر تم خاموش کیوں ہو؟''

''میں بہروپیے نقلی وجدان کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔

وہ پوچھنے لگی ''کیوں اس فضول کے چکر میں پھنس کر اپنی سوچ کو پراگندہ کرتے ہو؟''

''جو بات مجھے ہضم نہ ہو، میں اس کے بارے میں اس وقت تک سوچتا اور کھوجتا رہتا ہوں جب تک اس کی تہ تک نہ پہنچ جاؤں۔ یہ شخص آسانی سے جان نہیں چھڑا سکے گا، نہ میری سوچ سے اور نہ ہی نظر سے۔''

اس نے استفسار کیا ''پھر اس کے سلسلے میں کوئی بات سمجھ میں آئی؟''

''ہاں، میں تمہاری بات سے متفق ہو گیا ہوں۔''

''میری کون سی بات سے؟''

''تم نے کہا تھا، نقلی وجدان انسان نہیں، شیطان ہے۔ بے پناہ چالاک اور مکار ہے۔ اس کے پاس بہت سی قوتیں ہیں۔'' میں نے کہا ''میں بھی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بہروپیا وجدان واقعی کسی پراسرار قوت کا مالک ہے اور غالب امکان ہے کہ وہ نظر بندی کا علم جانتا ہے۔''

''نظر بندی کے بارے میں، میں نے بہت کچھ پڑھ اور سن رکھا ہے۔'' صدف نے سنسنی خیز لہجے میں کہا ''وجدان، تمہاری نقل سے واسطہ پڑا تو وہ بھی پراسرار اور باہنر نکل آیا۔ ہاؤ امیزنگ!''

میں نے کہا ''اس شخص سے نمٹنے میں بہت لطف آئے گا۔''

صدف نے پوچھا ''تم نے نظر بندی کا ذکر کیا ہے۔ اس حوالے سے بہروپیے کا کون سا کمال تمہارے سامنے آیا ہے؟''

''یکا کیا کم ہے کہ میں نے اسٹور سے باہر آ کر دیکھا تو سرخ لینڈ کروزر میری نگاہ میں آ گئی۔ مذکورہ جیپ چڑیا گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ہمیں ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے روانہ ہوئے جتنا وقت ہوا تھا اس میں ممکن نہیں تھا کہ بہروپیا چڑیا گھر تک پہنچ جاتا۔ مال روڈ لاہور کی سب سے زیادہ صاف ستھری اور ''سلجھی'' ہوئی سڑک ہے۔ ٹریفک قوانین کی سب سے کم بے قاعدگی اور خلاف ورزی یہاں نظر آتی ہے۔ دو طرفہ ٹریفک نہایت ہی طریقے سلیقے سے رواں دواں رہتا ہے اور وہ سرخ جیپ تو سامنے سے آ کر چڑیا گھر کی طرف مڑی تھی گویا نقلی وجدان پی سی کی طرف سے آ رہا تھا۔ ایک دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں یا تو وہ واقعی پراسرار اور ماورائی علوم کا ماہر تھا کہ ناممکن کو ممکن کر دکھاتا تھا یا پھر چڑیا گھر کے گیٹ سے داخل ہونے والی لینڈ کروزر میں کوئی اور تھا۔ میں سڑک کی دوسری طرف سے جیپ میں بیٹھے ہوئے شخص کی جھلک نہیں دیکھ پایا تھا۔

صدف نے کہا ''یہ واقعی کسی شیطان سے کم نہیں۔ ابھی یاد کیا، ابھی حاضر۔''

میں نے اگلے کٹ سے ہائی روف کو موڑا اور واپسی کی سڑک پر ڈال دیا۔

صدف نے تشویش ناک انداز میں کہا ''وجدان! اس مردود پر لعنت بھیجو۔''

وہ سمجھ گئی تھی کہ میں نقلی وجدان کے تعاقب میں چڑیا گھر کی طرف جا رہا ہوں۔

میں نے کہا ''میں صرف اپنے تجسس اور شک کی تصدیق چاہتا ہوں۔ ہم نے سرخ جیپ کو دیکھا ہے۔ یہ بات یقینی نہیں کہ اس میں ہمارا مطلوبہ بندہ ہی ہو۔ وہ کوئی اور جیپ بھی ہو سکتی ہے۔ میں نمبر پلیٹ دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوں گا۔''

''اور اب اس لینڈ کروزر کا نمبر فور سیون تھری سیون ہی ہونا ہے کہ نقلی وجدان نے نظر بندی کے عمل سے مجھے وہ منظر دکھایا ہوگا۔''

''ایسے شخص سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تمہیں چی کی قوت آزمانا ہوگی۔''

''وہ میرے دائرۂ کار میں تو آئے!'' میں نے مبہم انداز میں کہا۔

اسی وقت صدف نے سنسنی خیز انداز میں ایک جانب اشارہ کیا اور ہیجانی لہجے میں بولی ''وہ رہا!''

''کیا رہا بھئی؟'' میں نے اس کے اشارے پر دائیں جانب گردن گھما کر دیکھا۔

صدف نے کہا ''جس شیطان کا ہم ذکر کر رہے تھے۔''

سرخ لینڈ کروزر میری نگاہ میں آ گئی۔ مذکورہ جیپ چڑیا گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ہمیں ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے روانہ ہوئے جتنا وقت ہوا تھا اس میں ممکن نہیں تھا کہ بہروپیا چڑیا گھر تک پہنچ جاتا۔ مال روڈ لاہور کی سب سے زیادہ صاف ستھری اور ''سلجھی'' ہوئی سڑک ہے۔ ٹریفک قوانین کی سب سے کم بے قاعدگی اور خلاف ورزی یہاں نظر آتی ہے۔ دو طرفہ ٹریفک نہایت ہی طریقے سلیقے سے رواں دواں رہتا ہے اور وہ سرخ جیپ تو سامنے سے آ کر چڑیا گھر کی طرف مڑی تھی گویا نقلی وجدان پی سی کی طرف سے آ رہا تھا۔ ایک دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں یا تو وہ واقعی پراسرار اور ماورائی علوم کا ماہر تھا کہ ناممکن کو ممکن کر دکھاتا تھا یا پھر چڑیا گھر کے گیٹ سے داخل ہونے والی لینڈ کروزر میں کوئی اور تھا۔ میں سڑک کی دوسری طرف سے جیپ میں بیٹھے ہوئے شخص کی جھلک نہیں دیکھ پایا تھا۔

صدف نے کہا ''یہ واقعی کسی شیطان سے کم نہیں۔ ابھی یاد کیا، ابھی حاضر۔''

میں نے اگلے کٹ سے ہائی روف کو موڑا اور واپسی کی سڑک پر ڈال دیا۔

صدف نے تشویش ناک انداز میں کہا ''وجدان! اس مردود پر لعنت بھیجو۔''

وہ سمجھ گئی تھی کہ میں نقلی وجدان کے تعاقب میں چڑیا گھر کی طرف جا رہا ہوں۔

میں نے کہا ''میں صرف اپنے تجسس اور شک کی تصدیق چاہتا ہوں۔ ہم نے سرخ جیپ کو دیکھا ہے۔ یہ بات یقینی نہیں کہ اس میں ہمارا مطلوبہ بندہ ہی ہو۔ وہ کوئی اور جیپ بھی ہو سکتی ہے۔ میں نمبر پلیٹ دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوں گا۔''

''اور اب اس لینڈ کروزر کا نمبر فور سیون تھری سیون ہی

ہوا تو؟''

''تو ہم بھی اس کے پیچھے چڑیا گھر میں داخل ہوں گے۔''

''میں تمہارے فطری تجسس سے انکار نہیں کرتی۔'' وہ معتدل انداز میں بولی ''میں خود بھی بہت متجسس واقع ہوئی ہوں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا وجدان! کہیں ہم اس بہروپیے کے چکر میں الجھ کر بڑے پاشا کے جنازے میں شرکت سے نہ رہ جائیں!''

میں نے کہا ''اللہ دتا نے مجھے بتایا تھا، لاہور سے سید پور ڈیڑھ دو گھنٹے سے زیادہ کا فاصلہ نہیں۔ اس وقت نو بجے ہیں۔ اگر ہم بارہ بجے بھی لاہور سے نکلیں تو بہ آسانی وقت پر وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ مزید کی بیشی تیز رفتار ڈرائیونگ سے پوری کی جاسکتی ہے۔'' میں نے ذرا رکنے کے بعد اضافہ کیا ''ہمارے پاس تین گھنٹے کا وقت ہے۔ اس عرصے میں ہم نقلی وجدان پر اچھی خاصی ریسرچ کرسکتے ہیں۔''

''مجھے نہیں امید، وہ ہمارے ہاتھ آسکے۔'' صدف نے کہا ''اگر وہ واقعی نظر بندی کا علم جانتا ہے تو اس مرتبہ بھی وہی ہوگا جو تھوڑی دیر پہلے ڈیپارچمنٹل اسٹور پر تمہارے ساتھ پیش آچکا ہے۔ نظر بندی کا علم بہت کرشمے دکھاتا ہے۔''

میں نے کہا ''بندش کسی بھی قسم کی ہو اس کا توڑ بھی موجود ہوتا ہے!''

میری اس دلیل کے بعد صدف نے کچھ نہ کہا اور ہم چڑیا گھر میں داخل ہوگئے۔ لینڈ کروزر کی نمبر پلیٹ کا جائزہ لیا گیا تو وہ اسی بہروپیے کی جیپ ثابت ہوئی۔ اس انکشاف نے میرے رگ و پے میں ایک سنسنی سی دوڑا دی۔ چند لمحات بعد ہم دو ٹکٹ حاصل کرکے چڑیا گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوچکے تھے۔ اس مرتبہ صدف نے باہر رک کر بہروپیے کا انتظار کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا کیوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایک تجربے میں ناکامی نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

ہم پندرہ بیس منٹ تک مختلف جانوروں کے پنجروں کے پاس چکراتے رہے لیکن اس بندۂ پراسرار کی ایک جھلک دکھائی نہ دی۔ میں وہاں سے واپسی کا ارادہ کررہا تھا کہ وہ! چانک مجھے نظر آگیا۔ وہ ایک بچے کی انگلی تھامے اسے شیر ببر دکھا رہا تھا۔ صدف کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

''یہ اس کے ساتھ بچہ کیسا ہے، تھوڑی دیر پہلے تو یہ اکیلا تھا!''

میں نے کہا ''میں خود حیران ہوں۔ میڈیکل سائنس نے ابھی اتنی زیادہ ترقی بھی نہیں کی۔''

صدف میڈیکل فائنل ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ میری بات کو بڑی وضاحت سے سمجھتے ہوئے بولی ''ہاں، یہ تو بھی ناممکنات میں سے ہے۔''

''چلو، اسی سے جا کر پوچھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور بہروپیے کی جانب قدم بڑھا دیے۔

ہم اس وقت پلے لینڈ کے پاس کھڑے تھے۔ یہاں سے شیر ببر کے پنجرے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن شاید اس نے ہماری گفتگو سن لی تھی۔ وہ پنجرے سے ہٹ گیا اور بچے کی انگلی تھامے ایک ڈھلوانی راستے کی اونچائی چڑھنے لگا۔

میں نے صدف کے ساتھ اپنی پیش قدمی میں تیزی لاتے ہوئے کہا ''کتنی عجیب سی بات ہے۔ عام طور پر ایسے مواقع پر بچے بڑوں کی انگلی تھامتے ہیں۔ اس بہروپیے نے اگر کوئی بچہ پایا بھی ہے تو اس کی انگلی پکڑے گھوم رہا ہے۔''

صدف نے گہری سنجیدگی سے کہا ''ان عجیب و غریب باتوں کو تو رکھو ایک طرف۔ میں کسی اور ہی نکتے پر غور کررہی ہوں۔''

''وہ نکتہ کون سا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اب تک ہم نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔'' صدف نے انکشاف انگیز لہجے میں کہا ''صرف پشت ہی ہمارے سامنے آئی ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے، وہ نقلی وجدان کے بجائے کوئی اور شخص ہو!''

صدف کی بات میں وزن تھا۔ واقعی مسلم ٹاؤن والے پل سے لے کر اب تک ہم اس کی پشت ہی دیکھتے آئے تھے مگر میں مخصوص جیپ اور ڈریسنگ کی بنا پر یقین سے کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو کل رات نہر کے کنارے میرے سامنے آیا تھا۔ وہاں میں نے اس کی شکل و صورت دیکھی تھی۔ وہ بہو میں تھا۔ ہم دونوں کے قد کاٹھ، نقش و نگار اور خدوخال میں سرمو فرق نہیں تھا پھر اس کی پراسراریت بھی اسے نقلی وجدان ثابت کررہی تھی۔

میں نے کہا ''اس وقت ہم اس کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں، تم اس کی شکل بہ آسانی دیکھ سکو گی۔''

جب تک ہم مصنوعی ڈولفن والے فوارے کے پاس سے گزر کر اس ڈھلوانی راستے کی جانب بڑھتے، بہروپیا نگاہ سے اوجھل ہوگیا۔ ہم تقریباً دوڑتے ہوئے ڈھلوان چڑھنے لگے۔ اس راستے کے اختتام پر معلوم ہوا، اس طرف مختلف رنگ و نسل کے ٹائیگرز کے پنجرے ہیں۔ ایک قطار میں پانچ جھجے پنجرے بنے ہوئے تھے جن میں خوش نما جلد اور بے

پناہ طاقت کے مالک شیر چہلیں بند تھے۔

چڑیا گھر کے اس حصے میں لوگوں کا بہت رش تھا۔ مرد و زن اور ہر عمر کے بچے بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ میں متلاشی نظر سے بہروپیے کو ڈھونڈنے لگا۔ صدف کا حال بھی مجھ سے زیادہ مختلف نہیں تھا لیکن حیرت انگیز طور پر وہ ہمیں کہیں نظر نہ آیا۔

''عجیب مصیبت ہے یہ شخص بھی!'' صدف کی جھنجلائی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی۔

میں بھی حیران تھا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ وہاں موجود افراد میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس نے سراسر سفید لباس پہن رکھا ہو۔ ہم تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس حصے کے آخری حصے میں پہنچ گئے۔ آگے کا راستہ بند تھا۔ اس راستے کو چڑیا گھر کی انتظامیہ نے عارضی طور پر بند کر رکھا تھا۔ وہاں کوئی تعمیری کام ہو رہا تھا۔ شیروں والا آخری پنجرہ بھی خالی تھا۔ ایک چھوٹے سے بورڈ پر وارننگ نما ہدایت بھی درج تھی کہ کوئی بھی شخص اس طرف آنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اپنے نقصان کا خود ذمے دار ہوگا۔

''وہ تو یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہا وجدان!'' صدف نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''کہیں ادھر تو نہیں کود گیا!''

اس کا اشارہ اسی خطرناک حصے کی جانب تھا جدھر جانے سے عوام الناس کو منع کیا گیا تھا۔

میں نے کہا ''بظاہر تو یہی لگتا ہے ورنہ اگر وہ یہاں ہوتا تو ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔''

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

میں نے ممنوعہ حصے کی دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا ''چلو، واپسی کے راستے سے ہو کر ادھر جاتے ہیں۔''

اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور ہم واپسی کے لیے پلٹ گئے۔ اسی وقت ہم دونوں کو ایک ساتھ حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ کمینہ شخص ڈھلوانی راستہ اتر کر اس حصے سے نکل رہا تھا۔ میں نے صدف سے کہا ''بھاگو! ورنہ وہ نکل جائے گا۔''

ہم نے دوڑنے والے انداز میں قدم اٹھائے ہی تھے کہ عقب میں آوازیں ابھریں ''پکڑو..... جانے نہ پائیں دوڑو..... وہ نکل رہے ہیں.....''

پھر اس سے پہلے کہ ہم رک کر صورتِ حال کا جائزہ لیتے، ہمیں درجن بھر افراد نے گھیرے میں لے لیا۔ صدف کو تو کسی نے چھونے یا پکڑنے کی کوشش نہیں کی البتہ مجھے بازوؤں سے تھام لیا گیا۔

میں نے غصے سے جھٹک کر اپنے بازو چھڑائے اور سخت لہجے میں کہا ''یہ کیا بدتمیزی ہے، مجھے اس طرح کیوں پکڑ رہے ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''اس طرح نہ پکڑیں تو پھر کس طرح پکڑیں۔'' ایک نوجوان نے جو شیلے لہجے میں کہا ''تم نے ہمارا نہیں بلکہ اس عورت کا کچھ بگاڑا ہے۔''

بات ختم کرتے ہی اس نے ایک خوش لباس خاتون کی جانب اشارہ کردیا۔ اسی وقت انکشاف ہوا کہ مجھے ایک جیب کترے کی حیثیت سے دبوچنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مذکورہ عورت کا دعویٰ تھا کہ میں نے اس کے پرس میں ہاتھ ڈالا تھا۔ میں نے برہمی سے کہا۔

''کیا آپ نے مجھے اپنے پرس میں ہاتھ ڈالتے دیکھا تھا؟''

''ہاں دیکھا تھا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولی ''تم نے میرے پرس میں سے چھوٹا بٹوا اڑایا ہے۔ یہ دیکھو، پرس کی زپ کھلی ہوئی ہے۔''

پھر اس نے مجھے اپنا کھلا ہوا پرس دکھایا۔ اس وقت تک چڑیا گھر کے سیکیورٹی اسٹاف کے دو افراد بھی اس ہنگامہ آرائی کی بو سونگھ کر ہمارے نزدیک آگئے۔ وہ دونوں بڑی خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میں نے خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''محترمہ لگتا ہے، آپ کو میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر واقعی آپ کا بٹوا نکلا ہے تو پھر آپ راستہ پیٹ رہی ہیں، میرے خیال میں سانپ نکل چکا ہے۔''

''تم تلاشی دو۔'' سیکیورٹی کے ایک شخص نے مجھ سے کہا۔

اس صورتِ حال سے نمٹنے کا ایک ہی آسان طریقہ تھا کہ میں جامہ تلاشی میں رکاوٹ نہ بنتا۔ میں نے کوئی بٹوا نہیں مارا تھا اس لیے فکرمندی کی کوئی بات نہیں تھی۔

''آپ خوشی سے میری تلاشی لے سکتے ہیں۔'' میں نے سیکیورٹی والے سے کہا۔

وہ آگے بڑھا اور مجھے ٹٹولنے اور پرکھنے کے بعد اس نے اعلان کردیا ''بٹوا تو اس کے پاس نہیں ہے۔''

مجمع میں موجود ایک شخص نے خیال آرائی کی ''اس نے بٹوا اپنی ساتھی کو دے دیا ہوگا۔''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' میں نے چیخ کر کہا ''میں تم لوگوں کے چیف سے بات کرتا ہوں۔''

''صاحب! اس میں غصہ کرنے کی کون سی بات ہے۔''

سیکیورٹی والا قدرے نرمی سے بولا ''بڑا آپ کے پاس سے برآمد نہیں ہوا۔ اگر آپ لوگوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تو آپ کی ساتھی کے پاس بھی وہ بڑا نہیں ملے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہمارا لیڈیز اسٹاف ان کی تلاشی لے گا۔ ویسے آپ چاہیں تو ہمارے چیف سے بات کرسکتے ہیں۔''

اس کی بات معقول تھی۔ جب ایک عورت دھوے دار تھی کہ میں نے اس کے پرس میں سے بڑا نکالا ہے تو سیکیورٹی والا میری اور صدف کی تلاشی لینے میں حق بجانب تھا۔ اس مصیبت سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کے لیے یہ از حد ضروری تھا۔ میں نے سیکیورٹی والے کی بات مان لی۔ ایک کمرے میں ایک لیڈی سیکیورٹی گارڈ نے صدف کی تلاشی لی اور نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مذکورہ بڑا اس کے پاس بھی نہیں ہے۔ اب سیکیورٹی والوں کے پاس ہمیں روکنے یا ہمارے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا، لہٰذا معذرت کے بعد ہمیں فارغ کردیا گیا۔

ہم چڑیا گھر سے نکل کر گرے ہائی روف کی طرف آئے تو صدف نے پوچھا ''وجدان! یہ سب کیا تھا؟''

''مہم جوئی۔'' میں نے نیم طنزیہ لہجے میں کہا ''تمہاری تفریح طبع کے لیے قدرت نے کچھ سامان کردیا تھا۔ تمہیں ایڈونچر بہت پسند ہے نا!''

وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی ''قدرت نے یا اس کم بخت بہروپیے نے؟''

''جب اس کے بارے میں ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ نظر بندی کے ساتھ ساتھ کچھ پراسرار علوم سے بھی واقف ہے تو پھر کیوں، کون، کیا اور کیسے جیسے الفاظ بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تمہاری طرح میرا بھی یہی خیال ہے کہ نقلی وجدان نے ہم سے جان چھڑانے کے لیے کسی بھی طرح وہ ناٹک رچایا ہے۔ وہ ہمیں اس معاملے میں الجھا کر ہماری توجہ خود سے ہٹوانا چاہتا تھا۔ اس سے ایک یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ یہاں ہماری موجودگی سے آگاہ ہوگیا تھا۔''

''بھاڑ میں گیا وہ بہروپیا اور اس کے پراسرار علوم۔'' صدف نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بیزاری سے کہا ''خواہ مخواہ بار بار ہمیں پریشان کرنے چلا آتا ہے۔''

میں نے ہائی روف اسٹارٹ کی اور چڑیا گھر سے باہر نکل کر اسے مال روڈ پر لے آیا۔ اب ہمارا رخ ریگل کی جانب تھا۔ میں نے صدف کو چھیڑنے کی غرض سے کہا ''اگر بہروپیا تمہارے خیالات سے آگاہ ہوگیا تو تمہاری شامت آجائے گی۔''

وہ بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی ''میری بلا سے۔ میں اس سے نہیں ڈرتی۔ اگر اس میں ہمت ہے تو سامنے آکر مقابلہ کرے۔ وہ تو ابھی تک ایک بھگوڑے کا کردار ادا کررہا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی ''ویسے وجدان! تمہاری یہ نقل بالکل تمہاری ہی طرح پیچیدہ ہے!''

''مجھ میں ایسی کیا پیچیدگی دیکھ لی تم نے؟''

''اچھا سوال ہے۔'' وہ ایک قہقہہ لگاتے ہوئے بولی ''خیر، تمہارے سوال کا میں کسی مناسب موقع پر جواب دوں گی۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ موقع مناسب نہیں؟''

''خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں۔''

''پھر کیسی بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

اس کے گریز اور ہچکچاہٹ نے مجھے اُکسایا۔ نقلی وجدان نے اپنے رویّے سے خاصی کوفت میں مبتلا کیا تھا، میں نے صدف سے تفریح لیتے ہوئے کہا ''میں نے تمہاری بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تم دل میں بہروپیے سے ڈر رہی ہو اسی لیے لب کشائی میں ہچکچا رہی ہو ورنہ میرے سوالات اتنے پیچیدہ یا مشکل نہیں ہیں کہ ان کے جواب دینے کے لیے کسی خاص موقع کا انتظار کیا جائے۔''

میری بات ختم ہوئی تو وہ تڑخ کر بولی ''وجدان! اس بھگوڑے سے ڈرتی ہے میری جوتی۔''

''جوتا اور جوتی!'' میں نے گاڑی کو بائیں جانب فاطمہ جناح روڈ پر موڑتے ہوئے کہا ''یہ دونوں بے زبان اور بے جان ہیں اس لیے یہ کسی سے نہیں ڈرتیں بلکہ حضرتِ انسان دوسرے انسانوں کو ڈرانے کے لیے بعض اوقات ان سے کام لیتا ہے۔''

وہ جلے کٹے انداز میں بولی ''وہ خبیث مجھے کہیں سے بھی انسان نہیں لگتا، حضرتِ انسان تو بہت دور کی بات ہے۔ اب اگر وہ میرے سامنے آیا تو میں اس کا منہ نوچ لوں گی۔''

''بہت خوب!'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

''وجدان! کمال ہوگیا!'' صدف کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی ''شاید اس بہروپیے نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔ وہ دیکھو۔'' اس نے انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا ''وہ اس کی..... سرخ جیپ.....''

میں نے صدف کے اشارے کی تقلید میں نگاہ دوڑائی اور مجھے لینڈ کروزر نظر آگئی۔ وہ پلازا سنیما سے ذرا آگے گاڑیوں کے ایک شوروم سے باہر آرہا تھا۔ میں نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کی جیپ کی نمبر پلیٹ دیکھ لی۔ وہ واقعی نقلی وجدان ہی تھا۔ اس مرتبہ بھی ہماری نگاہیں اس کی پشت تک ہی محدود رہیں۔ دونوں گاڑیوں میں ایک مخصوص فاصلہ برقرار تھا۔ اس وقت ہم فاطمہ جناح میڈیکل کالج کے سامنے سے گزر رہے تھے جب صدف نے سٹپٹائے ہوئے لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔

''آخر یہ ہم سے چاہتا کیا ہے؟''

''ہم سے نہیں بلکہ صرف مجھ سے۔'' میں نے تصحیح کرتے ہوئے کہا ''اس کی دوستی اور دشمنی صرف اور صرف مجھ تک محدود ہے۔ اب تک میں فیصلہ نہیں کرپایا ہوں کہ اسے دوست سمجھوں یا دشمن!''

صدف نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں کہا ''ایسے شخص سے دوستی کیسے ہوسکتی ہے جو قدم قدم پر تکلیف کا باعث ہو؟''

میں نے کہا ''ابھی تک اس نے مجھے واضح طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور نہ ہی فائدہ!'' میں ایک لمحے کو رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اور جہاں تک اس کے موجودہ رویّے کی بات ہے تو اس میں اسے قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ہم اپنی مرضی سے اس کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں اور..... کوفت اٹھا رہے ہیں۔''

''یہ اچھی منطق ہے۔'' وہ خفگی سے بولی ''وجدان! تمہاری باتوں سے تو یہی ظاہر ہورہا ہے، تم نقلی وجدان کی فیور کررہے ہو۔ کہیں اس نے کچھ پڑھ کر تم پر پھونک تو نہیں دیا؟''

میں نے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے حالات کا تجزیہ کرو تو تم بھی اسی نتیجے پر پہنچو گی جہاں میں پہنچ چکا ہوں۔''

''میں ایسے فضول تجزیوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔'' وہ لاتعلقی کا رویّہ اپناتے ہوئے بولی ''تم مجھے آئندہ کے پروگرام کے بارے میں بتاؤ؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''ہم سید پور جارہے ہیں۔''

''کیا اس کے ساتھ ساتھ۔'' وہ بھویں سکیڑتے ہوئے بولی ''اس کی راہ نمائی میں؟''

''مجھے سید پور تک جانے کے لیے کسی کی راہ نمائی کی ضرورت نہیں۔'' میں نے کہا ''اللہ دتا نے راستے کی تفصیل بڑی کل سے مجھے سمجھائی ہے۔ میں ذہن میں طے کردہ راستے پر گاڑی دوڑاؤں گا۔ سرخ جیپ کی وجہ سے کوئی راستہ تبدیل نہیں کروں گا۔ اب یہ جہاں تک چلتا ہے، چلے۔ جس رفتار سے چلنا چاہتا ہے، اس کی مرضی۔''

وہ شک آمیز نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولی ''لگتا ہے، تم کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو اسی لیے نقلی وجدان کو اہمیت نہیں دے رہے ہو؟''

میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں، تم خواہ مخواہ وہم میں نہ پڑو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں یا تم مجھے بتانا نہیں چاہتے؟''

''واقعی ایسی کوئی بات نہیں۔'' میں نے قطعیت سے کہا ''اور اگر میں کسی نتیجے پر پہنچ گیا تو سب سے پہلے میں تمہیں ہی آگاہ کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

وہ مطمئن ہوکر ونڈ اسکرین کے پار سرخ لینڈ کروزر کو تکنے لگی۔

میں نے صدف سے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ میں ابھی کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا تاہم میں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر وہ بہروپیا میرے ساتھ برا تہیں کرے تو میں بھی فی الحال اسے فراموش کردوں۔ مجھے سب سے پہلے سید پور اور رکھاں والی مشن دیکھنا تھا پھر نقلی وجدان سے بھی نمٹ لیا جاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اگر از خود میری راہ کی رکاوٹ بنتا تو میں اسے بھی دیکھ لیتا۔

مزنگ چونگی پر میں نے فاطمہ جناح روڈ کو چھوڑ دیا اور ہائی روف کو گلبرگ روڈ پر ڈال دیا۔ یہ سڑک ایوانِ [illegible]

زندگی کے عام مسائل اور ان کے کامیاب روحانی
کتابوں کے سلسلے کی ایک کڑی
مشہور ماہرین نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب
احساسِ کمتری
اسباب ۔۔۔ تدارک ۔۔۔ علاج
اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ.....
قیمت 30 روپے ڈاک خرچ 23 روپے

سے گزر کر کینال بینک روڈ سے چلتی پھر ہمارا راستہ سیدھا ہو جاتا۔ سرخ لینڈ کروزر مخصوص فاصلے سے ہمارے آگے جا رہی تھی لیکن کینال بینک روڈ پر آنے کے بعد اس نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا اور مال روڈ کی کراسنگ پر وہ بائیں جانب مڑ کر مال روڈ پر رواں دواں ٹریفک کا حصہ بن گیا۔

صدف نے اطمینان کا سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''شکر ہے، اس مصیبت سے تو جان چھوٹی۔''

میں نے نقلی وجدان کی ''رخصتی'' پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کینال بینک روڈ پر گاڑی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم فتح گڑھ کو پیچھے چھوڑ کر سید پور کی جانب گامزن تھے۔

دو تین کلومیٹر آگے آنے کے بعد سڑک اتنی ہموار نہ رہی جتنی پہلے تھی۔ مجھے ہائی روف کی رفتار قدرے کم کرنا پڑی۔ اس کے ساتھ ہی سڑک کچی پکی ہونے کے سبب دھول مٹی بھی اڑ رہی تھی۔ میں نے احتیاط کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔

اس دوران میرا، ہمارے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ وہ کرید کرید کر میری گزری ہوئی زندگی کے بارے میں سوال کر رہی تھی۔ اس کا یہ استفسار یہ مارشل آرٹس اور ''جی'' تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ وہ معاشی اور معاشرتی ٹوہ میں بھی لگی ہوئی تھی۔

ہم بات چیت کرتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ سید پور کے نزدیک پہنچ رہے تھے کہ ونڈ اسکرین کے پار دور سڑک پر میں نے گرد و غبار کا ایک طوفان اٹھتے دیکھا۔ یہ منظر صدف کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ وہ خیال آرائی کرتے ہوئے بولی۔

''میرے خیال میں کوئی گاڑی تیز رفتاری سے ہماری جانب آ رہی ہے۔''

''میں تمہارا ہم خیال ہوں۔'' میں نے کہا۔

اسی وقت فضا میں ایک مخصوص قسم کے سائرن کی صدا گونج اٹھی۔ ایسا ہارن یا تو پولیس موبائل پر نصب ہوتا ہے یا پھر ایمبولنس پر۔

صدف چونکے ہوئے لہجے میں بولی ''یہ کوئی ایمبولنس ہو سکتی ہے۔ کسی ایمرجنسی مریض کو اسپتال پہنچانے کے لیے وہ اس تیز رفتاری پر مجبور ہیں۔''

''ہاں، ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔

''اور اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''کوئی عجب نہیں، یہ پولیس موبائل ہو!''

صدف نے تشویش ناک نظر سے مجھے دیکھا۔ اس دوران میں متذکرہ گاڑی کھل کر سامنے آ چکی تھی۔ وہ گرد کی لپیٹ میں تو اب بھی تھی تاہم ہمارے درمیان فاصلہ چوں کہ بتدریج کم ہو رہا تھا اس لیے اسے دیکھنا ممکن ہو گیا تھا۔

میں نے محدود فاصلے سے اسے پہچان لیا۔ وہ سفید رنگ کی ایک ٹویوٹا ہائی ایس تھی جس کے ماتھے پر مخصوص سرخ بتی اپنی گردشی حرکت جاری رکھے ہوئے تھی۔ اس گردش کا ساتھ دینے کے لیے ہارن کی آواز بھی مسلسل فضا کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب ہمارے درمیان انتہائی کم فاصلہ رہ گیا۔ چند لمحوں بعد ہم ایک دوسرے کے پہلو سے گزرنے والے تھے اور اسی وقت میری نگاہ ایمبولنس کی پسنجر سیٹ پر گئی اور..... وہ وہیں چپک کر رہ گئی۔

پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر مجھے اپنے وجود میں زلزلے کے آثار محسوس ہوئے۔ میں نے اسے سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں پہچان لیا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ شعیب فوری کا قابل اعتماد نائب کبیر شاہ عرف شاہ جی تھا۔

مجھے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ شاہ جی کا لاہور کے گرد و نواح سے دور کا بھی تعلق، واسطہ نہیں تھا اور وہ ایک ایمبولنس کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ کر سید پور سے لاہور کی جانب آ رہا تھا! یہ حیرت انگیز کے ساتھ ساتھ ایک ناقابل یقین بات بھی تھی۔

''وہ سید پور سے نہیں بلکہ رکھاں والی سے آ رہا ہے!'' میرے اندر کسی نے سرگوشی کی۔ میں نے چھٹی حس کی اس پکار کو فوراً سے پیشتر سمجھ لیا۔

اسی وقت دونوں گاڑیاں پہلو بہ پہلو آ گئیں اور بے ساختہ میری نگاہ ایمبولنس کے پچھلے حصے کی جانب اٹھ گئیں۔ وہاں اسٹریچر پر کوئی لیٹا تھا۔ یقینی طور پر یہ وہی شخص تھا جسے ایمرجنسی میں اسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔

میرے بدن کا سارا خون دل میں جمع ہو گیا اور دل نے پوری شدت سے دھڑک کر کہا ''یہ میری رگِ جاں ساحل ہے.....!''

میں نے ہر قسم کی احتیاط اور مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر جسم و جاں کی ساری توانائی صرف کر کے بریک پیڈل کو دبا دیا۔

ہائی روف میں زلزلے کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔ ریڈیل پلائی (RADIAL-PLY) ٹائروں کی گرفت ایسی ہی مضبوط ہوتی ہے، گاڑی کو روڈ پر باندھ کر رکھ دیتی ہے۔ ان نازک لمحات میں صدف نے خاصی ہوش مندی اور حاضر دماغی کا ثبوت دیا۔ میں نے جیسے ہی میکانکی انداز میں بریک لگائے، اس نے بے اختیار اپنے دونوں بازو سامنے پھیلائے اور ڈیش بورڈ کا سہارا لے کر خود کو کسی بڑے نقصان سے بچا لیا۔ ممکن ہے، یہ اس کا غیر ارادی عمل ہو۔ بہرحال وہ شدید زخمی ہونے سے محفوظ رہی۔ اس کی احتیاطی تدبیر نے مفید کام دکھایا۔

ہائی روف آناً فاناً رکی تو اس کا انجن خاموش ہو گیا۔ عمومی طور پر ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انجن کو دوبارہ بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن میری یہ کوشش ناکام رہی۔ دوسری تیسری کوشش میں ناکامیاب ہونے کے بعد میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت مجھ پر ایک وحشت سی سوار تھی۔ میرے اندر کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، ساحل لمحہ بہ لمحہ مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے!

میں اپنے اندر ... کی اس آواز پر دھیان دینے کے لیے مجبور تھا۔ میں گاڑی سے نیچے اترا تو صدف نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا ''وجدان! تم کہاں جا رہے ہو؟''

''وہ..... وہ ساحل کو لے گئے.....'' میں نے بے خودی کے عالم میں کہا۔

صدف اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر ہائی روف سے نیچے اتر آئی اور حیرت بھری نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی ''تم کس ساحل کا ذکر کر رہے ہو؟''

''وہ ہائی ایس میں اسٹریچر پر تھی۔'' میرے لہجے میں ہذیان کی آمیزش تھی ''کبیر شاہ اسے کہیں لے جا رہا ہے..... بہت برق رفتار سے ساحل تک پہنچتا ہے۔''

اپنی بات ختم کرتے ہی میں نے ہائی روف کی باڈی پر زور دار گھونسا مارا ''تم نے بھی اسی وقت دھوکا دینا تھا!'' اس نے زہر خند انداز میں کہا اور اچانک پلٹ کر اس سمت دوڑ لگا دی جدھر ٹویوٹا ہائی ایس گئی تھی۔

یہ میرا ایک اضطراری عمل تھا۔ ساحل کے خیال نے مجھے بے اختیار کر دیا تھا۔ میں چاہے جتنی بھی تیز رفتار سے کیوں نہ دوڑتا، ہائی ایس کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میں ان جنونی لمحات میں جو فیصلہ کر رہا تھا وہ میرے بس میں نہیں تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کوئی نادیدہ قوت مجھے اپنی انگلی کے اشارے پر نچا رہی ہو۔ میں ہر صورت میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔

مجھے اپنے عقب میں صدف کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی ''وجدان! تمہارا پاگل پن میری سمجھ سے باہر ہے۔ پتا نہیں، تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟''

اپنی باتوں کی اقسام گنوانے اور بتانے کا میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں صدف کی سنی، ان سنی کرتے ہوئے اندھا دھند دوڑتا چلا گیا۔ اس وقت میری سوچ ایک نقطے پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اور وہ نقطہ تھا..... ساحل!

صدف کی طرح بعض لوگ میری ان حرکات کو پاگل پن کے کھاتے میں ڈال رہے ہوں گے لیکن میں اس وقت جو کچھ بھی کر رہا تھا، اضطراری انداز میں مجھ سے جو بھی سرزد ہو رہا تھا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میرا کوئی مضبوط جذبہ مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں ساحل کا تعاقب کروں۔ اگر آج مجھے تاخیر ہو گئی تو پھر میں زندگی میں کبھی اسے حاصل نہیں کر سکوں گا، وہ مجھ سے اتنی دور چلی جائے گی جہاں شاید میری سوچ بھی نہ پہنچ سکے!

بعض اوقات انسان کے اندر اتنا طاقت ور جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو اپنے تابع کر لیتا ہے۔ اس جذبے کے زیر اثر انسان بڑی سے بڑی قوت سے بھی ٹکرا جاتا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے، صحیح کر رہا ہے۔ ایمبولنس کے عقبی حصے میں، میں نے ایک اسٹریچر رکھا دیکھا تھا جو سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ اسٹریچر پر لیٹا ہوا شخص چادر کے نیچے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن میرے دل کی دھڑکن بار بار مجھے یقین دلا رہی تھی کہ اس اسٹریچر پر ساحل ہے..... ساحل کے سوا اور کوئی نہیں!

سفید ایمبولنس گرد و غبار کے طوفان میں میری نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس کے مخصوص سائرن کی آواز بھی معدوم ہو گئی۔ اس کا مطلب یہی تھا، وہ بہت دور نکل گئی تھی۔ اس احساس نے مجھے حد درجہ تکلیف پہنچائی کہ میں دوڑ کر اس ایمبولنس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو کیا، میں ساحل کو نہیں پا سکوں گا؟

اس سوال نے مجھے مرتا پا لرزا دیا۔ میں نے ساحل کی جدائی میں پہلے ہی بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ لاتعداد نامہربان لمحات ہمارے درمیان حائل ہو کر رہ گئے تھے۔ میں نے کئی بے قرار شامیں اور بے کیف صبحیں اس کے بغیر گزاری تھیں۔ میرے قدم یک بیک رک گئے اور میں حقیقت پسندانہ انداز میں ایک عملی انسان کی طرح ساحل کے بارے میں سوچنے لگا۔

میں نے ایمبولینس کی پسنجر سیٹ پر کبیر شاہ کو بیٹھے دیکھا تھا اور میرے دل میں یہ احساس جاگا تھا کہ وہ ''رکھاں والی'' سے آرہا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ایمبولینس والوں نے ایک لمحے کے لیے بھی گاڑی روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ کبیر شاہ عرف شاہ جی نے مجھ پر توجہ نہیں دی تھی۔ یقینی طور پر اس نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔

کبیر شاہ میرے دشمنِ جاں شعیب غوری کا دستِ راست تھا۔ اگر اس نے ہائی روف میں مجھے دیکھ لیا ہوتا تو وہ رکے بنا رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ خوفناک بریک کی آواز نے بھی انہیں ہماری طرف متوجہ نہیں کیا۔ شاید وہ کسی ایمرجنسی میں بھاگے چلے جارہے تھے۔

میں نے اسی سوچ بچار میں پلٹ کر دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر مجھے صدف اپنی سمت آتی دکھائی دی۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں دو بیگز بھی اٹھا رکھے تھے۔ یہ یقیناً وہی بیگز تھے جو ہائی روف کی عقبی نشست پر رکھے تھے۔ صدف نے بیگز اپنے ساتھ لا کر عقل مندی کا ثبوت دیا۔ ہائی روف کسی خرابی یا پھر ہماری ناواقفیت کے باعث ہمارے کام کی نہیں رہی تھی۔ ہمیں لاہور کی طرف جانے کے لیے کسی اور سواری کا بندوبست کرنا تھا..... اور جلد از جلد کرنا تھا۔

صدف کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں سفید ایمبولینس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس گاڑی کا نمبر میرے ذہن میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ ون تھری سکس نائن..... میں نے زیرِ لب نمبر کو دہرایا پھر وہ لوگو (LOGO) میری یادداشت میں چمکنے لگا جو میں نے اس ایمبولینس کی باڈی پر بنا دیکھا تھا۔ وہ ایک معروف پرائیویٹ اسپتال کا مخصوص لوگو تھا۔ میری معلومات کے مطابق وہ اسپتال نیو کیمپس کے علاقے میں واقع تھا۔ اس وقت مجھے اپنی مضبوط یادداشت اور قوتِ مشاہدہ پر از حد مسرت ہوئی۔ میں اسپتال کے مخصوص لوگو اور ایمبولینس کے نمبر کے ذریعے یہ معلوم کرسکتا تھا کہ ایمبولینس نے میری ساحل کو کہاں پہنچایا تھا۔ اغلب امکان اسی بات کا تھا کہ اسے مذکورہ پرائیویٹ اسپتال ہی پہنچایا ہوگا۔

پھر میرا دھیان ایمبولینس میں موجود افراد کی طرف چلا گیا۔ ڈرائیور اور کبیر شاہ کے علاوہ گاڑی کے پچھلے حصے میں بھی دو افراد موجود تھے۔ میں ان کی عمروں یا حلیوں کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنے سے قاصر تھا کیونکہ میں نے ان کی لمحاتی جھلک دیکھی تھی۔ ان نازک ساعتوں میں میرا قلب و جگر ساحل کے خیال کے زیرِ اثر تھا اور بے اختیار میں نے بریک لگا دیئے تھے۔

صدف قریب پہنچ کر وحشت زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میرے اس اضطراری عمل نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا الجھنا غلط نہیں تھا۔ میرے چہرے پر نظر جما کر اس نے پوچھا۔

''وجدان! کیا میں اسے تمہارا کوئی بھیانک مذاق سمجھوں۔''

''نہیں۔'' میرے لہجے کی قطعیت نے اسے چونکا دیا۔ میں نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا ''یہ مذاق نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے..... ایک سنگین حقیقت۔'' میں نے سڑک کے جانب، سڑک پر دور تک نگاہ دوڑائی۔ مجھے کسی سواری کا انتظار تھا تاکہ جلد از جلد سفید ایمبولینس کا تعاقب کرسکوں۔

صدف نے میری کیفیت سے یہ تو بھانپ لیا کہ میں درجہ سنجیدہ ہوں لیکن وہ میرے حالات اور عزائم کو کما حقہ پہنانے سے قاصر تھی چنانچہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''یہ ساحل کون ہے، جس کے لیے تم اتنے بے قابو ہو رہے ہو؟''

''ساحل.....'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''میری رگِ جاں ہے۔'' آپوں آپ میری آواز بلند ہوتی چلی گئی۔

مجھے حیرت تھی کہ ان لمحات میں، میں ایسا بے قابو ہو گیا تھا۔ میں نے صدف کے سامنے اعترافِ محبت جیسا جھجک محسوس کی تھی اور نہ ہی کسی مصلحت کی آڑ لینے کی کوشش کی تھی جبکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا، صدف میرے اپنے دل میں کس قسم کے جذبات رکھتی ہے۔

ساحل سے اظہارِ تعلق میرے دل کی زبان تھی اور یہ زبان مصلحت کوش نہیں ہوتی۔ وہ سچ بولنے کے لیے کسی سہارا نہیں لیتی اور..... سچ یہ تھا کہ ساحل میرے لیے زندگی سے زیادہ اہم ہو چکی تھی۔ میں اپنے جذبات کو پوشی کس طرح کرتا۔ میرے انکشاف نے صدف کو ایک جھٹکا پہنچایا، وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تو..... یہ تمہارا..... دل کا معاملہ ہے!''

صدف کے الفاظ میں پوشیدہ چبھنا کا بڑی وضاحت ساتھ میری سماعت تک پہنچا۔ میں نے محسوس کیا، اس کوئی کانچ محل مسمار ہوا تھا جس کی مہلک کرچیوں اندر کو لہولہان کر کے رکھ دیا تھا۔ تکلیف کے چہرے کے ایک ایک نقش سے ہویدا تھے۔ میں ان صدف کی دل جوئی کا سامان کرنے سے قاصر تھا موقع ہوتا تو شاید میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا سرِ دست اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور کسی سواری میں میری نگاہ بل کھاتی کچی پکی سڑک کو ناپنے لگی۔

اسی لمحے سید پور کی جانب سے اٹھنے والا گرد و غبار کا ایک طوفان میری نظر میں آ گیا۔ کوئی ہیوی گاڑی بڑی تیزی سے ہماری جانب آرہی تھی۔ وہ گاڑی میرے لیے کسی امید کی کرن کے مانند تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، اسے روکنے کی کوشش کروں گا اور ہر ممکن طور پر اسے لاہور کی طرف لے کر جاؤں گا۔

صدف نے بھی اس دھول اڑاتی گاڑی کو دیکھ لیا۔ وہ میرے نزدیک آ گئی۔ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ دوڑائی مجھے حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا چہرہ غم و غصہ کا مرقع بنا ہوا تھا لیکن اب وہ بڑی پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا تو یہ ہی مطلب تھا یا تو اس نے ساحل کے حوالے سے انکشاف کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی یا پھر وہ اپنے جذبات کا ضبط رکھتی تھی۔ دوسری بات ہی درست لگتی تھی کیونکہ اس نے ساحل کے معاملے کو نظر انداز کیا ہوتا تو پھر اس کے چہرے پر دکھ کے آثار نمودار نہ ہوتے۔ میں فوری طور پر نتیجے پر پہنچا کہ وہ سب کچھ پی گئی تھی، چاہے وقتی طور پر ہی لیکن اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنے جذبات پر قابو پایا تھا۔ میں اس کی مضبوط قوتِ ارادی کا ایک مرتبہ پھر قائل ہوا۔

گرد کے طوفان میں لپٹی ہوئی وہ گاڑی لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھی۔ صدف نے سپاٹ لہجے میں کہا ''ساحل کے بارے میں تو پھر کبھی فرصت سے بات ہوگی لیکن اتنا تو بتا دو، تم نے کیسے اندازہ لگایا، اس ایمبولینس میں کوئی عورت بھی موجود تھی۔ میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ کہیں تمہیں کوئی دھوکا تو نہیں ہوا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا صدف۔'' میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا ''ایمبولینس میں رکھے اسٹریچر پر ساحل کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

''بے یقینی سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے محسوس کیا، اسے ذہنی کیفیت پر جیسے شبہ ہو رہا تھا۔ اسٹریچر سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا لہٰذا وہ اس قسم کا شک کرنے میں حق بجانب بھی تھا۔

چند لمحے میرے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بھرائی آواز میں کہا ''میں تمہاری حالت کو دیکھتے ہوئے کسی بحث و تکرار کو مناسب نہیں سمجھتی۔ ذرا فرصت میسر آجائے پھر تفصیلی بات ہوگی۔ ویسے پچھلے پندرہ منٹ میں یہاں جو کچھ ہوا ہے وہ میرے لیے ناقابلِ یقین اور الجھن کا سبب ہے۔''

''میں تمہاری ہر الجھن کی سلجھن پیش کردوں گا۔'' میں نے گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا ''فی الحال تو مجھے پہلی فرصت میں ساحل تک پہنچنا ہے۔''

وہ خاموش ہو کر ہم درمیانہ نگاہ سے مجھے تکنے لگی۔

میں اپنی جانب آتی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ میں واضح طور پر اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ڈرائیور نے میرے اشارے کو سمجھ لیا اور وہ گاڑی ہمارے نزدیک پہنچ کر رک گئی۔

وہ ایک کھلی ٹویوٹا ہائی لکس تھی جس کے عقبی کھلے حصے میں لگ بھگ دو درجن دودھ کے ڈرم رکھے نظر آرہے تھے۔ وہ بار برداری میں استعمال ہونے والی ہیوی گاڑی تھی جو دودھ کے ڈرمز کو کہیں پہنچانے جارہی تھی۔ میں نے گردن جھکا کر ڈرائیونگ کیبن میں نظر دوڑائی۔ وہاں ڈرائیور کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا۔

میں نے ہٹے کٹے ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''ہماری گاڑی میں کوئی سنجیدہ خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ تم ہمیں اپنی گاڑی میں لفٹ دے سکتے ہو؟''

اس نے پہلے سر تا پا میرا جائزہ لیا پھر اس کی نظر میرے پیچھے کھڑی صدف کے سراپا سے جا ٹکرائی۔ وہ چند لمحات تک اسی نظارے میں کھویا رہا۔ مجھے ڈرائیور کی یہ عامیانہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ تاہم میں نے کسی سنگین ردِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ہمیں فوری طور پر اس کی گاڑی کی ضرورت تھی۔

ڈرائیور نے بدستور صدف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''کہاں جاؤ گے باؤجی؟''

''جانا تو لاہور ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم جہاں تک ممکن ہو، ہمیں لفٹ دے دو۔ آگے ہم کوئی ٹیکسی وغیرہ پکڑ لیں گے؟''

''اور آپ لوگوں کی گاڑی؟'' اس نے ہائی روف کی جانب اشارہ کیا۔

''اس کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر ہائی روف کی طرف دیکھا اور قیاس آرائی کرتے ہوئے بولا ''آپ تو لاہور کی مخالف سمت میں جارہے تھے!'' اس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیں نمودار ہوئی۔

میں اگر چاہتا تو اس تنومند ڈرائیور کی موٹی گردن پر دو ہاتھ آزما کر اسے ہائی لکس سے باہر نکال پھینکتا اور گاڑی لے کر چمپت ہو جاتا لیکن ابھی انگلی ٹیڑھی کرنے کی نوبت نہیں آئی

تھی۔

میں نے کہا ''یار! تم تو ہم سے اس طرح جرح کر رہے ہو جیسے ہم عدالت میں مجرموں کی طرح کھڑے ہوں۔ ہماری گاڑی اور اس کا رخ گیا جہنم میں۔ تم اس مشکل وقت میں ہمیں اپنی گاڑی میں لفٹ دے سکتے ہو یا نہیں؟'' میں نے ایک لمحے کا توقف کر کے اضافہ کیا ''ویسے اتنا بتا دیں کہ ہم سید پور جا رہے تھے۔''

وہ میرے جارحانہ انداز سے متاثر ہوا تھا یا کوئی اور بات تھی، بہرحال اس نے معتدل لہجے میں کہا ''میں نصیر آباد سے آ رہا ہوں اور فتح گڑھ تک جاؤں گا۔ تم لوگ فتح گڑھ تک میری گاڑی میں سفر کر سکتے ہو۔''

نصیر آباد، فتح گڑھ اور سید پور کے تقریباً درمیان واقع تھا۔ اگر ہم فتح گڑھ تک بھی پہنچ جاتے تو ہماری مشکل آسان ہو سکتی تھی۔ فتح گڑھ ضلع لاہور کی شہری حدود میں واقع تھا۔ ہم وہاں سے کوئی رکشا یا ٹیکسی پکڑ کر سیدھے نیو کیمپس تک پہنچ سکتے تھے۔

ہائی لکس کے موٹے ڈرائیور نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے پسنجرز سائیڈ کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے گاڑی کے اندر بیٹھنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے منع کر دیا اور صدف کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''یہاں صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ باؤجی، آپ گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھ جاؤ اور اپنی ساتھی کو ادھر بیٹھنے دو۔''

میں نے ڈرائیونگ کیبن کا جائزہ لیا تو وہاں سیٹ پر مجھے دو پیٹیاں رکھی نظر آئیں۔ میں نے پوچھا ''ان پیٹیوں میں کیا ہے؟ تم انہیں گاڑی کے پچھلے حصے میں رکھ دو۔ ہم دونوں آسانی سے آگے بیٹھ جاتے ہیں۔''

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''ان پیٹیوں میں دیسی مرغیوں کے انڈے ہیں۔ میں انہیں پیچھے نہیں رکھ سکتا۔ تم میں سے کوئی ایک عقبی حصے میں بیٹھنے کو تیار ہے تو بتاؤ ورنہ میں جا رہا ہوں۔''

صدف کا گاڑی کے کھلے حصے میں دودھ کے ڈرمز کے ساتھ بیٹھنا مناسب نہیں تھا لہٰذا میں نے اسے پسنجرز سیٹ پر بیٹھنے کا موقع فراہم کیا اور خود اچک کر ہائی لکس کے پچھلے حصے میں سوار ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے ہیوی گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت دوپہر کے پونے بارہ بجے تھے۔ سفید ٹویوٹا ہائی ایس ایمبولینس کے روپ میں پندرہ بیس منٹ ہم سے آگے تھی اور اس کی رفتار بھی ہم سے کہیں زیادہ تھی۔ جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ اگر لکس کے ڈرائیور کے رحم و کرم پر رہا تو میرے اور سامنے درمیان فاصلہ بتدریج بڑھتا چلا جائے گا۔ ہائی لکس جس رفتار سے ہم تک پہنچی تھی وہ اب برقرار نہیں تھی۔ وہ نہایت ہی سست رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھے اس تازے مونچھوں والے ڈرائیور پر سخت غصہ آیا۔ میں اس خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا ڈرائیونگ کیبن میں ایک طوفان امڈ آیا۔ اس سے پہلے کہ اس طوفان کا سبب سمجھ پاتا، ہائی لکس کے بریک چرچرائے گاڑی ایک جھٹکا لے کر رک گئی۔

میں اچھل کر عقبی حصے سے نیچے اترا۔ اسی وقت دھیان صدف کی طرف چلا گیا۔ وہ مجھے ایکشن میں نظر آئی اس کے ہاتھ مشینی انداز میں حرکت کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ بنا رہے تھے۔ ایک پل میں، میں نے اندازہ لگا لیا موٹے سوٹر نے صدف کے ساتھ کسی بدتمیزی کی کوشش کی ہے پھر میرے ذہن میں ڈرائیور کی وہ حریصانہ نظر چمکی جو اس صدف پر ڈال رہا تھا..... اور اب وہ اپنی اسی گندی خیازہ بھی بھگت رہا تھا۔

میں ڈرائیونگ سائیڈ کی طرف بڑھا تاکہ دروازہ کھول کر بیٹھے کٹے ڈرائیور کو باہر کھینچ سکوں لیکن اس سلسلے میں اپنے ہاتھوں کو زحمت دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی میرے وہاں پہنچتے ہی ''دھڑ'' سے دروازہ کھلا اور کھلے ہوئے دروازے سے ایک کنگ سائز فٹ بال لڑھکتا ہوا باہر گرا آن گرا۔ موٹے ڈرائیور کی کمپسی کا نظارہ بڑا خاصا دلچسپ تھا۔ اس کا تہ بند الٹ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ صدف کی اس نظارے تک پہنچتی، میں نے ڈرائیور کو اپنے بازوؤں ٹھوکروں پر رکھ دیا۔ اس کی خاطر داری بہت ضروری تھی۔

وہ اس وقت واقعی میرے قدموں میں ایک فٹ بال ہوا تھا۔ میرے وزنی بوٹ کی ہر ٹھوکر پر وہ بلبلا اٹھتا اور کر کچھ اور آگے چلا جاتا۔ پانچ دس سیکنڈ تک یہ سلسلہ جاری پھر وہ موٹا ڈرائیور چاروں خانے چت ہو کر ہانپنے لگا۔ بات یہ تھی کہ اس حالت میں تہ بند نے اس کی ستر پوشی نہیں تھی۔ میں نے تحقیر آمیز نظر سے اسے دیکھا اور ہائی لکس کی طرف بڑھ گیا۔

صدف نے ایک عقل مندی یہ کی کہ ہمارے پیچھے آئی۔ وہ اپنی کمر پر ہاتھ رکھے گاڑی کے قریب ہی کھڑی میں اس کے پاس آیا اور پوچھا ''کیا ہو گیا تھا صدف

اس نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''وجدان! تمہیں اپنی ساحل تک پہنچنا ہے اور ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، جلدی سے گاڑی میں آجاؤ، ہری اپ۔''

صدف کے اس لب ولہجے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ وہ اس وقت ایک بدلی ہوئی صدف نظر آرہی تھی جس کے انداز میں صرف اور صرف میرا ہی خیال تھا۔ وہ سرتاپا میری ہمدرد دکھائی دیتی تھی۔ میں نے ایک لفظ ادا کیے بغیر اس کی بات مان لی۔

آئندہ دس سیکنڈ کے اندر ہم نے انڈوں والی پیٹیوں کو ڈرائیونگ کیبن سے باہر پھینکا۔ صدف کی کارروائی نے بیشتر انڈوں کا کباڑا کردیا تھا۔ اس حوالے سے میں نے صدف سے کوئی سوال نہ کیا۔ یہ بات تو طے تھی کہ صدف نے جو کچھ بھی کیا اس کے لیے موٹے حریص ڈرائیور ہی نے اسے مجبور کیا ہوگا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھادیا۔ جب ہائی لکس اپنے باقاعدہ ڈرائیور کے پاس سے گزری تو اس توندیلے شخص نے اٹھ کر ہماری جانب دوڑ لگادی۔ اس کوشش میں اس کا تہ بند ایک مرتبہ پھر دغا دینے لگا۔ وہ اس فربہی پوشاک کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے بہ آواز بلند ہمیں صلواتیں سنانے لگا۔

وہ بے چارہ بھی کیا کرتا۔ ہم اس کی پہنچ سے دور نکلے جارہے تھے۔ وہ اپنی چربیلی توند کو سنبھالتا یا تہ بند کو۔ وہ بڑے مضحکہ خیز انداز میں دوڑنے کی پوری کوشش کررہا تھا لیکن بے بسی نے اس کی ہر کوشش ناکامیاب بنادی۔ اپنی ناکامیابی کے ماتم کے طور پر وہ ہمیں مغلظات میں تول رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی خرافات ہماری سماعت کی پہنچ سے بہت پیچھے رہ گئی۔ ٹویوٹا ہائی لکس نے اچھی خاصی رفتار پکڑلی تھی۔

صدف نے ایک طویل سانس خارج کی اور زہریلے لہجے میں کہا ''اس بدتمیز کی یہی سزا تھی۔''

صدف کے اس جملے نے میرے خیالات کی تصدیق کردی۔ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اس موٹے پھپھورے نے صدف کے ساتھ کیا بدتمیزی کی ہوگی۔ صدف ایک درجن انڈوں سے تہانمٹ سکتی تھی۔ میں نے سڑک پر نگاہ جمائی اور گاڑی کی رفتار کو بتدریج بڑھاتا چلا گیا۔

ٹویوٹا ہائی لکس میں بہت ہی طاقت ور انجن نصب ہوتا ہے جس کے بل بوتے پر گاڑی کو نہایت ہی تیز رفتاری سے دوڑایا جاسکتا ہے۔ اس گاڑی کی مستعدی اور فعالیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے پولیس والے خاص طور پر موبائل کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔

گاڑی کے ڈرائیونگ کیبن میں خاموشی طاری تھی۔ جلد ہی ہم نے فتح گڑھ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے درمیان حائل خاموشی کو صدف نے توڑا۔ وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولی۔

''وجدان! ہمارے درمیان اچھا خاصا فاصلہ قائم ہوچکا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم چاہے جتنی بھی رفتار بڑھالو، ایمبولینس کو نہیں پکڑ سکتے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی اور نہ ہی اس کا ایسا کوئی ارادہ نظر آرہا تھا۔ وہ طوفانی رفتار سے ہوا میں اڑی جارہی تھی۔ تم کس توقع پر اس کا تعاقب کررہے ہو؟''

میں نے صدف کی بات پر غور کیا تو اس کے الفاظ کی صداقت کو ماننا پڑا۔ تاہم میں نے اپنی وحشت کے زیر اثر جواب دیا ''میں اسی توقع پر ساحل کا تعاقب کررہا ہوں جس پر دنیا قائم ہے۔'' پھر ایک لمحے کا وقفہ دے کر میں نے مزید کہا ''میرے نزدیک توقع اور امید میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔''

صدف نے سفید ایمبولینس کے تعاقب کی بات کی تھی لیکن میں نے اسے جواب ساحل کے حوالے سے دیا تھا۔ اس وقت ساحل میری سوچ کا محیط بنی ہوئی تھی۔ میرے تمام خیالات اس کی ذات کے اندر گردش کررہے تھے۔

صدف نے بدستور ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا ''خدا کرے! وہ لوگ اسی سڑک پر سیدھے سفر کریں۔ اگر ایمبولینس راستے میں کہیں مڑ گئی تو پھر اس تک پہنچنے کے امکانات صفر کے برابر ہوجائیں گے۔''

''وہ اسی سڑک پر سفر کریں گے۔'' میں نے یقین سے کہا ''اور سیدھے نیو کیمپس کے علاقے میں پہنچیں گے۔ تم فکر کرو صدف! اگر ہم راستے میں انہیں نہ بھی پکڑ سکے تو منزل پر پہنچ کر ان کی گردن ناپ لیں گے۔''

وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی ''وجدان! یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟''

''اس لیے کہ میں جانتا ہوں، اس سفید ایمبولینس کا تعلق کسی پرائیویٹ اسپتال سے ہے۔'' میں نے فتح گڑھ اور مغل پورہ کے درمیان گاڑی دوڑاتے ہوئے کہا ''مذکورہ اسپتال نیو کیمپس کے علاقے میں واقع ہے۔''

پھر میں نے اسے ایمبولینس پر موجود مخصوص لوگو (LOGO) کے بارے میں بتایا اور یہ بھی کہ میں اس پرائیویٹ اسپتال کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میری باتوں سے خاصی متاثر ہوئی کہ میں نے چند روز کے اندر لاہور کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل کرلی تھیں۔

''اللہ کرے، وہ لوگ سیدھے اسپتال ہی جائیں۔'' صدف نے صدقِ دل سے کہا۔

میں نے دل میں اس کی نیک خواہشات پر ''آمین!'' کہا اور پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز رکھی۔ ہم مغل پورہ کے قریب پہنچ رہے تھے۔ نہر کے کنارے کنارے یہ سفر ہمیں سیدھا نیو کیمپس پہنچا دیتا۔ شہری حدود میں داخل ہونے کے بعد سڑک نہایت ہی ہموار ہوگئی تھی جس کے سبب رفتار بڑھانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہورہا تھا۔ ابھی تک اس سفید ایمبولینس کی جھلک دکھائی نہیں دی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ اس وقت نیو کیمپس میں داخل ہوچکی ہوگی یا داخل ہونے ہی والی ہوگی۔ جس نہر کے کنارے ہم محوِ سفر تھے، وہ نیو کیمپس کے علاقے کے قلب سے گزرتی تھی۔ اگر میں اسی رفتار سے ہائی لکس ہنکاتا رہتا تو زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں مذکورہ اسپتال کے گیٹ کے سامنے کھڑا ہوتا۔

صدف کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ ساحل کے بارے میں بہت محتاط روی سے کام لے رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ کے دوران میں ایک دو مرتبہ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ میری جانب متوجہ ہوگئی۔

''وجدان! تم نے کسی کبیر شاہ کا ذکر کیا تھا؟'' اس نے سرسری لہجے میں پوچھا ''اسے تم سے کیا دشمنی ہے جو وہ ساحل کو کہیں لے جارہا ہے؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''دوستی اور دشمنی پر بعد میں تفصیلی بات ہوگی۔ فی الحال اتنا جان لو کہ کبیر شاہ میرے ایک خطرناک دشمن کا دستِ راست ہے جس کا اڈا تمہارے کراچی والے بنگلے سے زیادہ دور نہیں..... اسی پارک کے پاس جس میں ایک خوب صورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔''

''جہاں پر ہماری پہلی باقاعدہ ملاقات ہوئی تھی؟'' صدف کے لہجے میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''وقت بدلتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ ان دنوں یہ کبیر شاہ اور اس کا باس شعیب ٹھگوری میرے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور میں انہی کے جانی دشمن ہیں۔''

''تم مجھے کبیر شاہ کے اڈے کے بارے میں بتاؤ۔'' وہ پُرجوش انداز میں بولی ''میں اپنے پاپا کے ذریعے اس کا بندوبست کروادوں گی۔ تم نہیں جانتے، میرے پاپا کے تعلقات کتنے اوپر تک ہیں کئی پولیس آفیسرز سے.....''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے بڑے سخت انداز میں کہا ''تم اپنے پاپا کو اس جنگ میں نہ جھونکو۔ یہ بہت ہی خطرناک کھیل ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ کھیل مجھے کس طرح کھیلنا ہے۔''

''میں اس کھیل میں تمہارے قدم بہ قدم رہنا چاہتی ہوں۔'' وہ ونڈ اسکرین کے پار سڑک کو گھورتے ہوئے بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔

میں نے اسی سختی سے کہا ''صدف! اب بھی وقت ہے۔ تم اپنا راستہ الگ کرلو۔ تم نہیں جانتی ہو..... خدا کی قسم، نہیں جانتی ہو..... میں آتش وخون کے کس کھیل کا حصہ بنا ہوا ہوں۔ میرے ساتھ رہو گی تو تمہارا سکھ چین چھن جائے گا۔ ساحل کو بھی میری وجہ ہی سے سزا مل رہی ہے۔ تم میرے دشمنوں کو شمار کرنے بیٹھو گی تو گنتی ختم ہوجائے گی۔''

''تم مجھے اتنے دشمنوں سے ڈرانے کی کوشش نہ کرو وجدان!'' اس کے لہجے میں چٹان ایسی سختی تھی ''اور جہاں تک راستہ الگ کرنے کا تعلق ہے تو اس کا وقت گزر چکا۔ میں اس راہ پر، تمہارے ساتھ اتنا آگے بڑھ چکی ہوں کہ واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور فولادی لہجے میں بولی ''تمہیں چاہے اس کا احساس ہو یا نہ ہو!''

اس کے آخری جملے نے میرے دل پر ایک زوردار گھونسا مارا۔ مجھے اپنے تن بدن میں جھنجھناہٹ سی محسوس ہوئی۔ صدف نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں بہت گہری بات کہہ دی تھی۔ میں ایسا بھی نادان بچہ نہیں تھا کہ اس کی بات کو سمجھ نہ پاتا۔ میں تو اس کے کچھ کہے بغیر بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ فرید پاشا اور منہاس باقر جیسے تجربہ کار جو پیش گوئی کرچکے تھے وہ کیونکر غلط ثابت ہوسکتی تھی۔ صدف کے انداز واطوار مجھ سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ میں نے بہت پہلے اس کے عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ اس کے جذبات قابلِ قدر تھے لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ صدف ایک اچھی اور جاں نثار ساتھی تھی جس کی خاطر میں خود کو بڑے سے بڑے خطرے میں ڈال سکتا تھا لیکن کسی بھی صورت وہ ساحل کی جگہ نہیں لے سکتی تھی۔

حقیقت پسندی بہت مشکل کام ہے اور حقیقت وہی تھی جو میں نے بیان کردی لیکن صدف سے کھل کر یہ سب کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ آنے والے حالات اسے سمجھا دیتے۔ میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے کن انکھیوں سے صدف کو دیکھا۔ وہ گہری سنجیدگی سے اپنے سامنے پھیلی ہوئی سڑک کو تک رہی تھی۔ میں اندازہ نہ کرسکا کہ وہ اس وقت کیا سوچ

رہی تھی؟ بہرحال، وہ جس قسم کے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی وہ اس کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہوں گے۔ میں گلبرگ کے نزدیک سے گزرتے ہوئے کبیر شاہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

میری چھٹی حس نے آج تک مجھے دھوکا نہیں دیا تھا۔ کبیر شاہ کو ایمبولینس میں دیکھ کر میرے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ یہی تھا کہ وہ رکھاں والی سے آرہا تھا۔ کبیر شاہ ''ساؤتھ'' کا نگران اور شعیب غوری سے بہت قریب تھا۔ لاہور کے مضافات میں شاہ جی کا پایا جانا خالی از علت نہیں ہوسکتا تھا پھر مجھے شعیب غوری کی دھمکی یاد آگئی۔ اس نے فرید پاشا کے بنگلے پر فون کرکے مجھے دھمکی دی تھی کہ عن قریب وہ مجھے بہت بڑا نقصان پہنچانے والا تھا۔ جب میں نے متروک کنویں سے برآمد ہونے والے سونے کے بارے میں اسے باور کرایا کہ میں اسے اپنا حصہ ہضم نہیں کرنے دوں گا تو شعیب نے بڑے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ اس نے میرے حصے کو استعمال کرکے میرے لیے کوئی بہت بڑی مصیبت خریدی ہے اور جلد ہی وہ مصیبت میری سامنے کھڑی ہوگی۔

شعیب غوری جیسا طاقت ور شخص کھوکھلی باتیں نہیں کرسکتا تھا۔ متروک کنویں سے برآمد ہونے والا سونا کم از کم پچیس کروڑ روپے مالیت کا تھا اور معاہدے کی رو سے میرا حصہ دس کروڑ طے ہوا تھا۔ کہیں دس کروڑ کی یہ رقم خرچ کرکے شعیب نے میرے دشمنِ اول چوہدری نوازش علی سے الحاق تو نہیں کرلیا تھا؟

اس سوال نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا کیونکہ اس سوال میں واقعاتی صداقت موجود تھی۔ عین ممکن تھا، شعیب غوری نے دس کروڑ روپے کے بجائے آدھا سونا چوہدری کے حوالے کردیا ہو اور اس کے بدلے ساحل کو حاصل کرلیا ہو.....!

میرا دماغ تپتے ہوئے تنور کا نقشہ پیش کرنے لگا۔ میری سانسوں میں ایک پھنکار سی اتر آئی۔ یہ بات صدف سے چھپی نہ رہ سکی اور وہ تشویش ناک نظر سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے دجدان۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی!''

''کچھ نہیں۔ تھوڑا ذہنی دباؤ ہے۔''

''اس دباؤ کو ذہن پر سے ہٹانے کی کوشش کرو۔'' وہ کسی اتالیق کے انداز میں بولی ''تم ایک بہت بڑا معرکہ کرنے جارہے ہو۔''

میں نے گہری ایک سانس لیتے ہوئے کہا ''مشورے کا شکریہ۔ میں کوشش کررہا ہوں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ بہرحال، ایک مرتبہ پھر شکریہ۔''

وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی ''تمہارا یہ بیگانگی کا انداز مجھے بہت دکھ پہنچا رہا ہے۔ اس طرح بار بار شکریہ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''سوری! میں آیندہ خیال رکھوں گا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وہ دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میری سوچ دوبارہ چوہدری نوازش علی اور شعیب غوری کی طرف مڑ گئی۔ یہ دونوں میری زندگی کے اہم کردار ثابت ہورہے تھے۔

چوہدری نوازش علی مدفون سونے کے لیے باؤلا ہوا جارہا تھا۔ سونے کے راز والی ڈائری حاصل کرنے کے لیے اس نے قدم قدم پر میرے لیے مشکلات کھڑی کی تھیں۔ ایک موقع پر اسے اپنی شکست واضح نظر آنے لگی۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ مجھ سے بہت خائف تھا۔ میں نے اندرون سندھ اور پھر کراچی میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اس نے اپنے نمک خواروں کو واضح احکام دے رکھے تھے کہ مجھے رکھاں والی تک پہنچنے سے پہلے پہلے ختم کردیا جائے۔ وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ اب تک بچتا چلا آیا تھا ورنہ دارا جیسے بدقماش اور بدنام زمانہ لوگوں نے بچپن ہی سے میرا جینا حرام کررکھا تھا۔ اس طویل اعصابی اور جسمانی جنگ نے چوہدری نوازش کو یہ باور کرادیا تھا کہ اگر میں اس تک پہنچ گیا تو پھر اس کی خیر نہیں ہوگی۔ اس نے مجھے ہمیشہ خود سے دور رکھ کر الجھانے کی کوشش کی تھی اور اس کی خواہش رہی تھی کہ کسی طرح سونے کے راز والی ڈائری اس تک پہنچ جائے۔

اب کھیل دلچسپ مرحلے میں داخل ہوچکا تھا۔ میں نے دوستی کا فریب کھا کر وہ ڈائری بلکہ ڈائری کے ''مفید صفحات'' شعیب غوری کے حوالے کردیئے تھے۔ ڈائری کا غیر مفید حصہ ایک ڈرامے سے گزر کر چوہدری نوازش تک پہنچا تھا جسے دیکھ کر اس نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ مجھ سے کارآمد صفحات حاصل کرنے کے لیے اس بدبخت نے ساحل کو اغوا کروالیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں ساحل کے پیچھے موضع رکھاں والی پہنچوں گا اور وہ مجھے ٹریپ کرلے گا۔

میں چوہدری کی خواہش اور اپنے مشن کے مطابق ساحل کو حاصل کرنے کے لیے رکھاں والی کی جانب رواں دواں تھا کہ سفید ایمبولینس والا واقعہ پیش آگیا۔ میری چھٹی حس بار بار مجھے آگاہ کررہی تھی کہ شعیب غوری اور چوہدری نوازش علی کے درمیان کوئی بہت بڑی ڈیل ہوئی ہے اور اب وہ دونوں مل کر میرا جینا حرام کردیں گے۔ میں نے گزشتہ دو تین ماہ میں شعیب غوری کو بھی بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہوگیا تھا۔ وہ پاکستان کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور پاکستان خصوصاً کراچی کو یہودی لابی کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور پاکستان خصوصاً کراچی کو دہشت گردی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ شعیب غوری میری صلاحیت سے آگاہ تھا اس لیے وہ ہر حال میں مجھے مردہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ میری کمزوری سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا، اگر ساحل اس کے قبضے میں آگئی تو مجھے چھاپنا بہت آسان ہوجائے گا۔ ساحل اور ساؤتھ کے حوالے سے مجھے وہ جھانسا دینے کی کوشش بھی کرچکا تھا لیکن میں اس کی چال میں نہیں آیا تھا۔

میں نے مدفون سونے کا راز منتقل کرتے ہوئے شعیب غوری کو چوہدری نوازش علی اور اپنی دشمنی کے بارے میں تفصیلاً بتادیا تھا۔ شعیب مجھے قابو کرنے کے لیے چوہدری کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا تھا اور فون پر ہونے والی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا، شعیب نے اس دوستی کی خاطر میرے حصے کا سونا یا پھر دس کروڑ روپے چوہدری کی نذر کردیئے ہوں گے۔

ان دونوں شیطانوں کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا دھیان ساحل کی طرف چلا گیا پھر سفید چادر سے ڈھکا ہوا اسٹریچر میرے تصور میں گھوم گیا۔ میرے دل کی گواہی تو یہ تھی کہ اس اسٹریچر پر ساحل کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا تھا کہ میرے دشمنوں نے کندھے سے کندھا ملا کر مجھ سے لڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا..... اور میری ساحل اب چوہدری کی کورٹ سے نکل کر شعیب کی کورٹ میں پہنچ چکی یا پہنچنے والی تھی۔

مجھے بیک وقت دو فرنٹ پر لڑنا تھا اور اس طرح لڑنا تھا کہ لڑائی کا حق ادا ہوجاتا۔ ساحل..... میری جان تمنا میرے لیے بہت اہم تھی۔ میں اسے حاصل کرنے کے لیے ہر حد سے گزر سکتا تھا، چاہے وہ میری زندگی کی حد ہی کیوں نہ ہوتی!

☆☆☆

میں نے ہائی لکس کو اسپتال کے سامنے سے گزارا اور دو سو گز کے فاصلے پر ایک سڑک کے کنارے روک دیا۔ دودھ کے ڈرمز سے لدی پھندی گاڑی کو اسپتال کے اندر لے جانا کسی بھی طور مناسب نہیں تھا۔ صدف میرے اشارے کی منتظر تھی۔ ہم دونوں ٹویوٹا ہائی لکس سے نیچے اتر آئے۔ چند لمحات کے بعد ہم مذکورہ پرائیویٹ اسپتال کے اندر تھے۔

نیو کیمپس کا علاقہ بہت صاف ستھرا اور سرسبز و شاداب ہے۔ بعض لوگ اسے جنت نظیر بھی کہتے ہیں۔ بچوں بچ بہتی ہوئی برانچ کینال نے علاقے کے حسن اور خوب صورتی میں بے پناہ اضافہ کردیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی جیسی عظیم الشان درس گاہ نیو کیمپس کی پہچان ہے۔

ہم دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے اسپتال کے احاطے میں داخل ہوگئے۔ میں نے چاروں جانب ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی اور پھر میری نظر اس پارکنگ پر رک گئی جہاں تین چار ایمبولینس گاڑیاں پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں۔ میں نے مذکورہ پارکنگ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ صدف نے میری تقلید کی۔ ہم نے اپنا اپنا بیگ کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔

میں نے پارکنگ میں پہنچ کر تمام ایمبولینس کو دو تین مرتبہ چیک کیا۔ ان سب پر اسپتال کا مخصوص لوگو بنا ہوا تھا مگر وہ ٹویوٹا ہائی ایس مجھے کہیں دکھائی نہ دی جس کی تلاش نے مجھے ہیجان میں مبتلا کررکھا تھا۔

''وہ ان میں نہیں ہے۔'' میں نے صدف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بولی ''مجھے تو تمام ایمبولینس ایک جیسی لگ رہی ہیں۔ تم نے کیسے جانا، ہماری مطلوبہ گاڑی یہاں موجود نہیں۔''

''جس سفید ایمبولینس کا تعاقب کرتے ہوئے ہم یہاں پہنچے ہیں، میں نے اسی وقت اس کا نمبر ذہن نشین کرلیا تھا۔'' میں نے اضطراری انداز میں کہا ''کیا تمہیں ون تھری سکس نائن نمبر کی کوئی ایمبولینس یہاں نظر آرہی ہے؟''

صدف نے وہاں کھڑی ایمبولینس کی نمبر پلیٹس پر نگاہ دوڑائی اور مایوسی سے نفی میں گردن ہلا دی۔

میں نے کہا ''اس کا مطلب ہے، وہ ایمبولینس ابھی تک یہاں نہیں پہنچی۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے دجدان!'' صدف نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا ''وہ تو لگ بھگ آدھا گھنٹا ہم سے آگے تھی۔''

میں نے کہا ''ممکن ہے، انہوں نے ادھر کا رخ ہی نہ کیا ہو۔ وہ لوگ کسی اور منزل کی جانب بڑھ گئے ہوں۔''

''مگر تم نے تو کہا تھا، وہ سیدھے اسپتال ہی پہنچیں گے۔'' وہ مزید الجھ گئی ''اس کے علاوہ وہ لوگ اور کہاں جاسکتے ہیں؟''

صدف بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ ساحل کو اسپتال پہنچایا جائے گا لیکن ''شعیب چوہدری'' تعلق کے بارے میں سوچنے کے بعد میرے خیال میں بہت نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ اس صورت میں ممکن نہیں تھا کہ

آتش فشاں 208 حصہ 9

وہ ایمبولینس سیدھی اسپتال آتی۔ پہلے وہ ساحل کو ان کی مطلوبہ منزل تک پہنچاتی، پھر اسپتال کا رخ کرتی۔ موجودہ صورتِ حالات اور دن تھری سکس نائن نمبر والی ایمبولینس کی غیر موجودگی بھی اسی جانب اشارہ کررہی تھی۔ یقینی طور پر اس ایمبولینس کو ''استعمال'' کیا گیا تھا۔ یہ حالات خاصے تشویش ناک تھے۔ اگر میں جلد از جلد ساحل کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہوتا تو پتا نہیں، اسے کہاں سے کہاں پہنچایا جاتا۔

میں نے صدف کی بات کے جواب میں کہا ''میں نے پہلے تم سے جو کچھ کہا تھا، وہ یہاں پہنچ کر غلط ثابت ہورہا ہے۔ میرا خیال ہے، حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔''

وہ بولی ''ہم کسی اور جگہ رک کر انتظار کرلیتے ہیں۔ کسی ایسی جگہ جہاں سے پارکنگ ایریا ہمیں دکھائی دیتا رہے لیکن ہم کسی کی نظر میں نہ آئیں۔ ممکن ہے، اگلے چند لمحوں میں ہماری مطلوبہ ایمبولینس اسپتال میں داخل ہو!''

اس کی تجویز معقول تھی لہٰذا میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے ایک ایسے گوشے میں آن کھڑا ہوا جہاں سے اسپتال کا مین گیٹ اور پارکنگ پر گہری نظر رکھی جاسکتی تھی۔ ہم لگ بھگ دوپہر ایک بجے اسپتال پہنچے تھے، مزید پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ جب برآمد نہ ہوا تو میری بے قراری آسمان کو چھونے لگی۔

میں نے صدف سے کہا ''مزید انتظار وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ساحل کو اسپتال نہیں لایا جائے گا۔ میرے خیال میں اسے کہیں اور پہنچایا جاچکا ہے۔''

''مگر کہاں؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا ''ہم ساحل تک کیسے پہنچیں۔ ہمیں کیسے معلوم ہوگا، اسے کہاں پہنچایا گیا ہے؟''

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا ''آؤ، اسپتال کے معلوماتی کاؤنٹر سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ساحل کا نہ سہی، ایمبولینس ہی کا کوئی سراغ مل جائے تو میں اس سراغ کو تھام کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤں گا۔''

ہم دونوں چلتے ہوئے ایک ایسے کاؤنٹر پر پہنچے جہاں سے ہماری مطلوبہ معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔ وہ جدید سہولیات سے لیس ایک مہنگا پرائیویٹ اسپتال تھا جہاں کا ہر شعبہ کمپیوٹر کے ذریعے آپس میں منسلک تھا۔ وہاں کی صفائی اور نظام نے مجھے خاصا متاثر کیا۔

میں نے کاؤنٹر کے پیچھے موجود خوش شکل لڑکی سے استفسار کیا ''سنیے! مجھے اپنی ایک عزیزہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے!''

''آپ کی عزیزہ کا نام کیا ہے۔'' اس لڑکی نے پوچھا ''کوئی پیشنٹ آئڈنٹیٹی ہو تو وہ بھی بتادیں۔''

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''مریضہ کا نام ساحل ہے۔ میں اس کی کسی آئڈنٹیٹی سے واقف نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں، اسے ابھی ابھی اسپتال لایا جاچکا ہے یا لایا جانے والا ہے۔''

کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا ''آپ بھی عجیب باتیں کررہے ہیں۔ خیر، میں دیکھتی ہوں، ساحل نام کی کوئی پیشنٹ ہماری اسپتال میں ایڈمٹ ہوئی ہے یا نہیں۔''

بات کرنے کے دوران میں وہ کمپیوٹر اسکرین کو بھی دیکھتی رہی اور کی بورڈ پر اس کی انگلیاں بھی حرکت میں رہیں۔ آدھے منٹ کی کوشش کے بعد اس نے اعلان فرماتے ہوئے کہا۔

''سوری سر! ساحل نام کی کوئی مریضہ ہمارے اسپتال میں داخل نہیں۔''

''ممکن ہے، ابھی اس کا ریکارڈ میں اندراج نہ ہوا ہو۔'' میں نے ایک موہوم امید کی انگلی تھامتے ہوئے کہا ''اسے اسپتال میں آئے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوا۔''

اس نے میری تشفی کے لیے فون کا ریسیور اٹھالیا اور دوسری طرف کسی سے بات کرنے لگی۔ وہ اسپتال میں آنے والے نئے مریضوں کے بارے میں دریافت کررہی تھی۔ اس گفتگو میں دو تین مرتبہ ساحل کا نام بھی آیا پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔

''آپ کی عزیزہ کہاں سے آنے والی تھی؟''

''موضع رکھاں والی۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''یہ ایک سرحدی گاؤں ہے۔ اسے آپ کی بھیجی ہوئی ایمبولینس نمبر دن تھری سکس نائن میں اسپتال لایا جانے والا تھا۔''

اس نے پھر دوسری طرف کسی سے بات کی اور ریسیور رکھنے کے بعد بولی ''سر! آپ کی مریضہ ابھی تک اس اسپتال میں نہیں پہنچی۔ میں ایمبولینس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ توفیق صاحب سے معلوم کرلیں۔''

''یہ توفیق صاحب کہاں ملیں گے؟'' میں نے استفسار کیا۔

اس نے کوریڈور کی جانب اشارہ کیا اور توفیق نامی اس شخص کے دفتر کی لوکیشن بتادی۔ ہم دونوں فوراً سے پیشتر توفیق کے پاس پہنچ گئے۔ اس کا تعلق اسپتال کی انتظامیہ سے تھا۔

اس دوران میں، میں نے اپنے ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل تیار کرلیا تھا۔ میں توفیق سے ساحل کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا بلکہ مطلوبہ ایمبولینس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا۔ ایک بات کا مجھے یقین ہوچلا تھا کہ ساحل کو اس اسپتال میں لایا گیا تھا اور نہ ہی لایا جانے والا تھا پھر میں اس کا ذکر چھیڑ کر خواہ مخواہ خود کو کیوں مشکوک کرتا۔ اگر مجھے مطلوبہ ایمبولینس کے بارے میں معلومات حاصل ہوجاتیں تو میں ساحل تک پہنچنے کی کوشش کرسکتا تھا۔

توفیق سے مختصر گفتگو کے بعد پتا چلا کہ ہماری مطلوبہ ایمبولینس صبح سے گئی ہوئی ہے اور ابھی تھوڑی دیر میں واپس آنے والی ہے پھر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ''کریم کو اب تک آجانا چاہیے۔''

عبدالکریم اس ایمبولینس کے ڈرائیور کا نام تھا۔ میں نے پوچھا ''ایمبولینس صبح سے کہاں گئی ہوئی ہے؟''

توفیق کے انکشاف نے میرے دل کی دھڑکن کو حد درجہ بڑھادیا تھا۔ وہ جواب میں بتانے لگا ''ایک ڈیڈ باڈی کو احمد نگر پہنچانا تھا۔ چوہدری نظام دین پچھلے ایک ہفتے سے ہمارے اسپتال میں داخل تھے۔ گزشتہ رات ان کا انتقال ہوگیا۔ انہی کی میت کو احمد نگر پہنچانے کے لیے کریم ایمبولینس لے کر گیا ہے۔ میرا خیال ہے، وہ اب آنے ہی والا ہوگا۔''

میں نے توفیق سے یہی بہانہ کیا تھا کہ میں ایمبولینس کے ڈرائیور سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے وہ مجھے تسلی دے رہا تھا کہ کریم اسپتال پہنچنے ہی والا ہے۔ میں نے توفیق سے مزید کوئی بات نہ کی اور ہم اس کے کمرے سے نکل آئے۔ میں نے توفیق سے عبدالکریم کی رہائش گاہ کا پتا معلوم کرلیا تھا۔

توفیق کے انکشاف نے مجھے بہت دور تک سوچنے پر مجبور کردیا۔ احمد نگر رکھاں والی کے شمال میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ میں چوہدری نظام دین کے نام سے بھی واقف تھا اس کی زمینیں چوہدری نوازش علی کی زمینوں سے ملی ہوئی تھیں۔ جب میں شعیب غوری کے ساتھ، متروک کنویں والے سونے کو بازیاب کرنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا تو چوہدری نظام دین کی اراضی بھی زیرِ بحث آئی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ اس کی زمین استعمال کرکے ہم کنویں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کریں لیکن کنویں اور چوہدری نظام دین کی زمین میں ڈیڑھ میل کا فاصلہ حائل تھا اس لیے شعیب نے نظام دین کے نام پر کراس لگانے کے بعد رام داس کی زمین کا انتخاب کیا تھا۔ رام داس کی زمین سرحد کی دوسری طرف واقع تھی جہاں سے متروک کنواں چند گز کے فاصلے پر تھا پھر یہ کہ رام داس اور چوہدری نوازش علی میں دشمنی بھی چل رہی تھی، چنانچہ ازاں بعد یہودی انسل برطانوی بزنس مین مسٹر نیل آرمر نے رام داس اور اس کی زمین کو استعمال کرکے برسوں سے دفن متروک کنویں کا راز پالیا تھا۔

توفیق کے انکشاف کے بعد یہ تمام باتیں میرے دماغ میں چکرا رہی تھیں۔ اگر وہ ایمبولینس چوہدری نظام دین کی ڈیڈ باڈی کو احمد نگر چھوڑنے گئی تھی تو پھر کبیر شاہ کے ہتھے کیسے چڑھ گئی، ساحل تو رکھاں والی میں چوہدری نوازش کی قید میں تھی، وہ ایمبولینس میں کس طرح پہنچی؟ یہ اور اسی نوعیت کے دیگر درجنوں سوالات کے جواب صرف اور صرف ایمبولینس کا ڈرائیور عبدالکریم ہی دے سکتا تھا۔ اگر وہ میرے ہتھے چڑھ جاتا تو میں اس کی زبان کھلوالیتا پھر ساحل تک پہنچنا میرے لیے چنداں مشکل نہیں تھا۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ صدف کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''وجدان! آئندہ کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا ہم اسپتال میں رک کر عبدالکریم کا انتظار کریں یا کسی اور طرف چلنا ہے؟''

میں نے کہا ''میں مزید آدھا گھنٹا انتظار کروں گا اس کے بعد کوئی اور قدم اٹھاؤں گا۔''

ہم چلتے ہوئے اسی مقام پر آگئے جہاں سے گیٹ اور پارکنگ کی نگرانی کی تھی۔ صدف نے کہا ''اگر ہم پروگرام کے مطابق سفر کرتے رہتے تو اس وقت سید پور میں فرید انکل کے پاس ہوتے لیکن تازہ ترین صورتِ حالات میں مجھے نہیں لگتا کہ آئندہ چند روز تک ہم سید پور کا رخ کرسکیں۔ تم کم از کم ایک فون کرکے انکل کو اس واقعے کی اطلاع تو دے دو۔''

میں نے ستائشی نظر سے صدف کو دیکھا اور کہا ''تم یہیں رک کر نگرانی جاری رکھو۔ میں ادھر فون کی طرف جاتا ہوں۔ ابھی واپس آجاؤں گا۔''

اسپتال میں آنے والوں کی سہولت کے لیے کئی مقامات پر پبلک کال کاؤنٹر بنے ہوئے تھے۔ میں ایسے ہی ایک کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے سید پور میں فون ملوایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فرید پاشا لائن پر آگیا۔

''یار وجدان! تم کہاں غائب ہو؟'' میری آواز سنتے ہی وہ جلدی سے بولا۔

میں نے کہا ''میں اس وقت نیو کیمپس لاہور کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں کھڑا ہوں۔'' پھر میں نے اسپتال کا نام بھی بتادیا۔

''تم وہاں کیا کررہے ہو؟'' اس کی آواز میں تشویش در

آئی ''خیریت تو ہے نا!''

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں فرید پاشا کو بتایا کہ میں مذکورہ اسپتال میں کیا کر رہا ہوں اور یہ کہ خیریت بالکل نہیں ہے۔

وہ گمبھیر آواز میں بولا ''وجدان! تم نے جو حالات بتائے ہیں ان کی روشنی میں، میں کہہ سکتا ہوں، ساحل کو اسپتال میں نہیں لایا جائے گا۔ مجھے تو یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہو رہا ہے۔ تم وہاں وقت ضائع نہ کرو۔''

''پھر کیا کروں؟'' بے ساختہ میری زبان سے پھسل گیا۔ ان الفاظ میں اچھی خاصی کڑواہٹ تھی۔

وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا ''تم اس وقت بہت زیادہ پریشان ہو۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلی فرصت میں اس ایمبولینس یا اس کے ڈرائیور کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تمہاری یہ کوشش کامیاب ہوگئی تو ساحل تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔''

''میں اسی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔'' میں نے کہا۔

فرید پاشا نے بتایا ''چوہدری نظام دین کی موت کی خبر سید پور پہنچ چکی ہے۔ کیسی اتفاق کی بات ہے کہ آج اباجی کی تدفین بھی ہے اور چوہدری نظام دین کی بھی۔ وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے۔'' بات کے اختتام پر اس کی آواز بھرا گئی۔

''مجھے افسوس ہے پاشا کہ میں تمہارے والد کے جنازے میں شرکت نہیں کر سکوں گا۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''ساحل کا معاملہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔''

''میں تمہاری مجبوری کو سمجھ رہا ہوں۔'' وہ برا منائے بغیر بولا ''اس لیے تمہیں پریشان یا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم فکر نہ کرو، ان نازک ترین حالات میں بھی میں تمہارے کام آنے کی کوشش کروں گا۔''

''تم مجھے نادم کر رہے ہو فرید۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم پر جو گزر چکی ہے، مجھے اس کا احساس ہے۔''

فرید پاشا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ تاہم اس قہقہے میں وہ مخصوص ترنگ موجود نہیں تھی جو پاشا کا خاصا تھی بہر حال، اس کی زندہ دلی کسی چیلنج کی محتاج نہیں تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کن آہنی اعصاب کا مالک ہے۔ قہقہے کے اختتام پر اس نے کہا۔

''وجدان! مجھ پر تو گزر چکی جو گزرنا تھی لیکن تم پر گزر رہی ہے اس لیے میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ پاشا ہر حال میں دوستی نبھانا جانتا ہے۔'' اس کی آواز جذبات سے لبریز تھی۔

چند لمحات کے توقف کے بعد اس نے کہا ''اباجی کی تدفین عصر اور مغرب کے درمیان ہوگی۔ تم ایک گھنٹے بعد مجھے فون کرو میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ''رکھاں والی'' میں کہاں پوزیشن ہے۔ اگر ساحل وہاں سے رخصت ہو چکی ہے تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔ میں نے رکھاں والی میں موجود اپنے آدمیوں کو خاصا نائٹ کر رکھا ہے۔ میں ابھی ان سے رپورٹ لیتا ہوں۔''

باوجود کوشش کے بھی میں پاشا سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ خود کو اس بکھیڑے میں نہ ڈالے اور پوری توجہ سے اپنے معاملات نمٹائے۔ انسان بنیادی طور پر بہت ہی خود غرض واقع ہوا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ فرید پاشا خود ایک بہت بڑے امتحان میں مبتلا تھا لیکن مجھے اپنی پتا کی پڑی تھی۔ ساحل کے معاملے میں، میں بے اختیار سا ہو کر رہ گیا تھا، اس کے سوا مجھے کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا..... اور اب تو وہ بھی کئی دنوں سے دکھائی نہیں دی تھی، صرف اس کی یاد زندگی کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ میں نے ایک گھنٹے بعد پاشا کو فون کرنے کا وعدہ کر لیا۔

اس نے پوچھا ''گلبرگ اور فاضلیہ کالونی والی کوٹھیوں کا کیا حال ہے؟''

میں نے اس کی پریشانیوں کو بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور کہا ''تم ادھر سے بے فکر رہو، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔''

حالانکہ بہت کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں تھا۔ پاشا کے چلے آنے کے بعد وہاں جو حالات پیش آئے تھے وہ خاصے سنگین اور غیر معمولی تھے۔ اگر میں اس تفصیل میں پڑ جاتا تو پاشا کی ذہنی الجھن میں اضافہ ہی ہوتا۔ ساحل والا معاملہ تو پیچ میں آ گیا تھا۔ میں تو صرف اسے اپنے سید پور نہ پہنچنے کی وجہ بتانا چاہتا تھا۔

مزید چند باتوں کے بعد میں نے فون بند کر دیا اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے صدف کے پاس آ گیا۔ ہماری مطلوبہ ایمبولینس ابھی تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ مجھ پر قیامت بن کر ٹوٹ رہا تھا۔ اب اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ ساحل کو نہایت ہی صفائی کے ساتھ کہیں ادھر ادھر کر دیا گیا تھا۔

صدف نے خیال آرائی کرتے ہوئے کہا ''کہیں ایسا تو نہیں کہ ایمبولینس کا ڈرائیور عبدالکریم تمہارے دشمنوں سے ساتھ مل گیا ہو اور انہیں ان کے حسبِ منشا کہیں پہنچانے چلا ہو!''

''اس بات کے امکانات کم از کم ہیں۔'' میں نے

کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''اگر ڈرائیور اپنی مرضی پاشا کا ساتھ دے رہا ہوتا تو اب تک اسے اسپتال میں شاہ کے میں گیٹ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''جب تک وہ والی کے حالات سے باخبر ہو جائے گا۔''

میں صدف کو بتا چکا تھا کہ ساحل میرے ایک دشمن دیرینہ نوازش علی کی قید میں تھی جو رکھاں والی کا بے تاج ہے۔ اسی حوالے سے اس نے سوال کیا ''کیا رکھاں سید پور سے نزدیک ہی ہے؟''

''دونوں گاؤں میں پانچ کلومیٹر کا فاصلہ حائل ہے۔'' نے بدستور گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نگاہ سے مجھے تکتی رہی پھر ہوئے لہجے میں بولی ''تو اس کا مطلب یہ ہوا، تم سید پور نہیں بلکہ رکھاں والی جانے والے تھے۔ وہ تو کے والد کی ڈیتھ بیچ میں آ گئی ورنہ تمہارا پروگرام ہی تھا۔''

اور زود فہم لڑکی میری کمزوری کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ کے خیال کی انگلیوں نے میری دکھتی ہوئی رگ سے چھیڑ تو میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے صدف۔ میں سید پور ڈیرہ ''رکھاں والی'' کے معاملات کو دیکھنا چاہتا تھا۔ فرید سلسلے میں میری بھرپور مدد کرنے والا تھا۔'' ایک لمحے کا کرنے کے بعد میں نے مزید بتایا ''میں کراچی سے یہی سے کرلا ہور پہنچا تھا اور آگے سید پور جانے والا تھا۔''

وہ اثبات میں اس طرح سر ہلانے لگی جیسے میری باتوں کی تہ تک پہنچ رہی ہو پھر اس سے قبل کہ وہ کوئی بات کرتی یا مجھ سے کوئی اور سوال پوچھتی، مجھے چونکنا پڑا۔ میں مسلسل اسپتال کے مین گیٹ کو دیکھ رہا تھا اور میرے چونکنے کا سبب یہ تھا کہ وہاں سے ایک سفید ٹویوٹا ہائی ایس اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہی ایمبولینس جس کا نمبر ون تھری سکس نائن تھا اور جو میری ساحل کو رکھاں والی سے لے کر لاہور پہنچی تھی۔

صدف نے میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو نوٹ کر لیا اور میری نگاہ کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی نظر بھی ایمبولینس تک جا پہنچی۔ ایمبولینس گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد آہستہ روی سے پارکنگ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس میں سوائے ڈرائیور کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ میرے مطلوبہ افراد کو وہ کسی خاص مقام پر پہنچا آیا تھا۔

صدف نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ''وجدان! یہ تو وہی ایمبولینس ہے!''

''ہاں، بالکل وہی ہے۔'' میں نے خواب ناک لہجے میں کہا ''تم عبدالکریم کے پیچھے لگ جاؤ۔ تھوڑا فاصلہ رکھ کر میں بھی آ رہا ہوں۔ اسپتال کے اندر کسی قسم کی جارحانہ کارروائی مناسب نہیں ہوگی۔ ہم اسے کسی طرح گھیر کر باہر لے چلتے ہیں پھر اس کی زبان کھلوا لیں گے۔''

صدف نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ ہم یکے بعد دیگرے اس کے تعاقب میں لگ گئے، ٹھیک دس منٹ بعد وہ ہمارے ساتھ اسپتال سے باہر آ رہا تھا۔ توفیق کی زبانی مجھے عبدالکریم کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ میں ان سے کام چلا کر مزید بہت کچھ اگلوا سکتا تھا۔ وہ راولپنڈی کے علاقے ڈھوک کھبا کا رہنے والا تھا اور لاہور میں کوٹ لکھپت میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے تھے۔ وہ عموماً یہاں اکیلا ہی رہتا تھا، اس کی بیوی بچے ڈھوک کھبا (راولپنڈی) میں رہتے تھے لیکن سال میں ایک دو ماہ کے لیے وہ انہیں اپنے پاس لاہور بلا لیتا تھا۔ اسی طرح ایک آدھ مرتبہ وہ آٹھ دس دن کے لیے راولپنڈی چلا جاتا۔ ان دنوں عبدالکریم کی فیملی لاہور، کوٹ لکھپت آئی ہوئی تھی جہاں وہ کرائے کے کوارٹر میں رہتا تھا۔ توفیق نے مجھے اس کے کوارٹر کا ایڈریس سمجھا دیا تھا۔

میں نے عبدالکریم کو ہائی ایس کی جانب لاتے ہوئے کہا ''راولپنڈی سے تمہارے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں جو ہمارے گھر میں ٹھہرے ہیں۔ تم انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ۔''

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولا ''کیا

تھوڑی دیر پہلے آپ ہی اسپتال میں مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا ہے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔''

''تمہیں بالکل صحیح بتایا گیا ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا ''اب تم فوراً ہمارے ساتھ چلو۔''

''کیا آپ لوگ مجھے اپنے گھر لے کر جاؤ گے؟''

''اور کہاں لے کر جائیں۔'' صدف نے کہا ''جہاں تمہارے مہمان انتظار کر رہے ہیں تمہیں وہیں جانا ہوگا۔''

اس نے ایک لمحے کے لیے شک آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔ اگر میرے ساتھ صدف نہ ہوتی تو شاید وہ میری بات پر اعتبار نہ کرتا لیکن صدف کی موجودگی میں وہ زیادہ پس و پیش نہ کر سکا، صرف اتنا پوچھا ''میں تو آپ لوگوں کو نہیں جانتا۔ میرے مہمان آپ کے گھر میں کیسے پہنچ گئے؟''

''وہ ہمارے گھر میں خود نہیں پہنچے بلکہ ہم ازراہِ ہمدردی انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔'' میں نے اسے چکر دیا ''وہ پہلی مرتبہ لاہور آئے ہیں۔ تمہارا پتا ڈھونڈتے پھر رہے تھے، ہم سے ملاقات ہوگئی۔ ہمیں ایک مریض کو دیکھنے اس طرف آنا تھا۔ سوچا، جاتے ہوئے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ہم کافی دیر سے ادھر تمہارا انتظار کر رہے تھے۔''

وہ میری باتوں میں آ گیا اور ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔ میں نے اس کی مزید تسلی کے لیے کہا ''تم راولپنڈی میں، ڈھوک کھبا کے علاقے میں رہتے ہو نا، وہ ادھر ہی سے آئے ہیں۔''

توفیق سے حاصل شدہ معلومات نے کام دکھایا اور وہ مطمئن ہو کر ہمارے ساتھ ٹویوٹا ہائی لکس میں بیٹھ گیا۔ میں فی الحال اس گاڑی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ہائی لکس کیمپس کے علاقے سے نکلنے لگی تو صدف نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں سمجھ گیا، وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے، وہ آیندہ منزل کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی الجھن دور کرنے کے لیے عبدالکریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''فاضلیہ کالونی یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ ہم تمہیں بہت جلد فارغ کر دیں گے۔''

صدف کے ہونٹوں سے ایک اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ عبدالکریم سے پوچھ تاچھ کے لیے پاشا کی اس کوٹھی سے زیادہ موزوں اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کوٹھی پچھلے کچھ عرصے سے خالی پڑی تھی لیکن میری لاہور میں آمد کے ساتھ ہی جیسے خدا نے اس کی سن لی تھی۔ اب صبح شام وہاں اچھی خاصی ''رونق'' رہنے لگی تھی۔ وہ کوٹھی میرے لیے ایک تفتیشی سیل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ عبدالکریم بھی جو راہ کے لیے چند لمحوں بعد وہیں پہنچنے والا تھا۔

میں نے فیروز پور روڈ پر آنے کے بعد گاڑی کی اچانک بڑھا دی۔ ہمارے درمیان گاہے بہ گاہے نظروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ ہمارے سے مراد میرے اور کے درمیان۔ عبدالکریم خاموش بیٹھا کسی گہری سوچ تھا۔ وہ ہمارے ساتھ تو چلا آیا تھا لیکن گاڑی میں بیٹھنے وہ کسی الجھن کا شکار نظر آنے لگا تھا جیسے وہ یہ فیصلہ نہ کہ اس نے ہمارے ساتھ آ کر اچھا کیا تھا یا اس سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی تھی۔

خاموشی کے طویل وقفے کے دوران میں اس نے مرتبہ مجھ سے پوچھا ''میں اسپتال سے صرف ایک گھنٹے لے کر آیا ہوں۔ مجھے تین بجے سے پہلے واپس ڈیوٹی ہوگا۔ مجھے امید ہے، آپ لوگ ہمیں اپنے گھر میں کوشش نہیں کریں گے۔''

''تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو۔'' میں نے تمہاری مجبوری ہے تو ہم تمہیں کیوں روکیں۔ تمہیں کرنا ہے۔ ٹھیک دس منٹ بعد ہم اپنے گھر میں ہوں گے میرے اطمینان دلانے سے اس کے چہرے آثار نمودار ہوئے اور اس نے ہمت کر کے پوچھا لوگ دودھ کا کاروبار کرتے ہیں؟''

ہماری شخصیت، لباس اور حلیہ کسی بھی طور دودھ کا کرنے والوں جیسا نہیں تھا اس لیے عبدالکریم کا تھا۔ دودھ کے ڈرمز سے لدی پھندی ٹویوٹا ہائی لکس ہم کہیں بھی فٹ نہیں ہوتے تھے۔ جو اس سیٹ اپ تھا، اسے ہم کہیں اور پھینک آئے تھے۔

میں نے عبدالکریم کے استفسار کے جاب سے کہا ''ہم مختلف قسم کے کاروبار کرتے ہیں۔ فارم ہے۔ دودھ، دہی، مکھن اور کریم ..... کرتے ہیں حتیٰ کہ ہمارے پاس ایسی ایسی مشینیں کریم کی کریم بھی نکال سکتے ہیں۔''

''کریم کی کریم؟'' اس نے چونک کر سوالیہ نظر دیکھا۔

''ہاں!'' میں نے سفاکی سے کہا ''کریم اور..... نہایت ہی عمدہ کریم۔''

عبدالکریم متوحش انداز میں مجھے تکنے لگا میں چھپی سنگینی کو شاید اس نے محسوس کر لیا تھا میں بولا ''مگر آپ لوگوں کو دیکھ کر لگتا تو نہیں کہ

چلنے ہوں گے!''

''تمہیں دیکھ کر تمہیں کیا اندازہ ہوا ہے؟'' میں نے آواز میں پوچھا۔

وہ گڑبڑا گیا ''مم..... میرا مطلب ہے، آپ تو پڑھے اور بوٹاپ نظر آتے ہیں۔ دودھ کا کاروبار تو.....''

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا ''عبدالکریم! کیا پڑھے اور صاف ستھرے نظر آنے والے لوگ دودھ کا کاروبار کر سکتے؟'' وہ ندامت آمیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا، میں دیکھا ''ویسے تم اتنا جان لو کہ ہم ڈیری فارم کے مالک بیٹھے ہیں۔ کام ہمارے درجنوں ملازم کرتے ہیں۔ اور بعد تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔''

''مت..... تو کیا آپ لوگ مجھے اپنے ڈیری فارم پر لے رہے ہو؟''

میں نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے اثبات میں ہلا دی۔

وہ اور زیادہ الجھ گیا اور سٹپٹائے ہوئے لہجے میں بولا ''مگر میں تو آپ نے بتایا تھا کہ میرے مہمان آپ کے گھر رہے ہوئے ہیں؟''

''میں نے تمہیں غلط نہیں بتایا تھا۔'' میں نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا ''دراصل ہمارا ڈیری فارم گھر کے ساتھ ہی پڑتا ہے۔ مجھے پانچ منٹ کا ایک ضروری کام ہے لیے ڈیری فارم کو پنچ کرتے ہوئے گھر کی طرف جائیں

میری اس مبہم وضاحت سے وہ مزید الجھ گیا۔ اس کی میں خوف کی آمیزش تھی۔ ایک لمحہ خاموش رہنے کے اس نے اپنی پیشانی کو مسلتے ہوئے کہا ''آپ نے اپنا نام کیا تھا.....؟''

اس کا یہ سوال ذہنی انتشار کا غماز تھا کیونکہ میں نے ابھی اسے اپنے نام وغیرہ نہیں بتائے تھے۔ اس کی پریشانی کا اٹھاتے ہوئے میں نے کہا۔

''عبدالکریم! لگتا ہے، تمہاری یادداشت خاصی کمزور چند لمحے پہلے بتائے ہوئے ہمارے نام بھی تم بھول اس دوران میں صدف بالکل خاموش رہی۔ وہ اندازے کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ میں نے عبدالکریم سے کہا ہاں کوئی بات نہیں۔ انسان خلافِ معمول کوئی بہت بڑا انجام دے کر فارغ ہوا ہو تو اس کے انداز میں بے جاتی ہے..... اور بے پروائی کا سب سے زیادہ اثر پڑتی ہوتا ہے۔''

وہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا ''خلافِ معمول کوئی بڑا کارنامہ؟'' اس کی زبان سے صرف اتنا ادا ہوا۔

میں نے کہا ''تم نے آج صبح ہی صبح بہت طویل سفر کیا ہے۔ تیز رفتاری سے کچے پکے راستے پر ایمبولینس دوڑانا کوئی عام یا آسان کام تو نہیں۔''

اس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں سراسیمگی اتر آئی، خوف میں ڈوبی ہوئی آواز میں اس نے کہا ''آپ..... وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں۔ م..... میں نے آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر سخت غلطی کی ہے۔''

''اب تو یہ غلطی ہو چکی عبدالکریم۔'' میں نے پھنکار سے مشابہ آواز میں کہا پھر اس کا خوف دور کرنے کی غرض سے معتدل انداز میں کہا ''تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ ہم وہی ہیں جو تمہیں بتایا تھا۔ تم نے ہمارے نام بھولنے کی غلطی کی ہے۔ چلو کوئی بات نہیں، میں دوبارہ بتا دیتا ہوں۔'' میں نے فیروز پور روڈ کو الوداع کہتے ہوئے شاہ جمال روڈ پر گاڑی موڑ لی پھر عبدالکریم سے کہا ''میرا نام وجیہ ہے اور یہ میری بزنس پارٹنر صدف ہے۔'' میں نے صدف کی جانب اشارہ بھی کر دیا ''اور یہ تو تمہیں یاد ہے نا، ہمارا دودھ کا بزنس ہے..... یعنی ڈیری فارم!''

میری اس طنز آمیز وضاحت سے اس کی الجھن میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، اس نے متذبذب انداز میں پوچھا ''لیکن آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں نے آج ایک طویل سفر طے کیا ہے؟''

''تمہاری صرف یادداشت ہی کمزور نہیں بلکہ تم احمق بھی ہو۔'' میں نے سخت انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''تم ایمبولینس ڈرائیو کرتے ہو۔ اسپتال سے مجھے تمہارے بارے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ تم آج صبح ایک ڈیڈ باڈی احمد نگر چھوڑنے گئے ہو۔ احمد نگر دور دراز کا ایک گاؤں ہے۔ کیا میں ان معلومات کی روشنی میں یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ تم نے طویل اور پُرمشقت سفر کیا ہے!''

''اوہ!'' اس نے اطمینان بخش سانس خارج کی ''میں کچھ اور سمجھا تھا!''

آخری الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ خاصا ریلیکس دکھائی دینے لگا۔ میں ''میں کچھ اور سمجھا تھا'' کا مفہوم اور تشریح جانتا تھا۔ وہ یہ جان کر مطمئن ہو گیا تھا کہ اس کے واپسی کے سفر کی تفصیلات سے میں آگاہ نہیں تھا۔ چوہدری نظام دین کی ڈیڈ باڈی کو اسپتال سے احمد نگر پہنچانا ایک نصابی کارروائی تھی لیکن ساحل کور کھاں والی سے لے کر آنا اور کسی خفیہ مقام تک پہنچانا

سراسر غیر نصابی سرگرمی تھی۔ عبدالکریم کی دانست میں، میں اس کے کچے چٹھے سے ناواقف تھا۔ میں نے اسے اسی خوش فہمی میں رہنے دیا اور پوچھا۔

''ڈھوک کھٹا میں تم کہاں کے رہنے والے یعنی تمہارا گھر کس طرف ہے؟''

اس نے جواب دیا ''کیفے نثار کے نزدیک۔''

''آج کل تمہارے بیوی بچے یہیں آئے ہوئے ہیں!''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے کہا ''تم اُدھر کوٹ لکھپت میں کرایے کے کوارٹر میں رہتے ہو؟''

اس کی حیرت سوا ہوگئی ''آپ..... تو میرے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔''

''تمہارے مہمانوں نے چند باتیں بتائی ہیں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''وہ تمہارے سسرالی رشتے دار ہیں۔ شاید تمہاری بیوی انہیں جانتی ہو۔ وہ بتا رہے تھے، تم سے پہلے کبھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ تم ان سے مل کر حیران رہ جاؤ گے۔''

''ابھی تو میں آپ سے مل کر حیران ہوں۔'' وہ بے ساختہ بولا۔

میں نے فرید پاشا کی کوٹھی کے سامنے پہنچ کر ہائی لکس روک دی۔ کوٹھی کے بند گیٹ کو دیکھ کر عبدالکریم کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر الجھن تیر گئی اور جب کسی ملازم نے آ کر گیٹ کو نہیں کھولا بلکہ یہ کام میں نے انجام دیا تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''وجیہ صاحب! کیا آپ کا ڈیری فارم یہی ہے؟''

تھوڑی دیر پہلے اس کا جو خوف قدرے زائل ہوگیا تھا اس میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ میں نے ہائی لکس کو کوٹھی کے اندر پہنچایا پھر گیٹ کو بند کرنے کے بعد عبدالکریم کے سوال کا جواب دیا۔

''ہاں، یہ ہمارے ڈیری فارم کا ایک حصہ ہے۔ کیا تمہیں پسند نہیں آیا؟''

''یہ بات نہیں جناب۔'' وہ کوٹھی کے اندر چاروں جانب نگاہ دوڑانے کے بعد متعجب انداز میں بولا ''یہاں تو خاموشی اور سناٹا ہے۔ کوئی بھی ورکر نظر نہیں آ رہا۔ یہ کس قسم کا ڈیری فارم ہے، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم اپنے ذہن پر زیادہ زور ڈالنے کی کوشش نہ کرو۔'' صدف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''ابھی اس نے بہت مفید معلومات اُگلنا ہیں۔ وجیہ نے تم سے جھوٹ بولا۔ یہ کوٹھی ہمارے ڈیری فارم کا ایک حصہ ہے۔ یہاں صرف کریم نکالنے والی دو مشینیں نصب ہیں۔ ہم تمہیں دکھائیں گے، ہم نے پچھلے دو دنوں میں کتنی کریم نکالی ہے سارا مال ایک تہ خانے میں رکھا ہے، سنبھال کر۔''

میں نے کوٹھی کے ہال نما کمرے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا ''صدف! تم اس بے چارے کو آدھی بات کیوں بتا رہی ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتی کہ یہ دو مشینیں کریم کی بجائے نکالتی ہیں۔''

عبدالکریم ٹھٹک کر رک گیا پھر خوف زدہ لہجے میں ''آپ لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میں نے آپ کی بات کا یقین کر کے سخت غلطی کی ہے۔ یہ کوئی ڈیری فارم ہے اور نہ ہی یہاں پر میرے مہمان موجود ہیں۔ آپ لوگ بہت معنی خیز اور خوفناک باتیں کر رہے ہو۔ مجھے جانے دو۔''

اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اس کے شانے پر ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا اور سفاکی سے کہا ''جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو ہی گیا ہے تو پھر اس غلطی کی سزا بھی ضرور ملے گی۔ جیسے ہم نے تم سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کی۔ تمہارے مہمان ڈیری فارم پر نہیں بلکہ ہمارے گھر پر موجود ہیں۔ ایک ضروری کام سے نمٹنے کے بعد ہم گھر کی طرف جائیں گے اگر تم امتحان میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں اپنے ساتھ گھر لے جائیں گے۔''

اس کے چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کا یقین ہوگیا تھا۔ میری بات کے اختتام پر اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''تت..... تم لوگ..... میرا کیسا..... امتحان لو گے؟''

میں اسے دھکیلتے ہوئے ہال نما کمرے میں لے آیا۔ وہی وسیع و عریض کمرا تھا جہاں دو روز قبل میں نے مقامی آدمیوں کی ٹھکائی کی تھی۔ فیض احمد اور گینڈا نما گارڈ بھی وقت خفیہ تہ خانے میں موجود تھے۔ مذکورہ تہ خانے کا راستہ بھی اسی ہال کی ایک دیوار میں تھا۔

میں نے عبدالکریم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا ''امتحان بہت سادہ اور آسان ہے۔ ہم دونوں کریم نکالنے والی مشینیں ہیں اور تم ہو کریم۔ ہم کریم کی سرکار چاہتے ہیں۔ اگر تم نے تعاون کیا تو نبھا دو گے جہاں تمہارے جیسے چند افراد آرام فرما رہے ہیں۔''

''تم لوگ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟'' وہ بولا۔

میں نے سنگین لہجے میں پوچھا ''ساحل کو تم نے کہاں پہنچایا ہے؟''

''ساحل.....!'' وہ ہونقوں کی طرح میرا چہرہ تکنے لگا۔

میں نے ایک زناٹے دار چانٹے سے اس کا گال سُلگا دیا پھر کہا ''میں اس ساحل نامی لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جسے تم اپنی ایمبولینس میں رکھاں والی سے لے کر آئے ہو۔ وہ گاڑی میں اسٹریچر پر ایک سفید چادر کے نیچے لیٹی تھی۔ بتاؤ، تم نے میری ساحل کو کہاں پہنچایا ہے؟''

اس کے چہرے پر موت کی زردی کھنڈ گئی۔ اسے یقین ہوگیا کہ ہم اسے آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔ تاہم اس نے ہمیں چکر دینے کی کمزور سی کوشش کی۔

''آپ میری بات کا اعتبار کریں۔ میں کسی ساحل کو نہیں جانتا۔'' اس کا لہجہ کھوکھلا اور الفاظ اعتبار سے خالی تھے ''شاید آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی.....''

میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کے سینے پر ایک زوردار فرنٹ پش کک رسید کی۔ وہ چھ فٹ پیچھے، پشت کے بل زمین بوس ہوگیا۔ میں اچھل کر اس کے قریب پہنچا اور اس کے سینے پر پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔

''تم اس فیلڈ کے نہیں ہو اس لیے بہتر ہے، راہِ راست پر آ جاؤ۔'' میں نے غراہٹ آمیز آواز میں کہا ''خوامخواہ مجھ سے ہاتھ پاؤں نہ تڑواؤ۔ اپنے بیوی بچوں ہی کا کچھ خیال کرو۔ اگر تم زندہ نہ رہے یا اپاہجوں کی طرح زندگی گزارنے کے قابل بنا دیے گئے تو کیا کرو گے۔ تمہاری بیوی اور بچے کہاں کہاں بھیک مانگتے پھریں گے۔'' میں نے ایک لمحے کا توقف کیا پھر تنبیہی انداز میں کہا ''یہ بات ذہن سے نکال دو کہ مجھے کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ سید پور اور فتح گڑھ کے درمیان تمہاری ایمبولینس میرے نزدیک سے گزری تھی۔ اگر میری گاڑی میں خرابی پیدا نہ ہوگئی ہوتی تو میں تمہیں فتح گڑھ کے قریب ہی گھیر لیتا۔ تمہارے ساتھ پسنجر سیٹ پر کبیر شاہ بیٹھا تھا اور دو افراد ہائی ایس کے پچھلے حصے میں تھے۔ کیا تمہیں یقین آیا؟''

وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے سینے پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھاتے ہوئے مزید کہا ''تم جانتے ہو، میں تمہارے بارے میں کتنی گہری معلومات رکھتا ہوں۔ ہمارے دو مسلح ساتھی اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہیں جنہوں نے تمہاری بیوی بچوں کو نشانے پر لے رکھا ہے۔ اگر تم نے ہم سے تعاون کیا تو تمہارے بیوی بچوں کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مسلح ساتھیوں والا قصہ میں نے اس کی سٹی گم کرنے کے لیے گھڑا تھا۔ وہ مجھے خاصا ''متاثر'' نظر آیا۔ میں نے کہا ''عبدالکریم! زندگی ایک بار ملتی ہے۔ کیوں اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی زندگی کو عذاب میں ڈالتے ہو۔ اگر تم نے میرے سوال کا جواب نہ دیا تو ادھر تم جان سے جاؤ گے، ادھر تمہارے بیوی بچوں کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ بولو، کیا کہتے ہیں؟ میری بات مانو گے یا میں اپنے ساتھیوں کو کوٹ لکھپت فون کروں؟''

اس کی مزاحمت جواب دے گئی۔ اپنے پیاروں کی زندگی کا سوال بہت ہی آزمائشی ہوتا ہے۔ میں نے مجبوراً ایک جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ تھوڑی مار پیٹ کے بعد بھی اس کی زبان کھلوائی جا سکتی تھی لیکن اس کارروائی میں وقت ضائع ہوتا اور عبدالکریم کا شدید زخمی ہونا بھی لازمی بات تھی۔ وہ بے چارہ لڑائی بھڑائی کے معاملات میں کچا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے آمادگی کے تاثرات نظر آئے تو میں نے اس کے سینے سے پاؤں ہٹا دیا۔

وہ ڈرتے ڈرتے اٹھا اور کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہوگیا۔ کمزور سی آواز میں اس نے سوال کیا ''آپ لوگوں کی مجھ سے اور میرے بیوی بچوں سے کیا دشمنی ہے؟''

''کوئی نہیں۔'' میں نے سادگی سے کہا ''لیکن اگر تم نے میری بات کا جواب نہ دیا تو تم ہی میرے دشمنِ اول ہوگے۔ میں تمہیں صرف دو منٹ کی مہلت دیتا ہوں اور یہ مہلت میرے خاموش ہوتے ہی شروع ہو جائے گی۔ بولو، میری ساحل کو تم نے کبیر شاہ کے ایما پر کہاں پہنچایا ہے؟''

''میں کسی کبیر شاہ کو نہیں جانتا۔'' وہ ٹھکیایا ''میں نے جو کچھ کیا ہے، وہ وحید صاحب کے کہنے پر کیا ہے۔''

''گویا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ تم نے ساحل کو رکھاں والی سے لا ہور پہنچایا ہے؟''

''مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس لڑکی کا نام ساحل ہے جو میری ایمبولینس میں یہاں پہنچی ہے۔'' اس نے سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ''آپ میری بات کا یقین کریں، میں ساحل یا کبیر شاہ سے واقف نہیں۔ وحید صاحب نے کہا کہ ایک لڑکی کو لانا ہے۔ میں نے ان کا کہنا مان لیا، کیونکہ میں ان کا کہا ٹال ہی نہیں سکتا۔''

میں نے ساحل اور کبیر شاہ کا حلیہ بیان کیا تو عبدالکریم نے تصدیق کر دی۔ میرے سینے سے ایک طویل اور اطمینان بخش سانس خارج ہوئی۔ گویا اپنی چھٹی حس کی پکار پر کان دھر کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ سفید چادر سے ڈھکے ہوئے اسٹریچر پر ساحل کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ مجھے اپنے تن بدن

میں ایک راحت سی اترتی محسوس ہوئی۔ ساحل کا سراغ مل گیا تھا تاہم وہ ابھی تک میری پہنچ سے دور تھی اور اس تک مجھے صرف عبدالکریم ہی پہنچا سکتا تھا۔

میں نے کہا ''تم نے زبان کھول کر عقل مندی کا ثبوت دیا ہے ورنہ تم اور تمہارے بیوی بچے آج جان ہار جاتے۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ اب ساحل کا پتا بھی جلدی سے بتادو تاکہ تمہاری جان چھوٹ جائے۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے پوچھا ''اور یہ تمہارے وحید صاحب کون ہیں، کیا بیچتے ہیں؟ تم ان کا کہا ٹال کیوں نہیں سکتے؟''

وہ بولا ''وحید صاحب کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ اس اسپتال میں انہوں نے ہی مجھے ملازمت دلوائی تھی ورنہ اس سے پہلے میں چار نمبر روٹ کی ویگن چلاتا تھا۔ کام زیادہ اور آمدن کم تھی لیکن اب اللہ کا شکر ہے، گزارہ بہت اچھا ہوجاتا ہے۔ میں وحید صاحب کو دعائیں دیتا ہوں۔''

کسی وحید صاحب کا میری ساحل میں دلچسپی لینا میرے لیے نہایت ہی اہم تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا تعلق کبیر شاہ ہی سے ہوگا یعنی..... شعیب غوری سے۔ کبیر شاہ اپنے اڈے سے غائب ہوگیا تھا۔ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب پولیس نے ''سادھ تھ'' پر بھرپور کارروائی کی تو کبیر شاہ کو فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ شعیب غوری نے اپنے دستِ راست کو فرار اور روپوشی سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ گزشتہ رات فون پر اس سے میری تفصیلی بات ہوئی تھی۔ اس گفتگو میں ہم دو کھلے دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے آگئے تھے اور شعیب نے بڑے واشگاف الفاظ میں، مجھے دھمکی دی تھی کہ اس نے میرا بندوبست کرانے کے لیے نہایت ہی خطرناک لوگوں سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ شعیب کی دھمکی کا نتیجہ بھی مجھے فوراً ہی دیکھنے کو مل گیا تھا۔ کبیر شاہ کا ساحل کے ساتھ رکھاں والی سے لاہور پہنچنا ثابت کرتا تھا کہ شعیب غوری اور چوہدری نوازش علی میں کوئی نہایت ہی اہم ڈیل ہوئی ہے۔ میرے خدشات صد فیصد درست ثابت ہورہے تھے۔ میرے دو دشمنوں نے آپس میں الحاق کرلیا تھا۔

عبدالکریم کے جواب نے اگرچہ میری الجھن کو بڑی حد تک دور کردیا تھا۔ تاہم ابھی بھی بہت سے گوشے جواب طلب تھے۔ میں نے اس سے پوچھا ''تم تو آج صبح چوہدری نظام دین کی لاش کے ساتھ اسپتال سے احمد نگر روانہ ہوئے تھے پھر رکھاں والی کیسے پہنچ گئے؟''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا ''بات دراصل یہ ہے جناب کہ کل رات گئے وحید صاحب نے مجھ سے رابطہ کرکے کہا تھا کہ انہیں چند گھنٹوں کے لیے اسپتال کی ایمبولینس چاہیے۔ ایک مریضہ کو کسی گاؤں سے لاہور پہنچانا ہے اور یہ کام آف دی ریکارڈ ہوگا۔ میں نے کہا، میں کوشش کرتا ہوں۔ معلومات کرنے پر مجھے پتا چلا کہ اسپتال میں داخل ایک مریض کا انتقال ہوگیا ہے اور صبح اس کی لاش احمد نگر پہنچائی جائے گی۔ احمد نگر جانے والے ایمبولینس ڈرائیور سے میں نے بات چیت کی اور اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اس کی جگہ میں چلاؤں گا۔ ہم لوگ ایک دوسرے کی جگہ ڈیوٹی کرلیتے ہیں، یہ کوئی خاص بات نہیں۔ وحید صاحب مجھے بتا چکے تھے کہ مریضہ کو رکھاں والی سے لانا ہوگا۔ احمد نگر رکھاں والی کے شمال میں، دو ڈھائی کلومیٹر دور واقع ہے اس لیے بھی یہ کام آسانی سے ہوگیا۔''

عبدالکریم کی بات ختم ہوئی تو مجھے اپنے دل سے ایک ٹیس اٹھتی محسوس ہوئی۔ اس نے دو مرتبہ ساحل کے لیے مریضہ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ میں نے تڑپ کر پوچھا ''کیا ساحل بیمار ہے؟''

''اگر وہ بیمار ہوتی تو اسے اسپتال میں داخل کیا جاتا۔'' وہ بولا ''میں نے اسے وحید صاحب کی کوٹھی پر پہنچایا ہے۔ میں نہیں جانتا، اس لڑکی کا کیا قصہ ہے جناب۔ وہ تو اس سفر کے دوران میں بالکل بے ہوش پڑی رہی ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے کہا ''آپ کے رویّے سے تو لگتا ہے، وہ آپ کی کوئی قریبی رشتے دار ہے!''

میں نے بڑی مشکل سے خود کو سنبھال رکھا تھا۔ ساحل کی تصدیق ہوجانے کے بعد ایک ایک پل مجھ پر قیامت بن کر ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے عبدالکریم کی سنی ان سنی کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''وحید کی کوٹھی کس طرف ہے؟''

وہ ایک لمحے کے لیے مجھے متامل نظر آیا۔ میں نے پھنکار کر کہا۔

''عبدالکریم! اگر اس مرحلے پر تم نے کسی گڑبڑ کی کوشش کی تو میں تمہارا نرخرا کاٹنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں اور یہ بھی ذہن میں رکھو کہ اس کے بعد تمہارے بیوی بچوں کا کیا حسرتناک انجام ہوگا؟''

میرے لہجے کی وحشت نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''وحید صاحب..... ادھر مسلم ٹاؤن میں رہتے ہیں..... مم..... مگر خدا کے واسطے..... آپ مجھے اس کیس سے الگ کردیں۔ میں نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا.....''

''ساحل میرے لیے سب کچھ ہے۔'' میں نے گویا جیسے

آواز میں کہا ''تم نے میرا سب کچھ بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ تم خود اس چکر میں کودے ہو..... خود!'' میرے لہجے کی سفاکی بڑھتی چلی گئی ''اب تم کس طرح الگ ہونا چاہتے ہو؟ سلم ٹاؤن کافی بڑا علاقہ ہے۔ وحید کی کوٹھی کا ٹھیک ٹھیک پتا بتاؤ۔''

بات ختم کرتے ہی میں دونوں بازو پھیلا کر اس کی جانب بڑھا۔ انداز ایسا ہی تھا کہ میں اس کی گردن دبوچنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وہ وحشت زدہ ہوکر نفی میں گردن جھٹکنے لگا پھر تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ب..... بتاتا ہوں..... ابھی بتاتا ہوں۔ خدا کے لیے، مجھے جان سے نہ مارنا۔ وحید صاحب آب پارہ مارکیٹ کے قریب رہتے ہیں.....''

پھر اس نے کوٹھی کا جو نمبر اور لوکیشن بتائی اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ صدف بھی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ عبدالکریم منشا کی کوٹھی کا ایڈریس بتا رہا تھا۔ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''یہ سفید رنگ کی ایک چھوٹی دو منزلہ کوٹھی ہے نا؟''

''جی جی، وہی۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''لیکن یہاں پر تو محمد منشا نامی کوئی جرائم پیشہ شخص رہتا ہے۔'' میں نے کہا ''کوٹھی کے گیٹ پر کسی شمشاد علی ایڈووکیٹ کے نام کی تختی لگی ہے؟''

عبدالکریم نے کہا ''جی، میں نے اس لڑکی کو اسی کوٹھی میں پہنچایا ہے۔ شمشاد علی وحید صاحب کے بڑے بھائی ہیں لیکن منشا نامی کوئی بھی جرائم پیشہ شخص وہاں نہیں رہتا۔''

''ایک بے ہوش لڑکی کو ایمبولینس میں ڈال کر کسی دور دراز گاؤں سے لاہور جیسے شہر لایا گیا پھر اسے کسی اسپتال پہنچانے کے بجائے ایک کوٹھی میں لے جایا گیا!'' میں نے سخت لہجے میں کہا ''جرم اور کس کو کہتے ہیں؟ تمہارے وحید صاحب اور اس کا بڑا بھائی شمشاد علی کوئی شریف لوگ نہیں ہوسکتے۔ میں ایسے شریف بدمعاش قسم کے معاشری ناسوروں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔''

پھر میں نے صدف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''ہم نے بہت وقت ضائع کردیا۔'' میری آواز میں بھراہٹ کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا تھا۔

وہ بولی ''جو وقت ہاتھ سے نکل گیا، اس کا ماتم کیا کرنا۔ اب ہمیں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔ منشا کی کوٹھی ہم پچھلی رات دیکھ چکے ہیں۔ ایڈریس مشکل نہیں۔ وہ راستہ ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔'' پھر وہ عبدالکریم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''اس کا کیا کرنا ہے۔ کیا اسے بھی وہیں پہنچادیں؟''

صدف کا اشارہ واضح تھا۔ ''وہیں پہنچادیں'' سے اس کی مراد خفیہ تہ خانہ تھا جہاں ہمارے چند دشمن پہلے ہی پہنچائے جاچکے تھے۔ انہی میں سے ایک شخص قادر بخش کی زبانی مجھے منشا کے بارے میں پتا چلا تھا۔ محمد منشا ان لوگوں کا باس تھا جو کسی چوہدری دلدار کے لیے کام کرتا تھا، گویا منشا کا باس چوہدری دلدار تھا۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جاتا تو منشا اور چوہدری دلدار کے ڈانڈے رکھاں والی کے چوہدری نوازش علی سے جا ملتے تھے کیونکہ ساحل کو رکھاں والی سے منشا کی کوٹھی پر پہنچایا گیا تھا۔ اب یہ کھیل واضح ہوتا جارہا تھا۔ منشا کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی دشمنی سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ لوگ اگر میری تلاش میں تھے تو اس کا ایک ہی مطلب تھا، چوہدری نوازش علی کو میری تلاش تھی! گویا، وہ اب تک ہاتھ دھوکر میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔

سیکنڈ کے دسویں حصے میں یہ تمام باتیں میرے ذہن سے گزر گئیں۔ صدف نے استفسار تو مجھ سے کیا تھا لیکن میرے جواب سے پہلے ہی عبدالکریم نے منت آمیز لہجے میں کہا ''میں نے آپ سے تعاون کیا ہے، آپ کے ہر سوال کا جواب دیا ہے۔ اب آپ مجھے جانے دیں۔ مجھے تین بجے اسپتال پہنچنا ہے!''

''اسپتال کو فی الحال بھول جاؤ۔'' میں نے رکھائی سے کہا ''اور یہ بتاؤ، آج تمہیں گھر کتنے بجے پہنچنا تھا؟ اگر زندگی نے وفا کی تو تم صحیح سلامت گھر ضرور پہنچو گے۔''

''آپ..... لوگ وعدہ خلافی کررہے ہو۔'' وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔

میں نے کہا ''عبدالکریم! میں آنکھیں بند کرکے تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرسکتا۔ تمہارے بیان کی تصدیق ضروری ہے اور میں اس تصدیق کے لیے روانہ ہورہا ہوں۔ جب تک تم ہمارے مہمان رہو گے۔ میں تمہیں خفیہ مہمان خانے میں پہنچادیتا ہوں جہاں ہمارے چند اور بھی خیرخواہ موجود ہیں۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا ''اگر تمہارا کہا ہوا درست ثابت ہوا تو تم زندہ سلامت اپنے بیوی بچوں کے پاس جانے کے لیے آزاد ہوگے۔''

وہ گھگیا کر منت سماجت کرنے لگا لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی اور خفیہ راستہ استعمال کرکے اسے کوٹھی کے تہ خانے میں پہنچادیا۔ وہاں کا نظارہ دیکھ کر اس کے ہوش خطا ہوگئے۔ وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے ایک ایک کا چہرہ تکنے لگا پھر اس کی

نگاہ چھت سے جھولتے ہوئے سابق سیکیورٹی گارڈ خادم حسین پر جا کر ٹک گئی۔ میں نے اسے رج کر حیران ہونے کا موقع فراہم کیا اور تہ خانے کی صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں مطمئن ہو کر تہ خانے سے باہر نکل آیا۔ وہاں پر موجود افراد نے خاصی شرافت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ایسے شریف تو نہیں تھے، حالات نے انہیں بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ وقت بڑا ستم ظریف ہے۔ یہ بڑے سے بڑے فتنہ پرور کو بھی شرافت کے مظاہرے پر مجبور کر دیتا ہے۔

میں تہ خانے سے باہر آنے سے پہلے ایک فیصلہ کر چکا تھا اور وہ فیصلہ تھا، اپنی جنگ آپ لڑنے کا۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ دوسروں کو اس جنگ کا ایندھن بناؤں۔ صدف ہال نما کمرے میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس آ کر کہا ''چلیں۔''

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی ''فوراً چلیں۔ ایک لمحے کی تاخیر مناسب نہیں۔''

''صدف!'' میں نے اس کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے کہا ''تم یہاں سے سیدھی فرید پاشا کی گلبرگ والی کوٹھی جاؤ گی یا تم چاہو تو اپنے ماموں کے گھر بھی جا سکتی ہو۔ میں تمہیں کسی میں بٹھا دیتا ہوں۔''

وہ یک دم رک گئی۔ میں نے بات ہی ایسی کی تھی کہ اسے ٹھٹکنا پڑا ''وجدان! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' میں بے حد سنجیدہ تھا ''ساحل تک پہنچنا اور اسے حاصل کرنا میرا مسئلہ ہے۔ تم خوامخواہ خود کو کسی مصیبت میں نہ ڈالو۔''

''یہ تم اچانک بے رخی کی باتیں کیوں کرنے لگے؟''

''ہاں، میں ایسا ہی بے رخ ہوں۔'' میں نے سفاکی سے کہا۔

''میں ان حالات میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔'' وہ چٹانی لہجے میں بولی ''تم اگر چاہو بھی تو مجھے روک نہیں سکو گے۔''

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ایک طرح سے مجھے چیلنج کر رہی تھی۔ اس کا جذبہ بڑا طاقت ور اور سچا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے یوں محسوس ہوا کہ اگر میں نے اس کی راہ بدلنے کی کوشش کی تو وہ باقاعدہ مجھ سے بھڑ جائے گی۔ اس کے تیور میں جارحانہ پن جھلک رہا تھا۔

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''مجھے کچھ نہیں ہوگا صدف! تم بلاوجہ ضد نہ کرو۔ میں گھنٹے بھر میں واپس آ جاؤں گا۔''

''تم ایک گھنٹے کی بات کر رہے ہو۔'' وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے بولی ''میں ایک لمحے کے لیے تم سے الگ نہیں ہو سکتی اور..... میری یہ ضد بلاوجہ نہیں ہے۔ ساحل تمہارے لیے بہت..... بہت اہم ہوگی لیکن تم بھی میرے لیے کچھ کم اہم نہیں ہو!''

صدف نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میرے پاؤں میں گویا ایک زنجیر سی پڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے، وہ اٹل ہے۔ اس کا عزم اور ارادہ ماؤنٹ ایورسٹ کو شرما رہا تھا۔ اس ضدی لڑکی کی سنجیدگی نے مجھے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ صدف کی ضد میں اتنی اپنائیت اور چاہ نثاری تھی کہ میں نے ہتھیار پھینک دیے۔

☆☆☆

فرید پاشا نے ایک گھنٹے بعد فون کرنے کو کہا تھا اور اب اس بات کو ٹھیک بھگ دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ میری رسٹ واچ چار بجا رہی تھی۔ میں نے کوٹھی سے روانہ ہونے سے پہلے پاشا کو فون کرنے کا فیصلہ کیا۔ عین ممکن تھا، کوئی چونکا دینے والی اہم بات پتا چل جاتی۔ میں جس مہم کے لیے نکلنا چاہتا تھا اس کے انجام کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میں صدف کو لے کر اس کمرے میں پہنچا جہاں ٹیلی فون کی سہولت موجود تھی۔ ہم نے گزشتہ رات یہیں سے فون کر کے اپنے لیے ٹویوٹا کرولا منگوائی تھی جو اس وقت کار پورچ میں خاموش کھڑی تھی۔ میں نے رکھاں والی میں پاشا کی حویلی کا نمبر ملایا۔ اب یہ فون نمبر مجھے زبانی یاد ہو گیا تھا۔ ویسے بھی اہم چیزوں کو یاد رکھنے کے لیے کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تیسری گھنٹی پر فون ریسیو کر لیا گیا۔ ریسیور پاشا کے چھوٹے بھائی نوید نے اٹھایا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کروانے کے بعد اس سے بھرپور تعزیت کی اس نے فرید پاشا سے میری بات کروا دی۔ فرید نے آن لائن ہوتے ہی پوچھا۔

''یار! میں ایک گھنٹے سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟''

میں نے اسے اپنی ''مصروفیات'' سے مختصراً آگاہ کیا اور پوچھا ''کیا رکھاں والی سے کوئی خاص خبر آئی ہے؟''

''بہت ہی خاص خبر ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''وجدان! تمہارے وجدان نے بہت ٹھیک کام کیا ہے۔ ساحل کو آج صبح رکھاں والی سے ایک سفید ایمبولینس میں روانہ کیا گیا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے، گزشتہ رات کراچی سے دو بندے رکھاں والی پہنچے تھے۔ ان میں سے ایک نے چھوٹی چھوٹی داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے۔ وہ دونوں بھی ایمبولینس میں ساحل کے ساتھ گئے ہیں اور چوہدری نوازش علی کا بیٹا فیصل بھی ان کے ہمراہ ہے۔ وہی جس نے مارشل آرٹس وغیرہ بھی سیکھ رکھا ہے۔''

یہ اطلاع چونکا دینے والی تھی۔ میری معلومات کے مطابق، جب میاں زاہد حسین (حالیہ مقیم فرسٹ ڈگری دوزخ) نے ساحل کو کراچی سے بائی روڈ لاہور روانہ کیا تھا تو بقول اس وقت بھی اس قافلے کے ساتھ تھا۔ چھوٹی داڑھی والے جس آدمی کا پاشا نے ذکر کیا، وہ کبیر شاہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ایمبولینس کے پچھلے حصے میں جو دو افراد دیکھے تھے، ان میں ایک فیصل اور دوسرا کبیر شاہ کا ساتھی تھا۔ ایمبولینس اتنی تیزی سے میرے قریب سے گزری تھی کہ میں ان کی شکل یا حلیے پر غور نہیں کر سکا تھا۔

میں نے فرید پاشا سے کہا ''چھوٹی داڑھی والے شخص کا نام کبیر شاہ ہے اور یہ میرے ایک تازہ بہ تازہ دشمن کا خاص بندہ ہے۔''

میں نے فرید پاشا کو شعیب غوری اور اس کی تنظیم سی ایف کے بارے میں کوئی خاص بات ابھی تک نہیں بتائی تھی لیکن اب بھی مبہم انداز ہی اختیار کیا۔ وہ تشویش ناک لہجے میں بولا۔

''وجدان! لگتا ہے، چوہدری نوازش اور کراچی سے آنے والے بندوں میں کوئی خاص ڈیل ہوئی ہے جس کے نتیجے میں ساحل کو یہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے پاشا۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''یہ لگ بھگ دس کروڑ روپے کی ڈیل ہے۔ میرے دو دشمن آپس میں مل گئے ہیں اور اب مجھے ان دونوں ہی سے ان کی اوقات کے مطابق نمٹنا ہے۔''

وہ میرے لہجے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے بولا ''تم نے تھوڑی دیر پہلے کسی محمد منشا کا ذکر کیا ہے جہاں ساحل کو پہنچایا گیا ہے۔ منشا کا چوہدری نوازش اور کبیر شاہ سے کیا تعلق ہے؟''

''کوئی بہت ہی گہرا تعلق ہوگا جبھی تو ساحل کو اس کی کوٹھی پر پہنچایا گیا ہے۔'' میں نے کہا ''ویسے اتنا بتا دوں کہ منشا کا تعلق جرائم کی دنیا سے ہے۔ میں پچھلے کئی گھنٹوں سے اس کے لگاکاروں سے نمٹ رہا ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو وجدان۔'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولا ''کیا وہاں لاہور میں کوئی گڑبڑ ہے؟''

اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں پاشا کو یہاں کے حالات کے بارے میں مختصراً بتاؤں۔ اس کے غیاب میں، میں جن سرگرمیوں میں مصروف رہا تھا اس سے آگاہ کرنے کے بعد میں نے کہا ''پاشا! تم اس طرف سے بالکل بے فکر رہو۔ میں سنبھال لوں گا۔ میرے خیال میں تمہارے والد کی تدفین میں اب زیادہ وقت نہیں۔ تم وہاں کے معاملات پر دھیان دو۔ میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔ قسمت کو یہ منظور نہیں کہ ان صبر آزما لمحات میں، میں تمہارے ساتھ ہوتا۔''

اسی وقت کسی نے فرید کو پکارا اور اس نے ''خدا حافظ'' کہہ کر فون بند کر دیا۔

ہم ٹیلی فون والے کمرے سے نکلے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیسرا شخص بھی وہاں سے ہمارے پیچھے آیا ہو۔ اس احساس نے بے اختیار مجھے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا لیکن مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔

صدف نے پوچھا ''کیا ہوا وجدان؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا اور اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔

میں اپنے احساس کے بارے میں کھل کر اسے بتانا نہیں چاہتا تھا وہ مجھے پہلے بھی اس حوالے سے ..... کسی ماہر نفسیات سے ملنے کا مشورہ دے چکی تھی۔ اس نے میرے احساس کو وہم اور دماغ کے خلل کا نام دیا تھا۔ ہم دونوں کوٹھی کے بیرونی حصے میں آ گئے لیکن وہ احساس بھی میرے ساتھ چلا آیا۔ میں نے اس کے بعد پلٹ کر نہیں دیکھا لیکن میں بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ احساس میرے قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے، پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ احساس انتہائی نزدیک پہنچنے کے بعد میرے وجود میں داخل ہو گیا ہو، پلک جھپکتے میں وہ میرے جسم، میری ذات کا حصہ بن گیا۔

میں سناٹے میں رہ گیا۔ یہ میرے لیے ایک انوکھا اور حیرت انگیز تجربہ تھا۔ ہندوستان میں قیام کے دوران میں مجھے بہت سے طلسمی واقعات سے واسطہ پڑا تھا، پھر نیپال اور رشی کیش میں بھی بہت سے سفلی اور علوی نظارے دیکھنے کو ملے تھے لیکن تھوڑی دیر پہلے میں جس احساس سے گزرا، وہ ان سب سے منفرد اور نرالا تھا۔

گزشتہ رات جب میں صدف کے ساتھ اس کوٹھی پر آیا تھا تو بھی مجھے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اگر اس نوعیت کے واقعات صرف کوٹھی کے اندر ہی پیش آئے ہوتے تو میں سمجھتا کہ اس کوٹھی کے ساتھ کوئی پُراسرار یا ماورائی چکر ہے۔ پچھلی رات جب ہم کوٹھی کی طرف آ رہے تھے تو ہماری جیپ اچانک ''ناراض'' ہو گئی تھی پھر جیپ کو پیش دیتے وقت میں جن سنسنی خیز تجربات سے گزرا انہیں نظر انداز نہیں کیا

جاسکتا تھا۔ ازیں علاوہ، گلبرگ تھری والی کوٹھی میں بھی مجھے اس سے ملتے جلتے تجربات ہوئے تھے۔ میں نے اپنا نام لے کر پکارا جانا تو بہت ہی واضح سنا تھا اور پھر وہ خواب..... جس میں، میں نے اپنے علاوہ خود کو دیکھا تھا۔ یعنی بیک وقت دو وجدان!

یا الٰہی! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ میں ان دنوں چونکہ ''جی'' کی ایڈوانس مشقیں بھی باقاعدگی سے کر رہا تھا اس لیے اپنی ان کیفیات کے بارے میں، میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ شاید میری کوئی باطنی قوت بیدار ہو رہی ہے۔ اس موقع پر ..... استاد محترم آں جہانی ماسٹر ہینگ پائی (HANG PAI) بہت شدت سے یاد آیا۔ اگر آج وہ زندہ ہوتا اور میں اس سے واسطے میں ہوتا تو وہ ان پُراسرار واقعات کی توجیہ کر سکتا تھا۔ یہ سچ ہے، دنیا کا کوئی بھی علم ہو، وہ استاد کی نگرانی اور راہنمائی کے بغیر صحیح طور پر سیکھا نہیں جا سکتا۔ میں نے اس لمحے فیصلہ کیا کہ ذرا قسمت نصیب ہو تو میں کسی ماہر روحانیات سے ضرور رابطہ کروں گا تاکہ معاملات کی اس گتھی کو سلجھایا جا سکے۔ ''جی'' کا دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا، اپنی بے خبری میں کوئی نقصان اٹھا بیٹھوں۔ اس بات کے امکانات بہرحال تھے کہ کہیں جی کی ایڈوانس مشقوں میں مجھ سے کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو۔ کوئی بھی انسان ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہو سکتا۔

ایک طرف تو اس نظر نہ آنے والے احساس کا معاملہ تھا اور دوسری جانب اس نقلی وجدان نے مجھے ذہنی طور پر الجھا رکھا تھا۔ اس کی کرشمہ کاریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ابتدا میں، ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ یہ کہیں میرے اورا (AURA) کا کمال نہ ہو! انسانی جسم سے چند انچ کے فاصلے پر دکھائی نہ دینے والی روشنیوں کا ایک پیکر لطیف بھی موجود ہوتا ہے، جسے نسمہ یا ہمزاد بھی کہا جاتا ہے لیکن جب میں نے غور کیا تو میں نے اپنے خیال کو رد کر دیا۔ جس بہروپے نے پچھلے کئی گھنٹوں سے مجھے اور میرے ساتھیوں کو پریشان کر رکھا تھا، وہ ''اورا'' ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ ماسٹر ہینگ پائی نے شاؤلن ٹیمپل میں ہمزاد (AURA) پر مجھے جو لیکچر دیا تھا وہ ابھی تک من و عن میرے ذہن میں نقش تھا۔ نقلی وجدان یا وہ بہروپیا ہمزاد کی حقیقت پر پورا نہیں اترتا تھا۔ ویسے تو قصے کہانیوں اور مسالے دار واقعات میں ہمزاد کو بہت ہی بھونڈے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اپنا کاروبار چمکانے کے لیے بعض عاملین کاملین اس سے بڑے بڑے مادی کام لینے کے دعوے دار نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے اعمال و افعال کے خود ذمے دار ہیں۔

میں ان خیالات میں جانے کہاں بہہ جاتا کہ صدف کی آواز نے مجھے چونکا دیا ''وجدان! کیا ہم اسی دودھ والی گاڑی میں یہاں سے روانہ ہوں گے؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

میں نے ہم زاد اور اپنے انوکھے احساس کے بارے میں، سوچنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا بلکہ چلنے کے دوران میں وہ خیالات بجلی کے کوندے کے مانند میرے ذہن میں چمک گئے تھے۔ انسانی ذہن بھی حیرت کا کارخانہ ہے، سوچ کی رفتار کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پلک جھپکنے میں صدیوں کے معاملات کو نمٹا سکتی ہے۔ میں نے صدف کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''ہائی لکس کو تو یہاں سے نکالنا ہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم کرولا کو بھی لے جائیں گے۔''

اس نے یہ نہیں پوچھا کہ کیوں؟ میں نے ٹویوٹا ہائی لکس کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور صدف کرولا میں بیٹھ گئی۔ دونوں گاڑیاں کوٹھی سے باہر آ گئیں۔ میں نے گیٹ کو دوبارہ مقفل کر دیا پھر صدف کے نزدیک آ کر کہا۔

''تم کرولا لے کر آگے چلو۔ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ شاہ جمال روڈ کے اختتام پر ایک شیشی پارک ہے، شریف پارک کہا جاتا ہے۔ میں دودھ والی گاڑی کو اس پارک کے کنارے چھوڑ دوں گا۔ تم فیروز پور روڈ پر مڑنے کے بعد پیٹرول پمپ میں داخل ہو جانا۔ کرولا کی ٹنکی فل کروانا ضروری ہے۔ جب تک تم ایندھن بھروا ؤ گی، میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا پھر ہم ایک ساتھ آگے بڑھیں گے۔''

اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور کرولا کو بڑھا دیا۔ پچاس گز کے فاصلے سے میں اس کے پیچھے جانے لگا۔ شریف پارک ایک اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس پارک میں زیادہ تر کرکٹ کھیلی جاتی ہے۔ دو تین سینٹ کی مجموعی موجود ہیں۔ ایک غریب گھرانے کا لڑکا اسی پارک میں پچ پر نیٹ پریکٹس کرنے کے بعد قومی ٹیم تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ برسوں پہلے کا واقعہ ہے۔ فرید پاشا ایک باتونی، قصہ گو اور دلچسپ انسان تھا۔ واقعات کے ساتھ اسی نے مجھے غریب کرکٹر کی روداد سنائی تھی۔ وہ لڑکا زیادہ عرصے تک ٹیم میں شامل نہ رہ سکا۔ وہ ایسا اسٹار تھا جس کی چمک بہت جلدی ماند پڑ گئی۔ اتفاق سے وہ کس طرح غروب ہوا، یہ ایک الگ کہانی ہے۔

میں نے ٹویوٹا ہائی لکس کو سڑک کے کنارے کھڑا کیا پیٹرول پمپ کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم چلتے

کرولا میں سوار مسلم ٹاؤن کی جانب اڑے چلے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ پر صدف موجود تھی۔ گزشتہ رات کے آخری حصے میں یہی گاڑی میں چلا رہا تھا۔ اس وقت فرید پاشا کا اسسٹنٹ تحسین نسان پٹرول میں ہماری راہنمائی کر رہا تھا۔ منشا کی سفید کوٹھی تک جانے والا راستہ مجھے ازبر تھا۔

گزشتہ رات اس طرف آتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی مجھے خیال نہیں آیا کہ میری ساحل کو آج اسی کوٹھی میں پہنچایا جائے گا۔ بظاہر اس بات کے امکانات نہیں تھے، اس لیے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تقدیر اور تدبیر کی جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گی۔ اکثر تقدیر کی جیت ہوتی ہے لیکن باتدبیر انسان ہمت نہیں ہارتا اور اپنی پلاننگ سے تقدیر کو بدلنے یا چت کرنے کی کوشش میں جتا رہتا ہے۔ فیض احمد، قادر بخش، ریاض علی، جمشید، عمران اور جلال کے کرتوتوں سے میں یہ اندازہ تو لگا چکا تھا کہ منشا ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کیوں؟ یہ واضح نہیں ہو سکا تھا۔ لالہ بشیر ایم پی اے کے سپوت سکندر کے ڈانڈے بھی منشا سے ملتے نظر آ رہے تھے اور یہ سب بدمعاش غنڈے کسی نہ کسی طور چوہدری دلدار سے وابستہ تھے جو ڈیفنس سوسائٹی کی ایک عالیشان کوٹھی میں مقیم تھا۔ میں نے ان حالات میں ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کیا تھا کہ ساحل کو منشا کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور وہ بھی چوہدری نوازش علی کی مرضی اور خوشی سے! میں اب چوہدری نوازش علی کے لاہور نیٹ ورک سے ٹکرانے والا تھا۔ میں نے اس کا کراچی نیٹ ورک بری طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میاں زاہد حسین جیسے شخص کا خاتمہ چوہدری کے لیے بہت بڑا زیاں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کراچی میں سی ایف کے کی مدد مجھے حاصل تھی جبکہ لاہور میں شعیب جیسا کمینہ اور سفاک شخص میرے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کر رہا تھا۔

پچھلے تین چار گھنٹوں سے میں مسلسل ساحل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس دوران میں، میں نے جو کچھ بھی کیا، وہ صرف اور صرف اسی کا سراغ لگانے کے لیے تھا اور میں اس مقصد میں تقریباً کامیاب ہو چکا تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد میں منشا کی سفید کوٹھی کے سامنے ہوتا جہاں ایمبولینس ڈرائیور عبدالکریم کے بقول، ساحل کو پہنچایا گیا تھا۔

اس نے گاڑی کو وحدت روڈ پر ڈالا تو مجھ سے پوچھا ''دجدان! تم نے کارروائی کے لیے کوئی منصوبہ سوچا ہے یا اندھا دھند کوٹھی کے اندر داخل ہونا ہے؟''

''یہ وقت اندھا دھند عمل کا نہیں۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''منزل پر پہنچ کر میں نشانِ منزل کھونا نہیں چاہتا۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا۔ اس مرتبہ اگر ساحل ہاتھ سے نکل گئی تو.....''

میں اس سے آگے کچھ کہہ نہ سکا۔ غیر ارادی طور پر زبان نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پتا نہیں، کیا بات تھی کہ ساحل کے حوالے سے میرا ذہن خدشات کی آماجگاہ بن جاتا تھا اور خاص طور پر یہ اندیشہ تو بار بار سر اٹھا رہا تھا کہ اگر اس بار میں نے ساحل کا سراغ کھو دیا تو پھر اسے دیکھنے کو میری آنکھیں ترس جائیں گی یا برس جائیں گی۔ میں اس وہم کی توجیہ کرنے سے قاصر ہوں۔

صدف نے میرے ادھورے جملے پر چونک کر کہا ''تو..... کیا؟''

''تو..... تو..... بڑی مشکل ہو جائے گی۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہہ دیا۔

وہ میری دلی کیفیت اور ذہنی حالت کو بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی لہٰذا اس حوالے سے اس نے زیادہ کریدنہ کی اور تسلی آمیز لہجے میں بولی ''کچھ نہیں ہوگا دجدان۔ تم خوامخواہ وہم میں نہ پڑو۔''

''کیا کروں، پچھلے چند گھنٹوں سے میں کچھ وہمی سا ہو گیا ہوں۔'' میرے لہجے کی سنجیدگی برقرار تھی۔

وہ بولی ''یہ موجودہ حالات کے اثرات ہیں۔ تمہارے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اللہ کرے، سب ٹھیک ہو جائے!'' میں نے یاس آواز میں کہا اور صدف نے آب پارہ مارکیٹ کے نزدیک سے کرولا اندر موڑ لی۔

میں اس وقت خود اپنی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں خود کو نہایت ہی مضبوط اعصاب کا مالک سمجھتا ہوں اور میں نے ہر امتحان میں خود کو ایسا ثابت بھی کیا ہے لیکن ساحل کے معاملے نے مجھے ذہنی اور اعصابی طور پر ریخت و شکست کا شکار کر کے رکھ دیا تھا۔ ساحل کا معاملہ خالصتاً دل کا معاملہ تھا۔ اس سے پہلے مجھے اس نوعیت کے معاملے سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ شاید اس لیے بھی میں نے کبھی خود کو اتنا جذباتی اور بے بس محسوس کیا تھا۔

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ چوہدری نوازش علی نے شعیب خوری کے ساتھ کوئی پیکٹ کر لیا تھا، میری تشویش اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اگر کسی ڈیل کے نتیجے میں ساحل شاہ کے حوالے کیا گیا تھا تو یہ بھی ظاہر تھا کہ اسے جلد کراچی پہنچایا جائے گا..... شعیب خوری کے پاس!

دوسری جانب منشا کی دشمنی بھی بہت واضح ہو گئی تھی۔ گیڈا نما قادر بخش نے مجھے بتایا تھا کہ سکندر منشا کا دوست تھا جس نے اسے میرے بارے میں بتایا تھا۔ منشا اپنے پاس چوہدری دلدار کی خوش نودی کی خاطر مجھے چھاپنے کی کوشش میں تھا۔ ساحل کو منشا کی کوٹھی میں پہنچائے جانے کے بعد یہ بھی ثابت ہو گیا کہ منشا اور چوہدری دلدار، چوہدری نوازش علی کے بندے تھے۔

میں یہ سب سوچ رہا تھا کہ صدف نے کرولا کو اس گلی میں داخل کیا جس میں پچاس گز آگے منشا کا ٹھکانا تھا۔ گزشتہ رات میں نے اس سفید کوٹھی کو بغور دیکھا تھا۔ میں نے صدف سے کہا۔

''تم منشا کی کوٹھی کے سامنے رکنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ گاڑی کو آگے نکال لے جاؤ۔''

اس نے میری بات پر عمل کیا۔ جب کرولا گلی کے نکڑ پر پہنچی تو میں نے صدف سے کہا کہ وہ گاڑی کو بغلی گلی میں داخل کر کے روک دے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر میری ہدایت پر عمل کیا اور گاڑی کو میرے مطلوبہ مقام پر روک دیا۔ یہ جگہ منشا کی کوٹھی سے نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم وہاں خاصی خاموشی اور سناٹا تھا۔ یہ مقام کوٹھی کی عقبی گلی سے ملحق تھا جہاں ہماری گاڑی کسی دشمن کی نظر میں آئے بغیر محفوظ رہ سکتی تھی۔

میں نے گاڑی سے باہر آنے سے پہلے صدف سے کہا ''ہم دو طرف سے کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ دونوں کا طریقۂ کار مختلف ہوگا لیکن مقصد ایک ہی ہوگا۔'' وہ پوری توجہ اور سوالیہ نگاہ سے مجھے تکتی رہی۔ میں نے مزید کہا ''ہم اپنا اپنا بیگ ساتھ لے کر جائیں گے۔ تم خود کو گھریلو استعمال کی اشیا کی سیلز گرل ظاہر کرو گی اور چوکیدار کو باتوں میں لا کر کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرو گی۔ جب چوکیدار تمہاری لچھے دار باتوں میں الجھا ہوا ہوگا، میں کوٹھی کی عقبی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو جاؤں گا۔ کیا تم ایسا کر لو گی؟''

میرا آخری جملہ کسی چیلنج سے کم نہیں تھا۔ دٹھوس لہجے میں بولی ''یقیناً کر لوں گی۔ تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ لیکن کیا ضروری ہے کہ میں سیلز گرل کا رول ہی ادا کروں۔ میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے بھی تو یہ کام نکال سکتی ہوں۔ ایک ایسی ڈاکٹر جو کسی خطرناک مرض سے آگاہی اور اس کے علاج کے سلسلے میں لوگوں کو مفید معلومات فراہم کر رہی ہو۔ میڈیکل کرسکوں گی۔ اس حوالے سے میں زیادہ اچھی اداکاری کیا خیال ہے؟''

''گڈ آئیڈیا!'' میں نے سنجیدہ الفاظ میں اس کی تجویز کو سراہا ''تم ایک ڈاکٹر کا ناٹک ہی کرو۔''

''دجدان! اس طرف آتے ہوئے کوٹھی کے گیٹ پر کوئی چوکیدار وغیرہ نظر نہیں آیا۔'' اس نے سرسری لہجے میں کہا ''اور خاصی خاموشی بھی محسوس ہو رہی ہے۔ یوں لگتا ہے، کوٹھی کے اندر کوئی موجود نہ ہو۔''

میں نے کہا ''یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے لہٰذا ہمیں کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔''

''اوکے۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی ''میں ہر قدم پر محتاط رہوں گی۔''

پھر ہم دونوں گاڑی سے باہر آئے۔ ہم نے خاصی گرمجوشی سے ہاتھ ملائے اور اپنی اپنی سمت کو روانہ ہو گئے۔ میں سفید کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچا ہی تھا کہ کوٹھی کے اندر کہیں گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ صدف نے ڈور بیل پر انگلی رکھ دی تھی۔

وہ دن کا وقت تھا۔ اگرچہ عقبی گلی میں کوئی بندہ بشر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تاہم پھر بھی احتیاط کی ضرورت تھی۔ کوئی ذرا سی کوتاہی کام بگاڑ سکتی تھی۔ میں نے چوکنا نظر سے کوٹھی کی بالائی منزل کا جائزہ لیا۔ وہاں مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ اس دوران میں صدف نے دوسری مرتبہ گھنٹی بجا دی۔ میں کان لگا کر اندر پیدا ہونے والی آوازیں سننے لگا۔ اگلے ہی لمحے میری امید بر آئی۔

میں نے کوٹھی کا گیٹ کھلنے کی آواز سنی۔ صدف کی گھنٹی نے کام کر دکھایا تھا۔ میں نے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ اچھل کر عقبی دیوار کی منڈیر پکڑی اور اچک کر دیوار کے اوپر چڑھ گیا پھر اگلے ہی لمحے میں کوٹھی کے اندر کود چکا تھا۔

میرے قدموں کو نرم اور دبیز گھاس نے بوسے دیئے۔ وہ عقبی لان تھا۔ میں اٹھ کر پوری طرح سنبھلا بھی نہیں تھا کہ کوٹھی کے سامنے والے حصے میں مجھے غیر معمولی شور سنائی دیا۔ اس شور میں مار پیٹ کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ میں ایک لمحے میں سمجھ گیا، وہاں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی مخصوص دھمک کے بیچ میں نے صدف کی مخصوص چیخ سنی۔ یہ چیخ ہر مارشل آرٹسٹ کا خاصہ ہوتی ہے جو (YELLING) کہلاتی ہے۔ مارشل آرٹسٹ اپنے مدمقابل پر بھرپور حملہ کرتے وقت تیز آواز میں (YELL) کرتا ہے۔ صدف کے عمل نے مجھے پلک جھپکتے میں باور کرا دیا کہ وہ طمطراق سے میدانِ عمل میں کود پڑی تھی۔ انتظار کے لمحات گزر چکے تھے۔ میں نے ایک پل ضائع کیے بغیر صدف

سمت دوڑ لگادی۔

کوٹھی کے سامنے والے حصے میں پہنچتے ہی میری نگاہ نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ صدف دو بٹے کٹے اور دراز قامت افراد سے نبرد آزما تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کسی مشین کے مانند حرکت کررہے تھے۔ میں لپک کر اس کی مدد کو آیا اور ایک شخص کے کالر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا پھر میری جانب ہوا، میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ منشا کا دوست اور ایم پی اے لالہ بشیر کا بگڑا ہوا بیٹا سکندر تھا۔ میں نے اس کے چہرے پر ایک دھانسو قسم کا پنچ مارا۔ اس نے سر کو پیچھے جھٹکا تو میں نے اس کے فراخ سینے پر ایک زوردار فرنٹ کک جڑ دی۔ وہ الٹ کر عقب میں گرا۔

اسی وقت صدف نے اپنے مدِمقابل کو ایک سائیڈ کک مار کر دور اچھال دیا پھر میری طرف دیکھ کر تیز لہجے میں بولی ''میں ان دونوں سے بخوبی نمٹ لوں گی۔ تم یہاں کی فکر نہ کرو اور کوٹھی کے اندر پہنچو۔'' وہ اس وقت ایک بپھری ہوئی شیرنی نظر آرہی تھی۔

صدف نے جس شخص کو دور پھینکا تھا، وہ کوٹھی کا چوکیدار تھا۔ گویا وہاں کی صورتِ حال پوری طرح صدف کے کنٹرول میں تھی۔ میں مطمئن ہوکر اندر کی جانب بڑھا۔ اسی لمحے سکندر ایک مستعد ٹائیگر جمپ لگا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اس پر حقارت کی نگاہ ڈالی اور اپنی راہ ہولیا۔

سکندر اس سے پہلے دو مرتبہ میرے راستے میں آیا تھا اور دونوں ہی مرتبہ اس نے بڑی ذلت اٹھائی تھی۔ مال روڈ والے ریسٹورنٹ میں تو صدف نے اس کی عظیم الشان گت بنائی تھی اور فرید پاشا کے گھر پر میں نے اسے ناکوں چنے چبوا ڈالے تھے حالانکہ اس وقت سکندر نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں اس کی ناک کو تلاش کرنا خاصا مشکل تھا۔ ڈنر جیکٹ جیسے لباس میں وہ اور اس کے ساتھی بڑے مضحکہ خیز نظر آرہے تھے۔ فلم ''گولڈ مین'' کا متذکرہ بالا ہیرو اگر انہیں اس حلیے میں دیکھ لیتا تو ہنسی ضبط کرنا اس کے لیے مشکل ہوجاتا۔

میں تیز قدموں سے دوڑتے ہوئے کوٹھی کی عمارت میں داخل ہوگیا۔ صدف کی طرف سے اطمینان نے میری مستعدی میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا۔ میں نے برآمدے کو عبور کرکے جیسے ہی ایک راہداری میں قدم رکھا، سامنے سے ریاض علی آتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ریوالور پکڑ رکھا تھا۔ اس کی صورت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں نے وہائٹ ہال روف کی ڈرائیونگ سیٹ پر اسے انتہائی قریب سے دیکھا تھا۔ ازاں بعد اسی نے منشا کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کی تھی۔

ریاض علی نے بھی مجھے فوراً پہچان لیا۔ اس نے ریوالور والا ہاتھ سیدھا کیا اور مجھ پر گولی چلادی۔ راہداری فائرنگ کی مخصوص آواز سے گونج اٹھی۔

ریاض نے راہداری میں دوڑتے ہوئے میرا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی لہٰذا میں اس کے دام میں نہ آسکا۔ ایک تو ہدف زیادہ فاصلے پر تھا، دوسرے میں نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہی ہوا میں جمپ کی اور زمین پر آتے ہی میں نے پھرتی سے فرنٹ رول کردیا۔ یہ فال اور رول کا ایک سرعتی کمبی نیشن تھا چنانچہ میں گولی لگنے سے محفوظ رہا۔ اب میں ریاض کے بہت قریب آگیا تھا۔

اسی دوران میں اس نے دوبارہ مجھ پر فائر کرنا چاہا لیکن اب میں اسے کوئی موقع نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ سیدھا ہونے سے پہلے ہی زمین سے کھڑے ہوکر ایک چکردار بیک کک چلائی۔ میری ایڑی اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹا، میں نے آگے بڑھ کر اسے ایک نپی تلی راؤنڈ ہاؤس کک ماردی۔ وہ تکلیف کی شدت سے چلّا اٹھا۔

یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ میں اس کے ساتھ انگھیلیاں کرتا۔ مجھے نہیں معلوم تھا، اس کوٹھی میں اور کتنے دشمنوں سے واسطہ پڑے گا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ میں نے ریاض کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور وہ جیسے ہی سیدھا ہوا، میں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ میں نے اس کے بلند ہوتے ہوئے ریوالور والے بازو کی بغل میں ایک کک رسید کی، ریوالور اس کی گرفت سے نکل کر راہداری کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔

نہتا ہوتے ہی اس نے کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب دوڑ لگادی۔ میں اس کے پیچھے لپکا اور ایک کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسے جالیا۔ وہ میری دسترس میں آیا تو میں نے تابڑ توڑ گھونسے برسا کر اس کا چہرہ لہولہان کردیا۔ وہ لڑائی بھڑائی کا زیادہ ماہر نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے جان چھڑانے کے لیے اس کی کنپٹی پر ڈبل چوپ رسید کیا۔ یہ ایک ایسی ضرب تھی جس کے نتیجے میں گھنٹا، دو گھنٹا کے لیے وہ دنیا و مافیہا سے کٹ جاتا۔ میرے عمل کے اگلے ہی لمحے وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کے مانند میرے بازوؤں میں جھول گیا۔ میں نے اسے راہداری کے پختہ فرش پر پھینکا اور ریوالور کو اپنے قبضے میں کرلیا۔ اس کے بعد میں نے کوٹھی کے اندرونی حصے کا رخ کیا۔

یکے بعد دیگرے میں نے کئی کمرے دیکھ ڈالے لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ میں بے تابی سے دوڑتے ہوئے بالائی منزل پر پہنچ گیا۔ میں نے زینے کے اختتام پر پہنچ کر ایک کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک ہاتھ روم کا دروازہ کھلا اور وہاں سے ایک پستہ قامت سیاہ رو شخص نمودار ہوا۔ مجھ سے نگاہ ملی تو وہ ٹھٹکا پھر اس نے ایک میز کی طرف محتاط نظروں سے دیکھا۔

میں نے اس کی نگاہ کا تعاقب کیا اور ایک کلاشنکوف تک بھری رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پستہ قامت کی عجلت سے ظاہر ہوتا تھا کہ باتھ روم کے اندر رہتے ہوئے اسے بیرونی گڑبڑ کا فوراً احساس ہوگیا تھا، پھر زیریں منزل پر ریاض نے ایک فائر بھی کیا تھا لہٰذا اس کا متوحش اور چوکنا ہوجانا لازمی امر تھا۔

میں نے اس سیاہ رُو شخص کے ارادے کو بھانپ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ کلاشنکوف تک پہنچتا، میں نے ہوا میں پرواز کی اور اس میز تک رسائی حاصل کرلی جس پر کلاشنکوف رکھی تھی۔ ہم دونوں نے یکے بعد دیگرے کلاشنکوف پر چھپٹا مارا اور وہ ہتھیار ہم دونوں کی مشترکہ گرفت میں آگیا۔

اسی وقت مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ستارے سے جھلملاتے نظر آئے اور میرے سر میں ایک دھماکا سا ہوا۔ مدِمقابل نے ایک زوردار ٹکر مجھے رسید کی تھی۔ اس کی ٹکر میں فولاد ایسی سختی تھی۔ میں ایک لمحے کے لیے چکرایا پھر سنبھل گیا۔ میری جگہ اگر یہ ٹکر کسی اور شخص کے پڑی ہوتی تو وہ فوراً بے ہوش ہوجاتا۔ پستہ قامت شخص نے وار کرتے ہوئے بہت پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

میں نے بھی ادھار چکانے میں کسی تاخیر سے کام نہیں لیا اور اگلے ہی لمحے اس کی ناک پر ایک طوفانی مکا جڑ دیا۔ اس عمل کے لیے مجھے کلاشنکوف کو چھوڑنا پڑا تھا۔ مدِمقابل پنچ کھانے کے بعد پیچھے الٹ گیا پھر اس نے بڑی سُرعت سے کلاشنکوف میری جانب سیدھی کردی۔

میں کسی چیتے کے مانند جست بھر کر اس کے اوپر سے گزر گیا۔ اسے مجھ پر نشانہ لینے کے لیے پوزیشن بدلنا پڑی۔ اس عمل میں جتنا وقت صرف ہوا، میں نے اس دوران میں اس کے کلاشنکوف والے ہاتھ پر ایک دھواں دھار ٹھوکر ماردی۔ گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔ وہ گن کی طرف بڑھا تو میں نے اس کی پشت پر ایک زوردار سائیڈ کک لگائی۔

پستہ قامت شخص چوتھے گیئر میں نیچی پرواز کرتے ہوئے سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اس کے چہرے کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ جب وہ میری جانب گھوما تو میں نے دیکھا، اس کے ناک اور منہ سے خون جاری تھا۔ اس کا چہرہ بہت بھیانک منظر پیش کررہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ پاؤں کی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

مجھے یہ ماننا پڑا کہ اس شخص میں کسی سانڈ کی سی طاقت بھری ہوئی تھی۔ میں اپنے داؤ پیچ سے اسے زیر کررہا تھا ورنہ طاقت کے مظاہرے میں وہ کسی سے کم نہیں تھا۔ آئندہ پندرہ سیکنڈ میں اس نے مزاحمت ترک کردی اور زمین پر گر کر بری طرح ہانپنے لگا۔

اسی وقت مجھے زیریں منزل پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے محتاط نظر سے اپنے مدِمقابل کو دیکھا پھر اس کی گن اٹھا کر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ میں نے بالائی منزل کا کونا کونا جھانک لیا لیکن ساحل کہیں دکھائی نہ دی۔ اس دو منزلہ کوٹھی میں ان چار افراد کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ میں تو توقع کررہا تھا کہ وہاں سخت ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور ساحل کو چھڑانے کے لیے مجھے دانتوں پسینہ آجائے گا مگر ساحل وہاں پائی گئی تھی اور نہ ہی دانتوں پسینہ چھڑانے کے آثار!

میں نے ایک مرتبہ پھر بالائی منزل کے ہر کمرے کو چیک کیا اور دوبارہ اس کمرے میں آگیا جہاں پستہ قامت سیاہ رُو شخص کو چھوڑا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے حیرت کا جھٹکا لگا کہ وہ بدبخت اب وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے چاروں جانب متلاشی نگاہ دوڑائی لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ وہ زیریں منزل کی طرف فرار ہوگیا ہوگا۔

میں نے نیچے جانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر بالائی منزل کے کمروں میں جھانکا اور زینہ طے کرکے نیچے آگیا۔ نچلی منزل پر بھی وہ پستہ قامت شخص مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ میں کلاشنکوف تھامے راہداری میں نکل آیا جہاں میں نے ریاض علی کو بے ہوش چھوڑا تھا۔ اب کوٹھی کے اس حصے میں صدف معرکہ آرا تھی۔ وہ اپنے مدِمقابل چوکیدار کو بری طرح ٹھوکروں میں اڑا رہی تھی۔ سکندر اس کے آس پاس کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی صدف نے ہاتھ روک دیا اور انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔

''وجدان! وہ مردود بھاگ گیا۔''

اس کا واضح اشارہ سکندر کی جانب تھا۔ میں نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا ''کہاں گیا وہ بھگوڑے کی اولاد؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' وہ سرسری انداز میں بولی ''میں چوکیدار سے نمٹ رہی تھی کہ سکندر کو موقع مل گیا اور وہ کوٹھی کا گیٹ کھول کر کھسک لیا۔ ویسے میں نے اس کا حلیہ اس بری

طرح بگاڑا ہے کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔'' پھر اس نے پوچھا ''ساحل کا کوئی سراغ ملا؟''

''میرے خیال میں، وہ اس کوٹھی میں موجود نہیں۔'' میں نے کہا۔

اسی لمحے میں نے صدف کے عقب میں چوکیدار کو متحرک پایا۔ وہ بری طرح پٹنے کے بعد زمین بوس ہوگیا تھا اور اب صدف کو باتوں میں لگا دیکھ کر اس نے طالع آزمائی کا ارادہ کیا تھا۔ میں نے فوراً کلاشنکوف کا رخ چوکیدار کی جانب کردیا۔

صدف نے میری اس جنبش کو بہت وضاحت کے ساتھ سمجھ لیا اور برق رفتاری سے اس کی ٹانگ چلی۔ ایک زوردار کک چوکیدار کے سینے پر پڑی اور وہ چاروں خانے چت ہوگیا۔ اس کے نزدیک ہی تھوڑے فاصلے پر ریاض علی بے ہوش پڑا تھا۔ صدف اچھل کر چوکیدار کے پاس پہنچی اور اس کے چہرے کو اپنے جوگرز کی ٹھوکروں سے بگاڑنے لگی۔ اس دوران میں اس کی کھوپڑی پر کوئی ایسی ضرب پڑی کہ وہ گردن ایک طرف ڈال کر بے ہوش ہوگیا۔

صدف نے فاتحانہ انداز میں میری جانب دیکھا تو میں نے کہا ''تم نے کسی پستہ قامت شخص کو اس جانب آتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور پوچھا ''کیا کوئی اور شخص بھی یہاں موجود ہے؟'' اس کے ساتھ ہی اس نے بے ہوش ریاض علی کی طرف دیکھا۔

میں نے اسے بالائی منزل والے واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ بھی تشویش میں مبتلا ہوگئی، جلدی سے بولی ''وجدان! وہ بزدل کی نسل تو فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔'' اس کا اشارہ سکندر کی جانب تھا ''اور یہ دونوں یہاں بے ہوش پڑے ہیں۔ اگر کوئی اور شخص بھی اس کوٹھی میں موجود ہے تو ہمیں فوری طور پر اسے ڈھونڈنا چاہیے تاکہ ساحل کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔''

صدف کی تجویز معقول تھی۔ اس نے پستہ قامت شخص کو نیچے آتے نہیں دیکھا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا، وہ بالائی منزل پر ہی کہیں چھپا ہوگا۔ اسی لمحے میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور مجھے وہ منظر یاد آ گیا جب وہ شخص بڑے افراتفری کے عالم میں باتھ روم سے برآمد ہوا تھا۔ عین ممکن تھا، اس نے اپنی بچت کے لیے دوبارہ اسی گوشۂ عافیت میں پناہ لے لی ہو۔

میں صدف کے ساتھ زینہ طے کرتے ہوئے تیزی سے اوپر پہنچا۔ صدف نے پوچھا ''منشا کے بارے میں کچھ پتا چلا؟''

''ابھی تک تو وہ سُورما مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔'' میں نے کہا ''لیکن ہوسکتا ہے، میں نے جس پستہ قامت، سیاہ پوش شخص کے بارے میں تم سے استفسار کیا وہی منشا ہو۔ میں نے اسے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا اس لیے اس کی صورت سے واقف نہیں ہوں۔''

ہم بالائی منزل پر پہنچ گئے۔ میں تقریباً دوڑتے ہوئے اسی کمرے میں آیا جہاں پستہ قامت شخص سے پہلی ''ملاقات'' ہوئی تھی۔ میرا رخ باتھ روم کی طرف تھا۔ ایک خیال ذہن میں جم گیا تھا تو سوچا، پہلے اسی کی تصدیق کرلوں۔

میں نے باتھ روم کے دروازے پر دباؤ ڈالا تو چونک پڑا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا، کوئی باتھ روم کے اندر بند ہے۔ میں نے گن کی نال سے دروازے پر دستک دی۔ اسی لمحے اندر کسی چیز کے گرنے کی آواز ابھری۔ اس آواز نے تصدیق کردی کہ اندر کوئی موجود تھا۔

میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا ''ہم نے کوٹھی اور یہاں کے حالات پر پوری طرح قابو پالیا ہے اس لیے اگر زندگی چاہتے ہو تو خود کو ہمارے حوالے کردو ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔''

اندر سناٹا طاری تھا، شاید میری دھمکی نے اس شخص کو سناٹے میں پہنچا دیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اندر سے آنے والی آواز نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ وہ خبیث باتھ روم میں موجود ہے۔ پتا نہیں، وہ کس خیال کے تحت خاموش ہوگیا تھا۔

مجھے اپنے کان کے نزدیک صدف کی سرگوشی سنائی دی ''وجدان! جو بھی کرنا ہے، جلدی کرگزرو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ سکندر کے فرار نے حالات کو مخدوش بنا دیا ہے۔ کہیں کوئی بڑی گڑبڑ نہ ہوجائے۔''

زخمی سکندر کے فرار نے مجھے بھی تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔ میں خود جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ میں نے دوبارہ باتھ روم کے دروازے پر زوردار دستک دی اور تحکمانہ انداز میں کہا۔

''میں تمہیں صرف دس سیکنڈ کی مہلت دیتا ہوں اور یہ مہلت میری بات ختم ہوتے ہی شروع ہوجائے گی۔ اگر زندگی کو مزید انجوائے کرنا چاہتے ہو تو فوراً دروازہ کھول کر باہر نکل آؤ۔ وقت گزرنے کے بعد میں دروازے پر اندھا دھند فائرنگ کردوں گا۔ اس کے بعد جو بھی ہوگا، تم اس کا تصور کرسکتے ہو۔ پہلے یہ دروازہ چھلنی ہوگا اور پھر تمہارا جسم۔ دس سیکنڈ کو شمار کرنا شروع کردو۔''

میں نے خاموش ہوکر صدف کو دیکھا۔ وہ الجھن زدہ نظر باتھ روم کے دروازے کو تک رہی تھی۔ میں باتھ روم کے دروازے پر گولیاں برسانے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دروازے کو زبردستی توڑنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ''جی'' کی بھرپور قوت کے ساتھ میرے کندھے کی ایک ضرب دروازے کو چوکھٹ سے اکھاڑ دیتی۔ خوامخواہ فائرنگ کرکے لوگوں کو اس جانب متوجہ کرنا حماقت میں شمار ہوتا۔ ریاض کی چلائی ہوئی ایک گولی ہی کافی تھی۔ اس بات کا خدشہ پیدا ہوچکا تھا، کوئی بھی وقت حالات کی بو سونگھتا ہوا اس طرف آنکلے گا!

باتھ روم کے اندر موجود شخص نے اس نازک موقع پر عقل مندی کا ثبوت دیا۔ زندگی سب کو پیاری ہوتی ہے اور جرائم پیشہ شخص کو تو کچھ زیادہ ہی پیاری ہوتی ہے۔ گناہ کی لذت بڑا دھوکا دینے والا تجربہ ہے۔ اس سے انسان کی نیت کبھی نہیں بھرتی۔ وہ اس تجربے سے بار بار گزرنے کے لیے طویل عرصے تک جینا چاہتا ہے۔

میری دی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی باتھ روم کا دروازہ کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے میں مجھے وہی شخص کھڑا دکھائی دیا جس کی کلاشنکوف اس وقت میرے قبضے میں تھی۔ اس نے نہایت شرافت کے ساتھ دونوں ہاتھ سر سے بلند کر رکھے تھے۔ اس کا مکروہ چہرہ لہولہان ہونے کے بعد خاصی بھیانک صورت اختیار کرچکا تھا۔ یہ میری پٹائی اور دیوار سے ٹکراؤ کا نتیجہ تھا۔

میں نے گن کو ایک خطرناک جنبش دی اور تحکمانہ انداز میں کہا ''باہر نکلو!''

وہ ''ہینڈز اپ'' پوزیشن میں رہتے ہوئے باتھ روم سے نکل آیا۔ میں نے جس میز پر وہ کلاشنکوف رکھی دیکھی تھی، اس کے قریب ہی ایک کرسی بھی پڑی تھی۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے میرے حکم کی تعمیل کی تو میں نے نہایت سنگین الفاظ میں استفسار کیا۔

''زندہ رہنا چاہتے ہو؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

اس شخص کے انداز و اطوار سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ منشا کسی صورت نہیں ہوسکتا تھا۔ منشا درجنوں افراد کا باس تھا۔ اس طرح دم دبا کر باتھ روم میں چھپ کر بیٹھنا اس جیسے آدمی کو زیب نہیں دیتا تھا۔ وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتا یا پھر سکندر کی طرح موقع سے فرار ہوجاتا۔

میں نے پستہ قامت کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے سوال کیا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''آفتاب خان۔'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا ''منشا کہاں ہے؟''

''منشا!'' اس نے خوف زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا ''یہاں تو کوئی منشا نہیں رہتا۔ یہ تو شمشاد صاحب کی کوٹھی ہے۔ وہ امریکا گئے ہوئے ہیں۔''

اگر میں اس کوٹھی میں سکندر اور ریاض کو نہ دیکھ لیتا تو شاید اس کی بات کا اعتبار کرلیتا لیکن اب میں اس کے کسی چکر میں نہیں آسکتا تھا۔ وہ مجھے کسی شمشاد علی ایڈووکیٹ کی فرضی کہانی سنا کر بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔ میں نے پھنکار سے مشابہ لہجے میں کہا۔

''تم اسی شمشاد کا ذکر کررہے ہو نا جس کے چھوٹے بھائی کا نام وحید ہے؟''

اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا ''جی، جی۔ وہی شمشاد صاحب۔ وحید صاحب آج کل راولپنڈی گئے ہیں۔''

ایمبولینس کے ڈرائیور عبدالکریم نے مجھے بتایا تھا، اس نے کسی وحید کے ایما پر ساحل کو رکھیاں والی سے لاہور پہنچایا تھا اور اب آفتاب نامی یہ پستہ قامت شخص مجھے کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔ گویا وہ مجھے مس گائیڈ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

میں نے اچانک اس کے سینے پر ایک زوردار فرنٹ کک جڑ دی۔ میری یہ حرکت اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ وہ کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا۔ میں اچھل کر اس کے سر پر پہنچا اور گن کی نال کا رخ اس کی پیشانی کی جانب کرتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔

''تم اپنی باتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہو کہ تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں۔''

وہ میری آواز میں موجود سنگینی کو محسوس کرکے خوف زدہ ہوگیا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر سخت لہجے میں پوچھا ''بتاؤ، منشا کہاں گیا ہے اور وہ لڑکی کہاں ہے جسے آج دوپہر یہاں پہنچایا گیا تھا؟''

اس کے خوف میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ اس نے میری باتوں سے اندازہ لگالیا کہ میں نے اس پر کچا ہاتھ نہیں ڈالا اور یہ کہ میں اس سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں، پوچھ کر ہی جان چھوڑوں گا۔ میں نے اس کی دہشت کو بڑھانے کے لیے مزید کہا۔

''آج دوپہر لگ بھگ ایک بجے میری ایک ساتھی کو

سفید ایمبولینس میں یہاں لایا گیا ہے۔ اس لڑکی کا نام ساحل ہے جو رکھاں والی کے چوہدری نوازش علی کی تحویل میں تھی۔ اسی ایمبولینس میں ڈرائیور کے علاوہ دو اور افراد بھی موجود تھے جن کا تعلق کراچی سے ہے۔ ان میں سے داڑھی والے ایک شخص کا نام کبیر شاہ ہے۔ ازیں علاوہ رکھاں والی سے چوہدری نوازش علی کا بیٹا فیصل بھی ان کے ساتھ آیا ہے۔ میں نے جس سفید ایمبولینس کا ذکر کیا ہے اس کا ڈرائیور عبدالکریم میری قید میں ہے۔ میں اسی کی نشان دہی پر یہاں آیا ہوں۔''

میں نے محسوس کیا، آفتاب خان کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ یک لخت برسوں کا بیمار نظر آنے لگا۔ میں نے دھمکی آمیز انداز میں کہا ''اگر تم نے اب بھی زبان نہ کھولی تو کسی پچھتاوے کو محسوس کرنے کے لیے زندہ نہیں رہو گے۔ میں تمہاری کھوپڑی میں اتنی گولیاں اتاروں گا کہ بھیجے کو اٹھانا ممکن نہیں رہے گا۔ بولو، کیا کہتے ہو؟'' میں نے گن کی نال کو اس کی پیشانی کے وسط میں ٹکا دیا ''مجھے منشا، ساحل فیصل اور کبیر شاہ وغیرہ کے بارے میں بتاتے ہو یا میں اپنی دھمکی پر عمل کر ڈالوں؟''

میرے الفاظ میں پوشیدہ وحشت اور سفاکی نے اس کے اعصاب کا کچومر نکال دیا۔ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا ''ب..... بتاتا..... ہوں..... تم گن کو ادھر سے ہٹاؤ۔''

میں نے کلاشنکوف کی نال کو اس کی پیشانی میں گھسانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''یہ نال اسی وقت یہاں سے ہٹے گی جب تم میرے سوالات کے جواب دے دو گے، ورنہ نہیں!''

میرے دوٹوک اور سنگین انداز..... نے اس کی زبان کھول دی۔ اس نے سراسیمہ لہجے میں مجھے بتایا کہ دو بجے کے قریب وہ لوگ یہاں سے روانہ ہوگئے تھے۔ ایک گھنٹے تک صرف اس لیے ساحل کو روکا گیا تھا کہ اگر کوئی تعاقب میں ہو تو اس کا سراغ لگایا جاسکے۔ مطمئن ہونے کے بعد ساحل کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ کبیر شاہ، اس کا ساتھی، چوہدری نوازش کا بیٹا فیصل اور منشا بھی ساحل کے ساتھ ہی گئے تھے۔ میں نے جب آفتاب سے پوچھا کہ وہ کہاں گئے ہیں تو اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔

میں نے غرا کر کہا ''مجھے گولی چلانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر ایک مرتبہ ٹریگر دب گیا تو پھر جب تک تم ریشہ ریشہ نہیں ہو جاؤ گے، میرا ہاتھ نہیں تھکے گا۔ تمہیں تمہارا باس اور اس کا باپ بھی نہیں بچا سکے گا!''

وہ ہکلایا ''سب لوگ چوہدری صاحب کی کوٹھی پر گئے ہیں..... چوہدری صاحب نے اپنی خصوصی گاڑی بھیجی تھی۔ وہ اسی گاڑی میں گئے ہیں.....''

اس کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے پوچھا ''تم چوہدری دلدار کی بات کر رہے ہو نا؟''

اس نے سر کو اثباتی جنبش دینے پر اکتفا کیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ مصیبت میں نظر آ رہا تھا۔ خوف اور دہشت نے اسے پوری طرح اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔ میرے لہجے سے حقارت جھلک رہی تھی۔

''تم چوہدری دلدار کے سامنے دم ہلانے اور اس کے تلوے چاٹنے والا ایک ادنیٰ سا درباری ہو۔ وہ تمہارے باس کا بھی باس ہے، یعنی تمہارے باپ کا باپ ہے۔ تم اپنے دلدار جان کے ٹھکانے سے ضرور واقف ہو گے۔ مجھے چوہدری کی کوٹھی کا پتا بتاؤ؟''

''تم یقین جانو، میں چوہدری صاحب کی کوٹھی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا'' وہ ملتجیانہ انداز میں بولا ''مجھے صرف اتنا معلوم ہے، وہ ڈیفنس سوسائٹی کی کسی عظیم الشان کوٹھی میں رہتے ہیں۔ میں کبھی وہاں نہیں گیا، صرف سنا ہی سنا ہے۔''

''قادر بخش نے بھی صرف سنا ہی سنا تھا'' میں نے تلخ لہجے میں کہا ''اس لیے میں نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا ہے جہاں وہ سب کی سنے گا، کوئی اس کی نہیں سنے گا۔ لگتا ہے تمہیں بھی قادر بخش کے پاس ہی پہنچانا ہوگا۔ تم دونوں ساتھ ایک ہی پنجرے میں اچھے لگو گے۔''

قادر بخش کے ذکر پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا ''تو کیا قادر بخش تمہاری قید میں ہے؟''

''صرف وہی نہیں بلکہ تمہارے گم شدہ تمام ساتھی'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا پھر میں نے اسے مزید خوف زدہ کیا ''ان سب کا یہی قصور ہے کہ انہوں نے چوہدری دلدار کی کوٹھی کو دیکھا ہے اور نہ ہی اس کا پتا جانتے ہیں۔''

وہ تیز آواز میں چیخا ''یہ سچ ہے..... سولہ آنے سچ ہے۔ صرف منشا صاحب ہی چوہدری صاحب کی کوٹھی میں آتے جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی وہاں نہیں گیا۔ مگ باس کو نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

''قسم کھانے یا زہر پینے سے بات نہیں بنے گی'' میں ایک فوری اور اچھوتے خیال کے تحت اسے دوسرے راستے سے گھسا ''میں تمہاری زبان پر اعتبار کر لیتا ہوں۔ اب تم

کی طرح مجھے صرف اتنا بتا دو، چوہدری دلدار نے ان لوگوں کے لیے کون سی خصوصی گاڑی بھیجی تھی اور اس گاڑی کا نمبر کیا ہے؟'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے قدرے تلخی آمیز لہجے میں اضافہ کیا۔ ''اب یہ نہ کہنا کہ تم نے گاڑی دیکھی ہے اور نہ ہی اس کا نمبر تمہیں یاد ہے۔''

''وہ نئے ماڈل کی کنگ سائز لینڈ کروزر تھی۔'' اس نے ثبوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بتایا ''باڈی بھی سیاہ اور شیشے بھی۔ ان شیشوں کے پیچھے دیکھا نہیں جا سکتا جبکہ گاڑی کے اندر موجود افراد باہر کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس سیاہ جیپ کا نمبر ہے، سیون نائن تھری فائیو۔''

''اگر تمہاری بتائی ہوئی باتیں غلط ثابت ہوئیں تو میں تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دوں گا'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ویسے مجھے امید تھی کہ آفتاب خان نے جھوٹ نہیں بولا ہوگا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا ''میں نے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ جتنا میں جانتا تھا، وہ تمہیں بتا دیا۔ اب ایک درخواست تم سے بھی ہے۔'' اس نے التجا آمیز نظر سے مجھے دیکھا۔

''ہاں، ہاں۔ جلدی بولو'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

وہ بولا ''مجھ پر صرف اتنا احسان کرنا کہ کہیں میرا نام نہ آئے۔ میں نے تمہیں کسی قسم کی معلومات فراہم نہیں کیں۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''اچھی طرح سمجھ رہا ہوں'' میں نے اثبات میں سر ہلایا ''تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اس لیے میں تمہیں ہاتھ روم میں بند کر کے جا رہا ہوں۔'' پھر میں نے اسے گن کی نال سے ٹہوکا دیا ''چلو اٹھو، تمہیں باتھ روم پکار رہا ہے۔ پہلے تم اپنی مرضی سے اس میں روپوش ہوئے تھے، اب میرے حکم پر وہاں بند ہو گے اور..... اس بار دروازہ اندر سے نہیں بلکہ باہر سے لاک کیا جائے گا۔ ویسے تم اپنا شوق پورا کرنے کے لیے اندر سے بھی کنڈی لگا سکتے ہو۔''

وہ کلرز خرید غلام کی طرح گن کے اشارے پر اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ میں نے باتھ روم کے دروازے کو اچھی طرح باہر سے بند کر دیا۔ اب وہ اپنی خواہش پر باتھ روم سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ باہر سے کھولنے کے لیے اس کوٹھی میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔

اس کوٹھی میں ایک پل مزید رکنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا لہٰذا ہم دونوں وہاں سے نکل آئے۔ آفتاب کی کلاشنکوف کو میں نے کوٹھی کی بالائی منزل پر ہی پھینک دیا تھا۔ البتہ ریاض علی کا ریوالور میں اپنے ساتھ لے آیا..... یہ چھوٹا سا ہتھیار لباس کے اندر بہ آسانی چھپایا جا سکتا تھا اور کسی نازک موقع پر کام میں بھی لایا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

سکندر کے بزدلانہ فرار نے حالات کی سنگینی کو اور بڑھا دیا تھا۔ وہ مجھے اور صدف کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور یہ بات بھی اسے معلوم ہو چکی تھی کہ چوہدری دلدار میرا طلب گار ہے۔ سکندر کی منشا کی کوٹھی پر موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا، وہ ساحل والے معاملے سے باخبر ہو چکا ہے لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہاں سے فرار ہونے کے بعد سیدھا ڈیفنس سوسائٹی پہنچا ہوگا تاکہ چوہدری دلدار اور منشا کو ان تازہ ترین حالات سے باخبر کر سکے۔

ایک موہوم سا امکان یہ بھی تھا کہ دیگر افراد کی طرح سکندر بھی چوہدری دلدار کی کوٹھی سے واقف نہ ہو لیکن اس صورت میں وہ کسی بھی طرح منشا تک ہماری اطلاع ضرور پہنچاتا۔ حالات نے اچانک ایسا پلٹا کھایا تھا کہ میں ساحل کے قریب ہوتے ہوئے بھی اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ میرا ذہن اس وقت بہت تیزی سے چوہدری دلدار تک پہنچنے کی پلاننگ کر رہا تھا اور اس سلسلے میں، میں ایک نہایت ہی اہم کلیو حاصل کر چکا تھا۔

میں نے آفتاب خان سے چوہدری دلدار کی بھیجی ہوئی گاڑی اور اس کے نمبر کے بارے میں خوامخواہ نہیں پوچھا تھا بلکہ اس کے ذریعے میں چوہدری دلدار کا سراغ لگا سکتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا، جب میں لاہور آنے کے بعد صدف سے الگ ہوا تھا تو اس ضدی لڑکی نے کس طرح میرا سراغ لگایا تھا۔ میں بھی اسی کی ترکیب آزمانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں صدف کے ماموں اورنگ زیب خان کا نام میرے ذہن میں جل بجھ رہا تھا۔ وہی اورنگ زیب جو ڈی ایس پی ٹریفک تھا۔

منشا کی کوٹھی سے واپسی کے وقت بھی صدف ہی گاڑی کو ڈرائیو کر رہی تھی۔ وہ نیو کیمپس کے علاقے سے بہ خوبی آگاہ تھی۔ اس کی کزن نادیہ کا یہاں آنا جانا لگا رہتا تھا کیونکہ وہ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس سے انگلش میں ماسٹرز کر رہی تھی۔

نیو کیمپس اور مسلم ٹاؤن کے درمیان نیو مسلم ٹاؤن کا علاقہ تھا اور پتا نہیں کیوں، صدف وحدت روڈ کی طرف جانے کے بجائے اس طرف نکل آئی تھی۔ اس نے ڈرائیونگ کے دوران میں مجھ سے پوچھا۔

''وجدان! اب کیا ارادہ ہے؟'' اس کے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی تھی ''آیندہ کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟''

میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''میں تمہارے ڈی ایس پی ماموں سے مدد لینا چاہتا ہوں۔ وہ سیاہ لینڈ کروزر کے نمبر سے پتا چلا سکتے ہیں کہ اس جیپ کا مالک ڈیفنس سوسائٹی میں کہاں رہتا ہے۔ تم نے بھی انہی کے تعاون سے میرے ہوٹل تک رسائی حاصل کی تھی۔''

''اچھا آئیڈیا ہے'' اس نے سراہا ''لیکن اس کے لیے ہمیں ان کے پاس جانا ہوگا اور وہ پوچھیں گے کہ ہم تو سید پور چلے گئے تھے پھر سیاہ لینڈ کروزر درمیان میں کہاں سے آ گئی؟''

اس پولیس والے سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوجاتا تو بہت سا وقت ضائع ہوتا اور اسے مطمئن بھی کرنا مشکل ہوجاتا۔ میں نے کہا ''اس سلسلے میں نادیہ کو بیچ میں ڈالا جاسکتا ہے۔ تم اسے اعتماد میں لے کر بتا سکتی ہو کہ ہم ناگزیر وجوہ کی بنا پر سید پور نہیں جا سکے اور یہ کہ سیاہ لینڈ کروزر کا سراغ لگانا بہت اہم ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے ڈیڈی سے کوئی چکر چلا کر ہماری مطلوبہ معلومات فراہم کردے۔''

''ٹھیک ہے، میں نادیہ سے رابطہ کرتی ہوں'' وہ مضبوط لہجے میں بولی ''یہیں کیمپس ہی سے میں اسے فون کرتی ہوں۔''

میں نے کہا ''تم فون کرنے کے بجائے اگر براہِ راست اس سے جا کر مل لیتیں تو زیادہ اچھا تھا۔''

''تاکہ ہمارے سید پور نہ جانے کی خبر عام ہوجائے اور ماموں مجھے گھر میں بٹھادیں'' وہ روانی میں بولتی چلی گئی ''وجدان! میں ان حالات میں تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ یہ بات تم اپنے ذہن میں بٹھالو۔ نادیہ سے میں کس طرح کام نکلواتی ہوں، یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

میں نے ایک گہری اور طویل سانس خارج کی۔ اگرچہ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ صدف گھر جا بیٹھے لیکن وہ عجیب لڑکی اس حوالے سے خاصی بدکی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کے ذہن سے یہ بات خارج نہیں ہوئی تھی کہ میں اسے حیلے بہانے سے خود سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے، جلدی کرو۔ وقت بہت کم ہے۔ شام کے پانچ بجنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شام اور پھر رات ہوجائے گی۔ یہ رات مجھ پر بہت ستم ڈھائے گی صدف!''

آخری جملہ میں نے اتنی شدت سے ادا کیا کہ مجھے اپنی آواز اور لہجے پر خود حیرت ہوئی۔ اس وقت میری دلی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ صدف میری حالت سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے ایک بوتھ سے نادیہ کو فون کیا۔ میں اس دوران اپنی گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ تین منٹ بعد وہ واپس آ گئی پھر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بولی۔

''نادیہ سے میری بات ہوگئی ہے۔ اس نے آدھے گھنٹے بعد فون کرنے کو کہا ہے۔''

میں نے پوچھا ''اس نے کام ہونے کی امید دلائی ہے؟''

''بالکل دلائی ہے'' وہ قطعیت سے بولی۔

میں نے پوچھا ''وہ اپنے ڈیڈی کو کیا کہانی سنائے گی؟''

''وہ ماموں جان کو بیچ نہیں کرے گی۔''

''یہ اچھی بات ہے'' میں نے مطمئن انداز میں کہا۔

وہ بولی ''لیکن نادیہ نے مجھ سے ایک وعدہ لیا ہے'' میں نے چونک کر اسے دیکھا، اس نے مزید بتایا ''اس کا کہنا ہے میں گاہے بہ گاہے رابطہ کر کے اسے اپنے حالات سے باخبر رکھوں، چاہے دن میں صرف ایک بار ہی رابطہ کروں۔''

''تو کیا تم نے اسے ان حالات کے بارے میں بتایا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے کہا ''میں نے واضح طور پر اس سے کوئی بات نہیں کی۔ ساحل کا کہیں ذکر نہیں کیا، بس اتنا کہا ہے، وجدان کے ایک خاص مشن میں، میں اس کے ساتھ ہوں۔ یہ اتنا اہم معاملہ ہے کہ ہمیں سید پور کا پروگرام کینسل کرنا پڑا۔''

''تمہارا دماغ خوب چلتا ہے جبکہ.....'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

وہ جلدی سے بولی ''جبکہ..... کیا مطلب؟''

''جبکہ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ تمہاری صرف زبان چلتی ہے'' میں نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا ''یا پھر تمہارے ہاتھ پاؤں چلتے ہوئے دیکھے ہیں میں نے۔''

وہ معنی خیز لہجے میں بولی ''یہ تمہارے لیے اچھا ہے۔''

''کیا اچھا ہے؟'' میں بدستور ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا۔

وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے بولی ''میں یہ بات ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے کہہ رہی ہوں۔ تم اسے ایک طبی مشورہ بھی سمجھ سکتے ہو۔ یہ کسی ٹانک سے کم نہیں۔''

صدف کی ان بے ربط اور بے محل باتوں نے مجھے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کردیا۔ وہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے زیرِلب مسکرا رہی تھی۔ اس کا یہ انداز میری سمجھ میں نہیں آیا۔

ہم ہنسنے مسکرانے یا قہقہہ لگانے والے حالات سے نہیں گزر رہے تھے۔ پتا نہیں کیوں، اسے تفریح کی سوجھ رہی تھی۔

میں نے قدرے سخت لہجے میں استفسار کیا ''صدف! یہ سب کیا ہے۔ تمہاری ایک بات بھی میرے پلے نہیں پڑی۔''

وہ مجھے انتہائی سنجیدہ اور الجھا ہوا دیکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''تم نے میرے دماغ، زبان اور ہاتھ پاؤں کے چلنے کی جو بات کی تھی، اس سے شگفتگی پھوٹتی ہے جبکہ تم انتہائی ٹینس اور ناقابلِ یقین حالات سے گزر رہے ہو۔ یہ تبدیلی امید افزا ہے۔ دشوار ترین حالات میں بھی اگر انسان کی حس مزاح زندہ رہے تو وہ تمام مشکلوں کو پاؤں کی ٹھوکروں میں اڑا سکتا ہے۔ میں نے اسی حوالے سے تمہاری بات کو سراہا تھا'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے بے نیازی کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''کیا کروں، ڈاکٹر ہوں نا۔ تم میری ڈاکٹری کو تسلیم کرو یا نہ کرو لیکن میں تمہیں طبی مشورے دینے سے باز نہیں آسکتی'' بات کے اختتام پر اس نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔

میں اس منی پیک حسینہ کو حیرت بھری نظر سے تکنے لگا۔ اسے کتنا خیال تھا میرا۔ صدف میڈیکل کے فائنل ائیر میں تھی اور اب تب میں ڈاکٹر بننے ہی والی تھی۔ اگر وہ واقعی ڈاکٹر بن جاتی تو میرے نزدیک یہ کسی معجزے سے کم نہ ہوتا۔ میں نے پچھلے چند روز سے اس کی جو سرگرمیاں نوٹ کی تھیں اور اس کے جن عزائم سے مجھے آگاہی ہوئی تھی، وہ بہت ہی تشویش ناک اور سنگین تھے۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں لیکن وہ بدستور سامنے کی طرف سے انجان بنی گاڑی چلا رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے میں اس کے سراپا میں کھو کر رہ گیا۔ اس بے خودی کا سبب صدف کے وہ جذبات تھے جن کا اظہار اس نے تھوڑی دیر پہلے کیا تھا۔ کسی بھی مرد کے لیے یہ بات بڑی اہم اور قابلِ قدر ہوتی ہے کہ کسی صنفِ مخالف کو اس کا خیال ہے۔ صدف کی زندگی کے جو لمحات میرے ساتھ گزرے، ان میں اس نے بارہا اس حقیقت کو ثابت کیا۔ میں اس مہرباں دوست کے خلوص کو محسوس کر رہا تھا، اس کے جذبات قابلِ ستائش تھے لیکن اس کی دنیا بڑی نرالی ہے۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میں کسی اور کا خیال ہوں، وہ میرے خیال میں لگی ہوئی تھی!

کئی چند لمحات تک اس پاکٹ سائز زرخیز بدن و دوشیزہ کی جانب بے ساختہ دیکھتا رہا پھر میری نگاہ جھک گئی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو تکنے لگا۔ اسی لمحے صدف کی مترنم آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''وجدان! تمہیں بھوک نہیں لگ رہی؟'' اس نے سرسری انداز میں پوچھا ''میں تو اچھی خاصی بھوک محسوس کر رہی ہوں۔ ناشتے کے بعد سے اب تک میں نے کچھ نہیں کھایا۔''

کھایا تو میں نے بھی کچھ نہیں تھا۔ حالات میں اتنی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ ہمیں کھانے کا خیال ہی نہ آیا۔ اب صدف نے تذکرہ کیا تو مجھے بھی بھوک محسوس ہونے لگی۔ میں نے کہا ''کوئی ریسٹورنٹ تلاش کرو۔ ہمارے پاس آدھا گھنٹا ہے۔ اس وقفے سے مہلت حاصل کر کے کھانا ہی کھا لیتے ہیں، پھر پتا نہیں کب اس کا موقع ملے۔''

''میں ریسٹورنٹ ہی کی طرف جا رہی ہوں'' صدف نے کہا۔

میں نے پوچھا ''مسلم ٹاؤن سے نکلنے کے بعد تم نیو کیمپس کی طرف کیوں آ گئی ہو؟ کیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟''

''کوئی سبب نہیں'' وہ سادگی سے بولی ''بس بے دھیانی میں، میں اس طرف نکل آئی ہوں۔'' پھر ایک لمحے کو رک کر اس نے کہا ''چلو، یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ ادھر نزدیک ہی ایک بہت عمدہ ریسٹورنٹ ہے۔ ہم وہیں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ہم مذکورہ ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔ وہ باقاعدہ کھانے کا وقت تو نہیں تھا لیکن صدف کے اصرار پر ہم نے ڈٹ کر کھایا۔ پھر وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی کہ نادیہ کو فون کر کے آتی ہے۔ پہلے فون کو آدھا گھنٹا گزر چکا تھا۔

صدف کے جانے کے بعد میں خود کو پیش آمدہ حالات پر غور کرنے لگا۔ اب تک کی تحقیق یہی ظاہر کرتی تھی کہ ساحل کو چوہدری دلدار کی کوٹھی پر پہنچایا گیا ہے۔ اگر مجھے اس چوہدری کا پتا معلوم ہوجاتا تو میں اُڑ کر اپنی ساحل تک پہنچ جاتا۔ پتا نہیں، وہ کس حال میں تھی؟ اس کے ساتھ آیندہ کیا حالات واقعات پیش آنے والے تھے۔ کبیر شاہ اسے رکھاں والی سے اپنے ساتھ لایا تھا تو آگے اس کا کیا پروگرام تھا؟ زیادہ امکانات اسی بات کے تھے کہ ساحل کو کراچی پہنچایا جائے گا، شعیب غوری کے پاس..... جس نے مجھ سے نئی نئی دشمنی اور چوہدری نوازش سے دوستی گانٹھی تھی۔ اگر ساحل، شعیب غوری کی تحویل میں چلی جاتی تو یہ ایسا ہی تھا جیسے میری شہ رگ اس کے خنجر تلے آجائے۔ چوہدری نوازش علی نے میری بہت بڑی کمزوری کا سودا کردیا تھا۔

ساحل کو کراچی جانے سے روکنا تھا..... ہر صورت روکنا تھا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا اور کٹھن امتحان تھا اور ہر

قیمت پر مجھے یہ امتحان پاس کرنا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ساحل کے تصور میں کھو گیا۔ پھر جیسے وقت تھم گیا ہو..... بائیس صدیاں ایک ساتھ گزر گئی ہوں۔

اس حسین اور دل نشین تصور کو ایک مانوس آواز نے توڑ دیا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ صدف ابھی تک فون کرکے واپس نہیں آئی تھی۔ میری متلاشی نگاہ غیر ارادی طور پر اس آواز کے حامل شخص کو کھوجنے لگی جس کی پکار نے ساحل کا تصور توڑا تھا۔ ریسٹورنٹ میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد میری نگاہ خود پر مرکوز ہوگئی۔ میں نے مطلوبہ شخص کو تلاش کرلیا تھا۔

اس وقت میرے عجیب وغریب احساسات تھے۔ میں کوئی غلطی نہیں کررہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے، ساحل کے تصور کے دوران میں، میں نے خود اپنی آواز سنی تھی۔ یعنی میں نے خود کو پکارا تھا۔ میں اپنی آواز کے سلسلے میں بھلا کس طرح دھوکا کھا سکتا تھا۔

یہ جو کچھ بھی تھا، بہت ہی پراسرار اور حیران کن تھا۔ اس قسم کا ایک آدھ تجربہ مجھے گزشتہ روز بھی ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ غیر مرئی احساسات مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ یقیناً کوئی بہت بڑا واقعہ پیش آنے والا تھا۔ میری زندگی کو کوئی نیا رخ ملنے والا تھا۔ کسی نئے افق کی جلوہ گری میری منتظر تھی۔ میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا کہ یہ ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز واقعات کس طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔

صدف کو اپنی جانب آتے دیکھ کر میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آڑا ٹیڑھا تو میں پہلے بھی نہیں بیٹھا ہوا تھا، بس ذہنی انتشار نے مجھے تھوڑا ڈگمگا دیا تھا۔ صدف کے وہاں پہنچنے سے پہلے میں نے خود کو سنبھال لیا۔

''ابھی کچھ دیر اور لگے گی'' وہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولی۔

''کتنی دیر؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''لگ بھگ آدھا گھنٹا'' صدف وضاحت کرتے ہوئے بولی ''رجسٹریشن آفس کے جس شخص سے ہماری مطلوبہ معلومات حاصل ہوسکتی ہیں، اس نے آدھا گھنٹا مانگا ہے۔ کام انشاء اللہ ہوجائے گا۔''

میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''ٹھیک ہے، آدھا گھنٹا اور سہی لیکن اس دوران میں ہم ایک اور کام کرلیتے ہیں'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

''کون سا کام وجدان؟'' صدف الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''ہم نے ایمبولنس کے ڈرائیور عبدالکریم کو فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے تہ خانے میں بند کر رکھا ہے۔ وہ عادی مجرم معلوم نہیں ہوتا، بس ساحل والے معاملے میں اسے آلہ کار بنایا گیا ہے۔ اس کے بیوی بچے کوٹ لکھپت میں انتظار کررہے ہوں گے۔ آئندہ حالات کا کچھ پتا نہیں، ہمیں اس طرف آنے کی کب مہلت ملے۔ اس نے ہماری درست راہنمائی کی ہے۔ میرا خیال ہے، اسے رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

صدف نے میری تائید کی اور ہم بل ادا کرنے کے بعد ریسٹورنٹ سے نکل آئے۔ اس مرتبہ کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھال لی۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیز رفتاری سے کام کررہا تھا۔ میری سوچ کا مرکز ساحل تھی اور وہ تازہ ترین گٹھ جوڑ جو شعیب خوری اور چوہدری نوازش علی کے درمیان ہوا تھا۔ اگرچہ ابھی تک اس گٹھ جوڑ کی حتمی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہوسکی تھی۔ تاہم ساحل کا لاہور پہنچایا جانا یہی ظاہر کرتا تھا کہ اسے مزید آگے کراچی پہنچایا جائے گا۔

میرے پاس (ATM-CARDS) موجود تھے۔ نہ کیمپس سے فاضلیہ کالونی کی طرف جاتے ہوئے میں نے اپنے سلور اور گولڈ کارڈز کا استعمال کیا اور زیادہ سے زیادہ نقد رقم حاصل کرسکتا تھا، وہ میں نے ڈرا کرلی۔ میرے اکاؤنٹس میں ایک کثیر رقم موجود تھی لیکن کارڈز کی مدد سے ایک مخصوص اماؤنٹ سے زیادہ ڈرا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ویسے میرے پاس پہلے سے بھی کچھ رقم موجود تھی۔ صدف نے میری اس کارروائی پر کسی حیرت کا اظہار کیا اور نہ ہی کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔

ہم فاضلیہ کالونی پہنچے، عبدالکریم کو تہ خانے سے نکالا۔ باہر ہال نما کمرے میں لانے کے بعد میں نے اس سے کہا ''عبدالکریم! تم نے ہم سے غلط بیانی نہیں کی لہٰذا ہم تمہیں آزاد کررہے ہیں لیکن تم اس سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھانا ورنہ بہت گھاٹے میں رہو گے۔''

وہ روہانسی آواز میں بولا ''جناب! آپ ناجائز فائدے کی بات کرتے ہیں، میں تو اس آزادی سے کوئی جائز فائدہ بھی نہیں اٹھاؤں گا۔ میں نے یہ دو ڈھائی گھنٹے بڑے عذاب میں گزارے ہیں۔''

''اور تمہیں اس بات کا بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہم کتنے خطرناک ہیں!'' میں نے سفاکی سے کہا۔

وہ بڑی شدت سے اثبات میں گردن ہلانے لگا پھر بولا ''تہ خانے کے حالات آپ کی طاقت اور پہنچ کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، تم باہر جاکر اپنی زبان بند رکھو گے؟''

''جی، میں نے کچھ دیکھا ہے اور نہ ہی سنا ہے۔'' وہ سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا ''آپ فکر نہ کریں، میں کسی کو آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

میں نے اس کے ذہن میں بیٹھے ہوئے خوف کو پختہ کرتے ہوئے کہا ''اگر تمہارے دل میں، ہمارے بارے میں کسی کو بتانے کا شوق پیدا ہو تو تم اپنا شوق پورا کرکے دیکھ لینا۔ اگلے ہی لمحے تمہارے بیوی بچے تم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائیں گے۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور کہا ''میں نے اپنے جن ساتھیوں کو کوٹ لکھپت روانہ کیا تھا، وہ مسلسل تمہارے گھر کی نگرانی کرتے رہیں گے۔ اِدھر تم نے کوئی غلطی کی، اُدھر ان کا کام تمام۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولا ''بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں جناب!''

''کیا تم تہ خانے میں موجود افراد میں سے کسی کو جانتے ہو؟''

اس نے نفی میں جواب دیا۔ میں نے مطمئن ہونے کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔

نادیہ نے جو مزید آدھے گھنٹے کی مہلت لی تھی اس میں سے بیس منٹ گزر چکے تھے۔ دس منٹ بعد اس سے دوبارہ رابطہ کیا جاتا۔ میں نے یہ دس منٹ کوٹھی ہی میں گزارنے کا فیصلہ کیا اور اس کمرے میں آبیٹھا جس میں فون تھا۔

صدف نے کہا ''کیا تم یہیں سے نادیہ کو فون کروانا چاہتے ہو؟''

''ہاں، ارادہ تو یہی ہے۔'' میں نے کہا ''لیکن اس سے پہلے میں ایک ضروری کال کراچی کروں گا۔''

کراچی کے ذکر پر وہ تھوڑی سی چونکی لیکن اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں منہاس باقر کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ آج ہفتہ تھا اور یہ دن تقریباً گزر ہی چکا تھا۔ کل یعنی اتوار کو منہاس باقر کی بیٹی شبانہ کی برات آنا تھی۔ وہ اس وقت بے پناہ مصروف ہوگا۔ شادی اور پھر بیٹی کی شادی والدین کے لیے بڑی کٹھن امتحان سے کم نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے بیٹی کا باپ یا ماں ہونا ضروری ہے!

میں نے اس کی مصروفیات کے پیشِ نظر گھر پر فون کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس سے رابطہ ہوگیا۔ ریسیور سے میری آواز سنتے ہی اس نے سوال کیا ''وجدان خیریت تو ہے۔ اس وقت تو تمہیں پاشا کے گاؤں سیّد پور میں ہونا چاہیے۔''

''میں لاہور میں ہوں جناب۔'' میں نے بتایا ''سیّد پور جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔'' وہ اپنی مخصوص گمبھیر آواز میں بولا۔

میں نے جواباً اسے مختصراً تازہ ترین سنگین حالات بتائے۔ وہ لحاتی تجزیہ کرنے کے بعد تشویش ناک لہجے میں بولا ''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہارے دو دشمنوں میں کوئی خفیہ ڈیل ہوئی ہے اور وہ ڈیل ساحل کے حوالے سے ہے۔ دشمنی اور دوستی کی دنیا میں ایک اور ایک دو نہیں بلکہ گیارہ ہوتے ہیں، اس حساب سے اب تمہیں گیارہ خطرناک اور طاقت ور دشمنوں سے نمٹنا ہوگا۔''

''میں نے اسی لیے آپ کو فون کیا ہے۔'' میں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا ''قوی امکان اس بات کا ہے کہ ساحل کو بہت جلد لاہور سے کراچی پہنچایا جائے گا۔ میں لاہور میں اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوشش کررہا ہوں۔ میں ہر ممکن طریقے سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر کسی طور چوہدری دلدار مجھے جل دینے میں کامیاب ہوگیا یا کبیر شاہ میرے ہتھے نہ چڑھا تو آپ کو کراچی میں ان کے اڈوں کی نگرانی کا بندوبست کرنا ہوگا۔ میں نے آپ کو شعیب خوری کے ''ساؤتھ'' اور ''ایسٹ'' والے ٹھکانے کے بارے میں تفصیلاً بتایا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ساحل کو ساؤتھ یا ایسٹ ہی پہنچایا جائے۔ ممکن ہے، وہ ملیر، ویسٹ یا پھر سینٹرل پہنچادی جائے!''

منہاس باقر نے سنجیدہ لہجے میں کہا ''ساؤتھ کو تو اس سلسلے میں خارج از امکان ہی سمجھو۔ ابھی پرسوں رات ہی کو تو وہاں پولیس نے ریڈ (RAID) کیا تھا۔ شعیب خوری اس سلسلے میں ضرور احتیاط برتے گا۔ ساؤتھ کا قائم مقام کبیر شاہ مفرور اور پولیس کو مطلوب ہے۔ وہ ساؤتھ کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ البتہ میں ''ایسٹ'' کی کڑی نگرانی کا انتظام کردیتا ہوں۔ تم اس حوالے سے بے فکر ہوجاؤ۔''

منہاس باقر کا تجزیہ بالکل درست تھا۔ پولیس نے جس انداز میں ساؤتھ پر کارروائی کی تھی اس کے پیشِ نظر کبیر شاہ کو بھولے سے بھی اُدھر نہیں جانا چاہیے تھا۔ اس تناظر میں تو ایسٹ کو بھی نظر انداز کیا جاسکتا تھا کیونکہ میں وہاں ایک دو مرتبہ جاچکا تھا۔ شعیب خوری میری صلاحیتوں سے بخوبی آگاہ تھا، پھر اس کا دعویٰ تھا کہ ساؤتھ والا آپریشن میری نگرانی میں

ہوا ہے چنانچہ وہ ساحل کو ایسٹ میں رکھنے کی بھی غلطی نہیں کرسکتا تھا۔ اب آجا کر ملیر، سینٹرل اور ویسٹ ہی رہ جاتے تھے..... اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں تھا کہ وہ انہی ٹھکانوں میں سے کسی ایک پر پہنچائی جائے۔ شعیب خوری کے کراچی میں اور کتنے خفیہ اڈے تھے، میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

منہاس باقر سے مزید دو منٹ کی گفتگو کے بعد میں نے رابطہ موقوف کردیا۔ مخلص اور خیر خواہ افراد ہر حال میں مفید ہوتے ہیں۔ وہ آپ کے کسی کام آسکیں یا نہیں لیکن ان سے پرابلم شیئر کرنے کے بعد دل و دماغ کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ انسان کو محسوس ہوتا ہے، وہ اکیلا نہیں۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہیں۔ یہ احساس، یہ تصور حوصلے کے لیے ٹانک کی حیثیت رکھتا ہے!

ریسیور رکھنے کے بعد میں نے سوالیہ نظر سے صدف کو دیکھا۔ وہ میری نگاہ کا مطلب سمجھتے ہوئے فون کے پاس چلی آئی پھر اس نے نادیہ سے رابطہ کرنے کے لیے ڈائلنگ کی۔ تھوڑی دیر تک وہ دوسری طرف کی گفتگو سنتی رہی۔ اس نے کچھ ''ہوں ہاں'' بھی کیا۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کررہا تھا۔ وہاں ہر لمحے کے ساتھ کچھ تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔ دو منٹ بعد اس نے ریسیور کریڈل کردیا۔

میں نے پوچھا ''کیا پتا چلا؟''

''سیاہ لینڈ کروزر کے مالک کا نام اور ایڈریس معلوم ہوگیا ہے۔''

''کون ہے وہ!'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا ''اور کہاں رہتا ہے؟''

صدف نے جوشیلے لہجے میں بتایا ''اس شخص کا نام چوہدری دلدار ہے اور وہ ڈیفنس فیز ٹو میں رہتا ہے یعنی ہمارا مطلوبہ بندہ!'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے چوہدری دلدار کا ایڈریس بھی دہرایا۔

میرے لیے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ میں اس مقام کا پتا ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا تھا جہاں میری راحتِ جاں کو رکھا گیا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا ''ہمیں جلد از جلد اس کوٹھی پر پہنچنا ہے!'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ''کیا تم ڈیفنس سوسائٹی میں پہلے کبھی جا چکی ہو؟''

صدف بھی میری تقلید میں کھڑی ہوگئی اور بولی ''ایک دو مرتبہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ نادیہ کی ایک کلاس فیلو ادھر رہتی ہے۔ بہرحال، کراچی والے ڈیفنس کی بہ نسبت یہاں ایڈریس ڈھونڈنا آسان ہے۔ ہمیں زیادہ پریشانی نہیں ہوگی!''

جب ہم پاشا کی فاضلیہ کالونی والی کوٹھی سے روانہ ہوئے تو مہربان رات کے ٹھنڈے اندھیرے نے شہر میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ میرے قبضے میں تھی اور صدف پسنجر زسیٹ پر خاموش بیٹھی ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔

میں نے سنجیدہ لہجے میں اسے مخاطب کیا ''صدف! میرا تو ساری زندگی اسی ہنگامہ خیزی میں گزری ہے، تمہارے لیے یہ نیا تجربہ ہوگا!''

''ہاں، تجربہ تو نیا ہے لیکن بڑا سنسنی خیز ہے۔'' وہ جواب میں بولی ''اگرچہ اس بھاگ دوڑ میں میرے مہم جوئی کے جذبات کی تسکین کا بے پناہ سامان موجود ہے لیکن دل سے میری یہی خواہش ہے کہ یہ حالات طوالت اختیار نہ کریں۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ میں نے پوچھا ''اس کا مطلب، مہم جوئی سے تمہارا دل بھر گیا ہے؟''

''ایسی بات نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی ''اگر موجودہ حالت طویل ہوگئے تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ ہمیں اپنے مقصد میں فی الحال کامیابی نہیں ہوئی اور میں..... تمہیں ناکامیاب نہیں دیکھنا چاہتی۔''

صدف کے آخری جملے میں بے پناہ گہرائی پائی جاتی تھی۔ میں اس کی بات کی تہ میں پہنچ گیا اور اس کی خواہش کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں جلد از جلد ساحل تک پہنچ جاؤں۔ اس کی خیر خواہی نے مجھے متاثر کیا۔ میں حیرت سے مستقبل کی اس ڈاکٹر کو دیکھنے لگا جو اپنے عزائم اور حرکات کی بدولت کہیں سے بھی ڈاکٹر نظر نہیں آتی تھی۔

میں نے کہا ''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ میں خود بھی اس مشن میں ناکامیابی کا تصور نہیں کرسکتا۔ آگ اور خون کا دریا عبور کرکے میں ساحل تک پہنچوں گا لیکن تم.....''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ متعجب لہجے میں بولی۔

''لیکن تم..... کیا؟''

میں نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا ''لیکن تم خوامخواہ خود کو اس آگ میں کیوں جھونک رہی ہو؟''

اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ تھوڑی بجھ سی گئی۔ مجھے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دکھ ہوا۔ میرے سوال نے شاید اسے کسی دلی صدمے سے دوچار کیا تھا۔ میں نے دانستہ اس کی دل آزاری کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ اسے سمجھانے کی آخری سعی کی تھی۔ ٹھیک ہے، وہ میری خیر خواہ تھی، ایک اچھی جاں نثار دوست تھی لیکن میں جتنے خطرناک لوگوں کے ٹکرانے والا تھا ان کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ چوہدری نوازش علی اور شعیب خوری سے خالصتاً میری ذاتی دشمنی تھی۔ صدف کو اس آگ کا ایندھن بنانا اچھی بات نہیں تھی اسی لیے میں نے ان سنگین ترین لمحات میں اسے سمجھانے کی آخری کوشش کی تھی۔

وہ مجھ سے مخلص اور وفادار تھی چنانچہ میرے سمجھانے بجھانے کا اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ دُزدیدہ انداز میں مجھے دیکھ رہی پھر شکوہ بھرے لہجے میں بولی ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم صرف زبان سے مجھے اپنا دوست سمجھتے ہو، دل سے اس تعلق کا احترام نہیں کرتے؟''

''ایسی بات نہیں صدف!'' میں اس وقت بے حد سنجیدہ تھا۔

''پھر کیسی بات ہے۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی ''تمہارے رویّے سے تو یہی محسوس ہورہا ہے، تمہیں میرے خلوص اور مدد کی ضرورت نہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

وہ غلط کہہ رہی تھی۔ میں اس کے خلوص اور دوستی کو دل سے مانتا تھا اور اسی لیے اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور نہ حق دوستی نبھاتے ہوئے کتنی ہی لڑکیاں اور عورتیں جان ہار بیٹھی تھیں۔ ثمینہ جانکی دیوی، تھائی وانگ اور انہی جیسی کئی اور لڑکیوں کو بھولا نہیں تھا اسی لیے صدف کو اس جنگ میں کودنے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اس وقت خاصی دل شکستہ ہورہی تھی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''صدف! تمہیں اندازہ نہیں، چوہدری نوازش علی اور شعیب خوری کتنے خطرناک لوگ ہیں''

''میں یہ اندازہ کرنا بھی نہیں چاہتی۔'' وہ بے پروائی سے بولی ''میرے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اس لیے وہ میرے بھی دشمن ہیں۔ کیا مجھے اپنے دشمنوں سے نمٹنے کا حق حاصل نہیں۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''وجدان! تم چاہے سمجھو یا نہ سمجھو لیکن میں تمہاری سچی دوست ہوں۔ دوست مصیبت کے وقت کام آتا ہے، ساتھ چھوڑ کر الگ نہیں ہوجاتا۔ اگر اب بھی تم اس بات پر اصرار کرو گے کہ میں اپنی حفاظت کی خاطر تم سے الگ کرلوں تو مجھے یقین ہوجائے گا، تمہیں میری دوستی کی ذرا پروا نہیں!''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔ میں سمجھ گیا کہ اسے اس سلسلے میں کچھ سمجھانا ممکن نہیں۔ وہ ٹف ونڈ اسکرین کے پار تک رہی تھی۔ میں نے نرمی سے کہا۔

''صدف! میں لاہور سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔ اگر راستے میں کوئی ٹریول ایجنسی آئے تو مجھے بتانا۔''

''ٹریول ایجنسی!'' وہ ایک جھٹکے سے میری طرف دیکھنے لگی ''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''مجھے دو ٹکٹ چاہیے، لاہور سے کراچی کے۔'' میں نے کہا ''کسی بھی پہلی ممکنہ فلائٹ کے۔''

''کیا تم کراچی جانا چاہتے ہو؟'' اس کے لہجے کی حیرت دور نہیں ہوئی تھی۔

''اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔'' میں نے کہا ''تم اسے میری احتیاطی تدبیر کہہ سکتی ہو۔''

وہ معنی خیز لہجے میں بولی ''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ دوسرا ٹکٹ کس کے لیے ہوگا؟''

''کیا تم نے پہلے ٹکٹ کے بارے میں معلوم کرلیا ہے؟'' میں نے الٹا اسی سے سوال کردیا۔

وہ بولی ''ظاہر ہے، ایک ٹکٹ تو تمہارے لیے ہوگا۔''

''بالکل اسی طرح ظاہر ہے، دوسرا ٹکٹ میں تمہارے لیے بنوانا چاہتا ہوں۔''

''اور ساحل.....!'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کہا ''ان ٹکٹ کو میں صرف اس صورت میں استعمال کروں گا اگر لاہور میں ساحل کو نہ پاسکا۔ کیونکہ پھر ہمیں پہلی فرصت میں کراچی جانا ہوگا۔ اگر ساحل لاہور میں نہ رہی تو سیدھی کراچی پہنچا دی جائے گی۔ میں ناکامیابی کے ایک فیصد امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا صدف۔ ساحل کا حصول میری زندگی کی سب سے بڑی بازی ہے..... اور میں یہ بازی مار کر رہوں گا۔''

''انشاء اللہ، ایسا ہی ہوگا۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولی ''مجھے امید ہے، ہم ساحل کو لاہور ہی میں بازیاب کرلیں گے۔''

میں نے اس کی نیک خواہشات پر دل سے ''آمین!'' کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی ''وجدان! وہ اس طرف ایک ٹریول ایجنسی نظر آرہی ہے۔''

میں نے اس کے اشارے کا نگاہی تعاقب کیا اور ''پی آئی اے'' کے نیون سائن پر میری نظر جم کر رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے میں ٹویوٹا کرولا کو اس سمت موڑ رہا تھا جدھر وہ ٹریول ایجنسی واقع تھی۔ چند لمحات کے بعد میں ایجنسی میں داخل ہورہا تھا۔

☆☆☆

کراچی کی طرح لاہور کی ڈیفنس سوسائٹی بھی متمول لوگوں کا رہائشی علاقہ ہے۔ میں صدف کی راہنمائی میں وہاں پہنچ گیا۔ ہم نے اگرچہ خاصا طویل راستہ اختیار کیا تھا تاہم یہ بالکل سیدھا اور آسان تھا۔ جب ہم اس علاقے میں داخل ہوئے تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

میں نے گاڑی کو مختلف گلیوں میں گھمانے کے بعد وہ کوٹھی تلاش کرلی جس کی تلاش میں، میں ادھر آیا تھا۔ کوٹھی کے مین گیٹ پر چوہدری دلدار کے نام کی تختی دیکھ کر مجھے دلی سکون محسوس ہوا۔ اس وقت میں کچھ اس قسم کی کیفیت سے گزر رہا تھا جو اپنی نگاہ کے سامنے منزل دیکھ لینے والے کسی مسافر کی ہوتی ہے۔

چوہدری دلدار کی کوٹھی خاصی وسیع وعریض اور شان دار تھی۔ ڈیفنس فیز ٹو میں قدرے بڑی کوٹھیاں تھیں۔ ہمارا ٹارگٹ کوٹھی کارنر پر واقع تھی۔ میں رکے بغیر اس کوٹھی کے سامنے سے گاڑی نکال لے گیا۔ ایک اچٹتی ہوئی نظر نے مجھے بتا دیا کہ کوٹھی کے احاطے میں، لان پر شامیانے لگے ہوئے تھے جیسے وہاں کسی تقریب کی آمد آمد ہو۔ کوٹھی کے باہر دونوں گلیوں میں چند گاڑیاں بھی کھڑی دکھائی دیں۔ کارنر کوٹھی ہونے کے باعث اسے دو گلیاں لگتی تھیں۔ کچھ آگے آنے کے بعد میں نے گاڑی روک دی۔ یہ جگہ اس کوٹھی سے نظر نہیں آتی تھی۔

صدف نے کہا ''لگتا ہے، وہاں کسی تقریب کا آغاز ہونے والا ہے!''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کہا ''ہمیں کوٹھی میں داخل ہونے سے پہلے تھوڑا سا ہوم ورک کرلینا چاہیے۔ کہیں اندازے کی کوئی غلطی ہمیں کسی بہت بڑے نقصان سے دوچار نہ کردے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' صدف نے استفسار کیا۔

''کسی طرح یہ معلوم کرلیا جائے کہ وہاں کس قسم کی تقریب ہونے والی ہے۔'' میں نے کہا ''کوٹھی کے باہر نصف درجن کھڑی گاڑیاں تو یہی ظاہر کرتی ہیں کہ مہمان آنا شروع ہوگئے ہیں۔''

صدف نے کہا ''لاہور میں موسم سرما کا آغاز ہوچکا ہے اور اس وقت رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔ میرا خیال ہے، اگر وہاں رات کی تقریب ہے تو نو بجے تک اپنے عروج پر ہوگی۔ کراچی کے بالکس لاہور والے جلدی سونے کے عادی ہیں۔ یہاں پر نیا دن شروع ہونے سے پہلے ہی تقریب اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔''

میں نے چند لمحے سوچا پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا ''صدف! میں گاڑی سے اتر رہا ہوں۔ تم اسے ڈرائیو کرکے چوہدری دلدار کی کوٹھی تک لاؤ اور اس پہلو میں کھڑی کردو جدھر آخری گاڑی رکی ہے۔ کچھ ہی دیر کے بعد گاڑیاں ہماری گاڑی کے پیچھے آکر کھڑی ہوجائیں گی اس طرح یہ کرولا مہمانوں کی گاڑیوں میں شامل ہوجائے گی اور کسی کو ہماری گاڑی پر شک نہیں گزرے گا۔ ہمیں جب بھی وہاں سے نکلنا ہوگا، اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوجائیں گے۔''

میں نے صدف کو جس جگہ کرولا کھڑی کرنے کا مشورہ دیا، اس طرف قدرے اندھیرا تھا۔ اس گلی میں بھی کوٹھی کا ایک گیٹ واقع تھا لیکن وہ بند تھا۔ آمدورفت کے لیے کوٹھی کا مین گیٹ ہی استعمال میں نظر آرہا تھا جو کہ اس وقت پوری طرح کھلا تھا۔

صدف نے پوچھا ''میں وہاں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد کیا کروں؟''

''تم گاڑی کو پارک کرنا پھر کوٹھی کے اندر جانے کے بجائے دوسری جانب نکل جانا'' میں نے کہا ''تم بغلی گلی کے کنارے پر رک کر میرا انتظار کرنا۔ تمہاری کسی حرکت سے بے چینی یا اضطراب نہیں جھلکنا چاہیے۔''

وہ اعتماد سے بولی ''یہ تو میں کرلوں گی۔ تم اس دوران میں کیا کرو گے؟''

''میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ تقریب کس سلسلے میں منعقد ہورہی ہے'' میں نے کہا ''اگر ممکن ہوا تو کوٹھی کے اندرونی حالات کے بارے میں بھی کچھ جاننے اور جاننے کی کوشش کروں گا۔''

''اچھی بات ہے'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی پھر پوچھا ''کیا ہمارے بیگز گاڑی کے اندر ہی رہیں گے؟''

میں نے کہا ''بالکل گاڑی کے اندر ہی رہیں گے۔ بیگز کو ہم کہاں ساتھ ساتھ اٹھائے پھریں گے۔ کوٹھی کے اندر جانے کیا حالات پیش آئیں۔ یہ بھی ممکن ہے ہمارے لیے خود کو اٹھائے رکھنا بھی دشوار ہوجائے، پھر سامان والا معاملہ الگ ہے۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں گردن ہلائی اور میں گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ میں نے ایک گلی کا فاصلہ طے کیا حالانکہ اس وقت دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اُڑ کر کوٹھی کے اندر پہنچ جاؤں۔ مگر احتیاط اور حالات کا تقاضا یہی تھا کہ میں ایک ایک قدم پھونک کر اٹھاؤں۔ آخری میں مس فیلڈنگ شکست سے ہم کنار کردیتی ہے۔

میں چوہدری دلدار کی کوٹھی سے لگ بھگ سو گز کے فاصلے پر گلی کا آخری سرا تھا۔ اس گلی کے دوسرے سرے پر کوٹھی کا مین گیٹ تھا۔ اس وقت میں نے صدف کو انتظار کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس وقت میں کوٹھی کے سامنے کھڑا تھا اس کے گیٹ پر ایک ملازم وردی میں ملبوس شخص موجود تھا۔

میں نے قریب جاکر اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے دو گلیاں بعد کا ایڈریس بتا کر اس سے پوچھا ''بھائی صاحب! یہ کوٹھی کس طرف ہے؟''

اس نے چند لمحے میرے بتائے ہوئے ایڈریس پر غور کیا پھر بولا ''آپ تو بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اس طرف دو گلیاں پیچھے چلے جائیں۔ یہ کوٹھی اُدھر ہی ملے گی آپ کو۔''

میں نے ممنون نظر سے اسے دیکھا اور چوہدری دلدار کی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''میں تو اس شامیانے کو دیکھ کر دھوکا کھا کر ادھر نکل آیا ہوں۔ دراصل میں نے اس کوٹھی میں جانا ہے وہاں بھی ایک تقریب ہے۔ بہرحال، آپ کی راہنمائی کا بہت بہت شکریہ۔''

''اس قسم کا دھوکا ہوجاتا ہے جناب!'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولا۔

میں نے پوچھا ''کیا یہاں کوئی شادی کی تقریب ہورہی ہے؟''

میرا اشارہ چوہدری دلدار کی کوٹھی کی جانب تھا۔ اس نے جواب دیا ''نہیں جی۔ یہاں کوئی میوزک کی محفل ہے۔ اللہ لوک گاتا رہا تھا، اس کے صاحب کے کوئی خاص مہمان آئے ہوئے ہیں جن کے لیے محفلِ موسیقی سجائی جارہی ہے۔ چوہدری صاحب نے اپنے دوستوں کو بھی اس پروگرام میں انوائٹ کیا ہے۔''

وہ شخص خاصا باتونی نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''یہ اللہ رکھا کون ہے بھئی؟''

''اپنا یار ہے جی، ادھر چوہدری دلدار کی کوٹھی میں ڈیوٹی دیتا ہے'' اس شخص نے بتایا ''ہمارے درمیان حالات حاضرہ پر گپ شپ ہوتی رہتی ہے۔ میں بھی اس کوٹھی میں ہی ساں ہوں'' بات ختم کرتے ہی اس نے اس کوٹھی کی جانب اشارہ کیا جس کے سامنے وہ کھڑا تھا۔

پوچھا ''تمہارا کیا نام ہے؟'' میں نے دوستانہ انداز میں

وہ خوش دلی سے بولا ''مجھے نیاز احمد کہتے ہیں جی۔''

''تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی نیاز احمد!'' میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''ویسے یہ چوہدری دلدار بھی عجیب آدمی ہے۔ اتنی سردی میں کوٹھی کے باہر لان میں شامیانہ لگا دیا۔ بھئی، اگر اپنے مہمانوں کا اتنا ہی خیال تھا تو کوٹھی کے اندرونی حصے میں انتظام کرتا۔''

میرے اس خوامخواہ کے تبصرے پر اس نے چونکنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے جس مقصد کی خاطر وہ تیر چھوڑا تھا، وہ پورا ہوگیا۔ میرا تیر نشانے پر جا کر لگا۔ وہ ہاتوتی نیاز احمد بے نیازی سے بولا ''بس صاحب جی! کیا کہیں، بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں۔ یہ لوگ جو چاہیں، جہاں چاہیں کرسکتے ہیں۔ ویسے انہیں سردی کہاں لگتی ہوگی۔ اللہ رکھا بتا رہا تھا، اس محفلِ موسیقی میں شراب اور شباب کی کمی نہیں ہوگی۔ چوہدری دلدار کے مہمانوں کا تعلق کراچی سے ہے جہاں سردی آتی ہی نہیں..... لاہور کی سردی بھی انہیں محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کے اندر گرمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔''

اپنی نادانستگی میں وہ میرے لیے ایک بہت بڑی تصدیق کر بیٹھا تھا۔ کراچی کے مہمانوں کا حوالہ ہی یہ سمجھنے کے لیے کافی تھا کہ کبیر شاہ اور اس کا ساتھی کوٹھی میں موجود ہیں۔ اگر وہ اس محفلِ موسیقی کے مہمان خصوصی تھے تو پھر ان کی وہ رات چوہدری دلدار کی کوٹھی پر ہی گزرنے والی تھی جس کا واضح مطلب یہی تھا، ساحل بھی اسی کوٹھی میں موجود تھی۔

میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا ''بھائی نیاز علی! میں جن لوگوں کی تقریب میں جارہا ہوں، وہ تو شراب اور شباب سے بہت دور رہتے ہیں۔ تم نے تو چوہدری دلدار کے بارے میں بتا کر مجھے حیران کردیا ہے۔ کیا پولیس والے شراب اور شباب کی ایسی محفلوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے؟''

نیاز علی نے سرتاپا مجھے بے یقینی سے دیکھا اور بولا ''لگتا ہے، آپ بہت ہی سیدھے سادے اور ناواقف آدمی ہو۔ او اللہ کے بندے! یہ طاقت ور لوگوں کا رہائشی علاقہ ہے۔ پولیس والوں کا ان پر ہاتھ ڈالتے ہوئے پیشاب خطا ہوتا ہے۔ میرا صاحب بھی بڑی پہنچ والا ہے۔ تم نہیں جانتے ان لوگوں کو۔''

''نہ ہی جانوں تو اچھا ہے بھائی، توبہ توبہ!'' میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے کانوں کو چھوا اور نیاز علی کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے رخصت ہوگیا۔ وہ اپنی بے خبری میں میرے لیے بہت مفید ثابت ہوا تھا۔

ایک گلی کا چکر لگانے کے بعد میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں صدف کو آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ وہاں موجود تھی۔ میں نے نیاز علی سے حاصل ہونے والی معلومات اس کے گوش گزار

کیں تو وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''وجدان! میرا خیال ہے، ہمیں دس بجے سے پہلے کوٹھی کے اندر داخل نہیں ہونا چاہئے۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟'' میں نے استفسار کیا۔ وہ کوئی بھی بات خوامخواہ نہیں کہتی تھی۔

وہ بولی ''دس بجے یہ محفل موسیقی اپنے جوبن پر ہوگی یعنی میزبان اور مہمان تمام اس شامیانے کے نیچے ہوں گے جو چوہدری کے لان میں کھڑا نظر آرہا ہے۔ کوٹھی کے بیشتر ملازمین بھی اب صاحب لوگوں کی خدمت کے لیے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ اس بات کے امکانات صفر کے برابر ہیں کہ تمہاری ساحل کود وہاں لایا جائے۔ وہ کوٹھی کے کسی دور افتادہ حصے میں کڑی نگرانی میں ہوگی چنانچہ اس موقع پر اگر ہم کوٹھی کے اندر داخل ہوں تو ہماری کامیابی کے امکانات زیادہ سے زیادہ ہوں گے۔''

اس کی تجویز انتہائی معقول اور بروقت تھی۔ میں نے خیال آرائی کرتے ہوئے کہا ''چوہدری دلدار کی کوٹھی دو منزلہ ہے اور یہ ایک وسیع و عریض کوٹھی ہے۔ کوٹھی کا لان ہی اتنا بڑا دکھائی دے رہا ہے کہ وہاں لگ بھگ سو افراد کے بیٹھنے کا بندوبست ہوسکتا ہے۔ اس صورتِ حالات میں، میں سمجھتا ہوں کہ ساحل کو بالائی منزل کے کسی کمرے میں رکھا گیا ہوگا۔''

''یہ ضروری نہیں ہے وجدان!'' وہ شدت سے بولی ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے زیریں منزل ہی کے کسی محفوظ ترین کمرے میں رکھا گیا ہو۔ ہم کسی بھی امکان کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ کوٹھی میں خفیہ طور پر داخل ہونے کے بعد پہلے ہم زیریں منزل کو چیک کریں گے۔ اس کے بعد ہی بالائی منزل کا رخ کیا جائے گا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''ہم کوٹھی کے عقبی حصے سے بہ آسانی اندر داخل ہوں گے اور سب سے پہلے کوٹھی والوں کی نظر بچا کر وہ گیٹ کھول دیں گے جو باہر سے بند نظر آیا تھا۔ ہم اس گنڈی کو گرا کر ایسا کردیں گے کہ بہ وقتِ ضرورت اسے استعمال میں لایا جاسکے۔ ہماری گاڑی اسی گیٹ کے نزدیک، کوٹھی سے باہر کھڑی ہے۔''

''اور اگر اس گیٹ پر اندر سے کوئی تالا وغیرہ لگا ہوا ملا تو؟'' صدف نے ایک خدشے کا اظہار کیا۔

میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''تو میں اس موقع پر ''جی'' کی قوت کو بروئے کار لاؤں گا۔''

میں نے جیسے ہی بات ختم کی، مجھے یوں محسوس ہوا، کوئی اور بھی ہمارے علاوہ وہاں موجود ہو۔ یہ احساس پچھلے دو دن سے اتنی مرتبہ ہو چکا تھا کہ اب میں نے اس پر چونکنا چھوڑ دیا تھا۔ یوں لگتا تھا، وہ احساس میرا سایہ بن گیا ہے۔ پتا نہیں، کون سی پراسرار اور غیر مرئی قوت میری نگرانی پر مامور ہوئی تھی۔ اگر یہ ''جی'' کی قوت کا کوئی کرشمہ تھا تو پھر جلد از جلد اس کی حقیقت جان لینا ضروری تھا۔ وہ احساس میرے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کرتا چلا جارہا تھا۔

صدف کو اس مرتبہ میں نے باور نہیں ہونے دیا... کہ میں اس وقت کیا محسوس کررہا ہوں۔ وہ میری بات کے ختم ہونے پر بولی ''کیا جی کی قوت سے کوئی بند تالا کھولا جاسکتا ہے؟''

''بالکل کھولا جاسکتا ہے'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر موضوع گفتگو کو تھوڑا موڑتے ہوئے صدف سے پوچھا ''کیا تمہیں پائپ کے ذریعے زیریں منزل سے بالائی منزل کی طرف سفر کرنا آتا ہے، میرا مطلب ہے اوپر چڑھنا؟''

''کبھی عملی تجربے سے تو نہیں گزرنا پڑا لیکن مجھے یقین ہے، میں ایسا کرلوں گی'' وہ مضبوط لہجے میں بولی پھر پوچھا ''تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

میں نے وضاحت کی ''کوٹھی کے اندر پہنچنے کے بعد جب ہم نچلی منزل چیک کرلیں گے تو عین ممکن ہے، زینے کے ذریعے ہمیں اوپر جانے کا موقع نہ مل سکے۔ اس صورت میں ہمیں پائپ لائن کو وسیلہ بنانا ہوگا۔''

''ہوں'' وہ ایک لمحہ سوچنے کے بعد بولی ''ایک ترکیب اور بھی ہوسکتی ہے۔''

''وہ کیا؟'' میں نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

وہ بولی ''تم نے بتایا ہے کہ چوہدری دلدار کا باورچی اللہ رکھا ہمارے ہتھے چڑھ جائے تو اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے، ساحل کو کوٹھی کے کون سے حصے میں رکھا گیا ہے۔ اس طرح ہمارا بہت سا وقت بچ جائے گا اور ہم نہایت ہی کم وقت میں اپنا کام نمٹا لیں گے۔''

''آئیڈیا اچھا ہے'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا ''لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رکھا کو کس طرح قابو میں لایا جائے؟''

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی ''ایک کام ہوسکتا ہے وجدان! میں نیاز احمد سے جاکر ملتی ہوں۔ وہ مجھے اچھی طرح سے نہیں جانتا، اسی طرح اللہ رکھا بھی مجھے نہیں پہچانتا۔ میں کوئی چکر چلا کر نیاز احمد کو اس بات کے لیے تیار کرلوں گی کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے اللہ رکھا کو بلا دے۔ ایک مرتبہ اللہ رکھا جب

یہاں پہنچ گیا تو میں اسے باتوں میں لگا کر دوسری طرف لے جاؤں گی۔ ادھر اچھا خاصا اندھیرا ہے۔ دو تین خالی پلاٹ ہوں گے۔'' پھر اس نے اس سمت اشارہ بھی کردیا اور بولی ''تم اپنے ہتھیار لے کر وہاں پہنچ جاؤ۔ تاریکی کے باعث تم اسے نظر نہیں آؤ گے۔ میں جیسے ہی اللہ رکھا کو وہاں لے کر آؤں، تم اسے فوراً ہی قابو میں لے لینا۔ جب اس کی گردن تمہارے چنگل میں ہوگی تو پھر اس کی زبان تمہاری مرضی کی بولی بولے گی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

میں تعریفی نگاہ سے اس پانچ فٹ کی مہ جبیں کو تکنے لگا۔ اس توصیف میں حیرت کا عنصر غالب تھا۔ پستہ قامتی پر اس کا پُرامید اور پُرعزم بدن قیامتِ صغریٰ کا نقشہ پیش کررہا تھا۔ وہ اہلِ حسن ہی نہیں، اہلِ عقل بھی تھی۔ اس کا منصوبہ میرے دل کو لگا۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، میں اس تاریک گوشے کی طرف جارہا ہوں۔ تم اپنے حسن کا جادو جگانے کی کوشش کرو۔''

بات ختم کرتے ہی میں عمل میں آگیا۔ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا، کوئی اور بھی میرے ساتھ ہی حرکت میں آیا ہے۔ میں اپنے نادیدہ احساس کی معیت میں مطلوبہ مقام تک پہنچ گیا۔ اس خالی احاطے میں جابجا آدم قد جھاڑیاں اگ آئی تھیں۔ میں ایک جھاڑی کے عقب میں کھڑا ہوکر صدف کا انتظار کرنے لگا۔

انتظار پانچ منٹ سے زیادہ طوالت اختیار کرگیا تو میں نے اپنے احساس کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں اس وقت جھاڑی کے پیچھے کھڑا محسوس کررہا تھا کہ کوئی میرے قریب موجود ہے۔ میں نے سرگوشیانہ انداز میں اسے پکارا۔

''ہیلو!''

مجھے سرگوشیانہ انداز ہی میں جواب ملا ''ہیلو!''

پہلے تو میں نے یہی سمجھا کہ میری سماعت کو دھوکا ہوا ہے۔ بالکل میرے ہی لب و لہجے میں اس پراسرار قوت نے بھی ''ہیلو'' کہا تھا۔ میں اسے اپنی آواز کی بازگشت نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ اس وقت میں جس مقام پر کھڑا تھا وہاں بازگشت (ECHO) کے پیدا ہونے کے آثار نہیں تھے۔ ایکو نامی کوالٹی آف ساؤنڈ مخصوص حالات ہی میں پیدا ہوتی ہے۔

میرے پورے بدن میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اس بات میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ میرے انتہائی قریب کوئی موجود تھا جو میرے لیے نادیدہ تھا لیکن اس کی آواز میری سماعت تک رسائی حاصل کررہی تھی۔ حیرت انگیز طور پر میں اس پراسرار قوت سے خوف زدہ نہیں تھا۔ مجھے وہ سب کچھ عجیب سا تو لگ رہا تھا لیکن اس میں ڈروالی کوئی بات نہیں تھی۔

میں نے سوچا، جب تک صدف اللہ رکھا کو لے کر یہاں آتی، مجھے اس نادیدہ ہستی سے کلام کرنا چاہئے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ وہ میری ہی آواز میں بولتا/بولتی تھی۔ بولتا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کا لب و لہجہ میری طرح مردانہ تھا اور بولتی کا امکان اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ ممکن ہے، وہ ہستی کوئی فی میل ہو۔ ابھی تک میں اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

پھر قبل اس کے کہ میں اس ہستی سے باقاعدہ مکالمہ کرتا، نزدیک آتے ہوئے قدموں کی آواز مجھ تک پہنچی۔ اس کے ساتھ ہی صدف کے کسی کے ساتھ باتیں کرنے کی آواز بھی ابھر رہی تھی۔ میں سمجھ گیا، صدف ہمارے مطلوبہ شکار کو گھیر لائی تھی۔ میں نے نادیدہ ہستی سے گفتگو کو فی الحال پسِ پشت ڈالا اور پوری توجہ سے صدف کا انتظار کرنے لگا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ میرے نزدیک آرہی تھی۔

میں نے نادیدہ پراسرار قوت کو نظر انداز کردیا تھا لیکن وہ مجھے نہیں بھولی۔ اسی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے مقناطیسی لہروں سے بنا ہوا کوئی جسم میرے اندر داخل ہورہا ہو۔ میں نے واضح طور پر اس قوت کو اپنے بدن کا حصہ بنتے ہوئے محسوس کیا۔ یہ ایک انوکھا احساس تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

میں نے اپنی توجہ صدف اور اللہ رکھا کی جانب مبذول کردی۔ اس وقت میں کسی چاق چوبند چیتے کے مانند الرٹ کھڑا تھا پھر جیسے ہی شکار میری رینج میں آیا، میں نے ایک طویل جست بھر کر اسے دبوچ لیا۔ اگلے ہی لمحے میں اسے گھسیٹ کر جھاڑی کے پیچھے لا چکا تھا۔ اللہ رکھا کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں اس طرح کس چکی تھی کہ وہ کسی قسم کی حرکت کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی خطرناک قسم کا نیک لاک (NECK LOCK) تھا۔

اللہ رکھا کی عمر پچپن کے قریب رہی ہوگی۔ اس کی صحت زیادہ اچھی نہیں تھی اسی لیے اس نے کسی خاص مزاحمت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں نے اس کی گردن پر بازو کا دباؤ قدرے کم کرتے ہی دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''اللہ رکھا! تمہیں اللہ نے صرف اس لیے رکھا ہوا ہے کہ تم بھولے بھٹکے لوگوں کی راہ نمائی کرسکو۔ اگر تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا تو سمجھ لینا، آج تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

میں نے پوری سفاکی سے کہا ''ہمارے بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔ بس اتنا جان لو کہ ہم موت کے فرشتے ہیں۔ اگر تم نے میرے سوالات کے بالکل درست جواب نہ دیے تو۔'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی گردن پر دباؤ بڑھادیا۔ مجھے اس کمزور باورچی پر طاقت آزمانے کا کوئی شوق نہیں تھا بلکہ اپنے اس عمل سے مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا لیکن یہ وقت کی مجبوری تھی۔ اگر وہ پوری طرح میری دہشت کے ٹرانس میں نہ آتا تو عین ممکن تھا، وہ میرے سوالات کا جواب دینے کے بجائے چیخنا چلانا شروع کردیتا یا پھر اچانک دوڑ بھی لگا سکتا تھا۔ اس موقع پر میں کسی قسم کا رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ میں بنے بنائے کھیل کو بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تعاون پر تیار ہوگیا۔ مجھے اس پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ میں نے جب اس سے ساحل کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا ''رکھاں والی سے لائی جانے والی لڑکی اوپری منزل کے کسی کمرے میں ہے۔''

میرے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوئی۔ میں نے سخت لہجے میں پوچھا ''بالائی منزل کے کس کمرے میں؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا جناب!'' وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔

''بالائی منزل پر اور کون کون موجود ہے؟''

''اس لڑکی کے علاوہ دو مسلح محافظ ہیں'' اس نے بتایا ''جو اسے کڑی نگرانی میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی کراچی سے آیا ہے، دوسرا چوہدری صاحب کا ملازم ہے۔''

میں نے پوچھا ''اس لڑکی کو چوہدری دلدار نے اپنی کوٹھی میں کیوں قید رکھا ہے؟''

''میں اس لڑکی کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا ''جب سے وہ اس کوٹھی میں آئی ہے، کسی کو بالائی منزل پر جانے کی اجازت نہیں۔ میں نے سنا ہے، وہ لڑکی انتہائی خطرناک ہے، جس کا تعلق بڑے چوہدری صاحب کے کسی دشمن سے ہے۔''

''بڑے چوہدری سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

وہ منمنایا ''رکھاں والی کے چوہدری نوازش علی بڑے چوہدری ہیں اور چوہدری دلدار کو چھوٹے چوہدری صاحب کہا جاتا ہے۔ چوہدری دلدار صاحب ہی جانتے ہیں کہ اس لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟''

ہر بات روزِ روشن کے مانند عیاں ہوگئی۔ چوہدری نوازش علی اور چوہدری دلدار کا تعلق ثابت ہونے کے بعد سارا کھیل میری سمجھ میں آگیا تھا۔ میں نے اللہ رکھا سے پوچھا۔

''رکھاں والی سے بڑے چوہدری کا بیٹا فیصل بخش یہاں پہنچا ہے۔ وہ کہاں ہے؟''

''فیصل صاحب، کراچی کے مہمان کبیر شاہ اور دوسرے سارے افراد کوٹھی کے نچلے حصے میں ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''کبیر شاہ کے ساتھ کراچی سے جو دوسرا شخص یہاں پہنچا ہے، وہ چوہدری دلدار کے مسلح ملازم کے ساتھ بالائی منزل پر اس لڑکی کی حفاظت اور نگرانی کررہا ہے۔''

میں نے پوچھا ''کوٹھی کے لان میں شامیانہ وغیرہ کیوں تانا گیا ہے؟''

اللہ رکھا نے بھی اس شامیانے کی وجہ پیش کی جو اس سے پہلے اس کا بیلی نیاز احمد پیش کرچکا تھا۔ میں نے اس سے مزید دو چار سوالات کیے۔ جب مجھے اندازہ ہوگیا کہ اب وہ مجھے مزید مفید معلومات فراہم نہیں کرسکتا تو میں نے اس کی گردن پر پائی جانے والی ایک مخصوص رگ کو دبا کر اسے دنیا و مافیہا سے لاتعلق کردیا۔ اب وہ کم از کم تین گھنٹے تک ہوش و حواس میں نہیں آسکتا تھا۔ اللہ رکھا کے بدن پر گرم کپڑے، شلوار قمیص تھا اور قمیص کے اوپر اس نے گرم کوٹ بھی پہن رکھا تھا لہٰذا موسم کی سختی اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے اسے ایک دور افتادہ جھاڑی کے پیچھے لمبا لٹا دیا اور صدف کے ساتھ اس خالی احاطے سے باہر آگیا۔

ہم چوہدری دلدار کی کوٹھی کی مخالف سمت چلنے لگے۔ صدف نے کہا ''اللہ رکھا تو بہت کام کا بندہ ثابت ہوا ہے۔ اب ہم با آسانی اپنا پروگرام ترتیب دے سکتے ہیں۔ اس وقت لگ بھگ نو بج رہے ہیں۔ تم نے آئندہ کے بارے میں کچھ سوچا ہے؟''

میں نے کہا ''کوٹھی کے اندر ہم دس بجے ہی داخل ہوں گے تاکہ ہمیں اپنے کام میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ چلو کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ میں ایک اچھی چائے کی طلب محسوس کررہا ہوں۔''

''میرا بھی یہی حال ہے وجدان۔'' وہ تائیدی انداز میں بولی ''اس طرف آتے وقت میں نے دو تین گلیاں پیچھے ایک ریسٹورنٹ دیکھا تھا۔ ہماری ضرورت وہاں پوری ہوسکتی ہے لیکن.....'' وہ یک لخت خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔ تاہم اس کے قدم نہیں رکے۔

''لیکن کیا؟'' میں نے اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

وہ تشویش ناک لہجے میں بولی ''میں اللہ رکھا کی طرف سے فکرمند ہوں۔ اگر اسے جلدی ہوش آگیا تو کوئی بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ وہ ایک طرح سے اس جھاڑی میں آزاد ہی پڑا ہے۔ وہاں اس کی نگرانی کرنے والا کوئی بھی نہیں۔''

''تم کیا سمجھ رہی ہو صدف۔'' میں نے اس سے پوچھا ''اللہ رکھا کب تک ہوش میں آجائے گا؟''

''میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔

''تب تم اللہ رکھا کی طرف سے پوری طرح مطمئن رہو۔'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا ''وہ کم از کم تین گھنٹے بے ہوش و حواس میں نہیں آسکتا۔ اس سے زیادہ وقت لگ سکتا ہے۔ ایک بات یقینی ہے کہ اس کی جب آنکھ کھلے گی تو نئی مارننگ شروع ہوچکی ہوگی۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔'' وہ مطمئن انداز میں بولی ''اتنی مہلت ہمارے لیے کافی ہوگی۔''

میں نے کہا ''فوری طور پر میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے، میں اس سے تمہیں آگاہ کردیتا ہوں۔ یہ بات تو ہمیں معلوم ہوچکی ہے کہ بالائی منزل پر صرف دو مسلح پہرے دار ساحل کی نگرانی پر مامور ہیں۔ زیریں منزل کے بیش تر افراد اس وقت لان میں یا اس کے آس پاس موجود ہوں گے لہٰذا ہم کوٹھی کی عقبی دیوار پھاند کر با آسانی اندر پہنچ سکتے ہیں۔''

میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اندر جانے کے بعد تم زیریں منزل پر ہی کسی گوشے میں رک جاؤ گی جہاں پر تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے مگر تم بالائی منزل کی جانب جانے والے راستے پر نگاہ رکھ سکو۔ اوپر میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم نیچے رہ کر مجھے کور دو گی۔''

''لیکن اوپر نگرانی کرنے والے دونوں افراد مسلح ہیں۔'' صدف نے ایک باریک نکتہ اٹھایا ''تمہیں کوئی خطرناک صورت حال بھی پیش آسکتی ہے۔''

میں نے کہا ''ہم کسی دعوتِ شیراز میں شرکت کرنے نہیں جارہے کہ کسی قسم کی مشکل پیش آنے کا امکان نہ ہو۔ یہ ایک انتہائی خطرناک مشن ہے۔ انسان نما درندوں سے ہمارا سابقہ ہے۔ کسی کی بھی خون ریزی کی نوبت آسکتی ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں متعدد مسلح افراد سے نہتا بھڑ سکتا ہوں۔ یہاں تو صرف دو سے پالا پڑنے والا ہے۔ ویسے میں ایک خاص وجہ سے تمہیں خود سے الگ رکھنا چاہتا ہوں۔''

''اور وہ خاص وجہ کیا ہے؟'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''ہمارے پاس جو بھی قوت ہے اسے ایک جگہ مرتکز نہیں رہنا چاہیے۔ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ جس طرح سفر کے دوران میں تمام نقدی کو کسی ایک جیب میں نہیں رکھنا چاہیے بلکہ مختلف جگہوں پر بانٹ کر رقم کو تحفظ کرنا چاہیے تاکہ جیب کٹنے یا کسی قسم کی چوری کے سبب انسان بالکل ہی خالی ہاتھ نہ ہوجائے..... بالکل اسی طرح خطرناک قسم کے مشن میں اپنی طاقت کو ایک جگہ جمع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہم ساتھ ہوں گے تو کسی نازک موقع پر دونوں ہی دشمن کی گرفت میں آسکتے ہیں بصورتِ دیگر ہم تھوڑے فاصلے پر رہ کر زیادہ بہتر انداز میں ایک دوسرے کی مدد کرکے اس مہم کو سر کرسکتے ہیں۔''

''تم بالکل درست کہہ رہے ہو وجدان!'' وہ میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے مذکورہ ریسٹورنٹ میں آبیٹھے۔ تین چار گھنٹے پہلے ہم نے ڈٹ کر کھانا کھایا تھا اس لیے بھوک محسوس نہیں ہورہی تھی صرف چائے کا موڈ تھا، لہٰذا اسی کا آرڈر دیا گیا۔ یہ بات صدف بھی جانتی تھی کہ چائے کافی مجھ پر الٹا اثر کرتی ہے۔ اسی حوالے سے اس نے پوچھا۔

''وجدان! تمہیں تو ان حالات میں چائے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کہیں اس کے اثر سے تمہیں نیند نہ آنے لگے!''

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''ایسا نہیں ہوگا صدف! چائے کافی میرے لیے اپی ٹائزر اور سلیپنگ پلز ضرور ہے لیکن میں جس قسم کے حالات سے گزر رہا ہوں ان میں چائے میرے ذہن پر ہلکا اثر کرے گی۔ میں تھوڑا موڈ میں آنا چاہتا ہوں اور اس سے معدے کا بوجھ بھی کم ہوگا۔ میں نے اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ کھانا کھالیا ہے۔ ایک ہلکے سے سرور کی مجھے ضرورت ہے۔ جیسے ایک آدھ جام سے انسان موڈ میں آجاتا ہے، میں اسی کیفیت میں آنا چاہتا ہوں اور بس.....''

وہ عجیب سی نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولی ''تم بہت زیادہ ڈسٹرب ہو وجدان!''

''جبھی تو..... جبھی تو.....'' میں بس اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

چائے پینے کے دوران میں صدف خاموش رہی اور گہری نظر سے مجھے دیکھنے پر اکتفا کرتی رہی۔ میں نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ چائے ختم کرنے کے بعد ہم تھوڑی دیر تک ریسٹورنٹ میں بیٹھے رہے پھر اٹھ گئے۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا۔

''ہم سیدھے چوہدری دلدار کی کوٹھی کے عقب میں جائیں گے۔ اب ایکشن میں آنے کا وقت ہوگیا ہے۔ کیا تم ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو اس کے لیے تیار محسوس کررہی ہو؟''

''ایک دم تیار!'' وہ حتمی لہجے میں بولی۔

میں نے کہا ''ویری گڈ مائی فرینڈ!''

اس نے میرے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ہم ایک ساتھ چلتے ہوئے اس موڑ تک آ گئے جہاں سے چوہدری دلدار کی کوٹھی والی گلی شروع ہوتی ہے اور اسی لمحے ہم دونوں ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ گلی دور دور تک گاڑیوں سے بھری ہوئی تھی جو یقیناً چوہدری دلدار کے مدعوئین کی گاڑیاں تھیں۔ اس کا مطلب تھا، دعوت عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ہمارے ٹھٹکنے اور رکنے کا سبب وہ جیپ تھی جو گاڑیوں کی قطار کے آخری سرے پر کھڑی تھی اور..... اس جیپ کا فاصلہ ہم سے صرف اتنا تھا کہ ہم بہ آسانی اس کی نمبر پلیٹ پڑھ سکتے تھے۔

''فور سیون تھری سیون'' صدف کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی ''یہ تو وہی شیطان ہے..... بہروپیا وجدان!''

میں بھی اس سفید چھت والی سرخ لینڈ کروزر کو دیکھ رہا تھا جس کے سیاہ چوڑے ٹائر اس بدبخت نقلی وجدان کے کسی سیاہ کرتوت کی اطلاع دے رہے تھے۔ جیپ اس وقت خالی تھی۔ وہ بہروپیا اس کے اندر موجود نہیں تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا، وہ چوہدری دلدار کی کوٹھی میں موجود ہوگا۔ اس کی ٹویوٹا فورڈ بلیو ڈی مہمانوں کی گاڑیوں کے ساتھ کھڑی تھی، جس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ بھی چوہدری کی دعوت میں مدعو ہے..... تو کیا یہ نقلی وجدان چوہدری دلدار کی تخلیق ہے؟

یہ سوال کسی زہریلے ناگ کے مانند میرے ذہن میں پھنکارا اور میں نے صدف کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندھیرے میں کھینچ لیا۔ ہم تقریباً دوڑتے ہوئے عقبی گلی میں پہنچے۔ وہاں نیم تاریکی تھی۔ صدف نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔

''لگتا ہے، وہ مردود اس وقت چوہدری کی کوٹھی کے اندر ہے۔''

''ہوا کرے!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ میرا لہجہ اچانک سنگین ہو گیا تھا۔

صدف نے میرے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہا ''کیا ان حالات میں بھی ہم اپنے طے شدہ پروگرام پر عمل کریں گے یا کسی تبدیلی کا امکان ہے؟''

''کسی تبدیلی کا امکان ہے اور نہ ہی وقت'' میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا ''آج ہر الجھن سلجھن میں بدل جائے گی۔ اگر نقلی وجدان چوہدری دلدار کا مہرہ ہے تو اس کے پٹنے کا وقت آ گیا ہے۔ اصل کے سامنے نقل کا چراغ نہیں جلے گا۔ چوہدری دلدار کو شہ مات ہو کر رہے گی۔''

میرے تیور دیکھتے ہوئے صدف نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ ہم جلدی سے چوہدری دلدار کی کوٹھی کے عین عقب میں پہنچ گئے۔ یہاں مکمل اندھیرا تھا۔ گلی کی نکڑ پر جلنے والے بلب کی روشنی یہاں تک نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ یہ ہمارے حق میں اچھا ہی تھا۔ ہم جس قسم کی کارروائی کرنے جا رہے تھے اس کے لیے مکمل تاریکی زیادہ مفید ثابت ہو سکتی تھی۔

صدف میرے ساتھ جڑ کر کھڑی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کے قریب اپنا منہ لے جاتے ہوئے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا ''میں تمہیں اوپر اٹھاتا ہوں۔ تم دیوار کے اوپر سے جھانک کر اندر دیکھو۔ اگر اس جانب کوئی موجود نہ ہو تو تم دیوار پر چڑھ جانا۔ تم نے جوگرز پہن رکھے ہیں۔ اندر کودنے میں تمہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

''اور تم؟'' اس کی آواز نے میری سماعت میں سرسراہٹ پیدا کی۔ میں نے اپنے گال پر اس کی سانسوں کی تپش بہت واضح طور پر محسوس کی۔

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''میں تمہارے بعد اندر کودوں گا، کیا تم ایکشن کے لیے تیار ہو؟''

اس نے کسی مستعد کمانڈو کی طرح اثبات میں سر کو خفیف سا جھٹکا دیا۔ میں نے اس پاکٹ سائز سرمایۂ حسن و ادا کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا، اس کا چہرہ دیوار کی جانب تھا۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اوپر اٹھایا جیسے ویٹ لفٹر ایک جرک سے ویٹ اٹھاتے ہیں۔ اس کا گداز بدن ہوا میں اٹھ گیا۔ میں نے اس کے کولھوں کو سہارا دے کر مزید بلند کر دیا۔ وہ دیوار کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھ گئی۔ اب وہ میرے سہارے کے بغیر دیوار پر ٹکی ہوئی تھی۔

میں اس کی جانب سے کسی اشارے کا منتظر تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے ''سب ٹھیک ہے'' کا اشارہ دیا اور میری تائید پا کر کوٹھی کے اندر کود گئی۔ میرے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔

اس اطمینان کی عمر ایک لمحے سے بھی کم ثابت ہوئی کیونکہ اسی لمحے کے آخری حصے میں کوٹھی فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ فائرنگ کوٹھی کے اندر والے حصے میں ہو رہی تھی جدھر شامیانہ لگا ہوا تھا۔ گویا تقریب میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں یہ فیصلہ کرتا، کوٹھی کے اندر کودنا ہے یا نہیں، ایک یخ بستہ آہنی نال میری گدی سے آ ٹکرائی۔ ایک غراتی ہوئی آواز نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''ہینڈز اپ!''

بے ساختہ میں نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر دیے۔

ہر کمزور طاقت ور سے ڈرتا ہے' اس کے آگے جھکتا ہے۔ اپنی سالمیت اور بقا کی خاطر اسے زبردست کی بات ماننا پڑتی ہے ورنہ وہ اپنی طاقت اور اختیار کے بل پر زیردست کو کچل کر رکھ دیتا ہے لیکن بعض اوقات سیر کو سوا سیر پر سبقت حاصل ہو جاتی ہے۔ کمزور کا کوئی داؤ چل جاتا ہے اور وہ طاقتور کو مجبور کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

میں نے وقتی مجبوری کے تحت دونوں ہاتھ اٹھا دیے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اسے زبردست تسلیم بھی کر لیتا۔ اس کے احکام کی تعمیل کرنا میرا ایک جھانسا تھا۔ کسی کو زیردام لانے کے لیے فرماں برداری سے بڑا ہتھیار اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے گن بردار کی غراہٹ سے لب ریز دھمکی پر خود کو ہینڈز اپ کر لیا تھا۔ وہ یہی سمجھا' مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر یہ اس کی بھول تھی اور..... وقت کے ایسے سنگین لمحات کسی کی ننھی سی بھول کو بھی معاف نہیں کرتے!

میں نے پلک جھپکتے میں اپنی گدی پر نکی سفاک آہنی نال کے لمس سے اندازہ لگا لیا کہ مجھے ''ہینڈز اپ'' ایسے احکام دینے والے کے ہاتھ میں ایک خطرناک ''کے کے'' موجود ہے۔ مجھے ہوا میں ہاتھ بلند کرتے دیکھ کر اس کے حلق سے ایک غراہٹ خارج ہوئی۔

''خاموشی سے گھوم جاؤ!''

اور میں واقعی خاموشی سے گھوم گیا۔ میری زبان سے ایک لفظ ادا نہ ہوا' البتہ میرے ہاتھ پاؤں تاریکی کا فائدہ اٹھا کر خاموش زبان درازی پر اتر آئے۔ میں جیسے ہی گھوما' اس شخص نے اپنی کلاشنکوف کو میری گردن سے ہٹا لیا۔ میرے لیے اتنی مہلت کافی تھی۔ میں نے ایک طویل جست بھری' پھر میں نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو دشمن کے کندھوں پر ٹکا کر بجلی کی سی سرعت سے ایک ہینڈ اسپرنگ لگا دیا۔ اس کے شانوں نے میرے ہاتھوں کے لیے پش پیڈ کا کام کیا' اگلے ہی لمحے میں اس کے اوپر سے گزر کر پشت پر پہنچ گیا۔ اتنے بلند اور متحرک ٹارگٹ سے پش لینا آسان کام نہیں' رومانیا کی مونیکا اس فن میں طاق ہے۔ یہ جمناسٹک کا ایک مشکل اسٹیپ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں ذرا سی کوتاہی خطرناک چوٹ دے سکتی ہے۔

میں نے پرواز کے دوران میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ گن بردار شخص مجھے نشانہ بنا کر فائرنگ نہ کر سکے۔ مجھے اپنے مقصد میں صد فی صد کامیابی حاصل ہوئی۔ وہ شخص بوکھلاہٹ اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ میری جانب پلٹا لیکن اب میں اس سے اتنے فاصلے پر پہنچ چکا تھا کہ اسے اپنی جانب گن سیدھی کرنے کا موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا۔

اس شخص نے جیسے ہی مجھے نشانہ بنانے کے لیے ہاتھوں کو حرکت دی' میں نے تیزی سے ایک خطرناک کریسنٹ کک اس کے چہرے پر جڑ دی بے ساختہ اس کے گن بردار ہاتھ اوپر کو اٹھ گئے' اسی لمحے میں نے نیچے بیٹھتے ہوئے اسے بیک سوئپ ماری۔ وہ پہلے ہی اپنا توازن کھو بیٹھا تھا۔ اس سوئپ نے اسے زمین بوس کر دیا۔

اسی لمحے کوٹھی کے سامنے والے حصے میں دوبارہ فائرنگ ہونے لگی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخوں پر مشتمل شور بھی بلند ہوا۔ ان چیخوں میں بعض لوگوں کی احکام بردار آوازیں بھی شامل تھیں' وہ نہایت ہی تشویش ناک لمحات تھے اور ان لمحات کی سنگینی اس صورت میں اور بھی بڑھ جاتی تھی کہ میری جاں نثار ساتھی صدف کوٹھی کے اندر پہنچ چکی تھی۔ مجھے بھی ہر فرصت میں اندر جانا تھا اور اس اقدام سے قبل گن بردار سے تسلی بخش نمٹاؤ بھی ضروری تھا۔

زمین بوس ہوتے وقت کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری تھی۔ وہ زمین سے اٹھنے کے بعد اسی سمت بڑھا جہاں کلاشنکوف پڑی تھی لیکن میں نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے کالر سے دبوچا اور ایک جھٹکے سے پیچھے کھینچ لیا۔ ہمارے درمیان فاصلہ کم ہوا تو اسے طالع آزمائی کا شوق چرایا۔ اس نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور میرا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے کالر کو آزاد کیے بغیر اس کے اپنی جانب بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا اور دوسرا ہاتھ اس کی کھلی بغل میں دے کر ایک نپی تلی جرک کے ساتھ اسے فضا میں بلند کر دیا پھر میں نے اسے ہاتھ پاؤں جھٹکنے کا موقع نہیں دیا اور ٹھرو کے انداز میں اسے دور اچھال دیا۔ وہ کمر کے بل پختہ دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے حلق سے ایک وحشت ناک چیخ بلند ہوئی اور ٹکراؤ کے بعد وہ بیٹھی گلی کی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

وہ کوٹھی کی نگرانی پر مامور چوہدری دلدار کا آدمی تھا جس نے نظر بچا کر ہماری ''سرگرمی'' نوٹس کر لی تھی اور روک تھام کے لیے ہماری جانب آ گیا تھا..... اور یہ روک تھام اسے خاصی مہنگی پڑی تھی۔ میں نے اس کے نزدیک پہنچ کر اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ مجھے خاصا کسمپرسی کی حالت میں نظر آیا۔ دیوار کے ٹکراؤ نے کمر کے علاوہ اس کی کھوپڑی کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا اور اس کے چیختے ہوئے ناریل سے خون جاری ہو گیا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں اس کے

لیے کا انتظار کرتا۔ کوٹھی کے اندر کی صورت حالات خاصی سنگین ہو چکی تھی۔ دیسے اس زخمی شخص کی کنڈیشن بتا رہی تھی کہ وہ خود اپنے پاؤں پر چل کر وہاں سے جا نہیں سکے گا وہ فوری طور پر ہمارے لیے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں نے اس پر اور اس کی کلاشنکوف پر لعنت بھیجی اور بڑی مہارت سے کوٹھی کی عقبی دیوار پھاند کر اندر پہنچ گیا۔

صدف ایک آڑ میں کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میری آہٹ نے بہت جلد اس شیر دل حسینہ تک رسائی حاصل کر لی۔ میں فوراً اسے پیش تر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے میری سماعت میں سرگوشی کی۔

''وجدان! کوٹھی کے اگلے حصے میں زبردست گڑبڑ محسوس ہو رہی ہے۔ لگتا ہے وہاں کوئی ہنگامہ وغیرہ ہو گیا ہے۔ میں نے دو مرتبہ فائرنگ کی آواز سنی ہے اور مسلسل افراتفری کی آوازیں بھی آ رہی ہیں۔''

''فائرنگ کی آواز میں نے بھی سنی ہے'' جواباً میں نے بھی سرگوشیانہ انداز اختیار کر لیا ''ہماری کارروائی کے لیے اس سے زیادہ موزوں موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی توجہ باہر کی طرف ہو گی۔''

تم ٹھیک کہتے ہو' وہ اثباتی انداز میں اپنے سر کو حرکت دیتے ہوئے بولی پھر پوچھا ''تمہیں اندر آنے میں اتنی دیر کیوں لگ گئی۔ میں تمہارے بارے میں پریشان ہو رہی تھی۔''

''میں بخیر سلامت اور زندہ تمہارے سامنے موجود ہوں'' میں نے کہا ''تمہیں اطمینان ہو جانا چاہئے بعد میں اپنی تاخیر کا سبب بھی بتا دوں گا۔''

ہمارے درمیان اس مشن کے لیے منصوبہ بندی پہلے سے طے ہو گئی تھی۔ صدف نے کوٹھی کی زیریں منزل پر رک کر مجھے کور دینا تھا اور مجھے بالائی منزل پر ساحل کی طرف جانا تھا۔ وہاں مستعد اور مسلح پہرے دار ساحل کی نگرانی پر مامور تھے۔ اس وقت میرے پاس اسلحے کے نام پر صرف ایک ریوالور تھا جو نشانہ کی مسلم ٹاؤن والی کوٹھی میں' میں نے ڈرائیور ریاض علی سے چھینا تھا۔ ریاض علی اس وقت پتا نہیں' کس حال میں ہو گا۔ میں اسے وہاں بے ہوش چھوڑ آیا تھا۔

ہم نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا اشارہ دیا پھر اس سے پہلے کہ ہم اپنی اپنی راہ پکڑتے' فراٹے بھرتی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ چند جانب آ رہے تھے۔ ہم اس وقت پائیں باغ کے ایک تاریک گوشے میں کھڑے تھے۔ ہم پر کسی کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

اس اچانک ہونے والی فائرنگ نے بڑی گڑبڑ پھیلا دی تھی۔ ابھی تک ہمیں فائرنگ کا سبب معلوم نہیں ہو سکا تھا تاہم اس اتفاق نے وقتی طور پر ہمارے پروگرام میں رخنہ ضرور ڈال دیا۔ میں خاموش کھڑا چوکنا نظر سے اندرونی حصے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جگہ ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

پھر ان دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ چند انسانی آوازیں بھی شامل ہو گئیں۔ چڑھی ہوئی سانسیں ظاہر کرتی تھیں' وہ آوازیں دوڑنے والوں ہی کی ہیں۔ کسی کی بھاری بھرکم جھنجلاہٹ میری سماعت تک پہنچی۔ اس آواز میں ایک مخصوص قسم کی گونج اور رعب پایا جاتا تھا۔

''یار فیصل! تمہارے ابا جی نے خواہ مخواہ اس شخص کا ہوا بنا دیا ہے۔ مجھے تو یہ بہت ہی ڈرپوک لگا ہے۔ دیکھا کس طرح دم دبا کر بھاگ گیا!''

میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ میرے تمام ظاہرہ اور باطنی حواس ایک نقطے پر مجتمع ہو گئے۔ فیصل بڑے چوہدری نوازش علی کا بیٹا تھا۔ ابھی تک میرا اس سے سامنا نہیں ہوا تھا تاہم اس کے بارے میں' میں نے اچھی خاصی معلومات جمع کر لی تھیں۔ اسے مخاطب کرنے والا یقیناً طور پر چھوٹا چوہدری دلدار تھا۔ میں نے فیصل کا جواب بھی سنا۔ اس کے انداز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''چوہدری صاحب! اس شخص نے ابا جی کو ایک طویل عرصے سے مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے'' فیصل کے لہجے میں حقارت در آئی لیکن میں آپ کی بات سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ یہ شخص بزدل یا کمزور نہیں۔ میں نے کراچی میں اس کے کارناموں کے بارے میں بہت سنا ہے۔ اس نے ہمارے خاص آدمی میاں زاہد حسین کو گنی کا ناچ نچا رکھا تھا۔ میں خود بھی اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے چین ہوں مگر میں نے جب بھی ابا جی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا' انہوں نے یہ کہہ کر سختی سے منع کر دیا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا' میرے بجائے وہ اپنے ہرکاروں دلدار اور تارا سے کام لیتے رہے''

وہ لوگ میرے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور میرے ڈرپوک یا بزدل ہونے کو بھی زیر بحث لا رہے تھے۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کوٹھی میں مچنے والی موجودہ ہل چل سے میرا کیا تعلق تھا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے میری الجھن کی سلجھن مل گئی۔

ایک مانوس آواز نے میری سماعت تک رسائی حاصل کی ''کراچی میں وہ اس لیے بھی شیر ہو گیا تھا کہ ہم اس کی

پشت پر موجود تھے'' یہ کبیر شاہ عرف شاہ جی تھا۔ میں اس کے لب و لہجے کو سیکڑوں آوازوں میں پہچان سکتا تھا'' سی ایف کے کے پلیٹ فارم پر وجدان نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان میں ہمارا تعاون شامل تھا۔ ویسے ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی!'' کبیر شاہ کی آواز میں تذبذب کی جھلک تھی ''اگر وجدان کو اس کوٹھی پر کوئی کارروائی کرنا ہی تھی تو وہ کھلم کھلا اندر کیوں چلا آیا۔ انتہا کو چھوتا ہوا یہ اعتماد بے وقوفی کے زمرے میں آتا ہے اور میرے خیال میں' وجدان اتنا احمق نہیں ہوسکتا!''

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ اسی وقت چوہدری دلدار کے الفاظ مجھ تک پہنچے۔ ''اس حماقت کا مزہ بھی چکھ لیا اس نے۔ اپنی سرخ لینڈ کروزر کے ساتھ ہی اسے سر پر پاؤں رکھ کر فرار ہونا پڑا۔ میرے آدمیوں کی فائرنگ نے اس کے چھکے چھڑا دیئے ہیں اور.....'' وہ ذرا متوقف ہونے کے بعد بولا ''میں نے اپنے جو خطرناک آدمی اس کے تعاقب میں روانہ کیے ہیں وہ اس کی جان کا عذاب ہو جائیں گے۔ تم دیکھ لینا شاہ جی' وجدان اور اس کی سرخ جیپ بہت جلد ہمارے سامنے ہوگی''

کبیر شاہ نے کہا ''یہ منحوس اسی سرخ جیپ کے ساتھ ''ساؤتھ'' کے قریب بھی دیکھا گیا تھا۔ میں اس واقعے کی تفصیل آپ کو بتا چکا ہوں''

وہ تینوں زیریں منزل کے ایسے حصے میں رک گئے تھے جہاں سے ان کی آوازیں بہ آسانی ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ آنے والے لوگ تسلی کے لیے کمروں کی چیکنگ میں لگ گئے ہوں گے خصوصاً بالائی منزل کی چیکنگ جہاں میری کمزوری ساحل کو رکھا گیا تھا۔

اب ساری بات مجھ پر کھل گئی تھی۔ میں جب صدف کے ساتھ کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف آرہا تھا تو کوٹھی کے باہر کھڑی گاڑیوں میں' میں نے نقلی وجدان کی سرخ لینڈ کروزر بھی دیکھی تھی۔ کبیر شاہ اور چوہدری دلدار کی باہمی گفتگو بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت بہروپیے ہی کو اصلی وجدان سمجھ رہے تھے۔ یہ بہروپیا تو میرے لیے بڑی آسانیاں فراہم کررہا تھا۔ پہلے اس نے لاہور کی سڑکوں پر مجھے الجھا کر کافی وقت برباد کیا۔ اگر میں اس کے چکر میں نہ پھنستا تو بروقت سید پور پہنچ جاتا۔ اس صورت میں' میں ٹویوٹا ہائی ایس کا نظارہ دیکھنے سے محروم رہ جاتا اور ایمبولینس میں موجود وہ کبیر شاہ میری نظر سے اوجھل رہتا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا ہو۔ بہروپیے نے مجھے ساحل تک پہنچانے کے لیے ساری تگ و دو کی ہو!

یہ تمام خیالات سیکنڈ کے دسویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے، نقلی وجدان کی ہر حرکت میری فیور میں جارہی تھی۔ اس لمحے ڈارلنگ والا واقعہ بھی میرے ذہن میں گھوم گیا۔ بہروپیے وجدان نے اپنی تحریروں میں دعویٰ کیا تھا کہ اس نے ڈارلنگ کا قصہ تمام کر کے مجھے اس کے شر سے محفوظ کر دیا تھا۔ اس کے خیال میں' کوئی بدروح ان دنوں ڈارلنگ پر قابض ہوگئی تھی جو مجھے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے والی تھی۔

میں نے سرِدست اس کے دعوے کو نظر انداز کر دیا تھا لیکن موجودہ واقعے نے میری توجہ پھر اسکی جانب مبذول کروادی تھی۔ اس نے چوہدری دلدار کی کوٹھی پر اپنی موجودگی ظاہر کر کے ان لوگوں کا دھیان میری طرف سے ہٹا دیا تھا۔ یہ اس کا ایک دوستانہ اقدام تھا' اس طرح وہ مجھے ساحل کو حاصل کرنے کا موقع فراہم کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی' چوہدری دلدار کے بھیجے ہوئے بندے اسے پکڑنا تو درکنار' وہ اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے تھے۔ نقلی وجدان کا مجھے اچھی طرح تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ کسی چھلاوے سے کم نہیں تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ بہروپیا درحقیقت تو کون..... اور وہ میری مدد پر کیوں کمربستہ تھا۔ اس عمل میں اس کا کیا مفاد پوشیدہ تھا۔ کوئی کسی کے لیے خواہ مخواہ کچھ نہیں کرتا اور وہ بھی اس کے روپ میں آکر! میرے سوال کا جواب صرف اور صرف نقلی وجدان ہی دے سکتا تھا' اگر وہ میرے ہاتھ آجاتا تو!

کوٹھی کے اندرونی حصے سے آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ نہ تو دوڑتے ہوئے قدموں کی اور نہ ہی چوہدری دلدار' نقلی اور کبیر شاہ کے باتیں کرنے کی میرا خیال ہے' وہ یہ تسلی کرنے اندر آئے ہوں گے کہ ساحل تو اپنے ''ٹھکانے'' پر محفوظ اور موجود ہے اور اطمینان ہونے کے بعد واپس چلے گئے ہوں گے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ میں نے ان کی باتیں سن لیں اور مجھ پر حقیقت کھل گئی۔

کوٹھی کے سامنے والے حصے سے اب بھی لوگوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ راگ رنگ کی محفل تو برقرار نہ رہی تاہم اس واقعے پر تبصرے جاری تھے۔ ان لوگوں کی ہنگامی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ میری طرح صدف نے بھی چوہدری دلدار گفتگو سنی تھی۔ وہ بھی معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔

اس نے میرے ہاتھ کو دباتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں کہا ''وجدان! یہاں کی صورتِ حال تو ہمارے حق میں ہموار ہو رہی ہے۔ نقلی وجدان کا رویہ تو دوستوں جیسا ظاہر ہو رہا ہے''

میں ابھی اس آفت زادے کی طرف سے کلی طور پر مطمئن نہیں ہوا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جو سچے دوست ہوتے ہیں وہ یوں سات پردوں کے پیچھے چھپ کر دوستی نہیں نبھاتے' روبرو آکر مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں اور کندھے سے کندھا ملا کر دشمن کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں''

وہ بولی ''ممکن ہے' اس کی کوئی مجبوری آڑے آرہی ہو''

''دوستی میں کوئی مجبوری اور محبت میں کوئی شرط نہیں ہوتی'' میں نے کہا۔

صدف نے حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا لیکن دوستی' نقلی وجدان کے معاملے میں اس نے مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ موضوع بدلتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ ''اب ہمیں کیا کرنا ہے؟'' وہ پوری طرح مستعد نظر آرہی تھی۔

''وہی' جو کوٹھی میں داخل ہونے سے پہلے ہم نے طے کیا تھا'' میں نے قطعیت سے کہا۔

''ٹھیک ہے'' اس نے تائیدی انداز میں کہا ''میں یہیں رک کر تمہارا انتظار کروں یا تمہاری نظر میں کوئی اور جگہ زیادہ موزوں ہے؟'' اس کا انداز مشورہ طلب کرنے والا تھا۔

''فی الحال یہی جگہ زیادہ مناسب ہے'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''یہاں سے کوٹھی کا وہ پہلو والا گیٹ زیادہ دور نہیں جس کے باہر ہماری ٹویوٹا کرولا کھڑی ہے اور'' میں ذرا دیر کے لیے رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''تم یہیں ٹھہرو' میں مذکورہ گیٹ کا جائزہ لے کر آتا ہوں''

وہ سمجھ گئی کہ میں کیا کرنے جارہا ہوں۔ ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ اس گیٹ کو ''استعمال'' کے قابل بنایا جائے گا اور ہمارا اسی کام کی تکمیل کے لیے اس طرف گیا تھا۔ مذکورہ گیٹ کے آس پاس نیم تاریکی تھی مجھے اس کے نزدیک جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے محدود فاصلے سے دیکھ لیا کہ اس گیٹ پر تالا موجود نہیں تھا' صرف اس کی اندرونی کنڈی چڑھی ہوئی تھی۔ بہ وقتِ ضرورت ہم اس کنڈی کو کھول کر وہاں سے روانہ ہو سکتے تھے۔ بیرونی جانب سے اس گیٹ کے پاس ہی ہماری گاڑی موجود تھی۔ گاڑی کی پارکنگ کے سلسلے میں میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔

میں دبے قدموں واپس اس تاریک گوشے میں آگیا جہاں صدف کھڑی تھی۔ بغلی گیٹ کا جائزہ لیتے وقت میں نے ہر طرف بھی نگاہ دوڑائی تھی جہاں شامیانہ تنا تھا۔ کوٹھی کے اس حصے میں مجھے خاصی افراتفری نظر آئی۔ محفلِ موسیقی درہم برہم ہو چکی تھی اور مدعوئین میں سے اکثر واپسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ یہ صورتِ حال ہمارے لیے ذرا مشکل تھی۔ اگر وہ لوگ راگ رنگ میں مصروف رہتے تو ہمارا کام آسان ہو جاتا۔ نقلی وجدان نے ان لوگوں کی سوچ کو ایک نیا رخ دے دیا تھا۔ اب ہمیں اسی رخ کو استعمال کر کے موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔ چوہدری دلدار اور اس کے مہمان وغیرہ سب یہ سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ انہوں نے وجدان کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ نادان یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا باپ' اصلی وجدان اس وقت ان سے چند قدموں کے فاصلے پر کوٹھی میں موجود تھا۔ نہ صرف موجود تھا بلکہ اس نے چوہدری دلدار کے ایک مسلح پہرے دار کو چند گھنٹوں کے لیے اناٹفیل بھی کر دیا تھا۔ جو کوٹھی کی عقبی گلی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا تھا۔

ہم دونوں اس کوٹھی کے پائیں باغ میں موجود تھے۔ صدف نے جس تاریک گوشے میں پناہ لے رکھی تھی وہ درحقیقت ایک چھوٹا سا شیڈ تھا جس کے نیچے پانی والی دو موٹریں نصب تھیں۔ ہماری طرف کسی کا دھیان نہیں جا سکتا تھا ہم حسبِ ضرورت وہاں رک کر وقت گزار سکتے تھے۔ میں صدف کے پاس آیا تو اس نے پوچھا۔

''وجدان! ادھر کیا صورتِ حال ہے؟''

''اطمینان بخش سمجھو'' میں نے کہا ''گیٹ پر صرف کنڈی چڑھی ہے' ہم اسے آسانی سے اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں اور دوسری جانب شامیانہ بھی کسی اجڑی بجڑی بیوہ کا منظر پیش کر رہا ہے مجھے امید ہے' مزید آدھے گھنٹے کے بعد تمام مہمان رخصت ہو جائیں گے''

''اور وہی ہمارا ایکشن کا وقت ہوگا'' صدف نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے ایک بھرپور نگاہ ڈال کر اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا' اس کے لیے مجھے واچ کی لائٹ کا سہارا لینا پڑا۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ صدف کے مطابق ہمیں گیارہ بجے ریڈ کرنا چاہیے تھا۔ موسم کی خنکی میں بہ تدریج اضافہ ہو رہا تھا میں نے صدف کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں استفسار کیا۔

''تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی؟''

''میرے لہجے میں پوشیدہ اپنائیت نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ایک بھرپور نظر مجھ پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی ''نہیں' میں ٹھیک ہوں''

اس کے انداز سے خفگی جھلکتی تھی۔ میں نے پوچھا ”کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟“

”وہ ایک جھٹکے سے پلٹی ”وجدان! ایسا خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا“

”تمہارے انداز کو دیکھتے ہوئے“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”کیوں‘ میرے انداز کو کیا ہوا ہے!“

”میں نے پوچھا‘ تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی اور تم جواب دے رہی ہو‘ میں ٹھیک ہوں“ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ”یہ تو وہی بات ہوگئی‘ اینٹ کا جواب پتھر“

وہ میرے نزدیک کھسکتے ہوئے بولی ”ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ سب تمہارے ذہنی دباؤ کا ثمر ہے۔ اس پریشانی کی کیفیت میں تم میری بات کا کچھ اور مطلب لے گئے ورنہ میں تو یہی کہہ رہی تھی کہ مجھے سردی نہیں لگ رہی۔ بھلا کسی آتش فشاں کی قربت میں سردی کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔“

وہ بڑی خوبصورتی سے ایک گہری بات کہہ گئی تھی۔ اس نے کسی آتش فشاں کی قربت کا ذکر کیا تھا‘ اور میں بہ خوبی سمجھ رہا تھا‘ وہ ”کسی“ کون ہے۔

میں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا ”آتش فشاں سے‘ حد سے بڑھی ہوئی قربت نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ تمہیں آتش فشاں کی خصوصیات تو معلوم ہی ہوں گی؟“

”اچھی طرح معلوم ہیں“ وہ بہ دستور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی ”میں نے جاپان اور ہوائی کے خوف ناک آتش فشانوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا ہے اور ان کی ہلاکت خیزی سے بھی اچھی طرح واقف ہوں لیکن میں آج کل جس آتش فشاں کی قربت میں ہوں‘ اس کا شمار فی الحال خاموش آتش فشانوں میں ہوتا ہے اس لیے خطرے والی کوئی بات نہیں اور ویسے بھی“ وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر چند لمحات کے لیے خاموش ہوگئی پھر بڑے معنی خیز انداز میں بولی۔

”وجدان! تم جانتے ہو..... اور اگر نہیں جانتے تو جان لو‘ میں نفع و نقصان کے شمار کو بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں۔ اگر یہ خاموش آتش فشاں بیدار ہوکر کسی قسم کی تباہ کاری پر اتر بھی آیا تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ میں اس کی ذات سے خود کو پہنچنے والے ہر نقصان کو اپنا فائدہ سمجھوں گی۔“

میں حیرت زدہ انداز میں صدف کو تکتا چلا گیا۔ تنہائی کے ان لمحات میں وہ مجھے بہت پیاری لگی۔ پیاری لگنے والے شے کو پیار کیا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں شدت سے یہ خیال ابھرا کہ صدف کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر جی بھر کر پیار کروں لیکن اگلے ہی لمحے کسی قوی جذبے نے اس خیال کو پھونک دیا اور میں بے ساختہ نفی میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

”کیا ہوا وجدان؟“ صدف نے تشویش ناک لہجہ دریافت کیا۔

ہمارے درمیان سرگوشیوں میں بات چیت ہو رہی تھی۔

”کچھ نہیں“ میں نے سرسری انداز میں کہا اور اس گیٹ کی جانب دیکھنے لگا جو ہمارے فرار کا وسیلہ بننے والا تھا۔

”شاید تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو!“

اس کا اندازہ صد فی صد درست تھا لیکن اس کی تائید نہیں کرسکتا تھا‘ اس طرح میری سوچ اس پر عیاں ہوجاتی اور اس کا پلا جھکنے لگتا۔ انسان بنیادی طور پر بہت ہی چال باز اور چکر باز ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا ذہن کسی کے سامنے کھل جائے۔ میں بھی انسان ہوں اس لیے یہ انسانی ”خوبی“ مجھ میں بھی موجود ہے۔ ساحل والا معاملہ خالصتاً دل کا تھا اس لیے میں بعض اوقات بے اختیار ہوجاتا تھا!

میرا ذہن ایک لمحے کے لیے صدف کی جانب پوری طرح مائل ہوگیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے دل نے میرے خیال کی تکمیل میں روڑا اٹکا دیا۔ میرا دل تو کہیں اور اٹکا ہوا تھا‘ وہ مجھے بھٹکنے کا موقع کیوں کر دیتا۔ ساحل کی محبت نے بروقت میرے باغی خیال کے پاؤں میں احساس کی زنجیر ڈال دی تھی لیکن صدف نے میری کیفیت کو سمجھ لیا۔ وہ زود فہم سراپا قیامت لڑکی ایسی ہی سمجھ دار تھی!

”اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو میں اصرار نہیں کروں گی!“ میری طویل خاموشی کے جواب میں اس نے کہا۔ اس کے لہجے میں ناراضی نہیں تھی۔

میں نے گفتگو کے اس انداز کو بدلنے کے لیے دوبارہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور وقت دیکھنے کے بعد کہا ”میرا خیال ہے اب مجھے بالائی منزل کی طرف روانہ ہوجانا چاہیے۔ گیارہ بجنے ہی والے ہیں اور کوٹھی میں بھی سکون محسوس ہو رہا ہے۔“

”اس سکون سے مطمئن نہیں ہوجانا چاہیے“ صدف نے کہا ”یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا ہے۔ نقلی وجدان والے واقعے کے بعد ساحل کی حفاظت کا انتظام اور سخت کردیا گیا ہوگا۔ مجھے تو خطرہ ہے‘ اگر عقبی گلی والے مسلح پہرے دار کی حقیقت کھل گئی تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں“

تھوڑی دیر پہلے ہونے والی سرگوشیانہ گفتگو میں میں نے صدف کو اس شخص کے بارے میں بتا دیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ کم از کم دو گھنٹے تک کسی قابل نہیں ہوسکتا تھا۔ صدف کے خدشات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر وہ بے ہوش دیا شخص کسی کی توجہ حاصل کرلیتا تو کوئی نئی مصیبت کھڑی ہونے کا امکان پیدا ہوجاتا۔ میں نے ریاض علی والا ریوالور اپنے لباس سے نکال کر صدف کے حوالے کردیا۔ اس نے ذرا سے تأمل کے بعد وہ ریوالور میرے ہاتھ سے لے لیا۔ مذکورہ ریوالور میں پانچ گولیاں اب بھی لوڈ تھیں۔

”میں تمہارے اندیشوں کی تائید کرتا ہوں“ میں نے کہا ”اس لیے مجھے فوراً ایکشن میں آجانا چاہیے“ ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا ”تم اپنی جگہ پر چوکنا اور ہوشیار رہنا“

وہ سینہ ٹھونکتے ہوئے بولی ”تم میری طرف سے بے فکر ہوکر جاؤ“

اور میں واقعی بے فکر ہوگیا!

☆☆☆

وہ دو قسم کے پائپس تھے جو کوٹھی کے عقبی حصے میں عمارت کے ساتھ ساتھ زمین سے بالائی منزل کی جانب چلے گئے تھے۔ ان کی ساخت اور سائز کو دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ موٹی موری والا پائپ سیوریج کا تھا جب کہ دوسرا اسٹیل پائپ بجلی کے لیے تھا۔ میں نے بالائی منزل تک رسائی کے لیے سیوریج پائپ کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور محتاط قدموں سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

میں نے پائپ پر دونوں ہاتھ جما کر اس کی مضبوطی اور نصب کا اندازہ لگانا چاہا تو ماضی کا ایک منظر میرے تصور میں مجسم ہوگیا۔ پلک جھپکتے میں دقت کی اڑان مجھے آٹھ سال پیچھے لے گئی۔ اس وقت میری عمر لگ بھگ بارہ سال تھی۔ میرے والدین کو بے دردی سے قتل کیا جاچکا تھا اور ان کا قاتل (دراصل میرے تعاقب میں تھا۔ میں اس شیطان صفت انسان سے بچتے بچاتے ایک اسکول کی عمارت میں جا چھپا تھا اور خطرہ ٹل جانے کے بعد میں نے ایک سیوریج پائپ کے سہارے اسکول کی بالائی حصے سے نیچے تک ”سفر“ کیا تھا۔ فرق صرف سمت اور مقامات کا تھا۔ یا پھر حالات کا بھی۔

دو سنگاپور کے ایک اسکول کی عمارت تھی اور میں نے اپنی جان بچانے کی خاطر اوپر سے نیچے سفر کیا تھا اور اب میں لاہور (پاکستان) میں تھا، اس وقت میں اپنی عزیز ترین ہستی ساحل تک رسائی حاصل کرنے کے نیچے سے اوپر جا رہا تھا۔

انہی خیالات کے دوران میں‘ میں بہ حفاظت اس کوٹھی کی بالائی منزل تک پہنچ گیا۔ ایک روشن دان کے نزدیک میں نے سیوریج پائپ کو الوداع کہا‘ اور اچک کر اس روشن دان کے چھجے پر چڑھ گیا۔ میں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ وہ روشن دان مجھے کھلا نظر آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کھلے ہوئے روشن دان سے جھانک کر اس کمرے کے اندرونی حالات سے واقف ہوسکتا تھا۔

اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سردی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن میں جتنے اہم اور سنسنی خیز مشن پر تھا اس میں موسموں کی سختی بے اثر ہوجاتی ہے اور میں تو اس حوالے سے پہلے ہی بہت سخت جان تھا۔

میں روشن دان کے چھجے پر بیٹھا تھا اور میرا ایک ہاتھ چھت کی منڈیر پر ٹکا تھا۔ اس چھجے اور چھت میں بہ مشکل ایک فٹ کی بلندی حائل تھی۔ ابھی تک کوئی ایسے آثار نظر نہیں آئے تھے کہ وہاں ہماری موجودگی کا راز کھل گیا ہو۔ یہ ہمارے لیے ایک مثبت اور مفید بات تھی۔

میں نے بہ دستور چھت کی منڈیر کا سہارا لیتے ہوئے اپنے اوپری دھڑ کو نیچے جھکایا۔ یہ ایک مشکل عمل تھا جس میں کمر کی لچک نے مجھے بہت سہارا دیا۔ میں اس پوزیشن میں آگیا کہ کمرے کے اندر جھانک سکوں۔ روشن دان سے ہلکی روشنی پھوٹتے میں پہلے دیکھ چکا تھا اور جب میں نے باقاعدہ اندر کا جائزہ لیا تو مجھ پر عیاں ہوا کہ وہ روشنی اس کمرے سے خارج نہیں ہو رہی تھی۔ اس کمرے کی تمام لائٹس آف تھیں اور اس کا داخلی دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ روشنی اس آدھ کھلے دروازے میں سے کمرے کے اندر پہنچ رہی تھی۔

میں نے بہ غور وہاں کا جائزہ لیا تو مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ کمرے کے سامنے راہ داری میں لائٹ آن تھی۔ یہ روشنی اسی راہ داری سے آرہی تھی۔ میں نے اسی پوزیشن سے جھکے جھکے راہ داری میں ممکنہ حد تک دیکھنے کی کوشش کی اور اور میری یہ کوشش خاصی سود مند ثابت ہوئی۔ میری نگاہ کے اختتام پر‘ راہ داری کی دوسری جانب ایک بند دروازہ موجود تھا جو یقیناً مخالف سمت میں پائے جانے والے کسی کمرے کا تھا۔ میں اس کمرے اور بند دروازے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ راہ داری میں کسی کی موجودگی کے آثار پیدا ہوئے‘ پھر ایک مسلح گارڈ میری نظر میں آگیا۔ میرے بدن کا ایک ایک گوشہ پوری طرح الرٹ ہوگیا۔

دراز قامت مسلح گارڈ کے ہاتھ میں ایک نئی نویلی کلاشنکوف اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ گن کا سپورٹنگ بیلٹ گارڈ کے کندھے پر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی داڑھی بے ترتیب اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ وہ بڑے مستعد قدموں سے چلتے

ہوئے اس کمرے میں داخل ہوا جس کے روشن دان پر میں نے اپنی دوربین آنکھیں فٹ کر رکھی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے کمرے میں سے دو کرسیاں اٹھائیں اور باہر نکل گیا۔ اس عمل کے دوران اس نے کلاشن کوف ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ وہ مضبوط کاٹھی کا مالک ایک ہٹا کٹا شخص تھا۔

میں بڑی باریک بینی سے اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہا تھا کہ مجھے چونک جانا پڑا۔ اس شخص نے ایک کرسی راہ داری کی مخالف سمت میں پائے جانے والے بند دروازے کے قریب رکھی اور دوسری کرسی سمیت میری نگاہ کے فریم سے نکل گیا۔ دوسری کرسی وہ کہیں اور رکھنے گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا' اس کے علاوہ بھی وہاں کوئی موجود تھا۔ میری معلومات کے مطابق کوٹھی کی بالائی منزل پر ساحل کی نگرانی کے لیے چوہدری دلدار نے دو مسلح گارڈز کو متعین کر رکھا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جس کلاشنکوف بردار کی جھلک دیکھی' وہ یقیناً انہی گارڈز میں سے ایک تھا۔

میں راہ داری کے پار' بند دروازے والے کمرے اور وہاں رکھی خالی کرسی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ دوسرا پہرے دار بھی مجھے نظر آ گیا۔ وہ ایک دبلا پتلا اور متناسب القد شخص تھا اور اس نے بھی ایک خوف ناک کلاشنکوف اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ وہ اس بند دروازے کے پاس پہنچ کر رکا۔ اس نے کھلے ہوئے کمرے میں سرسری انداز میں جھانکا اور پھر بڑے چاق و چوبند انداز میں کرسی پر براجمان ہو گیا۔

اسی لمحے میرے ذہن میں تیز روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور بند دروازے کی مسٹری مجھ پر عیاں ہو گئی۔

اس کمرے میں یقیناً ساحل کو رکھا گیا تھا اور یہ دونوں مسلح گارڈ اس کی نگرانی پر مامور تھے۔ دراز قامت گارڈ واپس نہ پلٹا تو مجھے یقین ہو گیا۔ وہ بالائی منزل کی طرف آنے والے راستے کی نگرانی کر رہا ہو گا' ممکن ہے اس نے زینے کے ساتھ ہی اپنی کرسی ڈال لی ہو۔

اس احساس نے میرے رگ و پے میں بجلیاں سی بھر دیں کہ اس بند دروازے کے پیچھے میری ساحل موجود تھی۔ وہ ایک فلش ڈور تھا اور اس میں ہمیشہ مقفل نصب تھا جو یقیناً لاک ہو گا۔ میرے جی میں آئی کہ پرواز کرتے ہوئے اس دروازے تک پہنچ جاؤں اور اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر شے کو تہ و بالا کر کے رکھ دوں اور میرے لیے یہ سب کچھ ممکن تھا۔ دو مسلح گارڈز کو میں پلک جھپکتے میں چٹکیوں میں اڑا سکتا تھا۔

میں نے روشن دان کے فریم کے وسط میں نصب آہنی راڈ پر ہاتھ ڈالا تو مجھے یوں محسوس ہوا' کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ لامحالہ میری نگاہ کرسی پر بیٹھے مسلح گارڈ کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے اسے اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔ میں ساکت ہو کر رہ گیا۔ اگر اس موقع پر وہاں میری موجودگی کھل جاتی تو ہڑبونگ مچ جاتی لیکن خیریت گزری' گارڈ نے چند لمحے اس سمت دیکھنے کے بعد اپنی توجہ ہٹالی اور بند دروازے کے لاک کو گھورنے لگا۔

اسی لمحے میرے ذہن میں ایک زوردار خیال چمکا۔ اگر میں چھت کے اوپر سے ہوتے ہوئے دوسری سمت چلا جاتا تو اس روشن دان میں جھانکنا ممکن ہو سکتا تھا جس کمرے میں ساحل کی موجودگی یقینی نظر آتی تھی۔ اس طرح مجھے فوری طور پر مسلح گارڈز سے بھی نہ الجھنا پڑتا اور میں اپنی رگِ جاں تک رسائی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا!

اس خیال کے ساتھ ہی' میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے جسم کو سیدھا کیا اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر اچک کر چھت پر پہنچ گیا۔ پھر میں اپنے اندازے کی بنا پر دبے قدموں چلتے ہوئے اپنی مطلوبہ سمت میں آ گیا۔ اگر میں ایک مرتبہ کسی طرح ساحل والے کمرے میں داخل ہو جاتا تو پھر بند دروازہ اور قفل میرے لیے غیر اہم ہو جاتے۔

کھلی چھت پر چاروں جانب اندھیرے کا راج تھا۔ اور یہ میری کارروائی کے لیے خاصا مفید ثابت ہو رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر مجھے سردی کا احساس ہوا لیکن میں نے اس احساس کو جوتے کی نوک پر رکھا اور چھت کی دوسری سمت آ گیا۔ یہاں نے منڈیر کے پاس بیٹھ کر نیچے جھانکا اور ساحل والے متوازی کمرے کی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حیرت انگیز طور پر اس دیوار میں مجھے کوئی روشن دان دکھائی نہ دیا۔ خاصی نیچے ایک کھڑکی نظر آ رہی تھی جس کا فاصلہ چھت سے لگ بھگ چار فٹ رہا ہو گا۔ یہ ایک تشویش ناک صورتِ حال تھی۔

میں نے منڈیر پر بیٹھے بیٹھے گرد و پیش کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس حصے سے میں بہ آسانی میرس پر اتر سکتا تھا۔ میرس کی سمت سے ہوتے ہوئے اس سمت بڑھنا آسان تھا جہاں سے بالائی منزل کے کوری ڈور (راہ داری) تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اگر میں اس راستے کو استعمال کرتا تو کہیں نہ کہیں دراز قامت گارڈ سے سامنا ضرور ہوتا۔ یہ تو وہی بات ہوتی کہ میں زینے کے راستے زیریں سے بالائی منزل کی طرف جا رہا ہوں! اس صورت میں بھی کچھ اس قسم کی پیچیدگی پیش آتی۔

بالائی منزل کی چھت پر منڈیر کے ساتھ ساتھ' تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آہنی ہک نصب تھے۔ یہ ایک ایسا بندوبست تھا کہ یہ وقتِ ضرورت چھت پر شامیانہ لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے ساحل والے کمرے کی کھڑکی تک پہنچنے کے لیے انہی ہکس کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ دو ہکس کے درمیان تقریباً دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ میں نے منڈیر پر بیٹھے ہوئے اپنے دونوں پاؤں کو دو ہکس میں پھنسایا اور بہ آہستگی جسم کو نیچے کی جانب الٹا دیا۔

یہ ایک خطرناک حرکت تھی۔ اگر میرا پاؤں ہک سے نکل جاتا یا سلپ ہو جاتا تو میں سر کے بل میرس پر جا گرتا لیکن خیریت گزری اور میں الٹے لٹکے لٹکے اس کھڑکی تک پہنچ گیا جس کے راستے میں ساحل والے کمرے تک پہنچنا چاہتا تھا۔

وہاں تک رسائی حاصل کرنے کے بعد مجھے مایوسی ہوئی۔ وہ کھڑکی اندر سے بند تھی یعنی مکمل بند۔ اس کے ذریعے اندر پہنچنا تو درکنار' کمرے کے اندر جھانکنا بھی ممکن نہیں تھا الّا یہ کہ اس کھڑکی پر "زور آمائی" نہ کی جاتی..... اور نصف شب کو زور آزمائی کا ایک ہی مطلب ہوتا کہ سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا جائے۔

اب ساحل والے کمرے میں تک پہنچنے کا ایک ہی خاموش وسیلہ باقی رہ گیا تھا۔ میں روشن دان کے ذریعے پہلے اس کمرے میں پہنچتا جہاں سے مسلح گارڈ نے دو کرسیاں اٹھائی تھیں۔ پھر کسی طرح دونوں گارڈز پر قابو پاتا اور اس کے بعد ساحل والے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔

میں نے اپنے جسم کو سیدھا کیا اور واپس چھت پر حاضر ہو گیا۔ دبے پاؤں چلتے ہوئے میں نے تاریک چھت کو عبور کیا اور واپس روشن دان والے شیڈ پر پہنچ گیا۔ میں نے سابق طریقے پر عمل کرتے ہوئے اس روشن دان سے کمرے کے اندر جھانکا اور مسلح گارڈ کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ دبلا پتلا گارڈ کرسی پر موجود تھا تاہم اس وقت اس کا دھیان کسی اور جانب تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں بہ آسانی کمرے کے اندر پہنچ سکتا تھا۔

میں نے روشن دان کے شیڈ (چھجے) پر رہتے ہوئے فریم میں نصب آہنی راڈ پر ہاتھ ڈالا اور اسے ایک طرف سے پکڑ کر ہلکی سی زور آزمائی کرنے لگا۔ راڈ کا سرا لکڑی کے فریم میں پیوست تھا۔ میں نے "چی" کی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی توجہ اس نقطے پر مرکوز کر دی کہ وہ راڈ درحقیقت لوہے کی نہیں بلکہ کسی ایسے میٹریل کی بنی ہوئی ہے جس پر تھوڑی سی طاقت صرف کر کے اسے چوبی فریم سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔

چی میں دو عوامل سب سے زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک آپ کا ارتکاز اور دوسرے آپ کا یقین یعنی آپ کی طاقتورسوچ۔ میں اس وقت اتنے انہماک کے ساتھ راڈ پر طاقت صرف کر رہا تھا کہ مجھے ایک سوا ایک فیصد یقین تھا کہ میں اسے چوبی فریم سے باہر لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ چی کی قوت نے کام دکھایا اور میرے ہاتھ میں موجود آہنی راڈ مڑنے لگی۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی لیکن میں ان چھوٹی موٹی حیرتوں سے بہت آگے نکل آیا تھا۔ چند لمحے بعد میں نے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی راڈ کو ایک جھٹکا دیا اور وہ فریم میں سے باہر آ گئی۔ راڈ کے سرے نے فریم کو چھوڑا تو اسے مکمل موڑنے میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ اگلے ہی لمحے میں اس راڈ کو دوسرے نصب سرے پر موڑ کر روشن دان کے فریم سے ہٹا چکا تھا۔ اس کے بعد روشن دان کے پٹ کو الگ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ میں نے شیشہ جڑے لکڑی کے اس مستطیل تختے کو چھت پر ڈال دیا۔

اب میرے سامنے روشن دان کے نام پر ایک شگاف تھا جس کا سائز ڈیڑھ بائی دو فٹ رہا ہو گا۔ اس مناسب خلا سے جسم کو گزارنا چنداں مشکل نہیں تھا۔ میں نے اپنے اطمینان کے لیے ایک نظر مسلح گارڈ پر ڈالی پھر اس کھلے ہوئے روشن دان میں سے ہوتے ہوئے کمرے کے اندر کود گیا۔

روشن دان سے کمرے کا فرش دس بارہ فٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔ اس بلندی کا فال (Fall) میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ میں پنجوں کے بل جیسے ہی کمرے کے فرش پر پہنچا' میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ فرنٹ رول کرتے ہوئے خود کو ایک تاریک گوشے میں پہنچا دیا۔ میرا یہ عمل اتنا میکانکی اور سوفٹ تھا کہ اس میں بہ مشکل ایک سیکنڈ صرف ہوا ہو گا۔ کمرے کے اندر کودنے سے لے کر اندھیرے میں پہنچنے تک میں نے سانس روک کر فال اینڈ رول کے اصول پر پوری طرح عمل کیا تھا۔

میں اس وقت کمرے کے جس تاریک گوشے میں موجود تھا وہاں سے ساحل والے کمرے کا دروازہ اور اس کے پاس کرسی پر موجود مسلح گارڈ واضح طور پر مجھے دکھائی دے رہا تھا لیکن گارڈ اگر کوشش بھی کرتا تو میں اسے نظر نہ آتا۔ میں اندھیرے کی آڑ لے کر بہ آسانی اس کا شکار کر سکتا تھا۔ میں نے اسے کمرے میں بلانے کے لیے اپنی آواز کو چارے کے طور پر استعمال کیا اور اپنے حلق سے ایک دھیمی "میاؤں" خارج کی۔

بلی کی مصنوعی آواز نے گارڈ کی سماعت تک رسائی حاصل کی تو وہ چونک کر کمرے کے اندر دیکھنے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں موجود تشویش کو واضح طور پر پڑھ لیا۔

بڑے چوکنا انداز میں' کمرے میں دیکھنے کے بعد وہ راہ داری کی دوسری سمت تکنے لگا میں سمجھ گیا' اس کی توجہ اپنے ساتھی مسلح گارڈ کی طرف پلٹ گئی تھی۔ اسی دوران میں' میں نے نیچے سروں میں ایک اور مصنوعی ''میاؤں'' خارج کی اور آدھ کھلے دروازے کی آڑ میں پہنچ گیا۔ یہ بات خارج از امکان تھی کہ ان میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں کمرے کے اندرونی صورتِ حالات جاننے کے لیے ادھر کا رخ نہ کرتے!

میں سانس روکے ان کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحات کے بعد مجھے دروازے کے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں پوری طرح الرٹ ہوگیا۔ آنے والے نے کمرے کے اندر قدم رکھنے سے پہلے کسی متوقع بلی کو ہشکارا ''ہش.....!''

وہاں کوئی بلی موجود ہوتی تو اس کے عمل کا ردِعمل پیش کرتی لیکن اس شخص نے بڑے واضح طور پر بلی کو دو مرتبہ ''میاؤں'' کرتے سنا تھا لہٰذا وہ صرف ایک ''ہش'' پر اکتفا کر کے واپس نہیں جاسکتا تھا چنانچہ اگلے ہی لمحے اس نے ادھ کھلے دروازے کو پوری طرح وا کیا اور کمرے کے اندر داخل ہوگیا۔ گارڈ کی نفسیات کے زیرِ اثر اس نے ہاتھوں میں دبی کلاشن کو تیار انداز میں تان رکھا تھا جیسی کمرے کے اندر کوئی بلی نہ ہو بلکہ شیر ببر چھپا بیٹھا ہو!

میں اسی موقع کی تاک میں تھا۔ اس شخص کی پشت جیسے ہی میری نگاہ کے سامنے آئی' میں نے ایک جست بھر کر اسے گردن سے دبوچ لیا پھر اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھ پاتا' میں نے زنبور میں پھنسے ہوئے دانت کی طرح اسے ایک جھٹکے سے تاریک گوشے میں کھینچ لیا۔

یہ وہی دبلا پتلا مناسب قد و قامت کا مالک گارڈ تھا جسے میں نے تھوڑی دیر پہلے ساحل والے کمرے کے سامنے کرسی پر بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بری طرح میرے بازو کی گرفت میں مچل رہا تھا۔ میں نے اپنا مضبوط بازو اس کی گردن کے گرد بڑے ماہرانہ انداز میں لپیٹ رکھا تھا۔ نیک لاک نامی یہ گرفت بڑی عذاب جاں ہوتی ہے۔ گرفتار شدہ شخص آزادی کی خاطر زیادہ زور آزمائی کا رسک نہیں لے سکتا ورنہ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کا خطرہ ہر لمحے موجود ہوتا ہے۔

میرے بازو میں دبا ہوا گارڈ گرفت سے نکلنے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے اس کی ہر کوشش ناکام یاب بنادی حتیٰ کہ اسے گن استعمال کرنے کا موقع بھی نہ دیا۔ جب اسے اندازہ ہوگیا کہ یہ ''بلی'' کسی طرح اس کی جان نہیں چھوڑے گی تو اس کے اعضا کو قدرے قرار آگیا۔ میں نے محسوس کیا' وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں وہاں اس کی سننے نہیں آیا تھا۔

میں نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جاتے ہوئے سفاک لہجے میں دریافت کیا ''جس کمرے کے سامنے تم پہرا دے رہے ہو' ساحل اس کے اندر ہی ہے نا؟''

میری اس سرگوشی میں ہزار ہا دھمکیاں پوشیدہ تھیں۔ میں نے اس گارڈ کو پشت کے بل اپنے سینے کے ساتھ دبا رکھا تھا لہٰذا وہ مجھے اور میرے چہرے کو دیکھ نہیں سکتا تھا حالانکہ اس کی پہلی کوشش یہی تھی کہ میرا دیدار کرلے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر لب وا کرنا چاہے لیکن میں نے اس کی گردن پر اپنے بازو کا دباؤ بڑھا دیا۔ اس کے حلق سے برآمد ہونے والی ہلکی سی آواز بھی ان نازک لمحات میں کوئی بہت بڑی مصیبت کھڑی کرسکتی تھی۔

میں ایک مرتبہ پھر اپنا منہ اس کی سماعت کی رینج میں لے گیا اور غرا کر دھیمے انداز میں کہا ''جواب دینے کے لیے تمہاری ناپاک زبان کا کھلنا ضروری نہیں۔ تم گردن کو ہاں یا نہ میں ہلکی جنبش دے سکتے ہو۔ بتاؤ میری ساحل اسی کمرے میں موجود ہے نا؟''

اس کے کسی جنبشِ جواب سے پہلے ہی کمرے کے باہر راہ داری میں اس کے ساتھی کے قدموں کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی ایک استفسار یہ جملہ بھی اندر پہنچا۔

''پرویز! تم نے اتنی دیر لگادی کیا واقعی اندر کوئی بلی موجود ہے؟''

وہ یقیناً اس کا ساتھی گارڈ تھا۔ اس کی بات سے یہ بھی ظاہر ہوا' بلی کی مصنوعی آواز اس دراز قامت بندے کے کیفر کردار تک بھی پہنچی تھی۔ میں مزید انتظار کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ گرفت میں آئے ہوئے مسلح گارڈ کا نام میں جان چکا تھا اس لیے میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''گڈ بائے مسٹر پرویز!'' میرے لہجے میں دنیا جہان کی سفاکی سمٹ آئی ''میں اب اپنے سوال کا جواب تمہارے ساتھی سے پوچھوں گا۔ تم نے موقع ضائع کردیا۔''

پھر میں نے ایک مخصوص تکنیک سے اس کی گردن کی ''مزاج پرسی'' کی۔ اگلے ہی لمحے وہ کسی پژمردہ ترکی کے مانند میرے بازو میں جھول گیا۔ میں نے بہ آہستگی اسے کمرے کے پختہ فرش پر ڈال دیا۔ وہ دو تین گھنٹے کے لیے زندگی کے جھمیلوں سے دور چلا گیا تھا۔

اسی دوران میں دوسرے گارڈ کی تشویش بھری آواز ابھری ''پرویز! تم خاموش کیوں ہو۔ کیا اندر کوئی گڑبڑ ہے؟''

پرویز نامی وہ شخص فی الحال کسی سوال کا جواب دینے کے

قابل نہیں رہا تھا۔ اسی لمحے مجھے ایک خطرناک احساس نے جھنجوڑ ڈالا۔ اگر پرویز کی جانب مکمل خاموشی طاری رہتی تو اس کا ساتھی اندر کی صورتِ حال کی جانچ کے بجائے کوئی اور قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔ اس بات کے قطعی نفی امکانات تھے کہ وہ بھاگ کر دوسرے لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا۔

ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا! میرے ذہن نے ایک اٹل فیصلہ صادر کیا..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور یہ سوچتے ہی میں تاریک گوشے سے نکل کر اچانک اس شخص کے سامنے آ گیا۔ وہ مسلح گارڈ اپنے ساتھی پرویز کی یا اس کی آواز کی توقع کر رہا تھا' مجھے اپنے سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا۔

اور اسی گڑبڑاہٹ میں اس نے اپنے ہاتھ میں دبی کلاشن کا رخ میری جانب کرنے کی کوشش کی۔

کوشش کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ میں نے اس کے ارادے کو عملی جامہ پہننے کا موقع فراہم نہیں کیا۔ ہمارے درمیان بہ مشکل تین فٹ کا فاصلہ تھا' میں نے کسی اسپرنگ کی طرح اچھل کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس کے دونوں بازو میرے جبڑے میں آ گئے۔ گن کے استعمال کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور میں نے زبان کے استعمال پر بھی کامل پابندی "عائد" کر دی۔

میں نے ایک دھواں دھار ٹکر اس کے چہرے پر رسید کی۔ اس ٹکر کا خصوصی ہدف اس کی ناک اور ہونٹ بنے لیکن میں نے اسے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ اس تصادم کے نتیجے میں پہنچنے والی تکلیف پر وہ کوئی احتجاج بلند کر سکے۔ میں نے یکے بعد دیگرے اس کے چہرے پر چار پانچ ٹکریں برسائیں تو اس کی بوکھلاہٹ ساتویں آسمان کو چھونے لگی۔ اسی لمحے میں نے اپنے سر کو اس کی پیشانی سے ٹکرایا۔ یہ ٹکر اتنی شدید اور زوردار تھی کہ اس کے قدم ڈگمگا گئے۔

وہ بڑے خطرناک انداز میں لڑکھڑانے لگا میں کسی آفت کی طرح سے چمٹا ہوا تھا۔ اگر وہ زمین بوس ہو جاتا تو مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑتا اور اس طرح فرش سے ہمارے مشترکہ ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک عظیم الشان دھمک پیدا ہوتی جو زیریں منزل والوں کو اس طرف متوجہ کر سکتی تھی لہٰذا میں نے اس کے گرنے سے پہلے ہی اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور ایک بازو سے پکڑ کر کمرے کے اندر کھینچ لیا۔

اندر پہنچتے ہی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے زخمی چہرے کو تھام لیا۔ میں نے اس کی کس مپرسی کی پروا کیے بغیر اسے کمرے کے فرش پر اوندھا کیا اور اس کی کمر پر سوار ہو گیا۔ وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ اچانک کس افتاد میں گرفتار ہو گیا ہے۔ میں اسے حالات کو سمجھنے کا موقع نہیں دے سکتا تھا لہٰذا اس کی گردن کو بائیں بازو کی لپیٹ میں لے کر میں نے بالوں سے پکڑ کر اس کے سر کو فرش سے تھوڑا بلند کر لیا' اس کے ساتھ ہی میں نے غراہٹ آمیز انداز میں اس کے کان کے نزدیک سرگوشی کی۔

"پرویز نے مجھے بتا دیا ہے کہ سامنے والے کمرے میں ساحل موجود ہے۔ وہی ساحل جسے آج دوپہر کو موضع رکھاں والی یہاں سے پہنچایا گیا ہے۔ تم دونوں کی نگرانی پر مامور ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

بات ختم کرتے ہی میں نے اس کی گردن پر اپنے بازو کا دباؤ قدرے کم کیا تاکہ وہ کوئی واضح جواب دینے کی پوزیشن میں آ سکے۔

اس کے حلق سے خرخراتی ہوئی آواز بلند ہوئی "تت..... تم..... کون ہو؟"

"صرف میرے سوال کا جواب دو" میں نے اس کے دبوچے ہوئے بالوں کو ایک زوردار جھٹکا دیا "اگر اب تم نے کوئی سوال کیا تو میں تمہیں بھی وہیں پہنچا دوں گا جہاں پرویز کو پہنچایا ہے۔"

"پرویز..... کہاں..... ہے.....؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

اس کا یہ سوال فطری اور صورتحال کے عین مطابق تھا۔ میں نے سفاکی سے کہا "وہیں جہاں سے کوئی پلٹ کر نہیں آتا۔ کیا ارادہ ہے' تم وہاں جانے کے لیے تیار ہو؟"

اندھیرے کے باعث میں اس کے چہرے کے تاثرات کو انجوائے کرنے سے قاصر رہا تاہم اس کی آواز میں پوشیدہ سراسیمگی نے مجھے بہت کچھ بتا دیا۔ وہ میرے "اسٹائل" سے خاصا مرعوب نظر آتا تھا۔

"تت..... تم..... بہت غلط کر رہے..... ہو!" وہ لکنت زدہ انداز میں منمنایا۔

"غلط اور صحیح کا فیصلہ کرنے کے لیے میں نے تمہیں جج مقرر نہیں کیا" میں نے وحشت کے عالم میں کہا "مجھے صرف جواب چاہئے۔ کیا میری ساحل اس بند کمرے میں موجود ہے؟ اگر تم نے دائیں بائیں کی کوئی چھینکی تو میں تمہاری گردن کا کچومر نکال دوں گا۔"

بات ختم کرتے ہی میں نے اس کی گردن پر دباؤ اچانک بڑھا دیا پھر اسے ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ اپنی گردن کو اس طرح اضطراری انداز میں جھٹکنے لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

اس کا یہ ردعمل میرے عمل کا نتیجہ تھا۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں اس نے پھنسی پھنسی آواز میں اس بات کی تصدیق کی کہ مذکورہ کمرے میں ساحل کو نظر بند کر دیا گیا ہے۔

میرے رگ و ریشے میں بجلیاں سی کوند گئیں۔ میں اگلے ہی لمحے اس کمرے میں پہنچنے کا خواہش مند تھا لہٰذا اپنی گرفت میں آئے ہوئے شخص کا حساب نمٹانا ضروری ہو گیا۔ میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔ پرویز نے مجھے ساحل کے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ ہی میں نے اسے عدم آباد روانہ کیا تھا لیکن میری یہ چال کامیاب رہی اور پرویز کا ساتھی دہشت زدہ نظر آنے لگا۔ میں نے اس غفلت کی دنیا میں پہنچانے سے پہلے چند ضروری اور مفید سوالات کیے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میری سرگوشی سے وحشت ٹپکتی تھی۔

"سلیم" اس نے بتایا۔

"مجھے پتا چلا ہے' تم دونوں میں سے ایک چوہدری دلدار کا بندہ ہے اور دوسرا کبیر شاہ کے ساتھ کراچی سے آیا ہے" میں نے پوچھا "تم کس کے بندے ہو' کبیر شاہ یا چوہدری دلدار کے؟"

وہ ہکلایا "میں چوہدری صاحب کا بندہ ہوں۔ کراچی سے آنے والا پرویز تمہارے ہاتھوں جان سے ہار گیا"

اس کے آخری جملے نے ثابت کر دیا کہ وہ میری بات پر کن فکن یقین کر بیٹھا تھا جس کا یہی مطلب تھا' میری دہشت نے اس کے دل و دماغ پر بسیرا کر لیا تھا۔

میں نے تصدیق کیا "اس وقت تم دونوں کے علاوہ بالائی منزل پر اور کون کون ہے۔ میرا مطلب ہے ساحل کو چھوڑ کر؟"

"کوئی نہیں" اس نے تعاون آمیز انداز میں بتایا۔

"ساحل اس کمرے میں بالکل اکیلی ہے؟" میں نے پوچھا۔

مجھے اثبات میں جواب ملا۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔

"زیریں منزل پر کتنے افراد موجود ہیں؟"

اس نے بتایا "چوہدری صاحب کے علاوہ کبیر شاہ' فیصل صاحب' دو محافظ اور دو عورتیں ہیں"

اس کے جواب سے اندازہ ہو گیا' وہ زیریں منزل سے پوری طرح باخبر ہے اور تازہ ترین معلومات اسے حاصل تھیں اس کا مطلب ہے' وہ خاصا ہوشیار اور کام کا بندہ تھا پھر میں نے عورتوں کے حوالے سے پوچھا۔ اس باخبر آدمی کو نچوڑنا ازحد ضروری تھا۔

"تم نے جن دو عورتوں کا ذکر کیا ہے' کیا ان کا تعلق چوہدری کی فیملی سے ہے؟"

اس نے نفی میں گردن کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ ناکامیابی کے بعد اس کی زبان سے ادا ہوا "وہ دونوں پیشہ ور عورتیں ہیں"

میں ایک لمحے میں سمجھ گیا کہ انہیں وہاں کس مقصد سے لایا گیا ہوگا۔ میں نے سلیم نامی اس شخص سے پوچھا "میری معلومات کے مطابق مسلم ٹاؤن والا منشا بھی دوپہر میں ساحل کے ساتھ ہی یہاں پہنچا تھا۔ کیا وہ واپس چلا گیا؟"

"مشا صاحب اپنے تین آدمیوں کے ساتھ وجدان کے نعاقب....." وہ بولتے بولتے اچانک رک گیا جیسے اسے کچھ دیا آ گیا ہو پھر متذبذب لہجے میں بولا "میں نے صرف تمہاری ایک جھلک دیکھی ہے اور مجھے یاد آ رہا ہے تم وجدان سے گہری مشابہت رکھتے ہو' کہیں تم....." اس نے دوبارہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں سمجھ گیا' وہ اس وقت کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا تم نے وجدان کو دیکھ رکھا ہے؟"

"وجدان کو تو نہیں دیکھا البتہ اس کی تصویر دیکھنے کا مجھے موقع ملا ہے" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا "میں نے سنا ہے وجدان بہت ہی سفاک اور خطرناک انسان ہے"

"تم نے بالکل درست سنا ہے" میں نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا "خیر' اب تو تم عملی طور پر مجھے بھگت رہے ہو۔ تمہیں میری سفاکی اور خطرناکی کا کامل یقین آ گیا ہوگا!"

"تت..... تو میرا اندازہ صحیح ہے" وہ ہکلایا "تم وجدان ہی ہو؟"

"کیا تمہیں کسی قسم کا شک و شبہ ہے؟"

ہمارے درمیان وہ سرگوشیانہ گفتگو اندھیرے میں ہو رہی تھی۔ زیریں منزل والوں کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اوپر بازی کس طرح پلٹ چکی ہے۔ سلیم کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت تک پہنچی۔

"اگر تم وجدان ہو تو پھر تمہاری دلیری کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے شدید فائرنگ کے نتیجے میں تمہیں یہاں سے اپنی جیپ میں فرار ہونا پڑا تھا اور اب تم دوبارہ یہاں نظر آ رہے ہو....."

میں نے ان تعریفی کلمات کو نظر انداز کرتے ہوئے قطع کلامی کی "کیا واقعی میں اس اندھیرے میں تمہیں نظر آ رہا ہوں؟"

''ہم..... میرا مطلب ہے تم نے بتایا ہے کہ تم ہی وجدان ہو!'' وہ گڑبڑا گیا۔

''تو تم نے میرے کہے کا یقین کرلیا ہے؟''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ساتھ سوال و جواب میں زیادہ وقت صرف کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے اس کی ''گلوخلاصی'' کرنے سے پہلے ''ساحل والے کمرے کو یقینی طور پر لاک کیا گیا ہوگا؟''

اس نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے جاننا چاہا ''اس کمرے کی چابی کس کے پاس ہے؟''

''چوہدری صاحب کے پاس''

''تم مجھے چکر دینے کی کوشش تو نہیں کررہے؟''

''تم چاہو تو مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لو'' وہ گھگیاہٹ سے مشابہ آواز میں بولا ''میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ چابی واقعی چوہدری صاحب کے پاس ہے۔ ہمیں صرف اس کمرے کی نگرانی کا حکم ہے۔ ہم تو اس کمرے کے دروازے کو چھو بھی نہیں سکتے۔ چوہدری صاحب نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔ اس لیے تھوڑا فاصلہ رکھ کر ہم یہاں پہرا دے رہے ہیں''

اس کی بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ میں نے کہا ''اس ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس کمرے کے دروازے کے ساتھ کوئی مخصوص قسم کا بم منسلک ہے جو اسے چھوتے ہی بلاسٹ ہوجائے گا؟''

''پتا نہیں' ہمیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا ''ہم چوہدری صاحب سے کسی قسم کا سوال نہیں کرسکتے۔ بس گردن جھکا کر ان کا حکم سنتے ہیں اور اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔''

میں نے بم اور بلاسٹنگ کی بات خواہ مخواہ ہی کردی تھی۔ دراصل سلیم کی بات نے مجھے جھنجلا دیا تھا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ دروازے کو چھونا تک نہیں۔ اس معاملے کی وضاحت تو صرف اور صرف چوہدری دلدار ہی کرسکتا تھا۔

میں نے سلیم نامی اس مسلح محافظ جواب غیر مسلح ہو چکا تھا' سے الوداعی انداز میں کہا ''تم نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے' اس لیے تمہیں اس کا انعام ملنا چاہئے میں تمہیں جان سے نہیں گزار رہا البتہ دو تین گھنٹوں کے لیے تمہارا ناتا اس دنیا سے کٹ جائے گا۔''

پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتا' میں نے بڑی سرعت کے ساتھ اسے بھی اسی سلوک کا مستحق ٹھہرایا جو سلوک میں اس کے ساتھی پرویز کے ساتھ کرچکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے نیند کے مارے کسی فرماں بردار بچے کی طرح گردن ایک طرف ڈال دی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس کی پشت سے نیچے اتر آیا۔ اب میرا راستہ صاف ہوچکا تھا۔ بالائی منزل پر میرے اور ساحل کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ سلیم اور پرویز کو دستِ موجودات میں شمار نہیں کیا جاسکتا تھا کیوں کہ انہیں مطلق خبر نہیں تھی وہ اس وقت کہاں ہیں..... اور جہاں بھی ہیں' وہاں مزید کتنی دیر تک رہیں گے۔

اس احساس نے میری دھڑکن کو بے طرح بڑھا دیا۔ اب میرے اور ساحل کے درمیان کوئی بھی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر اندر جانا تھا اور اپنی ساحل سے جا لگنا تھا۔ ایک صبر آزما انتظار اور زبردست مارا ماری کے بعد وہ لمحات گرفت میں آئے تھے۔

اس وقت میرا دل شوریدہ سر جذبات سے لبریز تھا۔ میں اپنی کیفیت کی حقیقت کو بیان سے کرنے سے قاصر ہوں۔ شاید کوئی بھی ان لمحات کی تفصیل کو بیان نہیں کرسکتا۔ میرا وجود سمٹ کر ایک طوفان کی شکل اختیار کرچکا تھا جس کی موجوں میں بڑی ترتیب تھی۔ یہ موجیں بڑی شدت سے اپنے ساحل تک پہنچنا چاہتی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا کہ مجھ سے پہلے میرا دل سینے کا پنجرہ توڑ کر بند کمرے میں پہنچ جائے گا!

میں نے کارروائی زدہ کمرے کو چھوڑنے سے پہلے سلیم اور پرویز کی کلاشنکوفز کو اپنے قبضے میں کیا۔ ان گنوں کے ساتھ مضبوط بیلٹ بھی منسلک تھے اور انہیں بہ آسانی شولڈر پر ٹانگا جاسکتا تھا۔ میں نے پرائمری اسکول کے کسی بچے کی طرح ایک کلاشن کے بیلٹ میں سے گردن کو گزارا اور اسے کندھے پر سنبھال لیا' دوسری گن میں نے ہاتھ میں لے لی۔ وہ دونوں ہی مکور اور پوری طرح لوڈ خطرناک گنیں تھیں جن کی ضرورت کسی بھی موقع پر پیش آسکتی تھی۔

میں نہیں جانتا تھا' ساحل کس حال میں ہوگی۔ میری اب تک کی معلومات کے مطابق اسے بے ہوشی کی حالت میں رکھاں والی سے لاہور پہنچایا گیا تھا۔ پتا نہیں' یہ کسی خواب آور دوا کا اثر تھا یا خدانخواستہ وہ بیمار تھی! بہرحال' واپسی کے راستے میں کسی بھی سنگین ترین صورتِ حال سے سامنا ہوسکتا تھا۔

میں نے کمرے سے باہر آکر راہ داری میں دونوں جانب محتاط نظر سے دیکھا اور اپنے مطلوبہ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ زیریں منزل سے کسی قسم کی آواز نہیں ابھر رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہاں موجود لوگ پرسکون اور آرام سے تھے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ وہ وجدان کو پسپا کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور اب فکرمندی یا خطرے والی کوئی بات نہیں' ویسے بھی نشا اپنے تین خواریوں کے ساتھ ''وجدان'' کے تعاقب میں گیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ یا ناکامیاب ہونا برداشت نہ کرتا' چاہے اس کے لیے اسے یہ رات کوٹھی سے باہر کالی کرنا پڑتی۔ نشا میری طرف سے بہت ادھار کھائے بیٹھا تھا جس کی وجہ سے چوہدری دلدار کی نظر میں اس کی سابق پوزیشن متاثر ہورہی تھی۔ وہ اپنی صفائی میں کسی حد سے گزر سکتا تھا۔

اس بات کی امید کم ہی تھی کہ آج کی رات اس کوٹھی میں کوئی سو سکے۔ میری دہشت سے وہ انکار نہیں کرسکتے تھے اور خاص طور پر نقلی وجدان نے وہاں انٹری دے کر صورتِ حالات کو بہت سنسنی خیز بنا دیا تھا۔ جب تک نشا اور اس کے ساتھ جانے والے واپس نہ آجاتے یا ان کی طرف سے کوئی خیر یہاں موصول نہ ہوجاتی' کوٹھی کے مکین چوہدری دلدار اینڈ کمپنی آنکھ نہیں لگا سکتے تھے..... اور ویسے بھی ان لوگوں نے جاگنے اور جگانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ دو پیشہ ور عورتیں وہاں نیند پوری تو نہیں کرنے آئی تھیں!

میری اس طویل داستان کو پڑھنے والے چند قارئین کا خیال ہے' بعض اوقات میں کسی واقعے کی تفصیل میں بہت دور چلا جاتا ہوں جس سے بوجھل پن کا احساس ہوتا ہے۔ یہ شکایت اگر چہ درست ہے لیکن بیان کردہ تفصیل کا تعلق میری سوچ سے ہوتا ہے نہ کہ کسی حالیہ منظر کی جزئیات سے۔ انسانی دماغ کے سوچنے کی رفتار کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایک لمحے میں جانے کتنے واقعات دماغ سے اسکرین پر جل بجھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بہرحال' راہ داری کی صورت حال سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے بند دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تاکہ وہ بند دروازہ کھولنے یا کھلوانے کا فیصلہ ہوتا لیکن میں نے جیسے ہی ہینڈل کو گھمانے کی کوشش کی' ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

پوری راہ داری ایک مخصوص قسم کے سائرن سے گونجنے لگی۔ سائرن کا انداز ایسا تھا جیسے کوٹھی کے مکینوں کو کسی خطرے سے آگاہ کیا جارہا ہو۔ عام طور پر اینٹی برگلری سائرن اسی انداز میں شور مچاتے ہیں۔

میں اس غیر متوقع صورتحال سے بوکھلا گیا۔ یہ ممکن نہیں تھا' اس سائرن کی آواز چوہدری دلدار اور دیگر افراد تک نہ پہنچے۔ یہ سائرن تو اسی آگاہی کے مقصد سے نصب کیا گیا تھا۔ دروازے کے ہینڈل کے ساتھ کوئی ایسی ''کاری گری'' کی گئی تھی کہ چوہدری دلدار کے علاوہ اگر کوئی شخص اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرتا تو فوراً پکڑ میں آجاتا۔ شاید اس لیے وہاں متعین گارڈز کو دروازہ چھونے سے منع کیا گیا تھا۔ وہ دونوں اس دروازے کی حقیقت سے ناواقف تھے یا یہ بھی ہوسکتا تھا' سلیم کو اس سائرن کی اچھی طرح خبر ہو اور اس نے مجھے ٹریپ کرنے کے لیے یہ نکتہ مجھ سے چھپا لیا ہو۔ بہرحال' ساحل کو بڑے انتظامی انداز میں اس کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ وہ لوگ ساحل کی اہمیت کو اچھی طرح جانتے تھے۔

جو لمحہ میں نے بوکھلانے میں صرف کیا' اس کے اختتام پر زیریں منزل بیدار ہوگئی اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ آوازیں یہ تدریج بالائی منزل کی طرف آرہی تھیں۔ اب تک سب ٹھیک تھا مگر اس بدمعاش سائرن نے بالکل آخری مرحلے پر گڑبڑ کردی اور گڑبڑ بھی ایسی جس کی گونج پوری کوٹھی میں سنائی دے رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ لوگ مجھ تک پہنچ پاتے' میں نے زبردستی کمرے میں گھسنے کا فیصلہ کرلیا یہ فیصلہ سیکنڈز کے ہزارویں حصے کا کرشمہ تھا میں نے ہاتھ میں دبی ہوئی کلاشنکوف کو بھی گردن پر سے گزار کر گلے میں لٹکایا پھر ایک طویل سانس کھینچی اور ''پی'' کی قوت کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کیا پھر میں نے دروازے کے ہینڈل کے نزدیک ہی' ایک جھٹکے سے سانس چھوڑتے ہوئے ڈبل ہینڈ پش آزمایا۔

میری ہتھیلیوں کی مربوط ٹھوکر میں اس بلا کی قوت پوشیدہ تھی کہ دروازے کا لاک' آن واحد میں ٹوٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فلش ڈور کا سنگل پٹ اس طرح کھلا جیسے کسی خوفناک سمندری طوفان کی زد میں آئے ہوئے بحری جہاز کا کوئی تختہ جدا ہوتا ہے۔ میں لپک کر کمرے کے اندر پہنچا اور بڑی سرعت سے دروازے کو اندر سے بند کردیا۔

دروازے کی پشت پر ایک مضبوط کنڈی نصب تھی' میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کو بولٹ کردیا۔

اسی وقت باہر سے دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ اب وہ لوگ دروازہ توڑے بغیر اندر نہیں آسکتے تھے اور اگر وہ واقعی ایسا کر گزرتے تو میں انہیں بھون کر رکھ دیتا۔ میرے بدن پر دو بھری ہوئی ہلاکت خیز کلاشنکوفز تمغوں کی طرح سجی تھیں جن کے استعمال میں کسی قسم کی مصلحت یا دریغ کا وقت گزر چکا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے ساحل کی طرف بڑھ گیا لیکن..... میری جانِ تمنا اس کمرے میں موجود نہیں تھی!

یا الٰہی! یہ کیا ماجرا تھا؟ میں اس مایوس کن صورتِ حال کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ میں نے چند سیکنڈ کے اندر اس کمرے کا

کونا چھان مارا لیکن وہ کمرا ساحل کے وجود سے خالی تھا۔

اس کے در و دیوار اور اس کے اندر موجود اشیا سے ساحل کو خوشی ہو نہیں آتی تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ اسے کسی خفیہ جگہ چھپا کر رکھا گیا ہو۔ وہاں چھپنے اور چھپانے والا کوئی قصہ ہی نہیں تھا۔

اس کمرے کے اندر برائے نام سامان تھا۔ ایک اسٹینڈ پر دیوار کے ساتھ بڑے اسکرین والا ٹی وی رکھا تھا۔ اس کے سامنے والی دوسری دیوار کے نزدیک ایک صوفہ سیٹ نظر آ رہا تھا اور بس! کمرے کے اندر مناسب روشنی کا بندوبست تھا۔ ان مختصر ترین لوازمات میں، میں اپنی ساحل کو کہاں تلاش کرتا۔ وہ کوئی ننھی سی سوئی نہیں تھی کہ اسے کہیں بھی رکھ کر نظروں سے اوجھل کر دیا جاتا۔ میرا دماغ اس صورت حال پر گھوم کر رہ گیا۔

دوسرے ہی لمحے مجھے محسوس ہوا، دروازے کو پیٹنا بند کر دیا گیا تھا یا تو وہ لوگ واپس چلے گئے تھے یا پھر ناکامیاب ہو کر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور دروازے کے باہر ہی موجود تھے۔ بے مہار شور بلند کرنے والا وہ بدمعاش سائرن بھی، خاموش ہو چکا تھا۔ یقینی طور پر اسے آف کیا گیا ہوگا! اس سے پہلے کہ میں کوئی قدم اٹھاتا، اسٹینڈ پر رکھے ٹی وی کا اسکرین روشن ہو گیا پھر اس روشن مستطیل پر ایک انسانی چہرہ نمودار ہوا۔

وہ بڑے جاہ و جلال اور کروفر والا چہرہ تھا۔ کلوز اپ میں وہ شخص بڑا بارعب نظر آتا تھا۔ میں نے اس کی عمر کا اندازہ پچپن کے قریب لگایا۔ اس کے گیٹ اپ اور حلیے کو دیکھ کر میرے ذہن میں جو نام چمکا وہ چوہدری دلدار کا تھا۔ ازاں بعد اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔ چوہدری دلدار بڑی حد تک انڈین فلموں کے ایک معروف ویلن سے مشابہ تھا۔

میں یک ٹک اسے دیکھے چلا جا رہا تھا کہ وہ زیر لب مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ نے مجھے بتا دیا کہ اس وقت کہیں بیٹھا وہ بھی مجھے دیکھ رہا ہے اور میری حیرت آمیز جھنجلاہٹ سے محظوظ بھی ہو رہا ہے۔ اچانک اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''ویل کم مسٹر وجدان!'' اس کے لب و لہجے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی روایتی قسم کا ان پڑھ اور جاہل چوہدری نہیں جو صرف ظلم کرنا جانتا ہے بلکہ وہ مجھے تعلیم یافتہ محسوس ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اس طرح چوہے دان میں پھنسنے پر تمہیں افسوس تو ہو رہا ہوگا لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔ شکار اور شکاری کا یہ کھیل ایسے ہی تماشے دکھاتا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر سمجھانے والے انداز میں بولا ''ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے تم جھلک دکھا کر غائب ہو گئے تھے۔'' اس کا اشارہ یقیناً قتلی وجدان کی طرف تھا ''میں تو یہی سمجھا تھا کہ اب تم ادھر کا رخ نہیں کرو گے اسی لیے میں نے تمہاری تلاش میں اپنے بندے دوڑائے تھے لیکن بھی۔''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ستائشی نظر سے مجھے دیکھنے لگا اور بولا ''تم نے جس جی داری کا ابھی مظاہرہ کیا ہے، میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میرے دو مسلح گارڈز کو تم نے پہلے سے انٹا غفیل کر دیا اور اس کمرے میں پہنچ گئے۔ چوہدری دلدار تم جیسے بہادر دشمن سے مل کر خوش ہوا حالانکہ اس والے سے پہلے میرا خیال تھا، تم بہت ہی بزدل اور ڈرپوک ہو گے بھی، تم بھی کیا کرتا!'' وہ ذرا دیر کو چپ سا ہو پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میں نے تمہارے لیے پارا ہی اتنا زبردست لگایا ہے کہ تم اس کی دو سو تکتے ہوئے ایک بار کیا، دو مرتبہ کیا، ہزار دفعہ ادھر آؤ گے۔''

چارے سے اس کی مراد ساحل تھی۔ میں ساحل کے لیے اس قسم کی گھٹیا تشبیہ سے سلگ اٹھا بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

''چوہدری دلدار! اگر تمہاری بکواس ختم ہو چکی ہو تو مجھے بتاؤ، میری ساحل کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟''

''غصے کے بہت تیز اور زبان دراز بھی ہو۔'' وہ میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے بولا ''دشمن جی دار ہو اور غصہ ور بھی تو اس نسے دو دو ہاتھ کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں تمہارے ہاتھ پاؤں بڑے تسلی آمیز انداز میں توڑوں گا۔''

وہ یقیناً مجھے غصہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا اور میرے چہرے کے تاثرات کو بھی بخوبی ملاحظہ کر رہا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ اس وقت کبیر شاہ اور فیصل بھی اس کے آس پاس موجود ہوں گے اور مجھے کسی ٹی وی اسکرین پر جھنجلاتے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔ میں جس کمرے میں کھڑا تھا اسے کلوز سرکٹ ٹی وی نظام کی بدولت کہیں اور دیکھا جا رہا تھا۔ چوہدری دلدار نے اس کمرے کو چوہے دان کا نام دیا تھا اس کا یہی مطلب تھا، وہ کمرا خاص طور پر اسی مقصد کے لیے ''تیار'' کیا گیا تھا۔

چوہدری دلدار نے شاید میرے خیالات پڑھ لیے معلومات افزا لہجے میں بولا ''میں نے یہ کمرا اپنے دشمنوں کی بے خبری میں انہیں واچ کرنے کے لیے خصوصی طور پر بنوا کر لیا ہے اور بوقت ضرورت میں ان سے رابطہ بھی کر لیتا ہوں جیسا کہ اس وقت تم سے بات ہو رہی ہے۔ اگر میں خود کو تم پر ظاہر نہ کرنا چاہتا تو ٹی وی اسکرین روشن نہ ہوتا اور تمہارے کوئی خراب ٹی وی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے مگر میں تمہاری

حرکت کو نوٹس کر رہا تھا۔ اس کمرے اور کمرے میں چیزوں کو دیکھنے کے لیے میں نے چار مختلف مقامات پر تمہیں نصب کر رکھا ہے جو میری مرضی کے مطابق ہی کیمرا زاویوں کی تفصیل دکھاتی ہیں۔'' وہ اس کمرے میں موجود کیمرا زاویوں کا ذکر کر رہا تھا جن کی بدولت یہاں کے مناظر اور دیکھے جا رہے تھے ''میں نے ایک بہت بڑے خطرے کو حاصل کر کے یہ نظام نصب کروایا ہے۔ اس کی انجام دہی (ٹیلی کمیونی کیشن) کے شعبے میں بہت تعریف ہو رہی ہے۔''

''تو یہ سب کچھ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو۔'' میں نے چڑ کر پوچھا ''میں شارٹ کٹ ٹی وی نظام اور اس کی کارکردگی سے واقف ہوں۔''

میری بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا ''فرق پڑتا ہے کہ آج سے پہلے میں اپنے شکار کو خود اس کمرے میں داخل کرتا تھا۔ تم پہلی مرتبہ از خود اس میں داخل ہوئے ہو بلکہ داخل ہوئے ہو بلکہ تم نے اندر سے دروازہ بھی بند کر لیا ہے۔ میں چاہوں تو دروازہ توڑ کر اس کمرے کے اندر پہنچ جاؤں لیکن میں خوامخواہ کی توڑ پھوڑ کا قائل نہیں۔ تمہیں اس کمرے سے باہر لانے کے میرے پاس ایک سو ایک طریقے ہیں۔ چند لمحے خاموش رہا پھر تنبیہ کرنے والے انداز میں بولا ''بہتر ہے ذہن میں رکھنا وجدان! از خود یہاں سے فرار کی کوشش نہ کرنا ورنہ جان سے جاؤ گے۔ کمرے کے باہر متعین مسلح گن برداروں کو متعین کر دیا ہے اور انہیں حکم ہے وہ تمہیں دروازے سے باہر آتا دیکھتے ہی گولیوں سے بھون دیں۔ تم جانتے ہو، طاقت ور لوگوں کے نمک خوار کتنے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں؟''

مجھے ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس قسم کی گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا نہیں تھا۔ میں نے کمروں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''چوہدری دلدار! تم بہت ہی ذلیل اور گھٹیا انسان ہو۔ تم نے سنا ہوگا کہ دشمن کو کمزور کہتے ہو مجھے بہادر دشمن مان کر دو دو ہاتھ کرنے کی خواہش ظاہر بھی ہو اور کسی پردہ نشیں بیوہ کی طرح سات پردوں میں چھپ کر بیٹھے ہو۔ شرم میں ڈوب مرو کسی زنخے کی طرح زنانہ کاری کا اگر اتنا ہی شوق ہے تو سامنے آؤ۔ تمہیں پتا چل جائے گا کہ وجدان کس طوفان کا نام ہے!''

''صبر رکھو، حوصلہ۔'' وہ پھنکار سے مشابہ لہجے میں بولا ''ان گندی حرکتوں سے مجھے غصہ نہیں آئے گا۔ میں جانتا ہوں، چھری کے نیچے آیا ہوا شکار اسی قسم کی اوچھی اچھل کود کرتا ہے۔ تم فکر نہ کرو، میں تمہیں ہر نوعیت کی زور آزمائی کا موقع دوں گا۔''

مجھے اس وقت دو ہستیوں کی فکر نے گھیرے رکھا تھا۔ اول، ساحل کہاں تھی؟ دوئم، صدف کیا کر رہی تھی؟ ساحل اس کمرے میں نہیں پائی گئی تو اس کا یہی مطلب تھا، وہ زیریں منزل پر کہیں موجود تھی اور صدف..... اس نے بھی کوٹھی میں گونجنے والے خطرناک سائرن کی آواز سنی ہوگی اور اس کے بعد وہاں مچنے والی افراتفری بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہی ہوگی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اب تک خاموش کیوں ہے! اس قسم کی صورت حالات میں تو اسے فوراً میدان میں کود جانا چاہیے تھا۔ میں اس کی طرف سے تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

ساحل کے لیے میری تشویش بھی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کوٹھی کے باورچی اللہ رکھا سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق ساحل کو کوٹھی کے بالائی حصے میں رکھا گیا تھا۔ سلیم کا بھی یہی بیان تھا لیکن ساحل اس کمرے میں نہیں پائی گئی تو اس سے واضح ہو گیا، چوہدری دلدار بہت ہی گہرا آدمی ہے۔ وہ بعض حساس اور نازک معاملات کے بارے میں اپنے قریبی لوگوں کو بھی کچھ نہیں بتاتا۔ سلیم اور پرویز بڑی تن دہی سے اس کمرے کے باہر پہرا دے رہے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہیں دروازے کو چھونے سے بھی منع کر دیا گیا۔ درحقیقت اس دروازے کے ہینڈل کے ساتھ کوئی ایسا میکنزم کام کر رہا تھا جو سائرن کو آپریٹ کرتا تھا۔ یہ فزیکوئسی اور الیکٹرونکس کا دور ہے۔ اس قسم کے کھیل تماشے عام سی بات ہے۔

ایک مرتبہ پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چوہدری دلدار میری سوچ تک پہنچ گیا ہو۔ اس نے معتدل انداز میں کہا ''اس کمرے کی مسٹری میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے صوفے پر بیٹھ جاؤ، پھر بات کرتے ہیں۔''

دراصل وہ کسی دوسرے کمرے میں بیٹھا میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا اور چہرہ دل و دماغ کی کتاب کہلاتا ہے۔ وہ میری سوچ اور خیالات کو نہیں بلکہ میرے چہرے کو پڑھ رہا تھا اور سچویشن کے مطابق بالکل درست اندازے لگا رہا تھا۔

میں نے کھڑے کھڑے کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ٹیلی کیمرا زاز مجھے کہیں نظر نہ آئے۔ ظاہر ہے، وہ کیمرا اس لیے نصب نہیں کیے گئے تھے کہ ہر خاص و عام کی نظر ان پر پڑے۔ چوہدری دلدار کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''سلیم اور پرویز کی حالت تو میرے علم میں آ چکی ہے۔

تم نے ان کے ساتھ اچھا نہیں کیا لیکن ابھی تک میرے خانساماں اللہ رکھا کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس بے چارے بوڑھے کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا ہے؟''

میں نے زہر خند لہجے میں کہا ''چوہدری! تم ابھی تک اپنے اس آدمی کو بھولے بیٹھے ہو جو تمہاری کوٹھی کے عقب میں نگرانی پر مامور تھا۔ وہ وہاں گندی گلی میں بے ہوش پڑا ہے۔ ذرا اس کی کیفیت بھی معلوم کرلو۔ میں نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ہے، اسی سے ملتا جلتا سلوک اللہ رکھا کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔''

مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی کہ عقبی گلی میں پڑے ہوئے، میرا نشانہ بننے والے شخص کا راز کھل جانے کے بعد کیا ہوگا۔ میری سوچ گھوم پھر کر ساحل کی طرف آجاتی تھی۔

''تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی شاندار سلوک کیا جائے گا۔'' چوہدری اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا ''میں ابھی رکھاں والی میں بڑے چوہدری صاحب سے فون پر بات کروں گا۔ تمہیں کل صبح یہاں سے روانہ کردیا جائے گا..... ہاتھ پاؤں باندھ کر..... کسی ایمبولینس میں ڈال کر..... اور اس سے پہلے تمہیں بڑے تسلی بخش طریقے سے بے ہوش کیا جائے گا تاکہ تم کسی قسم کی گڑبڑ نہ پھیلا سکو۔ چوہدری نوازش علی صاحب تم سے برسوں کا حساب کتاب کریں گے۔ تم دراصل ان کے شکار ہو۔ ہم تو محض ہانکا کررہے ہیں۔''

بات کے اختتام پر وہ بڑے بے ہودہ انداز میں مسکرایا۔ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''تمہارا وہ بڑا چوہدری مجھ سے خائف ہے۔ میرا نام سن کر اس کا پیشاب خطا ہوتا ہے اسی لیے اپنے مہروں کو آگے بڑھاتا رہتا ہے تاکہ میں اس سے دور رہوں اور اس کی گردن محفوظ رہے۔''

''چلو کوئی بات نہیں، اس بار تمہارا یہ شکوہ بھی دور ہوجائے گا۔'' وہ کمال ضبط بہ الفاظِ دیگر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا ''ہم خود تمہیں چوہدری صاحب کے پاس، ان کی خدمت میں پہنچائیں گے۔ ویسے عجیب اتفاق ہے!'' وہ اپنے چہرے پر مکروہ تاثرات سجاتے ہوئے بولا ''تمہاری محبوبہ آج صبح تک چوہدری صاحب کی تحویل میں تھی۔ وہ چند دن وہاں رہی اور اچھے داموں نکل گئی۔ بھئی، یہ اشاک..... اور وہ بھی لائیو اشاک کا کاروبار بہت منافع بخش ہے۔ دس کروڑ روپے کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ تم بھی کچھ دن ان کے ''گودام'' میں رہو گے تو کروڑوں کا بزکس دے جاؤ گے۔ تمہارا بھی کوئی نہ کوئی گاہک مل ہی جائے گا جیسے تمہاری محبوبہ کے طلبگار سامنے آگئے۔'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا، میرے جذبات کو کنڈ چھری کے حوالے کرتے ہوئے بولا ''تو چوہدری صاحب کو مشورہ دوں گا، وہ اپنے دشمنوں کا سے ختم نہ کریں بلکہ ان کے گاہک تلاش کرکے رقم کمر کریں۔''

چوہدری دلدار نے جتنی بک بک کرلی، میں اس زیادہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ میں اس کے اشاروں، کنا کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ میرے اندیشے صد فیصد درست ثابت ہورہے تھے۔ چوہدری نوازش علی نے میرے سر دس کروڑ کی رقم حاصل کرکے ساحل کو شعیب غوری کے حوا کیا تھا اور ایک نئی دوستی کی داغ بیل بھی ڈال دی تھی۔

میں نے ٹی وی کے روشن اسکرین پر چوہدری دلدار نفرت آمیز نظر سے گھورا اور بڑے ہی جارحانہ لہجے دریافت کیا ''میری ساحل کہاں ہے؟''

''بھئی، جب رقم وصول کرلی جائے تو ڈیلیوری ہوجاتی ہے۔'' وہ میرے زخمی کلیجے پر نمک پاشی کرتے ہو بولا ''تمہاری محبوبہ کو کراچی روانہ کردیا گیا ہے۔ یہ سارا راز ہم نے تمہیں ٹریپ کرنے کے لیے رچایا تھا اور ہم اس کوشش میں کامیاب رہے۔ تم اس وقت میرے رحم وکرم پر ہو۔''

''تم بکواس کرتے ہو رحم وکرم کے بچے!'' میں نے کرکہا ''ساحل کہیں نہیں گئی۔ وہ اسی کوٹھی میں موجود مم..... میں بہت جلد اسے تمہارے پنجے سے نکال لوں گا۔''

جذبات کے جوش میں، میں خاصا آؤٹ ہورہا چوہدری دلدار نے بھویں سکیڑتے ہوئے مجھ سے دریا کیا۔

''تمہیں اس بات کا یقین کیوں ہے کہ ساحل اسی کوٹھی میں موجود ہے؟''

''اس لیے کہ وہ تمہاری ماں کا خصوصی کبیر شاہ اس تمہارے آس پاس ہی کہیں بیٹھا ہے۔'' میرا دماغ کے مانند دہک رہا تھا ''وہ کسی حرامی کی اولاد میری سا رکھاں والی سے لے کر لاہور پہنچا ہے اور یہاں سے اپنے ساتھ کراچی لے جائے گا۔ تمہارے بڑے بزبولا لخت جگر فیصل بھی ان کے ساتھ یہاں آیا کے ساتھی پرویز کو تو میں نے لمبا لٹا دیا ہے۔ اب یقین کی وجہ سمجھ میں آگئی ہوگی؟''

''تم نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ معلومات کرلی ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہو ''لیکن اس میں سے بعض معلومات ناقص اور

دی ہے جو میں نے تمہیں بتادی۔ تمہاری محبوبہ کو آج نا جیے یہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔ تمہیں میری بات ہو شعیب غوری سے رابطہ کرلو۔''

پھر یہ لطیفہ ناتصدیق کبیر شاہ تمہاری بغل میں بیٹھا ہے؟'' میں نے حقارت سے لبریز لہجے میں کہا ''کیا ے قبل بچہ بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے؟''

پکارنے والے انداز میں بولا ''میں نے کہا نا، اندازے اور معلومات بعض مقامات پر بہت ردی راجی سے کل چار افراد یہاں پہنچے تھے۔ کبیر شاہ اور کام رکھاں والی اور لاہور کے درمیان مال کی ترسیل ود تھا۔ باقی دو افراد ''مال'' کو لاہور سے کراچی لے کراچی کی تیز رفتار زندگی کا مارا ہوا شاہ جی کچھ عرصہ قیام کرکے اپنے اعصاب کو سکون پہنچانا چاہتا ہے۔ ی بات ہے!''

سمجھ گیا، وہ مجھے سیدھی بات کبھی نہیں بتائے گا اور میں راہم کردہ معلومات پر یقین نہیں کرسکتا تھا۔ اسی لمحے دماغ نے فیصلہ دیا کہ جیسے بھی ممکن ہو مجھے چوہدری ں سے باہر آنا ہے اور اس کا پہلا ذریعہ یہ تھا کہ درمیان ٹیلی کمیونی کیشن کا سلسلہ موقوف ہوجاتا۔

طور پر ان ٹیلی کمیونی کیشن کا سلسلہ موقوف ہوجاتا۔ نہیں کرسکتا تھا جن مجھے اور اس کمرے کو کسی دوسری جگہ نشر کیا جارہا تھا حال، یہ میرے اختیار میں تھا کہ اس کمرے میں گھپ کرکے کیمرا زکی آنکھوں کو ''پھوڑ'' دوں۔ دنیا کی کوئی ہو، وہ دیکھنے کے لیے روشنی کی محتاج ہوتی ہے۔ اگر کمرے کی لائٹ بجھا دیتا تو چوہدری دلدار بے بسی کے ے میں ڈوب جاتا۔

پہنچتے ہی میں نے ہوا میں پرواز کی اور روشنی کے پہنچ گیا۔ اس لائٹ کا بٹن کمرے میں موجود نہیں تھا نے ایک زوردار جھانپڑ رسید کرکے اسے فارغ اس کے ساتھ ہی چوہدری دلدار کے چودہ طبق گل

گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا ''یہ..... یہ کیا ہو؟''

تمہاری ماں کا سر کررہا ہوں۔'' میں نے ٹی وی کے کرین پر موجود اس کے فرعونی چہرے پر تھوکتے ہوئے

رے میں جزوی تاریکی چھانے کے بعد وہ مجھے واضح دیکھ پارہا تھا لیکن میں اس کی منحوس صورت دیکھ رہا تھا۔ وہ دھمکی آمیز انداز میں غرایا ''تم بہت برا کررہے ہو دجدان!''

''اس برائی میں کچھ اور بھی شامل کرلو۔'' میں نے تمسخرانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

پھر اس سے قبل کہ وہ کوئی اور بکواس کرتا، میں نے اپنی جگہ سے ایک لمبا اسٹیپ لیا اور میری طوفانی سائیڈ کک نے ٹی وی کے روشن اسکرین کو چکنا چور کردیا۔ میری کک میں لامحدود غم وغصہ شامل تھا اور میں نے وہ کک غیناچوہدری دلدار کے خبیث چہرے پر رسید کی تھی۔

چھناکے کی ایک تیز آواز کے ساتھ کمرا گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

یہ وہی کھڑکی تھی جس نے تھوڑی دیر پہلے مجھے اس کمرے میں آنے سے روک دیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کھڑکی اندر سے بند تھی اور میں باہر سے اندر داخل ہونے کی کوشش میں تھا لیکن اب صورتِ حال یکسر مختلف تھی۔ میں کمرے کے اندر بند تھا اور باآسانی کھڑکی کھول کر باہر جاسکتا تھا۔

باہر جانے کے لیے تو میں کمرے کا دروازہ بھی استعمال کرسکتا تھا لیکن اس دروازے کی دوسری طرف موت اپنے خوفناک جبڑے کھولے میرا انتظار کررہی تھی۔ خوامخواہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا بے وقوفی ہوتی۔ دوبھری ہوئی کلاشنکوف پر میرا قبضہ تھا لیکن اگر فیس ٹو فیس گنز کے دہانے کھل جاتے تو دونوں پارٹیز کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں اس کمرے میں زیادہ دیر رک کر اپنے لیے کوئی نئی مصیبت نہیں خرید سکتا تھا۔ اس صورتِ حال میں وہ تاریک کمرا میرے لیے واقعی ایک چوہدان ثابت ہوتا۔

میں نے اندھیرے میں اندازے کی انگلی پکڑی اور سبک قدمی سے اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جس میں مذکورہ کھڑکی موجود تھی۔ مجھے اس کام میں کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ روشن کمرے میں، میں نے کھڑکی کی لوکیشن کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد میں وہ کھڑکی کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ چھت کے اوپر سے لٹک کر میں یہ اندازہ کرچکا تھا کہ کھڑکی اور چھت کی منڈیر میں صرف چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ میں نے کھڑکی کا ایک پٹ وا کیا اور اپنے بدن کو بڑی مہارت سے، کھلی ہوئی کھڑکی میں سے گزار کر کھڑا ہوگیا۔ اب میں عمارت سے باہر تھا۔ اس وقت میرے سامنے دو راستے تھے یا تو میں چھت کی منڈیر پکڑ کر اوپر پہنچ جاتا، یا پھر

نیچے کود کر ٹیرس تک رسائی حاصل کر لیتا۔ میں نے دوسری راہ کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔

میں کھڑکی کے کھلے ہوئے پٹ میں بیٹھ گیا پھر فریم پر ہاتھ جما کر میں نے اپنے جسم کو نیچے گرا دیا اس طرح کھڑکی میں لٹکنے سے ٹیرس اور میرے قدموں کے بیچ فاصلہ بہت کم رہ گیا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا تو میرا قد ہی تھا اور لٹکتے وقت بازوؤں کی لمبائی بھی اس میں شامل ہوگئی تھی۔

اس سے پہلے کہ مجھ پر کسی کی نظر پڑتی، میں با آسانی ٹیرس پر پہنچ گیا۔ اسی لمحے مجھے کوٹھی کے عقبی حصے میں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ بائیں باغ کی طرف سے کچھ اس قسم کی آوازیں ابھری تھیں جیسے دو افراد آپس میں گتھم گتھا ہوں۔ صدف کو میں موٹرز والے ایک شیڈ کے نیچے چھوڑ آیا تھا اور وہ شیڈ اسی بائیں باغ میں تھا۔ لگتا تھا، ایک طویل انتظار کے بعد وہ شیر کی بچی میدانِ حرب وضرب میں اتر آئی تھی۔

اس کوٹھی میں لڑائی بھڑائی کے ماہر شیطان صفت انسانوں کی کمی نہیں تھی۔ صدف کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ میں تیز قدموں سے دوڑتے ہوئے صدف کی جانب بڑھا۔ ٹیرس خاصا وسیع وعریض تھا اور بالائی منزل کو زیریں منزل سے ملانے والا زینہ بھی اسی طرف کھلتا تھا آنکھ مچولی کا وقت گزر چکا تھا لہٰذا میں نے نیچے جانے کے لیے زینے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ایک کلاشنکوف کو میں نے تیار حالت میں اپنے ہاتھوں میں کرلیا تھا۔

میں جیسے ہی زینے کے قریب پہنچا، دو افراد سے سامنا ہوگیا۔ وہ دونوں ملازم صورت اور مسلح تھے۔ سلیم نے شاید انہی دو محافظ افراد کا ذکر کیا تھا۔ وہ دونوں میرے ہاتھوں میں دبی کلاشن کود دیکھ کر ٹھٹک گئے پھر ایک نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا ماؤزر میری جانب سیدھا کیا۔

اس کا اندازہ ایسا ہی تھا کہ فوراً مجھے شوٹ کردے گا مگر میں نے اس کے ارادے کو ناکام بنا دیا۔ اس نے جیسے ہی فائر کرنا چاہا، میں ایک بیک تھرو رول کرتے ہوئے دھڑام سے فرش پر گرا۔ گولی میرے بدن کے اوپر سے گزر گئی۔ میں جس انداز سے چت گرا تھا، وہ یہی سمجھا کہ اس نے مجھے پھڑکا دیا ہے۔ اس کے اس خیال کو تاریکی نے تقویت پہنچائی اور وہ بے خوفی سے میرے نزدیک آ گیا۔

پھر اسے اس غلطی کا بڑا بھیانک خمیازہ بھگتنا پڑا۔ وہ میرے پاس آ کر مجھے دیکھنے کے لیے جھکا ہی تھا کہ میں نے کسی اسپرنگ کے مانند اپنے جسم کو ٹیرس کے فرش سے اٹھایا اور اس کے اوپر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف پہنچ گیا۔

وہ اس صورت حال کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھا ایک چت پڑا مردہ (اس کی دانست میں) کسی عفریت کی طرح اس کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے گزر گیا۔ وہ بڑی سرعت سے پلٹا اور بے دریغ مجھ پر فائرنگ کر دی۔ اس بے تکی فائرنگ کی لپیٹ میں اس کا ساتھی آ گیا۔ اس نے اسے اور بھی دہشت زدہ کر دیا کیونکہ اس کا زخمی ساتھی کٹے ہوئے شہتیر کے مانند زمین پر بوس ہوگیا تھا۔

میں نے اس کی دہشت سے فائدہ اٹھایا۔ اس سے کہ وہ میری جانب متوجہ ہوتا، میں نے اپنے ہاتھ میں کلاشنکوف کا بٹ اس کی کھوپڑی پر رسید کیا۔ وہ اس ضرب کو برداشت نہ کرسکا۔ وہ اپنے سر کو تھام کر لڑکھڑا گیا۔ میں نے ایک پش کک مار کر اسے دور پھینک دیا۔ اس کارروائی میں مشکل سے بیس سیکنڈ صرف ہوئے ہوں گے۔ ان دو محافظوں کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اس معرکے میں، میں نے دشمن کے دو افراد کو ناکارہ بنا دیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ فائرنگ کی زد میں آ کر ریوالور بردار شخص دنیائے دیگر میں پہنچ چکا ہو۔ وہ دیکھنا جا کر کوئی واپس نہیں آتا۔

کوٹھی کی زیریں منزل پر خاصی افراتفری کے آثار محسوس ہو رہے تھے۔ میری معلومات کے مطابق وہاں اب چوہدری دلدار، بیر شاہ، فیصل اور دو پیشہ ور عورتوں کے سوا کوئی اور نہیں بچا تھا یا پھر میری ساتھی صدف تھی جو کسی عظیم الشان معرکہ آرائی میں مصروف تھی۔

میں نے زیریں منزل پر قدم رکھا تو عورتوں کے چیخنے کی آوازیں میری سماعت تک پہنچیں۔ اس کے ساتھ ہی اندھا دھند قدموں کی چاپ بھی ابھری۔ کوئی اس سمت آ رہا تھا۔ اچٹک کر ایک ستون کی آڑ میں پہنچ گیا۔

اسی وقت فائر کی آواز گونجی اور ستون کا پلاسٹر اکھڑ کر میرے سر پر گرا۔ اس کا مطلب یہی تھا، مجھے وہاں پہنچے دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ ایک خطرناک صورتِ حال تھی۔ میں کوستون کی آڑ میں سمیٹتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے جھکتا کیا۔ اس دوران میں دفعتہ مجھے نشانہ بنانے کی کوشش جس کے نتیجے میں دوسری طرف کا پلاسٹر اکھڑ کر میری پیٹھ کیونکہ اس وقت تک میں مکمل جھک چکا تھا اور میرے بردار ہاتھ فرش کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فائرنگ کرنے کے زاویے سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میری نئی پوزیشن سے واقف نہیں تھا ورنہ وہ میرے سر کی بلندی پر فائر نہ داغتا۔ میں ساری عمر اس ستون کی آڑ میں چھپ کر نہیں

تھا اس لیے جوابی کارروائی ضروری ہوگئی۔ آگے بڑھنے کے لیے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ضروری تھا۔ میں نے اسی جھکی ہوئی پوزیشن میں رہتے ہوئے کلاشنکوف کی نال کا رخ گھمایا اور اپنے عقب میں ایک طویل برسٹ فائر کر دیا۔

اس لمحے فضا کربناک چیخوں سے گونج اٹھی پھر ان چیخوں میں گالیاں بھی شامل ہوگئیں وہ گالیاں میری طرف ارسال کی جارہی تھیں اور چیخنے والے کی جھنجلاہٹ آمیز آواز بھی میں نے پہچان لی۔ وہ کبیر شاہ تھا جو میری فائرنگ سے شدید زخمی ہوگیا تھا۔

میں ستون کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ وہ مجھے کمپرسی کی حالت میں نظر آیا۔ اس کے جسم کا زیریں حصہ بری طرح زخمی تھا اور وہ وہاں سے خون جاری ہو چکا تھا۔ وہ افسوس ناک حالت میں فرش پر پڑا تھا۔ میں نے گن کی نال کا رخ اس کے سینے کی جانب رکھا اور لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر مجھے وہ پسٹل بھی نظر آ گیا جس کی مدد سے اس نے دو بار مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے مذکورہ پسٹل کو اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا اور کبیر شاہ کے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوگیا۔

وہ از خود فرش سے اٹھنے کی پوزیشن میں پہلے بھی نہیں تھا، میرے پاؤں کی دہشت نے اسے مزید توڑ دیا لیکن اس کی اکڑ میں کوئی خاص فرق نہ آیا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے اپنے لیے نفرت کی چنگاریاں دکھائی دیں۔

میں نے اس کی منحوس صورت پر تھوک دیا پھر زہریلے انداز میں کہا ''کبیر شاہ! تم اپنے پرائیویٹ باپ چوہدری دلدار کے پاس چند دنوں کے لیے آرام کرنے آئے تھے نا۔ اب چاہو تو لمبے آرام کے لیے ادھر ہی پڑے رہو۔ تم دو چار ماہ میں ٹھیک ہونے والے نہیں ہو۔ اگر تم زندہ بچ گئے تو میں کراچی پولیس کو تمہارے اسی سیاسی ٹھکانے پر بھیج دوں گا۔ وہ لوگ ساؤتھ والے چھاپے کے بعد بڑی شدت سے تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''تمہیں باس کی طاقت کا اندازہ نہیں وجدان۔'' وہ دانتوں پر دانت جماتے ہوئے بولا ''تم کسی بھی بل میں چھپ بیٹھو، وہ تمہیں شکار کر لے گا۔''

میں نے نفرت سے اسے گھورا اور پوچھا ''تم کس باس کی بات کر رہے ہو۔ شعیب غوری یا چوہدری دلدار..... یا پھر چوہدری نوازش علی؟''

اس نے جواب نہیں دیا، برہمی سے بولا ''تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔''

''کبیر شاہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''تمہارے کالے کرتوتوں کی فہرست تو اتنی طویل ہے کہ ''انعام'' کے طور پر تمہیں دیکھتے ہی گولیوں سے چھلنی کر دینا چاہیے لیکن میں تمہیں اس طرح جہنم واصل کروں گا کہ تم زندہ رہو اور سپر دعذاب رہو..... دیکھنے والوں کے لیے تم عبرت کا نمونہ بن جاؤ۔''

پھر میں نے اس کے گھٹنوں اور کہنیوں پر فائرنگ کی اور ہڈیوں کا کچومر نکال دیا۔ کولھے کے جوڑ کے ساتھ بھی میں نے کچھ اسی قسم کا برتاؤ کیا۔ کلاشنکوف کا میگزین خالی ہوگیا۔ میں نے بھری ہوئی گن اپنے ہاتھ میں کرلی اور بیکار گن کو اتار پھینکا، پھر میں کبیر شاہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اب وہ پوری زندگی اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہیں ہوسکتا تھا اور غین ممکن تھا، ہر نوعیت کے آپریشنز میں ناکام ہو کر ڈاکٹرز اس کی دونوں ٹانگیں باقی جسم سے علیحدہ کر دیتے۔ وکٹم کی زندگی بچانے کے لیے ڈاکٹرز کو بعض اوقات ایسے سنگین فیصلے بھی کرنا پڑتے ہیں۔

کبیر شاہ درد کی شدت اور دہشت کی انتہا کے باعث بے ہوش ہوگیا۔ میں نے اس کے سینے پر سے اپنا پاؤں ہٹایا اور اس کے سر پر ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے خوں خوار لہجے میں کہا۔

''اگر تمہاری ساعت میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے تو سن لو اور آنکھوں میں ایک جھلک دیکھنے کی سکت موجود ہے تو دیکھ لو، میں یہاں سے زندہ سلامت جا رہا ہوں۔''

میری بات ختم ہوئی ہی تھی کہ سامنے سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری۔ میں نے ایک جھٹکے سے کلاشنکوف کو اس سمت اٹھا دیا لیکن فائرنگ کی نوبت نہیں آئی۔

وہ دو عورتیں تھیں جن کے جسم پر نا کافی لباس نظر آ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا، انہوں نے ہنگامی حالات میں خود کو ڈھانکنے کی کوشش کی تھی۔ کلاشنکوف کی خطرناک نال اپنی جانب اٹھے دیکھ کر وہ سہم گئیں۔ ایک نے دہشت آمیز آواز میں کہا۔

''پت..... تم دونوں جو کوئی بھی ہو، ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہمیں جانے دو۔''

اس پیشہ ور عورت نے لفظ ''دونوں'' استعمال کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا، وہ صدف کی وہاں موجودگی سے آگاہ تھی۔ میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ہم دونوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

اس مرتبہ دوسری عورت نے جواب دیا ''تمہاری ساتھی

لڑکی اس طرف ایک شخص سے مقابلہ کررہی ہے۔ ہم نے یہی اندازہ لگایا ہے، تم دونوں کی اس کوٹھی کے مکینوں سے کوئی زبردستی کا معاملہ ہے۔ تم لوگ ہمیں اس آگ میں نہ جھونکو۔ ہم فوری طور پر اس کوٹھی سے نکلنا چاہتے ہیں۔''

اس کی ساتھی نے بھی جانے کی بات کی تھی۔ میں نے پوچھا ''تم دونوں آدھی رات کو کہاں جاؤ گی؟''

''ہم آدھی یا پوری رات کا حساب نہیں کرتے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولی ''ہماری رات آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ویسے اس وقت ہم سیدھے اپنے اڈے پر جائیں گے۔''

''اس حالت میں؟'' میں نے سرتاپا ان کا جائزہ لیا۔

''یہ تم ہم پر چھوڑ دو۔'' اس نے مخصوص انداز میں آنکھ دبائی ''لفٹ دینے کے لیے کوئی نہ کوئی مہربان مل ہی جائے گا۔ ویسے ہمارا اڈا یہاں سے زیادہ دور نہیں۔''

اندھیرا گناہ کو جنم دیتا ہے اور برائی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ وہ دونوں اسی اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر اس کوٹھی پر رات جگانے اور کچھ پیسے کمانے آئی تھیں۔ مجھے ان سے اور ان کے پیشے سے کوئی مطلب نہیں تھا اس لیے انہیں روکنا یا کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانا مناسب نہ سمجھا تاہم ان کے جانے سے پہلے یہ ضرور پوچھا۔

''تم لوگوں کا میزبان کہاں ہے۔ اسے چاہیے تھا، تمہیں چھڑوانے کا بندوبست کرتا۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولی ''چوہدری دلدار اس وقت اپنی جان چھڑانے کے بندوبست میں لگا ہوا ہے۔ تمہاری ساتھی نے چوہدری اور اس کے نوجوان مہمان کو ننگی کا ناچ نچا رکھا ہے۔''

دوسری نے کہا ''جب کوئی مصیبت آتی ہے تو انسان سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچتا ہے یا پھر اپنے پیاروں کے بارے میں۔ ہم نہ تو چوہدری کے اپنے ہیں اور نہ ہی پیارے!''

میں نے انہیں وہاں سے جانے کی اجازت دے دی۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا، صدف چوہدری اور فیصل سے نبرد آزما تھی۔ اب ویسے بھی وہی دونوں اس کوٹھی میں باقی بچے تھے۔ کبیر شاہ عالم حواس سے خاصے فاصلے پر جا چکا تھا۔

یہ بات مجھے معلوم تھی کہ چوہدری نوازش علی کے بیٹے فیصل نے مارشل آرٹس میں بہت محنت کر رکھی تھی لیکن صدف کی سابق کارکردگی بھی میری یادداشت میں محفوظ تھی لہٰذا میں چوہدری دلدار اور فیصل کو صدف کے رحم وسلوک پر چھوڑ کر ساحل کی تلاش میں زیریں منزل کی ہنگامی تلاشی لینے لگا۔ اس دوران میں کوٹھی کے کسی قریبی حصے سے ینگ اور اٹھا پٹخ کی آوازیں آتی رہیں۔

کوئی مارشل آرٹسٹ جب کسی پر اٹیک کرتا ہے تو حلق سے ایک تاثر انگیز آواز نکالتا ہے۔ اس مخصوص آواز کو YELL کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ اتنی ہیبت ناک ہوتی ہے کہ مدمقابل کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔ ایک سچا مارشل آرٹسٹ ینگ کر کے فضا میں محوِ پرواز کسی پرندے کو خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتا ہے!

میں نے اس کوٹھی کا ایک ایک کمرا اور کمروں کا ایک ایک گوشہ جھانک لیا لیکن کہیں بھی میری ساحل نظر نہ آئی۔ اسی لمحے میرے ذہن میں کبیر عظیم چوہدری دلدار کی منحوس بات روشن ہوگئی کہ آج سہ پہر تین بجے ساحل کو کراچی روانہ کردیا گیا تھا۔ میں اس سے یہ نہیں پوچھ سکا تھا کہ وہ لوگ بائی روڈ گئے ہیں یا بائی ائر! بہرحال، اس وقت یہ سوچتے ہوئے میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ اگر ساحل کو واقعی آج تین بجے سہ پہر یہاں سے رخصت کردیا گیا تھا تو پھر وہ مجھ سے لگ بھگ نو گھنٹے کے فاصلے پر جا چکی تھی اور..... اگر انہوں نے بائی ائر سفر کیا تھا تو اس وقت میری شہ رگ شہاب غوری کے خنجر کی دھار تلے پہنچ چکی تھی!

اس احساس نے میرے رگ وپے میں چنگاریاں سی بھر دیں۔ میں ایک مرتبہ پھر ساحل کے قریب پہنچ کر اسے کھو چکا تھا۔ درد کی شدت نے میرے دل ودماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ تو وہی بات تھی کہ منزل پر پہنچ کر انسان منزل کا نشان کھو دے۔ میں ان شکست خوردہ لمحات میں جس اذیت سے گزر رہا تھا اسے بیان کرنا ممکن نہیں۔

اسی وقت دیوار کی دوسری جانب مجھے کسی عظیم الشان معرکے کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی بھاری بھرکم شے اس دیوار سے آکر ٹکرائی تھی۔ میں پلک جھپکتے میں سمجھ گیا، اس طرف صدف معرکہ آرا تھی۔ ساحل کی تلاش میں بس وہی ایک کمرا بچا تھا۔ ورنہ میں نے ہر طرف دیکھ لیا تھا۔

میں نے اپنے اور دروازے کے درمیان حائل فاصلے کو دوڑ کر طے کیا اور دروازے کے قریب پہنچ کر خود کو ہوا میں بلند کرلیا پھر اگلے ہی لمحے میری رائٹ سائیڈ فلائنگ کک نے چوبی دروازے پر دھواں دھار ''دستک'' دی۔ اس دستک کے نتیجے میں وہ دروازہ جھٹ سے کھلا اور میں کمرے کے اندر پہنچ کر چیتے کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

وہ ایک وسیع وعریض ہال نما کمرا تھا۔ اس کشادہ کمرے کے ایک سنگین منظر نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ صدف

کمرے کے وسط میں کھڑی بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کے بازو پر ایک جگہ سے سفید سوئٹر سرخ ہو رہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ زخمی تھی۔

میں کمان سے نکلے ہوئے تیر کے مانند اس کی جانب لپکا۔ اس کے زخمی بازو نے مجھے بے اختیار کردیا تھا۔ اس وفا شعار لڑکی نے وہ ساری مارا ماری میری خاطر کی تھی۔ اپنی جان کو بوال میں ڈال کر وہ میرا ساتھ دے رہی تھی اور اس طرح دوستی نبھا رہی تھی کہ کوئی کیا نبھائے گا!

مجھے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور وہ بڑی وارفتگی کے عالم میں میرے گلے آلگی۔ اس کی اس جذباتی خواہش کی تکمیل کے لیے مجھے تھوڑا سا جھکنا پڑا۔ اس نے مجھے اتنی مضبوطی سے دبوچ لیا کہ جیسے خطرہ ہو، اگر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو میں بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہوجاؤں گا۔

میں اس کی دلی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھا لہٰذا اس جاں نثار ساتھی کے لیے مجھے خود کو فراموش کرنا پڑا۔ میں بھول گیا، کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کدھر آیا ہوں اور کس مقصد کے لیے آیا ہوں؟ اس ہال نما کمرے میں صرف دو دل دھڑک رہے تھے اور وقت جیسے تھم کر رہ گیا تھا۔

اگر وقت آگے نہ بڑھے تو تاریخ رقم نہیں ہوتی، کوئی واقعہ کوئی سانحہ تاریخ کے ریکارڈ میں نہیں آتا شاید اسی لیے یہ ظالم اپنی مخصوص رفتار سے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہتا ہے اور ہماری بے خبری میں یہ ہمارا اچھا برا ریکارڈ مرتب کرتا چلا جاتا ہے۔ ہم چاہے اسے تسلیم کریں یا نہ کریں!

اگر چہ ہمیں یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وقت تھم گیا ہے لیکن یہ ہماری بے خودی اور خود فراموشی کا ثمر تھا ورنہ یہ شاطر تو لمحہ بہ لمحہ اپنا راستہ پاٹ رہا تھا اور اس دوران میں یہ ہماری تاریخ بھی رقم کررہا تھا کہ ہم نے..... ہم دونوں نے اپنی زندگی سے چرائے ہوئے کتنے لمحات کن حالات میں گزارے، کس نے کس کو کس کیفیت سے گزارا اور کون کون احساسات سے آشنا ہوا؟ حال کا گزرا ہوا ہر لمحہ ۔ ضی میں بدل رہا تھا۔ ایک دوسرے کی قربت میں بتائی ہوئی یہ ساعتیں امر ہو رہی تھیں۔ ماضی کو بدلنا کسی کے اختیار میں نہیں!

آشنائی اور آگاہی کی صفات رکھنے والے خود فراموشی کے وہ لمحات دیرپا ثابت نہ ہوئے اور ہم دونوں واپس آگئے۔ صدف کا بدن جذبات کی شدت سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ میں نے اس کی پیشانی پر ایک سچا بوسہ ثبت کیا اور تھکنے والے انداز میں اس کے کندھوں کو سہلانے لگا، وہ بکھری ہوئی آواز میں بولی۔

''وجدان! میں نے مار ڈالا..... تمہارے دو دشمنوں کا صفایا کردیا۔''

میں اس کی بات سن کر چونک اٹھا، پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے دوسرے کمرے میں اس کے کارنامے کی آوازیں سنی تھیں۔ میں ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور اس ہال نما کمرے میں نظر دوڑائی۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے صدف کے سوا کسی شے پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ایک دیوار کے نزدیک مجھے چوہدری دلدار بے سدھ پڑا دکھائی دیا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک نوجوان بھی زمین بوس تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ چوہدری نوازش علی کا سپوت فیصل تھا۔ اسی لمحے میرے ذہن میں صدف کے الفاظ گونجے..... وجدان، میں نے مار ڈالا۔ تمہارے دو دشمنوں کا صفایا کردیا۔

تو کیا چوہدری دلدار اور فیصل جہنم مکانی ہو چکے تھے؟

اس تشنی خیز سوال سے میرے قدموں میں جنبش پیدا ہوئی اور میں لپک کر چوہدری دلدار کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے بغور اس کا معائنہ کیا لیکن کوئی بھی وائٹل سائن میری پکڑ میں نہ آسکا۔ میں کوئی سند یافتہ ڈاکٹر نہیں تھا کہ اس کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کردیتا تاہم مجھے نانوے فیصد یقین تھا کہ چوہدری دلدار اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔

میں جلدی سے فیصل کے قریب آیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ صرف بے ہوش تھا۔ میں نے اس کے جسم میں زندگی کو تلاش کرلیا۔ فیصل کا سر شدید زخمی تھا اور وہاں سے خون بھی نکل رہا تھا۔ میں نے دوسرے کمرے میں جس بھاری بھرکم شے کو دیوار کے ساتھ ٹکراتے سنا تھا، وہ فیصل ہی ہوسکتا تھا۔

میں نے صدف کی طرف مڑتے ہوئے کہا ''فیصل زندہ ہے لیکن چوہدری کی زندگی کے امکانات معدوم ہیں۔''

پھر میرا دھیان صدف کے زخمی بازو کی طرف چلا گیا۔ اس کے بائیں بازو پر کہنی سے ذرا اوپر والا سوئٹر کا حصہ خون آلود نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے زخمی بازو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا ''یہاں کیا ہوا ہے صدف؟''

اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا ''کیا ساحل کا کچھ پتا چلا؟''

''نہیں۔'' میں نے دکھی دل کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی ''کم از کم اس کوٹھی کے اندر تو وہ مجھے کہیں نہیں ملی۔ میں نے زیریں اور بالائی دونوں منزلیں چھان لی ہیں۔''

وہ مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولی ''وہ مجھے بھی کہیں دکھائی نہیں دی۔''

''لیکن تم تو اسے شکل وصورت سے نہیں پہچانتی ہو؟''

''تمہیں تو پہچانتی ہوں!'' وہ بے ساختہ بولی۔

اس نے ذومعنی جواب دیا تو میں گڑبڑا گیا پھر دوبارہ اس کے زخمی بازو کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا، فیصل نے خنجر کا وار کر کے اسے زخمی کر دیا تھا ..... ازاں بعد صدف نے وہ خنجر فیصل سے چھین کر پائیں باغ کی تاریکی میں کہیں پھینک دیا تھا۔

''میرا خیال ہے، کوئی سیریس زخم نہیں ہوگا۔'' وہ زخمی بازو کو دباتے ہوئے بولی ''ورنہ میں تکلیف کی شدت سے بے حال ہو جاتی۔''

ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ میں نے اس کے چہرے پر اذیت کے آثار نمودار ہوتے دیکھے۔ اس کا مطلب تھا، وہ ''سب ٹھیک ہے'' کی اداکاری کر رہی تھی ورنہ اس کے بازو میں اچھی خاصی تکلیف موجود تھی۔ خون کا پھیلاؤ بھی یہی ظاہر کرتا تھا۔

میں نے کہا ''تم اپنے زخمی بازو پر سے سوئٹر کو اوپر اٹھاؤ۔ میں زخم کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

میرے انداز میں تحکم کی آمیزش تھی۔ صدف نے ایک لمحہ متامل نظر سے مجھے دیکھا پھر وہ باآسانی سوئٹر کی آستین کو اوپر اٹھانے لگی۔ اگلے ہی لمحے اس کا موٹی بازو میری نگاہ میں چمکا مگر میں اس بازو کی لمحیاتی صفات کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوگیا کیونکہ بازو کے خطرناک کٹ نے میری تمام تر توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی۔

''اوہ! یہ تو خاصا گہرا کٹ ہے!'' میں نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

وہ جبڑے بھینچتے ہوئے بولی ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''خود بہ خود کچھ ٹھیک نہیں ہوتا۔'' میں نے اس کے زخم کو گھما پھرا کر دیکھا ''تمہیں فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔ ٹھہرو!'' میں اسے چھوڑ کر کمرے میں کچھ تلاش کرنے لگا ''فی الحال اگر تمہارے زخم کو کسی کپڑے سے باندھ بھی دیا جائے تو کام چل جائے گا۔ ٹریٹمنٹ بعد میں ہوتا رہے گا۔''

جلد ہی مجھے چادر نما ایک کپڑا مل گیا۔ میں نے اس کپڑے میں سے مناسب لمبائی کی ایک پٹی پھاڑی اور کس کر اسے صدف کے زخمی بازو پر باندھ دیا۔ اس طرح کم از کم خون کا اخراج تو بند ہو جاتا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے ایک مرتبہ پھر ساحل کو اس کوٹھی میں تلاش کیا لیکن اس تلاش کا نتیجہ بھی صفر کے برابر ہی برآمد ہوا۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ چوہدری دلدار نے ٹھیک ہی کہا ہوگا ۔ یقیناً ساحل کو میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی روانہ کر دیا گیا تھا۔

اس کوٹھی میں اب ہماری دلچسپی کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ میرا دل یہاں بیٹھ گیا جب وہ ہی نہ ملی تو کیا فائدہ۔ کوٹھی میں اور پیچھے کوئی بھی شخص ایسا نہیں تھا جو ہماری راہ کی رکاوٹ بنتا۔ سب اپنی اپنی ''نیندیں'' میں تھے!

صدف نے پوچھا ''سمجھ میں نہیں آ رہا، ان لوگوں نے ساحل کو کہاں بھیج دیا؟''

''میری سمجھ میں آ رہا ہے۔'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ اس وقت ہم دوبارہ اسی ہال نما کمرے میں آ چکے تھے جہاں چوہدری دلدار اور فیصل مذکورہ حالتوں میں پڑے تھے۔

''تمہاری سمجھ میں کیا آ رہا ہے؟'' صدف نے پوچھا۔

''وہ اب تک میرے، ساحل، شعیب غوری، چوہدری نوازش علی اور دیگر اہم افراد کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں وہ حقیقت بیان کر دی جو چوہدری دلدار کی زبانی مجھے پتا چلی تھی۔

''اوہ!'' اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا ''یہ تو بڑی گڑبڑ ہوگئی۔'' پھر وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی ''ساحل کو بائی روڈ بھیجا گیا ہے یا بائی ائر؟''

''مجھے یہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔

وہ بے تابی سے بولی ''تب ہمیں فوری طور پر کراچی روانہ ہو جانا چاہیے۔ تم نے تو صبح کے ٹکٹ بھی بنوا رکھے ہیں۔ انہیں اور پیچھے کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

میں نے کہا ''اس سے بھی مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آ رہا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی۔

''مطلب یہ کہ اگر ساحل کو بائی روڈ کراچی بھیجا گیا ہے تو وہ کل دوپہر تک یا اس کے بعد وہاں پہنچے گی۔ ہم صبح یہاں سے روانہ ہوں تو اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہم کراچی میں ہوں گے لہٰذا فوری طور پر روانہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں ایک لمحے کو رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''اور اگر وہ ہوائی ائر گئی ہے تو اس وقت تک وہ شعیب غوری کے قبضے میں جا چکی ہوگی۔ ہم صبح سے پہلے کراچی پہنچیں یا دوپہر سے پہلے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

وہ بیزاری سے بولی ''کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے اسی کوٹھی میں بیٹھے رہیں گے؟''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے بے ساختہ پڑے فیصل کی طرف دیکھا اور سفاکی سے کہا ''میرے دیرینہ دشمن کی ایک نازک کمزوری اس وقت میری دسترس میں ہے۔ میں اسے اپنے

ساتھ لے جاؤں گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ چوہدری نوازش کا بڑا بھرم میرے ہاتھ چڑھا ہے۔'' بے اختیار میری آواز کچھ زیادہ ہی بلند ہوگئی ''اب میں دیکھوں گا، چوہدری کیا کیا چالیں چلتا ہے، اب اپنے کھیلے پر ہاتھ پڑتے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔ چوہدری نوازش اور شعیب غوری نے ساحل کو مجھ سے دور کر کے اسے جس پنجرے میں پھنسایا ہے اس پنجرے کا تالا میں ہی چابی سے کھولے گا۔'' میں نے بڑی بے رحمی سے فیصل کی طرف اشارہ کیا اور پھر صدف کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے صدف! فیصل تمہاری ہی وجہ سے میرے ہتھے چڑھا ہے۔ میں تمہارا یہ احسان .....''

''تو اب تم میری دوستی کو جوتے مارو گے۔'' وہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''سس..... سوری!'' مجھے احساس ہوگیا کہ احسان والی بات اسے ناگوار گزری تھی۔ میں نے کہا ''اتنی بڑی کامیابی کے بعد میں تھوڑا..... میرا مطلب ہے، پتا نہیں، مجھے کیا ہوگیا.....''

''کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' وہ میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ''ہمیں پہلی فرصت میں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے ورنہ فشا اور اس کے حواری کسی بھی وقت [illegible] دوبارہ کاٹی [illegible] (دجدان کی تلاش میں گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے.....''

میں نے [illegible] وقت دیکھا رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ فشا وغیرہ کو گئے ہوئے واقعی لگ بھگ ڈھائی گھنٹے بیت چکے تھے۔ یہ تاخیر سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی لیکن صدف نے جس پہلو کی طرف توجہ دلائی وہ بھی سمجھ میں آ گیا۔

اگلے پانچ چھ منٹ کے اندر ہم نے جیسے تیسے کر کے فیصل کو ڈیونا کرولا کی ڈکی میں پہنچایا اس سے پہلے ہم نے وہاں سے اپنے بیگز نکال لیے تھے۔ اگلے ہی لمحے ہماری گاڑی (فیض فیڑو) کی اس کوٹھی سے رخصت ہو رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر میں قابض تھا۔

جب ہم اس گلی میں سے نکل کر مین روڈ پر آئے تو اسی وقت ایک جیپ فراٹے سے گلی میں داخل ہوئی۔ اس جیپ میں کالی چادر افراد سوار تھے۔ میں فشا کو صورت سے نہیں پہچانتا تھا لیکن قوی امید تھی کہ وہ نقلی دجدان کی تلاش میں ناکامیاب لوٹنے والے افراد کا ''قافلہ'' تھا۔ میں نے رک کر یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ لوگ کس کوٹھی میں داخل ہوتے ہیں۔ میں اس وقت ایک ایسے ہوائی گھوڑے پر سوار تھا جو اپنی منزل تک

[illegible] ٹان اسٹاپ فلائی کرتا ہے، دائیں [illegible] یں دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں سفر کرتا ہے۔

نئے ماڈل کی وہ ٹویوٹا کرولا کس رنگ، بارش سے نہیں تھی۔

گلبرگ تھری والی وہ کوٹھی تاریکی اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی!

اس وقت رات کا ایک بجا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ فرید پاشا کی کوٹھی ایسا ویران منظر پیش کرنے لگے۔ کم از کم گیٹ پر مسلح گارڈ کو تو نظر آنا چاہیے تھا۔ کوٹھی کے اندرونی حصے میں کوئی لائٹ آف ہو، ہو مگر گیٹ اور سامنے کا حصہ اندھیرے کی لپیٹ میں دکھائی دے رہا تھا۔ میری طرح صدف نے بھی صورت حالات کی سنگینی کو محسوس کر لیا، تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

''وجدان! اس کوٹھی میں کچھ گڑبڑ ہو چکی ہے!''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' میں نے کوٹھی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بولی ''ہم جب صبح یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا!''

''سب کچھ ہمیشہ ٹھیک ٹھاک نہیں رہتا صدف۔'' مجھے خود اپنی آواز اجنبی سی لگی ''آؤ دیکھتے ہیں، اس کوٹھی پر کیا بیت چکی ہے!''

فرید پاشا کے پڑوسی ویسے بھی ان دنوں اپنی کوٹھیوں میں موجود نہیں تھے۔ دائیں جانب والی کوٹھی کے مکین کچھ عرصے کے لیے اسٹیٹس گئے ہوئے تھے اور بائیں طرف والی کوٹھی برائے فروخت ہو چکی تھی۔ میں نے گاڑی گیٹ کے سامنے روکا اور صدف سے گاڑی کے اندر ہی رہنے کو کہا۔

''میں تمہیں اکیلے کوٹھی کے اندر نہیں جانے دوں گی۔'' وہ چٹانی لہجے میں بولی۔

''ضد نہ کرو صدف! تم زخمی [illegible]'' میں نے کہا ''میں ذرا [illegible] کا جائزہ لے آؤں پھر تمہیں بھی بلا لوں گا۔''

وہ جلدی سے بولی ''کچھ بھی ہے، میں تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

مجبوراً مجھے اس کی بات ماننا پڑی کیونکہ باآسانی وہ میری بات نہیں مان رہی تھی۔ میں نے بیلے گاڑی کو کوٹھی کے اندر پہنچایا۔ گیٹ کو کھلوانے کے لیے کسی سے کہنا نہیں پڑا کیونکہ وہ آٹو ریڈی کھلا ہوا تھا۔ جلد ہی پتا چل گیا کہ وہاں کی لائٹس کو کس طرح ''آف'' کیا گیا [illegible] میں نے جدھر بھی نگاہ

اٹھائی، لائٹ کو ٹوٹا پایا اور..... یہ فائرنگ کا نتیجہ تھا۔

سب سے پہلے میں نے سیکیورٹی گارڈ عمر دین کے کیبن نما کمرے میں جھانکا۔ وہاں کا منظر بڑا وحشت ناک تھا۔ اندھیرا ہونے کے باوجود بھی میں نے دیکھ لیا، گارڈ کیبن کے فرش پر آڑا ٹیڑھا پڑا تھا۔ قریب ہی اس کی گن بھی موجود تھی۔ میں نے گارڈ کو چھو کر دیکھا تو مجھے یقین ہوگیا، وہ دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ''صدف! ہماری غیر موجودگی میں یہاں پر کوئی سنگین کارروائی ہو چکی ہے اور میرا خیال ہے، اس واقعے کو زیادہ وقت نہیں گزرا۔''

کیبن میں اگرچہ اندھیرا تھا۔ تاہم باہر سے آنے والی ناکافی لائٹ نے وہاں دیکھنے کی آسانی پیدا کردی تھی۔ صدف بھی سیکیورٹی گارڈ کو ملاحظہ کر چکی تھی۔ اس نے کہا۔

''وجدان! ہمیں فوری طور پر اپنے ساتھیوں کی خبر لینا چاہیے۔''

پھر ہم آناً فاناً کوٹھی کے اندرونی حصے میں داخل ہوگئے۔ اندر کا جائزہ لینے کے لیے لائٹس کا ہونا بہت ضروری تھا کیونکہ باہر والی جیسی تیسی روشنی وہاں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتی تھی۔ میں نے بڑی سرعت سے سوئچ بورڈز تلاش کرکر کے وہاں موجود تمام بٹن آن کرنا شروع کردیئے۔ اس وقت مجھ پر ایک وحشت سی سوار تھی۔

میری یہ کوشش جزوی طور پر بارآور ہوسکی۔ میں چند لائٹس کو آن کرنے میں کامیاب رہا۔ ان لائٹس کی بدولت دوسرے کمروں میں دیکھنا بھی ممکن ہوگیا۔ اس کا مطلب یہی تھا، کچھ لائٹس کو توڑ دیا گیا تھا۔ اسلحے کے نام پر ہمارے پاس ایک کلاشنکوف اور ایک پسٹل موجود تھا۔ میں نے صدف کو جو ریوالور دیا تھا وہ اس نے چوہدری دلدار ہی کی کوٹھی میں کہیں پھینک دیا تھا چنانچہ کبیر شاہ والا پسٹل میں نے اس کے حوالے کردیا اور ہم بے قرار روحوں کے مانند کوٹھی کے مختلف کمروں میں چکرانے لگے۔

یہ چکر ہمارے جی کا آزار بن گئے۔ ہماری بے قرار روحیں ایک کربناک عذاب سے دوچار ہوگئیں۔ ہم نے اس کوٹھی کا جو معائنہ کیا اس کی تفصیل بڑی لرزہ خیز تھی۔ وہاں پر بڑے وحشت ناک انداز میں خونی کارروائی کی گئی تھی۔ کمروں کے مختلف حصوں سے شدید فائرنگ کے آثار مل رہے تھے اور سب سے بڑا ''آثار'' وہ ہلاکتیں تھیں جو اس فائرنگ کے نتیجے میں ہوئیں۔

اللہ دتا، سیکیورٹی گارڈ عمر دین، فرید پاشا کا اسسٹنٹ تحسین اور اس کی نوبیاہتا بیوی ناہید اب اس دنیا میں موجود نہیں رہے تھے۔ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر بہت دور جا چکے تھے۔ اتنی دور کہ جہاں سے ان کی خیریت ہم تک کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ہمارے ساتھیوں کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور..... اس کارروائی کو ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لاشیں پکار رہی تھیں، ان میں سے خارج ہونے والا لہو اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ گھنٹا دو گھنٹا پہلے وہ لوگ ''ایسے'' تھے، اس دنیا کے دیگر انسانوں کی طرح وہ بھی ہنس بول سکتے تھے اور دوسروں کو بھی ہنسنے بولنے پر مجبور کرسکتے تھے لیکن اب کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا، سب ملیا میٹ ہوگیا تھا..... فنا ہوگیا تھا سب کچھ!

میں نے اس خونی کارروائی کے ذمے داروں کے بارے میں سوچا تو میرے ذہن میں نشا کا نام چمک اٹھا۔ پچھلے دو دنوں میں، میں نے اسے بہت زک پہنچائی تھی۔ اس کے بندے پے در پے منظر سے غائب ہوکر فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے تہ خانے میں پہنچ رہے تھے۔ وہ ان کے ''قیام'' کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا البتہ اس بات کا اسے یقین تھا کہ اس کارروائی کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔ وہ میرے اس ٹھکانے سے بخوبی آگاہ تھا اور آج رات کے پہلے پہر چوہدری دلدار نے اسے وجدان کی تلاش میں بھی روانہ کیا تھا۔

میں جیسے جیسے سوچتا گیا، حالات کے ڈانڈے آپس میں ملنے لگے۔ جلد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ وحشت ناک ''کارنامہ'' نشا کے سوا کسی اور کا نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی لمحے صدف نے چونکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''وجدان! زرگل کہیں نظر نہیں آرہی!''

''زرگل!'' میں اچھل پڑا اور یہ اچھلنا بے اختیار تھا۔

مجھے خود پر حیرت ہوئی کہ میں اب تک اس پشتون دوشیزہ کو کیوں بھولا ہوا تھا۔ زرگل کا خیال آتے ہی اس کے دشمن چاچا حکمت یار کا نام بھی میرے ذہن تازہ ہوگیا اور میں نے ایک لمحے کے لیے یہ بھی سوچا کہ کہیں یہ کارروائی حکمت یار ہی کی تو نہیں! ممکن ہے، اس نے زرگل کا سراغ لگالیا ہو اور اسے حاصل کرنے کے لیے اس نے یہ خون ریزی کی ہو۔

ہم نے ایک مرتبہ پھر کوٹھی کی دونوں منزلیں دیکھ ڈالیں لیکن وہ کوٹھی زرگل کے وجود سے خالی ہی رہی۔ صدف نے الجھن زدہ لہجے میں کہا ''یہ کہاں چلی گئی؟''

میں خود بھی بہت الجھا ہوا تھا۔ میں نے کہا ''اس کوٹھی میں تو موجود نہیں اس کا یہی مطلب ہے، وہ کہیں چلی گئی ہے یا پھر اسے اپنے ساتھ زبردستی لے جایا گیا ہے۔''

زبردستی ساتھ لے جانے والا خیال میرے ذہن میں حکمت یار کے حوالے سے آیا تھا لیکن صدف اس کہانی سے واقف نہیں تھی اس لیے اس کی الجھن بڑھ گئی۔

''وجدان! جہاں تک میں اندازہ لگا پائی ہوں، یہ تمہارے دشمن نشا کی کارروائی ہوسکتی ہے۔'' صدف نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''اگر وہ زرگل کو اپنے ساتھ لے جاتا تو وہ ہمیں جیپ کے اندر کہیں نظر آجاتی۔ تمہاری طرح میں نے بھی اس جیپ میں چار مردوں ہی کو دیکھا تھا۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئے۔ میں نے کہا ''تمہاری بات میں وزن ہے۔ ہم نے جس جیپ کو بڑی تیزی سے چوہدری دلدار والی گلی میں مڑتے دیکھا تھا، اگر اس جیپ میں نشا اور اس کے تین ساتھی ہی تھے تو پھر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ زرگل کو اپنے ساتھ نہیں لے کر گئے۔'' میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا ''ابھی تک تو یہ بھی طے نہیں کہ اس کوٹھی پر ہونے والی کارروائی کا ذمے دار نشا ہی ہے۔''

''اگر یہ لرزہ خیز کارروائی نشا نے کی ہے تو اسے بھی وہاں پہنچ کر اپنے کا جواب پتھر سے ہی ملے گا۔'' صدف نے کہا ''ہم نے بھی چوہدری دلدار کی کوٹھی پر کچھ کم ''ہنگامہ آرائی'' نہیں کی۔''

وہ ایک لمحے کو رکی پھر چونکی ہوئی آواز میں بولی ''وہ کیا ہے!''

اس جملے کی ادائیگی کے بعد وہ ایک دیوار کی جانب بڑھ گئی۔ میں نے اس کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی تو مذکورہ دیوار پر مجھے ایک پرچہ چسپاں نظر آیا۔ میں بھی صدف کی تقلید میں آگے بڑھ گیا اور دیوار کے قریب پہنچ کر صورت حال واضح ہوگئی۔ اس پرچے کی تحریر نے میرے خدشات کی تصدیق کردی۔ وہ ایک وارننگ تھی، ایک پیغام تھا جو کہ میرے نام تھا۔

''وجدان! تم نے یقیناً اب تک اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا ہوگا۔ ذرا تصور کرو، اگر تم بھی ان کے ساتھ کوٹھی کے اندر موجود ہوتے تو کیا ہوتا؟ تم نہیں جواب دے سکتے۔ کیونکہ جواب دینے کے لیے تم زندہ ہی نہ ہوتے بلکہ اپنے انہی جاں نثار پشت پناہوں کے ساتھ اس وقت خاک و خون میں لوٹ رہے ہوتے۔ وجدان! میں نشا، تمہارا اصلی باپ تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم واقعی بہت خوش قسمت ہو، ہاتھ میں آتے آتے نکل جاتے ہو لیکن اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ ہمیشہ قسمت تمہارا ساتھ دے گی۔ یقین جانو، میں بہت جلد تمہاری شہ رگ تک پہنچ جاؤں گا۔ تم نے اب تک مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے جس کی وجہ سے باس کے سامنے میری بہت سبکی ہوچکی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا وجدان!''

وجدان سے شروع ہونے والا یہ ''اطلاع نامہ'' وجدان پر ہی ختم ہوگیا۔ میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور زیر لب بڑبڑایا ''حرام زادے! یہ تو تمہیں اپنے باس کی کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد پتا چلے گا کہ کون کس کا اصلی باپ ہے!''

صدف نے کہا ''زرگل کو ہم کہاں تلاش کرسکتے ہیں؟''

میں نے اس کے ادا کردہ الفاظ میں تکلیف کو محسوس کرلیا۔ یقینی طور پر بازو کا زخم اسے پریشان کررہا تھا۔ وہاں اتنا گہرا کٹ تو نہیں آیا تھا کہ اسٹیچنگ کی ضرورت پیش آتی، بہرحال فوری مرہم پٹی ضروری تھی۔ میں نے ہنگامی پٹی باندھ کر خون کے اخراج کو وقتی طور پر روک دیا تھا لیکن باقاعدہ ٹریٹ منٹ ہونا چاہیے تھا۔

اس کوٹھی میں فرسٹ ایڈ باکس موجود تھا۔ میں نے زرگل کے زخمی بازو کی ''تیمارداری'' بھی خود اپنے ہاتھوں سے کی تھی۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ میرے نزدیک رہنے والی دونوں خواتین کے بازو زخمی ہوگئے تھے۔ زرگل کا دایاں شانہ گھائل تھا اور صدف کا بایاں بازو زخمی ہوگیا تھا۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد میں فرسٹ ایڈ باکس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے صدف کا ہائی نیک لونز سوئٹر اتروایا۔ اس نے سوئٹر کے نیچے گرے کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی جس پر ''GUESS'' کے نام کی چھاپ تھی۔ یہ ایک بہت بڑی غیر ملکی گارمنٹ کمپنی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے کاروبار ہیں۔

میں نے باریک بینی سے صدف کے زخم کا معائنہ کیا۔ وہ کٹ لگ بھگ دو انچ کا تھا۔ میں نے اینٹی سپٹک لوشن سے زخم کو صاف کیا اور بینزین کو (BENZENE CO) کی پٹی کردی۔ یہ دوا خون روکنے کے ساتھ ساتھ زخم کو بھی ٹھیک کردیتی ہے۔ یہ ایک قسم کا انجکشر ہے اور بہت ہی موثر ثابت ہوا ہے۔

صدف کی ڈریسنگ ہوچکی تو اس نے کہا ''وجدان! تمہارا شکار فیصل بھی شدید زخمی ہے۔ اگر اس کو استعمال کرکے تم نے چوہدری نوازش علی کو جھکانا ہے تو پھر اس کی دیکھ بھال ضروری ہے۔''

وہ ایک اہم بات کی طرف میری توجہ دلا رہی تھی۔ واقعی اس سنپولیے کو دودھ پلانا بہت ضروری تھا۔ میں نے صدف

...ے آرام کرنے کو کہا اور خود باہر کھڑی گاڑی کی طرف چلا گیا۔ ٹویوٹا کرولا گیٹ کے نزدیک ہی کوٹھی کے اندر کھڑی تھی اور فیصل کو ہم اسی گاڑی کی ڈکی میں ڈال کر یہاں تک لائے تھے۔

میں نے فیصل کو ڈکی سے نکالا اور کھینچ کر اندر ڈرائنگ روم میں لے آیا پھر میں اپنا اور صدف کا سفری بیگ بھی اٹھا لایا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں فیصل کو ضروری ٹریٹ منٹ دے چکا تھا۔ اس کے زخم زیادہ خطرناک نہیں تھے۔ میں نے اس سے فارغ ہونے کے بعد صدف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری دہشت سے بے ہوش ہوا ہے۔''

''میری دہشت سے؟'' وہ حیرت سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے کہا ''اس نے مارشل آرٹس کے بہت سے میدان دیکھے ہوں گے لیکن تم جیسی جنگ جولڑکی سے پہلی مرتبہ اس کا واسطہ پڑا ہوگا۔ تم نے اچانک حیران کر دیا ہوگا۔ مارشل آرٹس کو بڑے خوب صورت انداز میں پیش کر کے مدمقابل کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ خاص طور پر جب مارشل آرٹس کے ساتھ جمناسٹک بھی شامل ہو جائے تو دید کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ بے چارہ حیرت کی شدت سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔''

''کیا میں تمہارے بیان کو اپنی تعریف سمجھوں؟'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے اوپر دیکھا اور بے نیازی سے کہا ''تعریف اس خدا کی جس نے تمہیں بنایا ہے!''

وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے ان ڈائریکٹ وے میں اس کی تعریف کی تھی صدف کے ردعمل کو دیکھ کر مجھے پہلی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ اسے شرمانا بھی آتا ہے۔ اس کی شرماہٹ اور لجاہٹ میں بڑا انوکھا پن تھا۔ اس کے بدن کی بے ترتیب جنبشوں نے کمرے کی فضا میں ایک سوندھا سا ارتعاش پیدا کر دیا۔ سوندھا ارتعاش دیکھنے اور سننے کی نہیں بلکہ محسوس کرنے کی شے ہے جو لطیف احساسات کو جگمگا کر رکھ دیتی ہے۔

صدف کا وہ ناقابل فراموش ریشمی ردعمل لمحاتی ثابت ہوا، دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گئی اور گہری سنجیدگی سے بولی۔

''وجدان! ہمیں اس کوٹھی میں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ یہاں جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھگتانا ہمارے بس میں نہیں اور نہ ہی ہمارے پاس اتنا وقت ہے۔ میں تو کہتی ہوں، تم فوراً پاشا انکل کو ٹون کر کے یہاں کے حالات سے باخبر کر دو اور میرے ساتھ ماموں کے گھر چلو۔''

''یعنی ڈی ایس پی اورنگ زیب خان کے گھر؟''

''ہاں ہاں..... اور میرا ماموں کون ہے یہاں!''

''اور اس زخمی مغوی کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں؟'' میں نے فرش پر بے ہوش پڑے فیصل کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سمجھانے والے انداز میں بولی ''وجدان! اس وقت ہم بہت ہی نازک حالات سے گزر رہے ہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح ماموں کو مطمئن کر دوں گی۔ تم میری بات مان لو۔''

''میں پولیس والوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔'' میں نے اٹل لہجے میں کہا ''ہم اس کوٹھی میں تو مزید نہیں رکیں گے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہم تمہارے ماموں کے پاس شادمان کالونی میں پہنچ جائیں گے۔''

اس نے سمجھ لیا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا، لہٰذا بحث کا دروازہ کھولنے کے بجائے اس نے مصلحت کی راہ اپنائی اور پوچھنے لگی۔

''تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ ہم یہاں سے نکلنے کے بعد کہاں جائیں گے؟''

''فی الحال میری نظر میں فاضلیہ کالونی والی کوٹھی سے زیادہ موزوں جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔'' میں نے برسوچ انداز میں کہا ''بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔''

''اور یہ پاشا انکل کو فون بھی تم وہیں سے کریں گے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا ''پاشا کے علاوہ مجھے کراچی میں منہاس باقر سے بھی ضروری باتیں کرنا ہیں۔ میرا خیال ہے فاضلیہ کالونی والی کوٹھی ہی ان کاموں کے لیے زیادہ مناسب رہے گی۔''

صدف نے مجھ سے کوئی اختلاف نہ کیا اور ہم وہاں سے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہم دونوں نے کوٹھی چھوڑنے سے پہلے لباس تبدیل کر لیے کیونکہ دلدار کی کوٹھی پر ہم جن حالات سے گزرے تھے انہوں نے ہمارے پہناوے کا کباڑا کر دیا تھا۔ خاص طور پر صدف کا سفید سوئٹر تو کریم کلر میں بدل چکا تھا اور کہنی کے اوپر سے سرخ بھی ہو رہا تھا۔

میں نے فیصل کے ساتھ ساتھ فرسٹ ایڈ باکس کو بھی گاڑی کی ڈکی میں پہنچایا۔ اس زنبیل کی کسی بھی وقت ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ ہم ٹویوٹا کرولا میں بیٹھ چکے تو صدف نے تیز آواز میں استفسار کیا ''وجدان! نسان پیٹرول نظر نہیں آ رہی؟''

میں نے بے اختیار گردن گھما کر اس سمت دوڑائی جدھر گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں۔ مجھے وہاں فرید شاہ کی عظیم الشان جیپ کھڑی نظر نہ آئی۔ ہم جس قسم کے حالات سے گزر رہے تھے اس نے ہمیں جیپ کی طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہی ہم اندرونی سنگینیوں میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ بہرحال نسان پیٹرول اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔

''ہو سکتا ہے جیپ کو زرگل اپنے ساتھ لے گئی ہو'' میں نے ایک امکانی بات کی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو وجدان'' صدف میری تائید کرتے ہوئے بولی ''وہ دونوں ہی غائب ہیں تو اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہ جہاں بھی ہوں گے ایک ساتھ ہوں گے۔''

میں نے کہا ''وہ جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔''

''آمین!'' صدف نے صدق دل سے کہا۔

میں نے ٹویوٹا کرولا کو کوٹھی سے نکال کر فاضلیہ کالونی کی جانب دوڑانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

یہ دنیا ایک حیرت کدہ ہے اور قدم قدم پر ایسے واقعات سے سابقہ پڑتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ چوں کہ یہ دنیا اور اس کا ہر کاروبار انسانوں کے دم قدم سے ہے اس لیے ہر انسان اپنی جگہ کسی مجسم حیرت سے کم نہیں۔ ہم جیسے ہی فاضلیہ کالونی والی کوٹھی کے نزدیک پہنچے، ایک نئی حیرت سے سامنا ہو گیا۔

نسان پیٹرول مذکورہ کوٹھی کے سامنے کھڑی تھی۔ صدف نے بھی دور ہی سے جیپ کو دیکھ لیا تھا۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا ''اے یہ جیپ یہاں کیسے پہنچ گئی؟''

میں نے گاڑی کی رفتار انتہائی کم کر دی اور کہا ''ایک بات تو طے ہے کہ گاڑی خود بہ خود یہاں نہیں پہنچی ہوگی۔ کوئی انسان ہی اسے ڈرائیو کر کے یہاں لایا ہوگا'' میں نے ذرا توقف دینے کے بعد کہا ''زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ زرگل اس جیپ میں یہاں پہنچی ہوگی۔ ہمیں قریب جا کر دیکھنا چاہیے۔ پتا نہیں بے چاری کس حال میں ہوگی۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے کرولا کی اسپیڈ بڑھانا چاہی تو صدف نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور گہری سنجیدگی سے بولی ''وجدان! اپنی گاڑی کو یہیں روک دو!''

''کیوں بھئی؟'' میں نے بریک پیڈل کو دباتے ہوئے اس سے پوچھا۔

ٹویوٹا کرولا چند گز آگے جا کر سڑک کے کنارے رک گئی۔ اس وقت تک ہم شاہ جمال روڈ پر ہی تھے۔ صدف نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔

''وجدان! اس وقت ہم امکانات پر چل رہے ہیں، میں تمہاری اس بات سے جزوی طور پر اتفاق کرتی ہوں کہ نسان پیٹرول میں زرگل یہاں پہنچی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ہمارا کوئی دشمن اسے یہاں لایا ہو۔ ہم اس پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔''

میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''چلو ٹھیک ہے نہیں کرتے نظرانداز۔ پھر؟''

''پھر یہ کہ ہمیں ہر قدم سوچ سمجھ کر احتیاط سے اٹھانا ہوگا'' صدف نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''اندھا دھند جیپ کی طرف جانا ٹھیک نہیں، ہمیں پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ اس وقت وہ جیپ خالی ہے یا اس میں کوئی موجود ہے۔''

''تجویز معقول ہے'' میں نے اتفاق رائے سے کام لیتے ہوئے کہا ''یہ جاننے کے لیے بھی تو جیپ کے نزدیک جانا ضروری ہے!''

''ہاں، یہ تو ہے'' وہ متاسفانہ انداز میں بولی ''ایسا کرتے ہیں، تم یہیں گاڑی کے اندر موجود رہو میں جا کر صورت حال کا جائزہ لیتی ہوں۔''

''تمہارے لیے بھی میرا یہی مشورہ ہوگا'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا ''کیوں کہ تم زخمی بھی ہو!''

وہ شکست خوردہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ میری دلیل کے آگے بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ میں کوئی بات کیے بغیر گاڑی سے باہر نکل آیا۔

کوٹھی کا گیٹ کرولا سے لگ بھگ دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے اس سمت بڑھنے لگا۔ اس وقت میرے لباس میں کبیر شاہ والا پسٹل موجود تھا۔ کلاشنکوف کرولا کے اندر تھی۔ اس اسلحے کو کلبرگ تھری والی کوٹھی میں چھوڑنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

چند لمحات کے بعد میں نسان پیٹرول کے پاس پہنچ گیا۔ اتنا قریب کہ اس کے اندر کا جائزہ لے سکوں۔ میں نے جیپ کے اندر جھانکا تو میری نگاہ کو چونک جانا پڑا۔ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی موجود تھا اور اس طرح موجود تھا کہ اس کا سر نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ گاڑی کا اسٹیرنگ سر کے اوپر نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس گٹھری نما انسان کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ زرگل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے فرید پاشا کی کوٹھی پر زرگل کو ایک گلابی رنگ کا لباس پہننے کو دیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہستی اسی لباس میں نظر آ رہی تھی۔ یہ گلابی لباس پاشا کی خوب رو بیوی نائلہ کا

تھا۔ یہ انکشاف ہوتے ہی کہ جیپ کے اندر زرگل موجود ہے اور خاصی تکلیف دہ حالت میں ہے' میں لپک کر جیپ کے پاس آ گیا۔

میں نے ڈرائیونگ سائیڈ والے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ اندر سے لاک تھا۔ میں بے اختیار دروازے کو بجانے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ زرگل نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں' پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ کھل اٹھی۔

میں نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا ''زرگل! دروازہ کھولو''

وہ اس وقت تک سیدھی ہوکر بیٹھ چکی تھی۔ میرے اشارے کو اس نے وصول کرلیا اور اگلے ہی لمحے اس نے لاک اٹھا کر دروازہ کھول دیا پھر تیزی سے باہر آنے کی کوشش کی لیکن اس کوشش میں اس کے ہونٹوں سے ایک سسکاری برآمد ہوئی اور بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنی ٹانگ کی طرف چلا گیا' میں سمجھ گیا اس کی ٹانگ کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہے۔

''رک جاؤ'' میں نے منع کرنے والے انداز میں کہا ''گاڑی کے اندر ہی بیٹھی رہو۔ میں خود تمہیں باہر نکالوں گا۔ ذرا میں صدف کو یہاں لے آؤں''

میں نے نسان پیٹرول کا دروازہ بند کیا اور دوڑتے ہوئے قدموں کے طفیل کرولا کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے مختصر الفاظ میں صدف کو صورتِ حال سے آگاہ کیا پھر کرولا کو ڈرائیو کر کے پاشا کی کوٹھی کی طرف آ گیا۔ زرگل والی جیپ کوٹھی کے سامنے کھڑی تھی لیکن اس کی وجہ سے کوٹھی کے اندر جانے والے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

میں نے ٹویوٹا کرولا کو گیٹ کے قریب پہنچایا پھر گاڑی سے باہر آ گیا۔ صدف زرگل کے مسائل سے واقف ہوچکی تھی۔ ہم دونوں نے کوشش کر کے زرگل کو نسان پیٹرول کی ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا کر پسنجر سیٹ پر منتقل کیا۔ اس کے بعد میں نے کوٹھی کا گیٹ کھول دیا۔ تھوڑی دیر بعد یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں کوٹھی کے اندر پہنچ کر اپنے جائز مقامات پر کھڑی ہوچکی تھیں۔ کوٹھی کے گیٹ کو میں نے اندر سے لاک کرنے کے بجائے باہر سے تالا لگایا۔ یہ میں نے احتیاط کے پیشِ نظر کیا تھا۔ باہر سے گزرنے والا جو بھی شخص کوٹھی کے گیٹ کو دیکھتا تو وہاں جھولتے ہوئے تالے کی وجہ سے وہ یہی سمجھتا کہ کوٹھی کے اندر کوئی موجود نہیں۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کوٹھی کی باؤنڈری وال عبور کی اور اندر پہنچ گیا۔ آئندہ پانچ منٹ میں میں نے اور صدف نے زرگل کو سہارا دے کر کوٹھی کے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ٹیلی فون موجود تھا۔ پاشا نے وہ کوٹھی فروخت کرنے کا اعلان کر رکھا تھا اور آن ریکارڈ وہاں کسی کی رہائش نہیں تھی لیکن اب بھی اچھا خاصا فرنیچر وہاں موجود تھا۔ ٹیلی فون والے کمرے میں بیٹھنے اٹھنے کی مکمل سہولت تھی۔

اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ یعنی اتوار کا دن آغاز ہو چکا تھا۔ اتوار کو سنڈے کہا جاتا ہے یعنی ''سورج کا دن''۔ سورج اس کائنات کو روشنی اور حرارت بخشتا ہے لیکن اس وقت فضا میں اچھی خاصی ٹھنڈک اتری ہوئی تھی۔ یہ میری رات کا کمال تھا۔ کیوں کہ رات میں آسمان پر چاند کی حکم رانی تصور کی جاتی ہے۔ چاندنی ہمیشہ ٹھنڈک ہی پہنچاتی ہے۔ شاید اسی وصف کی بنا پر چاند کو محبوب کا درجہ دیا جاتا ہے!

زرگل اندر کمرے میں پہنچی تو اس کی حالت قدرے بے حال نظر آنے لگی۔ میں گلبرگ والی کوٹھی پر پیش آنے والے واقعات جاننے کے لیے بے چین ہو رہا تھا لیکن پہلے زرگل کی کیفیت معلوم نہ کرنا خودغرضی اور غیر اخلاقی حرکت ہوتی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے بائیں پاؤں میں موچ آ گئی تھی اور ٹھنڈک کے باعث یہ تکلیف اتنی بڑھ گئی کہ وہ پاؤں کو حرکت دیتے ہی سسک اٹھی تھی۔

میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا ''یہ موچ وچ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ میں پلک جھپکتے میں تمہارا پاؤں ٹھیک کر دوں گا''

''تکلیف تو نہیں ہوگی؟'' زرگل نے بڑی معصومیت سے پوچھا ''میں نے سن رکھا ہے' ہڈی اور جوڑ بٹھانے والے بڑا ظالمانہ انداز اختیار کرتے ہیں''

میں نے اس کا خوف دور کرنے کی غرض سے کہا ''نہیں بھئی! ایسا کچھ نہیں ہوگا' میں کوئی اعضا بند نہیں ہوں' میں تو بالکل سائنسی بنیاد پر ایک مخصوص تکنیک کے ذریعے موچ وغیرہ کا علاج کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے ہاتھ میں ایک ہنر ہے' تمہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا' کب تمہارے پاؤں کی موچ رخصت ہوگئی۔ میں اتنی نزاکت اور آہستگی سے کام کروں گا جیسے چھری مکھن میں اترتی ہے''

''تم کہہ رہے ہو تو پھر ایسا ہی ہوگا'' وہ سادگی سے بولی ''پاؤں کی تکلیف سے تو مجھے یونہی محسوس ہو رہا ہے جیسے ٹخنے کی ہڈی میں کوئی بڑی گڑبڑ ہوگئی ہو''

میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''ابھی تشویش کی کوئی بات نہیں میں نے بڑی توجہ سے تمہارے پاؤں کا معائنہ کیا ہے' فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں''

وہ میری وضاحت اور صدف کی تائید سے خاصی مطمئن دکھائی دینے لگی۔ اس دوران میں صدف بڑی گہری اور خاموش نظر سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ میری ذات کا یہ طبی پہلو پہلی مرتبہ اس کے سامنے آ رہا تھا۔ ممکن ہے وہ اس وجہ سے اتنی سنجیدہ ہو!

''تم لوگ آپس میں گپ شپ کرو'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''میں پانچ منٹ میں واپس آتا ہوں''

زرگل نے پوچھا ''تم کہاں جا رہے ہو وجدان؟''

''اس کوٹھی کے ایک خفیہ گوشے کا جائزہ لینے جا رہا ہوں' میں نے اگرچہ واضح طور پر خفیہ تہ خانے کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن وہ دونوں میرا اشارہ سمجھ گئیں۔ وہ میری معیت میں اس ''شاندار'' کمرے کا دورہ کر چکی تھیں۔

صدف نے کہا ''ٹھیک ہے وجدان! تم گھوم پھر کر کوٹھی کا جائزہ لو۔ میں اتنی دیر میں تھوڑا پانی گرم کر کے لے آتی ہوں۔ زرگل کے پاؤں کو نکور کی ضرورت ہوگی۔ کچھ میں بھی تو اپنی ڈاکٹری دکھاؤں''

زرگل نے ممنون نظر سے صدف کو دیکھا میں نے کہا ''زرگل! تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ صدف نے ڈاکٹری والی بات ایسے ہی کہہ دی ہے۔ یہ واقعی ایک ایلو پیتھک ڈاکٹر ہے''

''بہت خوب!'' پشتون دوشیزہ نے حیرت اور ستائش کی ملی جلی نظر سے صدف کو دیکھا ''میں تو واقعی وہی سمجھی تھی جو تم کہہ رہے ہو..... یعنی''

زرگل نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک مرتبہ پھر تعریف آمیز انداز میں صدف کو دیکھا۔ میں نے کہا ''صدف اس وقت میڈیکل فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو یہ بہت جلد ڈاکٹر کی ڈگری بھی حاصل کر لے گی'' ایک لمحے کا توقف دے کر میں نے معنی خیز انداز میں اضافہ کیا ''میں نے خدا نے چاہا'' پر زور اس لیے دیا ہے کہ یہ خود تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں چاہتی''

''کیوں بھئی؟'' زرگل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا اور صدف کی طرف دیکھنے لگی۔

صدف نے مجھے گھور کر دیکھا اور زیرلب مسکرادی۔ گھورنے کا انداز تنبیہی تھا جبکہ خفیف سی مسکراہٹ میں بے نیازی اور درگزر کے اشارے ملتے تھے۔ صدف اندر باہر سے بڑی عجیب لڑکی تھی۔ میں اسے جتنا سمجھ پاتا وہ اس سے آگے کھڑی نظر آتی۔ یہ پستہ قامت قیامت پتا نہیں' میرے اندازے کو کہاں تک دوڑانا چاہتی تھی۔ اب تک میں نے اس کے جتنے رنگ دیکھے تھے وہ عام رنگوں سے بہت مختلف تھے۔ وہ زندگی کے ست سے اپنی مرضی کا موسم تخلیق کرنے اور اپنی خواہش کی فضا بنانے میں ماہر تھی جس طرح کوئی مکمل آرٹسٹ چار بنیادی رنگوں کی مدد سے ہزاروں' لاکھوں نئے رنگ اور رنگوں کے شیڈ تخلیق کر لیتا ہے! میں نے اس مختلف لڑکی پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

میں نے تہ خانے کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ پائیں باغ کی جانب کا علاقہ اچھی طرح دیکھ لیا اور جھاڑیوں کی عقب میں اس روشن دان کو بھی سلامت پایا جو تہ خانے کا واحد روزن تھا۔ پتا نہیں' اسے روزن کہنا کس حد تک درست تھا۔ بہرحال وہ تہ خانے کے اندر قدرتی روشنی پہنچانے کا تھوڑا بہت وسیلہ ضرور تھا۔

اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے باؤنڈری وال کے ساتھ ساتھ کے اندر ایک چکر لگایا سب کچھ معمول کے مطابق اور خیریت سے تھا۔ میں واپس اس کمرے میں آ گیا جہاں زرگل اور صدف کو چھوڑ کر گیا تھا۔ مجھے وہاں زرگل اکیلی نظر آئی۔ صدف شاید پانی گرم کرنے کچن کی طرف نکل گئی تھی اور ابھی تک لوٹی نہیں تھی۔

میں زرگل کے پاس پہنچا تو اس نے شک بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا تمہاری یہ ساتھی واقعی ڈاکٹری پڑھ رہی ہے؟''

''بالکل!'' میں نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''اس نے پوچھا ''کس میڈیکل کالج میں؟''

اس کا انداز بتا رہا تھا' وہ صدف کے حوالے سے اندر سے مطمئن نہیں تھی۔ میں نے بتایا ''صدف ڈاؤ میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے''

''یہ کالج تو کراچی میں ہے!''

وہ شک زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

میں نے پوچھا ''تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ کیا میں تم سے غلط بیانی کروں گا؟''

''یہ بات نہیں وجدان!'' وہ نگاہ چراتے ہوئے بولی۔

میں نے اصرار کیا ''پھر کیا بات ہے زرگل؟''

وہ تامل کرتے ہوئے بولی ''وجدان! اس مختصر سے عرصے میں' میں تمہیں جس حد تک سمجھ پائی ہوں اس کے مطابق تم ایک دشمن دار انسان ہو اور تمہاری زندگی کا بیش تر حصہ ہنگامہ خیزی اور مار دھاڑ میں گزرا ہے' کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''تم بالکل درست کہہ رہی ہو'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''لیکن تمہاری ان باتوں سے اس شک کی وضاحت

نہیں ہوسکی جو صدف کی ذات کے حوالے سے تمہیں بے چین کیے ہوئے ہے؟''

وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی ''دراصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں یا یوں سمجھ لو کہ یہ بات مجھے نہیں ہو رہی کہ صدف میڈیکل کی ایک اسٹوڈنٹ ہے اس ہنگامہ خیزی میں تمہارے ساتھ ساتھ نظر آرہی ہے ... اور اسٹوڈنٹ بھی ایسی جس کا ڈائل مل رہا ہو!''

''اس سوال کا جواب ... تمہاری ہی کہی ہوئی ایک بات کے اندر پوشیدہ ہے ... میں ... اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون سی بات؟'' وہ پوری طرح میری جانب متوجہ تھی۔

اس توجہ کا سب ... یہ فائدہ ہوا تھا کہ وہ ان لمحات ... کی تلخی کو بھول ... یاد دلانے کی ...

... ساتھی واقعی ...

''وہ ... ظر سے دیکھ ...

میں نے کہا ''تو یہ ہے کہ جب صدف میری ساتھی ہے تو اسے میرے ساتھ ہی دھلائی دینا چاہئے' چاہے میں دشمن دار ہوں یا دوست دار ... اور صدف چاہے میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو یا امور خانہ داری سیکھ رہی ہو میں غلط تو نہیں کہہ رہا'' بات کے اختتام پر میں نے اپنے چہرے کو معصومیت کے لبادے میں چھپالیا۔ بعض اوقات اداکاری ضروری ہو جاتی ہے۔

اس نے سنجیدگی سے اثبات میں گردن ہلائی اور اپنے چہرے کے تاثرات سے ... ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ اسے میری وضاحت کا یقین آگیا ہے لیکن اس کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھی۔ وہ مجھے مطمئن کرنے کے لیے بھرپور ایکٹنگ کررہی تھی ورنہ اس کے ... ن کا شک ... نہیں جاتا تھا۔

جہاں تک چہرے کے تاثرات ... کرنے ... تو میں نے بھی اسے وہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی جو میرے دل و دماغ میں نہیں تھا۔ ممکن ہے اس نے بھی میری چوری پکڑلی ہو لیکن مجھ پر ظاہر نہ کیا ہو جیسا کہ میں اپنے خیالات اس سے چھپا رہا تھا۔ اگر میں اس کی آنکھوں میں ... دیکھ رہا تھا تو اس کا بھی مطلب تھا وہ بھی میری آنکھوں میں ... دیکھ رہی تھی۔ اگر انسان میں ذرا سی بھی مردم شناسی ... تو بتا دیتی ہیں کہ ... دل و دماغ میں کیا ... رہا ہے۔ چہرے کو ... لیے دل و دماغ کی کھلی کتاب کہا ... گیا ہے کہ چہرے پر ... ہیں جو بڑی مہارت کے ساتھ دل و ... رہتے ہیں جس سے ... ملنے والی روشنی محبت اور بھلائی سے ... ہوتی ہے۔

... کمرے میں داخل ... وہ ایک پیالی ... گرم کر ... فرسٹ ایڈ باکس ... کروا کے ... آیا تھا۔ باکس میں ابتدائی طبی ... سارا ... ان سب موجود تھا بلکہ ... سے کچھ بڑھ کر ہی تھا۔ میں نے ... خصوصیات کی بنا پر اسے زنبیل کا خطاب دیا تھا۔

میں نے زرگل کے متاثرہ پاؤں کو پہلے نیم گرم پانی سے اچھی طرح دھویا۔ اس کے بعد ... سے خاصا آرام پہنچایا۔ میں نے باکس میں سے ایک آئنٹ منٹ نکالا اور اسے زرگل کے ٹخنے پر لگا کر ہلکے ہاتھ سے مالش کرنے لگا۔ یہ ... جیل سے ملتا جلتا آئنٹ منٹ تھا اور اپنے اندر ... کے علاوہ لبریکیشن کی صفات بھی رکھتا تھا۔ میں نے زرگل کو پاؤں میں لگایا اور اس کا دھیان پاؤں کی طرف ... میری گفتگو کے ٹرانس میں آگئی تو میں نے ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر اس کے پاؤں کی موچ نکال دی۔ ایک ٹیکنیکل مرحلہ تھا اور آزمودہ کار بھی!

اس کے ہونٹوں سے ایک طویل ''سی'' خارج ہوئی اور وہ پلٹ کر مجھے گھورنے لگی۔ میں نے ہنسی سے کہا ''تیز دھار چھری کھمن کی کنپٹی میں اتر گئی' کیا تمہیں کچھ محسوس ہوا؟''

اس نے جو کچھ بھی محسوس کیا تھا' اس کے ہونٹوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن اس ''سی'' کے بعد وہ نارمل ہوگئی۔ گویا میں نے اس کی موچ نکال دی تھی۔

اس کے بعد کے مراحل بہت سادہ اور آسان تھے۔ صدف نے اس کے پاؤں کے متاثرہ حصے کو ایک گرم پٹی میں اچھی طرح لپیٹ کر باندھ دیا۔ وہ خاصا ریلیکس محسوس کرنے لگی۔

میں نے فرید پاشا کی کوٹھی پر جو لرزہ خیز مناظر دیکھے تھے وہ کسی بھی نارمل انسان کے ہوش گنوانے کے لیے کافی تھے لیکن زرگل نے مردانہ وار ان حالات کے اثرات کو جھیلا اور اس کوٹھی سے نکل کر اس کوٹھی تک آگئی تھی۔ جب میں نے نسان پٹرول کی ڈرائیونگ سیٹ پر اسے دیکھا تو وہ حد درجہ خوف زدہ تھی۔ اسے ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ واقعات بہت غیر معمولی اور ناقابل فراموش تھے لیکن اب بڑی حد تک اس کا خوف زائل ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے ان واقعات کے بارے میں استفسار کیا تو وہ گہری سانس لے کر مجھے اس کی

تفصیل ... نے لگی جس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔

رات گیارہ بجے کے قریب ایک جیپ اس کوٹھی پر پہنچی اور اس میں سے برآمد ہونے والے چار افراد نے بے دریغ کوٹھی پر بارود ... اور ... نظر آنے لگا۔ فائرنگ کی آواز کے علاوہ کوئی آواز کان نہیں پڑتی تھی۔ زرگل اس وقت کوٹھی کی بالائی منزل پر تھی۔ وہ تیزی سے نیچے کی طرف بھاگی اور اسی تیزی میں اس کا پاؤں رپٹ گیا اور وہ منہ کے بل فرش پر آرہی۔ جتنی دیر میں وہ اٹھ کر کھڑی ہوتی' کوٹھی کی زیریں منزل کو ویران کر دیا گیا تھا۔ وہ سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا جب دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں نے بالائی منزل کا رخ کیا تو زرگل نے خود کو ایک جگہ چھپالیا۔ اگر وہ سامنے ہوتی تو آن واحد میں اس کے جسم میں اتنے سوراخ نمودار ہو جاتے جنہیں شمار کرنا ناممکن ہوتا کیوں کہ اوپر آنے والوں نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی گنوں کے دہانے کھول دیے تھے اور وہاں سے نکلا ہوا سیسہ روشنی کی رفتار سے خارج ہو رہا تھا۔ زرگل نے خود کو چھپا کر دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔

''تھوڑی دیر بعد وہاں سناٹا چھا گیا'' زرگل نے ایک جھرجھری لیتے ہوئے بتایا'' میں کافی دیر تک چھپی بیٹھی رہی وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میں تم لوگوں کو زندہ سلامت نظر آرہی ہوں ورنہ اگر ان لوگوں کو ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا کہ اس کمرے میں کوئی موجود ہے تو وہ گولیوں کی بوچھار سے میرے بدن کو تار تار کر دیتے''

''کیا تمہیں حملہ آوروں کے بارے میں کچھ اندازہ ہے؟'' ... میں نے پوچھا حالانکہ اس سلسلے میں' میں حقیقت جان چکا تھا۔

وہ بولی ''میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی' بس اتنا جان پائی ہوں کہ وہ بہت ہی سفاک اور درندہ صفت لوگ تھے۔ میں نے ان کی درندگی اور سفاکی کا ثبوت کوٹھی کی ... بریں منزل پر دیکھ لیا۔ سیکیورٹی گارڈ عمر دین' اللہ دتہ' حسین اور ... وہ اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکی اور ایک جھرجھری سے ... خاموش ہوگئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر سراسیمہ نظر آنے لگی تھی۔

... کہہ گئی' اس واقعے کے بارے میں زیادہ گفت و شنید ... مرتبہ کرے گی۔ اس نے حملہ آوروں کی ... کی نوعیت بتائی تھی' اس سے ایک گھنٹہ پہلے وہ لوگ چوہدری دلدار کی کوٹھی سے نکلی وجدان کو کھوجتے نکلے تھے۔ واقعات سے اندازہ ہو رہا تھا' تلاش میں ناکامی کے بعد انہوں نے ادھر کا رخ کیا تھا اور گلبرگ والی کوٹھی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ وہ لوگ مجھے تو نہ پا سکے لیکن میرے ساتھیوں کو خون میں نہلا کر چلے گئے۔ وہ چاروں میری وجہ سے موت کے منہ میں چلے گئے' اس خیال نے مجھے بہت غم زدہ کر دیا۔ میں ان کی بربادی کا ذمے دار بڑی حد تک خود کو محسوس کر رہا تھا۔

دشمنی کی دنیا میں یہی سب کچھ ہوتا ہے' یہ نہیں دیکھا جاتا اصل دشمنی کس شخص سے ہے' کسی فرد واحد سے انتقام لینے کی خاطر پورے پورے خاندان کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے افراد بھی اس انتقام کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں جن کا کوئی قصور ہوتا ہے اور نہ ہی دشمنی میں حصہ لینے والوں کے ساتھ گہرے کا پیسا ... حوالے سے مشہور ہے۔

بہرحال' فشا اینڈ کمپنی نے اپنی شکست کا بدلہ لینے اور کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے پاشا کی کوٹھی میں کشت و خون کا بازار گرم کر دیا تھا۔ وہ ایک ایسے شیطان صفت اور فرعون مزاج انسان کی خوشنودی حاصل کرنے میں درندہ بن گیا تھا جو ہمارے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکا تھا۔ زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ چوہدری دلدار نے دھرتی ماں کے سینے سے اچھا خاصا بوجھ اتار دیا ہوگا۔ اس کے بچنے کی امید بہت کم تھی۔

کچھ لوگ دھرتی کا بوجھ اٹھانے کا فخر حاصل کرتے ہیں اور کچھ اس کے لیے بوجھ ہوتے ہیں یعنی ان کی ذات باعث ندامت و ملامت ہوتی ہے۔ چوہدری دلدار کا شمار آخر الذکر افراد میں ہوتا تھا ... اور یہ فخر کا نہیں بلکہ ڈوب مرنے کا مقام تھا!

اپنی داستان غم کے آخر میں زرگل نے بتایا کہ وہ کس طرح نسان پٹرول میں بیٹھ کر اس کوٹھی ... اس کوٹھی میں پہنچی تھی ''وجدان! تم یقین کرو ... ان درندوں نے اس کوٹھی میں وہ دہشت ناک مناظر تخلیق کیے ہیں کہ کوئی ایک لمحے کے بھی وہاں نہیں رک سکتا''

''میں جانتا ہوں سب جانتا ہوں'' میں نے کہا ''میں نے بھی ... ریز انداز میں کہا ... کیوں کہ یہاں آنے سے قبل ہم وہاں سے ہو کر آئے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہاں کی صورت حالات کو ملاحظہ کیا ہے''

وہ یک ٹک مجھے تکے جا رہی تھی۔ اس کے بیان سے واضح تھا کہ اس نے فشا کا تحریر کردہ نوٹس نہیں پڑھا تھا۔ دیوار پر چسپاں اس اطلاع نامے پر اس کی نظر پڑی ہوگی ورنہ وہ اس کا ذکر ضرور کرتی۔

وہ بتانے لگی ''میں نسان جیپ میں کس طرح یہاں پہنچی

ہوں' یہ میں اور میرا خدا ہی جانتا ہے میں جانتی تھی' تم سے ملاقات صرف دو جگہوں پر ہی ہوسکتی ہے' ایک اس کوٹھی میں اور دوسرے اس کوٹھی میں۔ میں اس کوٹھی میں تو ایک لمحہ رکنے کی ہمت نہیں کررہی تھی اس لیے ادھر نکل آئی حالانکہ مجھے معلوم تھا' تم تو سید پور جاچکے ہوگے مگر کیا کروں' اس وقت جو میری سمجھ میں آیا' میں نے کیا'' وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی' اس کی باتوں میں کبھی تو تسلسل نظر آتا اور کبھی بے ترتیبی جھلکنے لگتی۔ وہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی'' یہاں پہنچ کر مجھے کوٹھی کا گیٹ بند ملا۔ اگر یہ صرف بند ہوتا تو میں اسے باہر سے یا اندر جا کر کھول لیتی لیکن اس پر موجود تالے نے مجھے بے بس کردیا اور میں گاڑی میں رہتے ہوئے تمہارا انتظار کرنے لگی..... جب کہ تم تو سید پور روانہ ہوچکے تھے'' وہ پھر رکی اور دیوانوں کی طرح گردن کو جھٹکتے ہوئے بولی'' پتا نہیں' ان لمحات میں' میں پاگل ہوگئی تھی..... اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں' کب میری آنکھ لگ گئی' پھر دروازے پر تمھاری زوردار دستک ہی نے مجھے بیدار کیا تھا''

میں نے اس کی حالت کے پیش نظر دل جوئی ضروری سمجھی'' زرگل! جن لوگوں نے ہمارے آشیانے کو سپرد عذاب کیا ہے اور ہمارے ساتھیوں کی ہلاکت کے ذمے دار بنے ہیں' ہم نے انہیں بھی شدید نقصان پہنچایا ہے تم فکر نہ کرو' ہم آئندہ بھی ان کا چین وسکون غارت کرتے رہیں گے''

وہ میری بات سنتے سنتے اچانک چونکی پھر پوچھنے لگی'' وجدان! تم تو سید پور جاچکے تھے وہاں تمہارے دوست فرید پاشا کے والد کی تدفین ہونے والی تھی پھر یہاں واپس کیسے آگئے۔ تمہاری واپسی تو ایک دو روز بعد میں ہونے والی تھی؟''

''ہاں پروگرام تو یہی تھا'' میں نے اثبات میں سر ہلایا ''لیکن حالات کی سنگینی نے ہمیں سید پور پہنچے ہی نہیں دیا اور ہم مجبور ہوکر واپس لاہور آگئے اور..... یہاں آتے ہی ایسی معرکہ آرائیاں کھل گئیں کہ آدھی رات ہی کو گلبرگ والی کوٹھی کی طرف پلٹ سکے۔ بہرحال'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''اس کی تفصیل میں تمہیں بعد میں بھی سناؤں گا۔ فی الحال مجھے ایک دو ضروری فون کرنا ہیں''

صدف نے میری توجہ ایک نہایت ہی اہم امور کی طرف موڑ دی۔ وہ بولی'' وجدان! ہمارے معرکوں کا ثمرا بھی تک کروڑا کی ڈکی میں رکھا ہے'' وہ بہت محتاط الفاظ استعمال کررہی تھی'' اس کی نگاہ داشت بہت ضروری ہے' وہ ہمارے لیے ترپ کا پتا ہے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ میں نہ رہا تو بازی مارنا بہت مشکل ہوجائے گی''

''ٹھیک ہے'' میں نے بھی ڈھکا چھپا انداز اختیار کیا۔ ''میں اس قیمتی تحفے کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ڈکی سے نکال کر اندر پہنچاتا ہوں تاکہ اس کی نگرانی اور نگاہ داشت موثر انداز میں ہوسکے''

میں نے فون کے ارادے کو چند منٹ موقوف کردیا اور باہر جا کر فیصل کو ڈکی سے نکال لایا میں نے اسے اپنے کندھوں پر لادکر اسی کمرے میں پہنچایا تھا' فیصل ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا لیکن اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ وہ کامل زندہ تھا اور اسے زندہ ہی رہنا چاہئے تھا' کم از کم اس وقت تک جب تک میں اسے استعمال کرکے چوہدری نوازش علی کو اپنے سامنے جھکانے میں کامیاب نہ ہوجاتا..... اور اپنی زندگی ساحل تک رسائی حاصل نہ کرلیتا۔

میں نے کوٹھی کے اندر ہی سے ایک مضبوط رسی تلاش کی' اب اس کوٹھی کے اندرونی راستوں اور کمروں کے بارے میں' میں اچھی طرح جان چکا تھا اور کون سی چیز کہاں پڑی ہے یہ بھی مجھے معلوم ہوگیا تھا حالانکہ وہاں بہت ہی کم اشیا پائی تھیں کیوں کہ وہ کوٹھی ان دنوں ''فاریسل'' کا تمغا سجائے بیٹھی تھی اور اتفاق ایسا تھا کہ جب سے پاشا کی زندگی میں میری انٹری ہوئی تھی' وہاں ''رونقیں'' سی لگ گئی تھیں اور ان رونقوں کا مرکز ومحور وہ تہ خانہ تھا جہاں تک رسائی کے لیے ایک مخصوص تکنیک کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

میں نے سب سے پہلے فیصل کے ہاتھ پاؤں کو رسی کی مدد سے اس طرح جکڑ ڈالا کہ وہ اپنی مرضی سے انھیں استعمال میں نہ لاسکے' ویسے سردست تو اس کے جنبش کرنے کی امید بھی نہیں تھی لیکن ایسا ہمیشہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے کبھی نہ کبھی تو ہوش آنا ہی تھا..... اور جب بھی ہوش آنا تھا تو اس نے رج کر ہنگامہ آرائی بھی کرنا تھی' وہ ایک مارشل آرٹسٹ تھا۔ اس کے فن کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی جوں میں آنے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہ بیٹھا رہے حالانکہ میں نے رسی کی نہ کھلنے والی بندشوں سے اسے پاؤں پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ دشمنوں کو باندھنے کی ایک مخصوص تکنیک ہوتی ہے جس سے وہ بے دست و پا ہوکر رہ جاتا ہے!

فیصل کی طرف سے تسلی بخش انداز میں فارغ ہونے کے بعد میں فون کی طرف بڑھ گیا۔ صدف اور زرگل کو میں نے کمرے ہی میں رہنے دیا۔ ان سے چھپانے والی کوئی بات وہاں نہیں ہورہی تھی اس لیے ان کی موجودگی سے کوئی فرق نہ پڑتا۔

سب سے پہلے میں نے کراچی میں منہاس باقر سے رابطہ کیا۔ آج اس کی اکلوتی بیٹی شبانہ کی شادی تھی۔ اس وقت رات کے ڈھائی بج چکے تھے یعنی اتوار کا دن شروع ہوگیا تھا۔ تیسری گھنٹی پر فون اٹینڈ کرلیا گیا۔ میں نے منہاس باقر کے بنگلے پر فون کیا تھا۔

ایرپیس میں مجھے ایک مانوس آواز سنائی دی'' ہیلو! کون ہے''

میں نے استفسار کرنے والی کو پلک جھپکتے میں پہچان لیا۔ وہ ممتاز تھی مجھے اس کی وہاں موجودی پر حیرت بھی ہوئی کیوں کہ چند روز قبل اس کے ساتھ جو اندوہناک واقعہ پیش آچکا تھا اس کے بعد تو اسے گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکالنا چاہئے تھا۔ قاضی سلطان نے پتا نہیں اپنی بیٹی کو دوبارہ کیسے کراچی بھیج دیا تھا۔

شبانہ کے گھر میں موجود ممتاز کے'' ہیلو! کون ہے؟'' کے جواب میں' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا'' ممتاز! تم کہاں؟''

''اوہ! تو تم وجدان بات کررہے ہو!'' وہ بھی لب ولہجے سے مجھے پہچان گئی تھی۔ بتانے لگی

''میں بابا سے ضد کرکے دوبارہ آگئی ہوں تم تو جانتے ہی ہو' وہ آسانی سے میری بات ٹال نہیں سکتے۔ میں شبانہ کی شادی میں شرکت کیے بنا رہ نہیں سکتی اور.....''

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا'' اچھا ہوا تم کراچی آگئیں'' یہ جملہ میں نے صرف اس لیے ادا کیا تھا تاکہ قطع کلامی کو وہ برا محسوس نہ کرے'' میں بعد میں تم سے تفصیلی گفتگو کروں گا۔ اس وقت میں نے منہاس صاحب سے ایک ضروری بات کرنے کے لیے فون کیا ہے۔ ذرا ان سے بات کروادو''

''ٹھیک ہے' میں انہیں بلوا دیتی ہوں'' وہ جلدی سے بولی'' جب تک انکل یہاں آئیں' تم مجھ سے بات کرلو۔ میں نے سنا ہے تم آج کل لاہور بلکہ اس سے بھی آگے ایک گاؤں سید پور گئے ہوئے ہو؟''

''تم نے بالکل درست سنا ہے۔'' میں نے کہا اور اسے مصروف رکھنے کی خاطر اپنی مرضی کی گفتگو کرنے لگا'' تم اتنی رات کو جاگ رہی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ہم دونوں ہی جاگ رہے ہیں۔'' اس نے بتایا ''میرے ساتھ شبانہ بھی ہے۔ میں نے اسے انکل منہاس کو اطلاع دینے بھیجا ہے۔''

میں نے کریدنے والے انداز میں سوال کیا'' دونوں دوستوں میں کیا راز ونیاز ہورہے تھے؟''

''بس، ہماری آپس کی باتیں ہیں۔'' وہ شوخی سے بولی ''تمہیں ایسی نسوانی باتوں کے بارے میں نہیں جاننا چاہیے۔''

میں نے کہا'' ٹھیک ہے، تم مجھے اپنے بابا اور اماں کے بارے میں بتاؤ۔ وہ دونوں کیسے ہیں؟''

''سب ٹھیک ہیں اور تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ خاص طور پر بابا تو تمہارے گرویدہ ہوگئے ہیں۔ تم نے دو مرتبہ مجھے بچایا ہے۔ وہ تم سے ملنے اور تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں۔'' پھر وہ یک لخت خاموش ہوگئی جیسے اسے کوئی ضروری بات یاد آگئی ہو۔

میں نے پوچھا'' کیا ہوا ممتاز؟''

''سوری وجدان! میں ایک غیر اخلاقی حرکت کر بیٹھی ہوں۔

''بابا، کچھ بتاؤ تو سہی؟'' میں نے اس کے کلچر کے لہجے میں پوچھا'' ایسی کون سی غیر اخلاقی حرکت تم سے سرزد ہوگئی؟''

وہ گہری سنجیدگی سے بولی'' میں اور تمہاری ساتھی ساحل ایک ساتھ اغوا ہوئے تھے۔ مجھے سب سے پہلے ساحل کے بارے میں پوچھنا چاہیے تھا اور میں کوئی دوسرے ہی قصے لے بیٹھی ہوں۔ میں ایک مرتبہ پھر تم سے معذرت چاہتی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' میں نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا'' اگر تمہیں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ میں آج کل سید پور نامی گاؤں کی طرف گیا ہوا ہوں تو یہ بات بھی تمہارے علم میں آگئی ہوگی کہ ساحل کو کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ کیا انکل منہاس نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟''

''ہاں، مجھے تمہارے اور ساحل کے بارے میں کافی کچھ بتایا گیا ہے۔'' وہ اقراری لہجے میں بولی پھر جلدی سے کہا'' لو، انکل آگئے ہیں۔ تم ان سے بات کرو۔''

تھوڑی دیر بعد میں منہاس باقر سے ہم کلام تھا۔ اس نے پہلے میری خیریت دریافت کی کیونکہ رات کے ابتدائی حصے میں بھی میں اسے کال کرچکا تھا اور یہاں کی صورت حال کے بارے میں اسے بتا دیا تھا۔ میں نے دوبارہ سے تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حالات سے آگاہ کیا تو اس نے پوچھا۔

''ساحل کو بائی ائر کراچی بھیجا گیا ہے یا بائی روڈ؟''

یہ وہ سوال تھا جو صدف نے بھی مجھ سے کیا تھا لیکن افسوس کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا۔ میں نے کہا ''منہاس صاحب! میں صرف اتنا جان سکا ہوں کہ اسے سہ پہر تین بجے کے قریب لاہور سے کراچی روانہ کیا گیا ہے۔ کس

ذریعے سے، یہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔"

"یہ ایک ایسی اندھیری گلی ہے کہ ہم فوری طور پر کوئی اقدام اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔" منہاس باقر نے متاسفانہ انداز میں کہا "بہرحال، تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی نہ کوئی بندوبست تو کروں گا ہی اور آنے والی رات سے پہلے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ تمہیں تو معلوم ہے....."

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب۔" میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا "کل رات آپ کی صاحب زادی کی برات آنے والی ہے۔ اب تو میں بھی اس شادی میں شرکت کر سکوں گا۔"

"میرے لیے یہ بے حد خوشی کی بات ہے۔" وہ خلوصِ دل سے بولا "تم کل کتنے بجے تک کراچی پہنچ جاؤ گے؟"

"دوپہر سے پہلے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ بولا "وجدان! تم نے کبیر شاہ اور چوہدری دلدار کے ساتھ جو شان دار سلوک کیا ہے، اس سے میرے کلیجے میں ٹھنڈ سی اتر گئی۔ چلو، تمہارے دشمنوں کے ساتھ کچھ تو حساب کتاب ہوا۔ میں پہلی فرصت میں اپنے ڈی ایس پی دوست کو اس مردود کے پیچھے لگاتا ہوں۔ ساؤتھ والے آپریشن کے حوالے سے کبیر شاہ زندہ یا مردہ بڑی شدت سے کراچی پولیس کو مطلوب ہے۔"

میں نے دانستہ منہاس باقر سے یہ بات چھپالی کہ چوہدری دلدار کی زندگی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس دروغ گوئی سے میرا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ اسے مصلحت کا ایک تقاضا سمجھ لیں۔ بعض اوقات ایسا بھی کرنا پڑتا ہے!

میں نے کہا "منہاس صاحب! آپ کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے میں شرمندہ ہوں کہ بار بار آپ کو زحمت دیتا ہوں لیکن یہ سب اشد ضروری تھا۔"

"ایسی بات نہ کہو کہ مجھے نادم ہونا پڑے۔" وہ اپنائیت سے بولا "میں تمہارے لیے ہر وقت فرصت نکال سکتا ہوں۔" پھر اس نے استفسار کیا "کیا تم نے اپنے تازہ ترین حالات سے فرید پاشا کو آگاہ کر دیا ہے؟"

"آپ کے بعد میں پاشا صاحب ہی کو فون کرنے والا ہوں۔" میں نے کہا۔

اس نے پوچھا "چوہدری نوازش علی کے بیٹے فیصل کا کیا کرو گے؟"

"اپنے ہاتھ میں دبوچ کر رکھوں گا۔" میں نے سفاکی سے کہا "یہ چوہدری نوازش کی ایک ایسی رگ ہے جسے دبانے سے وہ خبیث انگاروں پر لوٹنے لگے گا۔ اب ہی تو دشمنی کے اس کھیل کا مزہ آئے گا۔"

منہاس باقر نے کہا "وجدان! تمہاری دوست ساحل کو کراچی پہنچایا جا رہا ہے یا پہنچایا جا چکا ہے اور تم بھی کل یہیں آ جاؤ گے۔ اس لیے بہتر یہی ہوگا، تم فیصل کو بھی کسی طرح کراچی ہی میں منتقل کر لو۔ یہاں بیٹھ کر چوہدری نواز سے ٹاکرے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"ہاں، میری کوشش تو یہی ہوگی۔"

"اس سلسلے میں تم فرید پاشا سے مدد لے سکتے ہو۔" اس نے کہا "وہ بہت اثر رسوخ والا بندہ ہے۔"

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "میرے ذہن میں بھی یہی نام ہے۔"

"تمہیں یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ ممتاز یہاں پہنچ گئی ہے؟" ایرپیس میں منہاس باقر کی مخصوص آواز ابھری "بڑی ضدی لڑکی ہے یار۔"

میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا "قاضی سلطان صاحب کو بہرحال سوچنا چاہیے تھا۔ کراچی میں اس کے لیے خطرات کی کمی نہیں۔ میاں زاہد حسین تو جہنم واصل ہو چکا۔ اب اس کی جگہ کوئی اور آ گیا ہوگا۔ قاضی صاحب کا ازلی دشمن وڈیرا اکبر سومرو کسی نئے شخص سے بھی گٹھ جوڑ کر سکتا ہے۔ وہ عمر کوٹ کا طاقت ور آدمی ہے اور چوہدری نوازش علی سے اس کے دوستانہ مراسم بھی ہیں۔"

"میں تمہاری بات کو جھٹلاؤں گا اور نہ ہی تمہاری تشویش کو نظر انداز کروں گا۔" منہاس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا "خطرات بہرحال موجود ہیں لیکن یار! قاضی اپنی بیٹی کی ضد کے آگے مجبور ہو جاتا ہے۔ ممتاز مچل گئی تھی کہ وہ ہر قیمت پر شبانہ کی شادی میں شرکت کرے گی۔"

"اس کی ضد اپنی جگہ لیکن ایسے حالات میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔" میں نے کہا "اگر انسان اپنی اولاد سے محبت کرتا ہو تو یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کی ضد سے مجبور ہو کر خطرات مول لے لے۔ یہ تو اولاد سے دشمنی والی بات ہوگی!"

"تم نہیں جانتے..... بالکل نہیں جانتے وجدان!" منہاس نے احساس کی شدت میں ڈوبے ہوئے انداز میں کہا "بیٹیوں کی ضد کیا ہوتی ہے اور کسی اکلوتی بیٹی کے بااختیار باپ کو کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔"

میں نے اس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور صرف اتنا کہا "آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں جناب کیونکہ آپ کی بھی

ایک ہی بیٹی ہے۔"

وہ بولا "قاضی سلطان نے اس مرتبہ بیٹی کے ساتھ دو سیکیورٹی گارڈز بھی بھیجے ہیں اور میں نے بھی ممتاز کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا ہے۔ آگے اللہ کو جو منظور ہو۔"

"ہاں! اس کی منظوری کی بڑی اہمیت ہے۔" میں نے کہا۔

منہاس نے پوچھا "اس لڑکی کا کیا حال ہے؟"

یہ اتنا اچانک سوال تھا کہ میں نے بے ساختہ پوچھا "کون سی لڑکی؟"

"بھئی وہی، جو آج کل تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ میرا مدعا کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ بڑی ثابت قدمی سے میرے ساتھ لگی ہوئی ہے۔" میں نے اپنے قریب بیٹھی صدف کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا اور ہاتھ پیں میں منہاس سے کہا "اور میرے ساتھ ہی واپس آ رہی ہے۔"

"خدا خیر کرے!" اس نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

"آمین!" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

مزید دو چار باتوں کے بعد ٹیلی فونک سلسلہ موقوف کیا۔

میں نے ریسیور کریڈل کیا تو زرگل کے چہرے پر مجھے بے قراری دکھائی دی۔ وہ بڑے انہماک سے میری گفتگو کا جائزہ لے رہی تھی۔ خاموش نہ رہ سکی۔

"وجدان! کیا تم دونوں کل صبح کراچی جا رہے ہو؟"

"ارادہ تو یہی ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا پھر منہاس باقر کا انداز اختیار کیا "آگے اللہ کو جو منظور ہو!"

وہ بجھ گئی۔ زبان سے تو کچھ نہ کہا، خفگی آمیز انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

میں نے اس سے پوچھا "زرگل! تم نے اپنے آئندہ کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ تم کسی فیصلے پر پہنچی ہو؟"

"نہیں!" وہ قطعیت سے بولی "کوشش کر رہی ہوں۔ ویسے، تم لوگوں کو کراچی رخصت ہونے سے پہلے میں کوئی فیصلہ کر ہی لوں گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے پھر پوچھا "تمہارے پاؤں کا درد اب کیسا ہے؟"

"میں خود کو بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے جواب دیا "تم نے مالش کے دوران میں پتا نہیں، کیا جادو کیا ہے۔ لگتا ہے، تمہارے رخصت ہونے سے پہلے میں بھلی چنگی ہو جاؤں گی۔"

میں نے اس کے پاؤں پر آئنٹ منٹ کا مساج کرتے ہوئے کسی حد تک "چی" کی قوت کو بھی آزمایا تھا۔ یہ سب اسی کے ثمرات تھے کہ زرگل کو کافی افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے میں یہ تجربہ ساحل کے پاؤں پر بھی کر چکا تھا لیکن اس وقت ساحل دھنوا ہوا کرتی تھی اور..... میرے بہت قریب بھی!

ساحل کی یاد نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے قدرے اطمینان بھی تھا۔ جب سے فیصل میرے ہتھے چڑھا تھا، مجھے ساحل کا حصول آسان نظر آنے لگا تھا۔ اگر میں اس کارڈ کو مناسب طریقے سے کھیلتا تو چوہدری نوازش علی کیا، اس کا باپ ملک رمضان بھی قبر سے نکل کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا..... اور اس کے اریب قریب ہی وہ گھوڑی بھی سرنگوں نظر آتی، رکھاں والی کے کھیتوں میں فیصل کا دادا جس کی پشت سے گر کر جہنم مکانی ہوا تھا۔ کیسا عجیب اتفاق تھا۔ فیصل کا دادا ملک رمضان، میرے دادا چوہدری حاکم علی کا دشمن تھا۔ پھر یہ دشمنی ایک نسل آگے بڑھی اور فیصل کا باپ چوہدری نوازش علی، میرے والد عابد علی سے کھلی دشمنی پر اتر آیا اور میرے والدین اسی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئے اور اب تیسری پود آمنے سامنے تھی۔ ہماری خاندانی دشمنی کسی موروثی مرض کے مانند نسل در نسل آگے بڑھتے ہوئے فیصل اور مجھ تک آ پہنچی تھی۔ آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا، اس دیرینہ دشمنی کا اونٹ آگے چل کر کس کروٹ بیٹھے گا!

میں انہی سوچوں میں ڈوبے ابھرنے کے دوران میں زرگل کی طرف بھی متوجہ رہا اور اس سے پوچھا "تم مجھے اپنے چاچا حکمت یار کے بارے میں بہت کچھ بتانے والی تھیں کہ اس کی تم سے کیا دشمنی ہے۔ میں ایک ضروری فون کر لوں پھر تمہاری داستان بھی سنتے ہیں۔"

اس نے گہری سنجیدگی سے کہا "ہاں ہاں، تم ایک چھوڑ دس فون کرو۔ میری داستان سننے کے لیے چاہے تمہارے پاس کتنا ہی کم وقت کیوں نہ بچے مجھے یقین ہے، میں تمہارے رخصت ہونے سے پہلے اپنی داستان مکمل کر لوں گی۔"

میں نے چونک کر زرگل کو دیکھا۔ چونکنے کا سبب اس کا سنجیدہ جواب نہیں بلکہ وہ مخصوص چنیدہ الفاظ تھے جو اس نے تین مرتبہ ایک ہی انداز میں استعمال کیے تھے..... مجھے امید ہے، تم لوگوں کو کراچی رخصت ہونے سے پہلے میں کوئی حتمی فیصلہ کر ہی لوں گی، لگتا ہے، تمہارے رخصت ہونے سے پہلے

میں بھلی چنگی ہوجاؤں گی اور مجھے یقین ہے، میں تمہارے رخصت ہونے سے پہلے اپنی داستان مکمل کرلوں گی۔

سارا زور میرے رخصت ہونے پر تھا۔ وہ دلکش و دل نشین پشتون دوشیزہ اپنے سمندر دل میں پتا نہیں، کیا ٹھانے بیٹھی تھی!

☆☆☆

رات کے تین بج رہے تھے۔ کوئی شریف انسان جو کسی دور دراز گاؤں میں ہو، ٹھنڈی ٹھار رات کے اس پہر اسے نیند سے جگانا کہیں کی بھی شرافت نہیں تھی، کجا یہ کہ وہ شخص چند گھنٹے قبل ایک ایسی ہستی کو حوالۂ لحد بھی کر کے آیا ہو، دنیا میں جس کا کوئی نعم البدل نہ ہو لیکن بعض اوقات اشد ضرورت ایسا کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لیے کہا جاتا ہے، دوست وہ جو مصیبت کے وقت کام آئے کیونکہ مصیبت میں کسی سچے دوست ہی کی طرف دیکھا جاتا ہے!

فرید پاشا ایک کھرا اور مثالی دوست تھا۔ وہ رات کے آخری پہر بھی فون اٹینڈ کرنے میں کسی کوتاہی یا سستی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس کی مخصوص ''ہیلو'' میری سماعت سے ٹکرائی تو میں نے کہا۔

''میں وجدان بات کررہا ہوں۔''

''یار خیریت تو ہے۔'' وہ تشویش ناک لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''اتنی رات گئے فون؟''

میں نے گمبھیر آواز میں کہا ''پاشا! میرے پاس تمہارے لیے خوشی اور غمی کی ملی جلی خبریں ہیں اور یہ خبریں ایسی سنسنی خیز ہیں کہ میں صبح ہونے کا انتظار نہ کرسکا اسی لیے اس وقت تمہیں پریشان کرنے چلا آیا ہوں۔ میں بے حد شرمندہ ہوں کہ.....''

''بکواس بند کرو!'' ایر پیس میں پاشا کی خفگی آمیز آواز ابھری۔ اس آواز میں پھٹکار نہیں بلکہ اپنائیت تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے بے تکلف دوستوں کو کوئی بات سمجھانے کے لیے بعض اوقات ہلکی پھلکی گالی بھی دے دی جاتی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا ''تمہیں شرم نہیں آتی یہ ''پریشان'' اور شرمندہ'' جیسے الفاظ استعمال کرتے ہو؟''

اس کی دوستی کے اسٹائل نے میرے دل کے ایک ایک گوشے کو ایک خاص قسم کی مسرت سے معمور کردیا۔ اس مسرت میں فخر کا احساس بھی شامل تھا۔ میں جذبات سے مغلوب بھیگی ہوئی آواز میں بولا ''اب میں واقعی شرمندگی محسوس کررہا ہوں۔ تم نے شرم دلائی اور مجھے آگئی!''

''فضول تمہید میں وقت برباد نہ کرو اور پہلے مجھے غمی کی خبر سناؤ۔ تمہارے یار کے پاس بہت بڑا دل ہے۔'' وہ زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا ''خوشی کی خبر بعد میں کن لوں گا۔''

''میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں گلبرگ تھری والی کوٹھی پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بتایا۔ بات گہری تشویش کی تھی لہٰذا وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''وجدان! میرے آدمی کل کسی وقت ''چارج'' سنبھال لیں گے۔ وہاں کے حالات کو سنبھالنا اور نیکل کرنا ہے، یہ میں انہیں اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ اچھا تم نے مجھے بروقت اطلاع دے دی۔ بہرحال، یہ ایک دلخراش ناک واقعہ ہے۔''

''جو کہ سراسر میری وجہ سے وقوع پذیر ہوا ہے!'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ بولا ''تم پھر پٹری سے اترنے لگے۔ میں تمہیں ایک بزرگ دوست کی حیثیت سے مشورہ دیتا ہوں کہ پہلی فرصت میں اس کوٹھی سے دور ہوجاؤ۔''

''وہ تو میں ہو چکا۔'' میں نے کہا ''اس وقت میں تمہاری فاضلیہ کالونی والی کوٹھی سے بات کررہا ہوں جس کے خفیہ خانے میں نشا کے کئی وفادار میری مرضی کی زندگی گزار رہے ہیں۔'' ایک لمحے کے توقف کے سے میں نے اضافہ کیا ''میرے ساتھ صدف اور زرگل بھی ہیں۔''

صدف کے بارے میں وہ اچھی خاصی واقفیت حاصل کرچکا تھا اور گزشتہ ٹیلی فونک رابطے پر میں نے اسے زرگل کے بارے میں بھی مختصراً بتا دیا تھا۔ اس نے کہا ''تو اس کا مطلب ہے، میری پیش گوئی کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں!''

میں نے کہا ''یہ پیش گوئی فرید اور منہاس جیسے دو ماہر نجومی فلکیات دار ضیات نے کی ہے جو کسی طور ستاروں سے رابطے میں رہتے ہیں، چاہے وہ ستارے ٹی وی اسکرین کے ہوں یا سلور اسکرین کے۔ یہ بات تو طے ہے ان اسکرین کے ستارے، آسمانی ستاروں سے کہیں زیادہ ہوشیار ہیں کیونکہ اشرف المخلوقات ہیں جو فلکی ستاروں پر کمند ڈالنے کے ہوس سمجھے جاتے ہیں۔ میں بھلا آپ بزرگوں کی پیش گوئی کو رد کرنے کی جسارت کیسے کرسکتا ہوں!''

اس نے ہلکا پھلکا قہقہہ لگایا اور بولا ''اب خوشی کی خبر بھی سنا دو۔''

اس کے قہقہے سے کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ اسے اپنے باپ کی موت کا غم نہیں تھا۔ فرید پاشا بہت ہی زندہ دل اور پرعزم شخص تھا اور اپنے دوستوں کی دل داری کے ہزار ڈھنگ جانتا

تھا۔ جب بہت موڈ میں ہوتا تو اکثر کہتا تھا، جس طرح اللہ نے ہر بندے کے اندر مختلف خانے بنائے ہیں تاکہ اس کی پیدا کردہ مخلوقات اپنے اپنے خانے ٹھکانے لگ سکیں، بالکل اسی طرح ہر انسان کے دل میں بھی مختلف قسم کے جذبات کے لیے الگ الگ خانے موجود ہیں اس لیے خوشی غمی سے اور غمی کو خوشی سے تبدیل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اس کا فلسفہ حقیقت سے کتنا قریب تھا، اس بحث میں پڑے بغیر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی دوستی ایک حقیقت تھی۔

میں نے دوبارہ مناسب الفاظ کا استعمال کیا اور چند گھنٹے قبل چوہدری دلدار کی کوٹھی پر ہونے والی مار ماری کے بارے میں اسے بتا دیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے کہا ''اس ساری واردات میں دو سین بہت اہم ہیں۔ نمبر ایک، یہ پتا چل گیا کہ فیصل کو لاہور سے کراچی روانہ کردیا گیا۔ نمبر دو، فیصل ایسا گہرا زخم تمہارے بھتیجے چڑھ گیا۔ تم اسے ''حرکت'' دے کر ایکٹو ایٹ کرسکتے ہو۔''

میں نے کہا ''فیصل فی الوقت ایک ایسی گن ہے جس کا استعمال کے لیے مجھے ٹارگٹ چاہیے۔''

''چوہدری نوازش علی سے زیادہ موزوں ٹارگٹ اور کون ہوگا؟''

''ٹارگٹ تو اول آخر وہی ہے لیکن وہ میرے رابطے میں نہیں ہیں۔''

''تم کیا چاہتے ہو'' اس نے پوچھا ''کیا رکھاں والی یا کبیر آنے کا ارادہ ہے؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے بتایا ''فی الحال تو زرگل صدف کے ساتھ کراچی جارہا ہوں۔ یہ جنگ میں بیٹھ کر لڑوں گا اور چوہدری نوازش علی کی ساری واردات میں اس کی ناک کے راستے نکال دوں گا۔''

''ٹارگٹ تمہارے پاس ہے، گن تمہارے ہاتھ میں ہے اور ترکیب لائحہ عمل بھی ترتیب دے چکے ہو پھر کیسی الجھن؟'' وہ حیرت اور تشویش کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولا۔

میں نے کہا ''پاشا! تمہیں کل صبح سے پہلے میرے دو کام کرنا ہیں!''

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہوکر بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اور میں اسے دو ایمرجنسی کام بتا رہا تھا۔ سمجھانے سچے ہمدرد کی طرح فراخ دلی سے کہا ''ہاں بولو کیا کام ہیں؟''

''اول تو میں اس وقت رکھاں والی میں چوہدری نوازش علی سے بات کرنا چاہتا ہوں'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا ''اس کا ٹریٹمنٹ شروع کرنے میں کسی تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اور فی الفور پہلا ڈوز اسے مل جانا چاہیے۔ چوہدری سے رابطے کے لیے مجھے اس کا فون نمبر چاہیے۔''

''یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں'' وہ بے پروائی سے بولا ''ابا جی کی ڈائری میں چوہدری نوازش کا فون نمبر موجود ہے۔ میں ابھی دیکھ کر تمہیں بتا دیتا ہوں' تم دوسرا کام بتاؤ؟''

میں نے کہا ''دوسرا کام یہ ہے کہ فیصل کو کسی بھی طرح کراچی پہنچانا ہے' چاہے اس میں کچھ وقت بھی لگ جائے۔ میں تو کل صبح روانہ ہوجاؤں گا۔ وہ بھلے ایک دو روز بعد وہاں پہنچا دیا جائے۔ اس وقت وہ بے ہوش بھی ہے۔ یہ کام مجھے خاصا دشوار نظر آرہا ہے۔''

''دشوار تو نہیں مگر ٹیز ھا ضرور ہے'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا ''فیصل کو ہائی روڈ ہی کراچی لے جانا زیادہ مناسب رہے گا اور اس سلسلے میں..... خیر! میں کچھ سوچتا ہوں' کچھ کرتا ہوں۔ تم جب تک چوہدری نوازش کی نیند اڑا دو۔ میں نے تم سے گفتگو کے دوران میں تمہارا نمبر تلاش کرلیا ہے۔ تم بھی نوٹ کرلو اپنے پاس' بہت کام آئے گا۔''

میں وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کرچکا تو فرید پاشا نے کہا ''جب تک تم چوہدری کو فرسٹ ڈوز دے کر فارغ ہوتے' میں فیصل کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرلوں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' تمہارے یار کی بات مانی جاتی ہے۔''

میں فیصل والے معاملے سے بے فکر ہوگیا۔ فرید پاشا واقعی ایک ایسا آدمی تھا کہ زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں اس کا کہا ٹالا نہیں جاتا تھا۔ فلم پروڈیوسر ہونے کے ناتے اس کی پہنچ دور تک تھی اور حلقہ احباب بھی کافی وسیع و عریض تھا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے کہ مجھے اس کی ڈانٹ نہ سننا پڑے فون بند کرنے سے پہلے اس نے کہا ''تمہاری بھابی دو تین مرتبہ تمہارے بارے میں پوچھ چکی ہے یار''

''کون سی بھابی؟'' میں نے کہا ''شہری یا دیہاتی؟''

فرید پاشا نے دو شادیاں کررکھی تھی۔ اس کی ایک بیوی لاہور میں اس کے ساتھ گلبرگ تھری والی کوٹھی میں رہتی تھی جب کہ پہلی بیوی سید پور والی حویلی میں رہتی تھی۔ شاہین نامی اس عورت سے فرید کی تین اولادیں تھیں جب کہ شہری بیوی نائلہ کی گود ابھی ہری نہیں ہوئی تھی۔

اس نے کہا ''یار! میں نائلہ کی بات کررہا ہوں۔ تم نے اس کے اغوا کی کارروائی کو نا کامیاب بنایا تھا نا' وہ تمہارے

لیے اپنے دل میں شکر گزاری کے جذبات رکھتی ہے اس لیے گاہے بہ گاہے تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی ہے'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا ''ثنا بہن نے تو تمہیں ابھی دیکھا بھی نہیں اور عارف کا بھی کوئی دوست نہیں مل سکا۔ وہ بس اتنا ہی جانتی ہے کہ میں میری کوٹھی پر کوئی دوست ٹھہرا ہوا ہے جو فون پر مجھ سے بات کرتا ہے''

''چلو ٹھیک ہے' تم اپنی دولوں بیویوں کو میرا اسلام کہنا'' میں نے کہا ''میں چوہدری نوازش کی طرف جا رہا ہوں''

''وش یو گڈ لک!'' اس نے نیک خواہشات کے ساتھ رابطہ ختم کر دیا۔

میں نے اپنے ذہن میں نقش نمبر ڈائل کیا اور رکھاں والی میں چوہدری نوازش علی کی حویلی سے میرا رابطہ ہو گیا۔ اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ اس لیے فون ریسیو کیا گیا۔ نیند سے بوجھل استقبال کیا گیا۔

میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''بات کرنا چاہتا ہوں''

''چوہدری صاحب تو اس وقت سو رہے ہیں'' دوسری طرف سے مجھے بتایا گیا۔ وہ کوئی خاص ملازم تھا یا پھر قریبی رشتے دار ہو سکتا تھا۔

میں نے کہا ''یہ کون سا سونے کا وقت ہے۔ جگاؤ انہیں''

میرے لب و لہجے نے دوسری جانب فون سے چپکے ہوئے شخص کے ہوش اڑا دیے ہوں گے۔ چوہدری نوازش کی مرضی کے بغیر اس کی عمل داری میں کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا کجا یہ کہ میں اس کی ٹھیک ٹھاک توہین کر رہا تھا' میرا انداز اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔

تم کون ہو؟'' اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

میں نے بولنے والے کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے کہا ''میں تمہارے چوہدری کا باپ ہوں اور اگر تم نے اس سے رابطے میں تاخیر کر دی تو میں اس کا دادا بن جاؤں گا''

''کیا تم نے اسی قسم کی بکواس کے لیے اتنی رات کو فون کیا ہے؟'' وہ شخص برہمی سے بولا۔

میں نے کہا ''اس کا مطلب ہے' تم چوہدری نوازش کا دادا بنانے کے خواہش مند ہو۔ اس کو جگاؤ اور بتاؤ کہ وجدان کا فون ہے۔ اگر وہ ایک منٹ کے اندر فون پر حاضر نہ ہوا تو میں وجدان سے طوفان بن جاؤں گا اور اسے لہولہان ہونا پڑے گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

وجدان کے نام پر اسے سانپ سی لگ گئی تھی۔ بات سمجھ گیا تھا۔ چند لمحات کے بعد اس نے کہا ''میں ہونا!''

اس کی بات سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ نمبر سے نام سے واقف تھا بلکہ اسے تازہ ترین حالات سے کوئی حاصل تھا۔ میں نے خصیلے لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے' تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ بھی ہوا اس کا تذکرہ ضروری نہیں بلکہ اہم بات چوہدری کی ایک بہت بڑی کمزوری اس وقت میرے قبضے ہے۔ اگر بعد میں اسے معلوم ہوا کہ تم نے اسے اطلاع میں تاخیر سے کام لیا تھا تو ممکن ہے وہ تمہیں بھی کچھ کہنے کے قابل نہ چھوڑے''

لہجے میں پوشیدہ سنگینی و سفاکی نے اسے بار کر کہ میں کوئی رعایت نہیں اس معاملے پر چوہدری نوازش بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایسا نہ ہوا تو میں اس کی بھی ہوئی

وہ منٹ کے بعد چوہدری نوازش کی آواز سنائی رکھاں والی کا مطلق العنان حکمران ملک کے حساس بھی اس کا نیٹ ورک موجود ہے بیرون ملک نے اسے خاصا عاقبت اندیش بنا دیا تھا۔ نے اسے خاصا مضبوط کر دیا تھا۔ بولتے پر بہت دور تک ہاتھ پاؤں پھیلانے میں کامیاب

''ہیلو وجدان'' چوہدری کی غراہٹ سے میری ساعت کب سے آپ کو تکلیف ہے تمہیں؟''

اس نے گفتگو کا آغاز بڑے بے ہودہ انداز میں اور میں نے بھی دبلی' علی گڑھ یا لکھنؤ کا کچھ متعارف کے لیے اسے فون نہیں کیا تھا۔ اس وقت میرا کے مانند کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی غراہٹ جواب دیا۔

''تم بخت زندگی میں پہلی مرتبہ ہماری بات اور تمہیں گفتگو کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ میرا کرتے ہو میں تو تمہارا سر بن بن آ تمہیں کے بارے میں رکھنے کی ہدایت کی ہوئی ہے۔ تم سے اپنے وجود میں بہت ہی منانے کی صلاحیت ہے۔ وہ تمہیں جمع کر رکھی ہیں۔ حساب کتاب میں ہوتا اور یہ بیس سال تو صرف میرے

تک تمہاری رسائی ہی ممکن نہیں اور بالفرض تم وہاں کسی طرح پہنچ بھی جاتے ہو تو تمہیں سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے فرار ہونا پڑے گا یا پھر کسی بدنصیب چوہے کی مانند ٹرکی میں گردن پھنسانا ہوگی''

چوہدری دلدار نے ٹی وی اسکرین پر مجھے بتایا تھا کہ وہ میرے بارے میں بڑے چوہدری کو مطلع کرے گا اور اگلی صبح مجھے پکڑ جکڑ کر رکھاں والی روانہ کر دیا جائے گا لیکن بڑے چوہدری کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ چھوٹے چوہدری کی اس سے بات نہیں ہو سکی تھی ورنہ چوہدری نوازش میری ''اسیری'' سے آگاہ ہوتا۔

میں نے کہا ''چوہدری! میں نے نہ صرف ڈیفنس سوسائٹی والے اس چوہے دان کا سواستیاناس مار دیا ہے بلکہ تمہارا الخبث ٹیگر فیصل بھی مال غنیمت کے طور پر میری تحویل میں آ گیا ہے''

''کیا بکتے ہو؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھو چوہدری'' میں نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا ''ورنہ تمہاری ذرا سی گستاخی فیصل کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر سکتی ہے''

''م..... میں..... تمہیں چیر کر رکھ دوں گا'' وہ خوں خوار انداز میں غرایا۔

''اب پتا چلا' رشتوں کی تکلیف کیا ہوتی ہے'' میں نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا ''اپنی آنتوں پر ہاتھ پڑا ہے تو اندازہ ہو رہا ہوگا''

تمہاری یہ بلیک میلنگ نہیں چلے گی وجدان!'' وہ اپنے غصے کو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا ''فیصل تمہارے قبضے میں نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر تم میری اس سے بات کراؤ''

اس کے ادا کردہ آخری جملے سے تشویش جھلکتی تھی' وہ اپنی بات میں دم خم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کوشش میں وہ جزوی طور پر ناکام رہا تھا۔ میں نے اس کے لہجے سے اس کی اندرونی کیفیت کو بھانپ لیا۔

میں نے کہا ''چوہدری! سوری' میں اس وقت فیصل سے تمہاری بات نہیں کروا سکتا کیوں کہ وہ بے ہوش ہے' اس کی ایسی درگت بنائی گئی ہے کہ خود فراموشی کی حالت میں بھی اسے چھٹی کا دودھ یاد آ رہا ہوگا۔''

''میں تمہاری زبان کو گدی سے کھنچواؤں گا'' وہ اعصاب پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔

''اس قسم کی بدتمیزیاں فیصل کے لیے مشکلات کھڑی کریں گی''

''تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو'' وہ تپتے ہوئے لہجے میں بولا'' میں ابھی چوہدری دلدار کو فون کرتا ہوں پھر تمہاری مکاری کا راز کھل جائے گا۔ تم خواہ مخواہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''میں نے اپنی زندگی میں کبھی کچھ خواہ مخواہ نہیں کیا چوہدری!'' میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا ''تم جس طرح چاہو میرے بیان کی تصدیق کر سکتے ہو''

وہ پھنکارا'' تمہارا جھوٹ تو اسی بات سے کھل رہا ہے کہ تم اس وقت کراچی میں ہو''

''اس میں جھوٹ والی کون سی بات ہے!'' میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''ڈیفنس سوسائٹی کے حوالے سے تمہاری بک بک تو یہی ظاہر کرتی ہے تم اس وقت لاہور میں کہیں چھپے بیٹھے ہو!''

''تمہیں ہر قسم کے اندازے لگانے کی آزادی ہے'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

وہ گہری سنجیدگی سے بولا'' تمہارے دعوں کی تصدیق تو میں ابھی کرلوں گا۔ ذرا یہ بتاؤ تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟''

''اب آئے نا مطلب کی طرف'' میں نے اس کی چٹکی لی۔

وہ بولا'' مطلب کی بات تم کرو..... کیوں کہ فون تم نے کیا ہے''

''اوکے'' میں نے تحقیر آمیز انداز میں اس کی بات کاٹی اور سخت انداز میں کہا'' مجھے میری ساتھی چاہئے..... ساحل کہاں ہے؟''

اس نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا پھر بولا'' وجدان! میں نے تمہاری محبوبہ کو فروخت کر دیا ہے۔ اس کے بڑے اچھے دام مل رہے تھے میں نے پہلی فرصت میں' سے نکال دیا۔ دس کروڑ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ اب وہ کراچی پہنچ چکی ہوگی۔ اگر تمہیں اپنی محبوبہ سے ملنا ہے تو شعیب غوری کے پاس چلے جاؤ۔ وہ بھی تمہارا خیر خواہ تھا' اب میں اس کا خیر خواہ ہوں اور..... ساحل والی ڈیل کے علاوہ بھی ہمارے درمیان آئندہ کے لیے بہت کچھ طے ہوا ہے۔ ویسے ایک بات ہے وجدان!'' وہ خاصی کھلی ڈلی گفتگو کر رہا تھا' وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا'' ساحل کسی قیمتی نگینے سے کم نہیں وہ جس کے ہاتھ میں بھی سجے گی' اس کی شان اور آن بان کو دوبالا کر دے گی۔ میں نے چند روز اسے اپنے پاس رکھا اور وہ مجھے دس کروڑ کا پرافٹ دے گئی۔ نیلام کی دنیا میں شاید ہی کوئی پرزہ اتنے مہنگے داموں فروخت ہوا ہو!''

وہ ساحل کے حوالے سے نہایت ہی ہتک آمیز الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ سیدھا سیدھا اگر وہ مجھے غصہ دلانا چاہتا تھا۔ میں نے جوابی وار کرتے ہوئے مستحکم لہجے میں کہا۔

''تم تو فی الحال اپنے بیٹے کی فکر کرو۔ میں اس کے جسم کے ایک ایک ریشے کے دس کروڑ وصول کروں گا اور خریدار جانتے ہو کون ہوگا؟'' میں ذرا دیر کو رکا پھر کہا'' نہیں جانتے تو میں بتا دیتا ہوں چوہدری! خریدار تم ہوگے تم۔ اگر تم اپنے بیٹے کو دردناک عذاب سے بچانا چاہتے ہو تو میری ساحل میرے حوالے کر دو''

''میں نے بتایا ہے نا' شعیب غوری کے پاس پہنچ چکی ہے''

''تو پھر تم بھی سمجھ لو' اپنی بچی کھچی زندگی میں تم فیصل کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤ گے''

''تمہاری تو میں.....'' اس نے مجھے ایک غلیظ گالی دی اور دھڑ سے فون بند کر دیا۔

میں سمجھ گیا' اب وہ ڈیفنس سوسائٹی والی کوٹھی میں فون کرے گا۔ جب تک وہ میری باتوں کی تصدیق نہ کر لیتا' میرے سامنے کمزور نہیں پڑ سکتا تھا اور مجھے کامل اطمینان تھا' فیز ٹو والی کوٹھی کے حالات جاننے کے بعد اس کی ساری اکڑفوں نکل جائے گی۔ وہ میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مزید یقین دہانی کے لیے میں فیصل سے اس کی بات بھی کروا سکتا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کراچی پہنچنے کے بعد ہی چوہدری نوازش علی سے رابطہ کروں گا۔

میں ریسیور کو کریڈل کرنے کے بعد اپنی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی میں نے دوسری گھنٹی پر فون اٹینڈ کیا۔ وہ فرید پاشا کی کال تھی۔

''میں نے سوچا' اس مرتبہ میں تم سے رابطہ کرتا ہوں'' اس نے کہا'' لیکن فون مسلسل انگیج جا رہا تھا''

میں نے اسے بتایا'' چوہدری نوازش علی سے بڑی دھواں دھار بات ہو رہی تھی''

''کیا کہتا ہے وہ؟'' پاشا نے پوچھا۔

''وہ فیصل والے معاملے کی تصدیق کے بغیر یقین کرنے کو تیار نہیں''

''یہ تو تذبذب کی بات ہے'' وہ سادگی سے بولا

میں نے پوچھا'' پاشا! میرے کام کا کیا ہوا؟''

''تمہارا کام ہو گیا ہے۔ میں نے فیصل کو بحفاظت کراچی پہنچانے کے لیے عنایت اللہ باجوہ سے تفصیلی بات چیت کر لی ہے۔ تم صبح سات بجے اس شخص سے جا کر مل لو۔

میں نے اسے تمہارے بارے میں اچھی طرح بتا دیا ہے۔ تمہیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا''

میرے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔ صبح نو بجے ہمیں ائرپورٹ پہنچنا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ فیصل والا معاملہ سات بجے نمٹ رہا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کے لیے پاشا سے دریافت کیا'' یہ عنایت اللہ باجوہ کون ہے اور وہ کس طرح فیصل کو لاہور سے کراچی پہنچائے گا؟''

''عنایت اللہ باجوہ میرا ایک بہت ہی قریبی آدمی ہے'' پاشا نے بتایا'' ادھر بادامی باغ کے قریب اس کا ٹرکوں کا اڈا ہے۔ وہ وہاں'' ڈیلکم گڈز فارورڈنگ کمپنی'' کے نام سے کاروبار کرتا ہے۔ اس کے ٹرک ملک کے طول و عرض میں مال کی ترسیل کرتے ہیں۔ لاہور اور کراچی کے درمیان بھی اس کے کئی ٹرک چلتے ہیں۔''

''تو کیا وہ فیصل کو کسی ٹرک میں ڈال کر کراچی پہنچائے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''فرید پاشا نے وضاحت کی'' پہنچایا تو اسے ٹرک میں ڈال کر ہی جائے گا لیکن ایسے نہیں کہ وہ کسی کی نظر میں آ جائے۔ وہ اناج والی بوریوں کے درمیان کہیں ہوگا جہاں وہ بے ہوش اور زندہ پڑا رہے گا۔ سانس کی آمد و رفت کے لیے مناسب ہوا کا بندوبست چھوڑا جائے گا۔''

''پاشا! فیصل مارشل آرٹس کا بھی ماہر ہے۔'' میں نے ایک خدشے کی جانب اشارہ کیا'' اگر وہ ہوش میں آ گیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔ وہ کسی کو نقصان پہنچائے یا نہ پہنچائے مگروہ فرار ہو گیا تو میرے لیے یہ بہت خراب بات ہوگی۔ میں اس کی وجہ سے خاصا مضبوط ہو گیا ہوں۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس کا مارشل آرٹ میرے علم میں ہے۔'' وہ تسلی دیتے ہوئے بولا'' میں نے ہر پہلو کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے۔ فیصل کو اچھی طرح باندھ کر ٹرک کے اندر پہنچایا جائے گا۔ وہ کسی بھی طور اپنی بندشیں کھول نہیں سکے گا۔ ویسے ہر ٹرک کے ساتھ ڈرائیور کے علاوہ دو تین کلینرز بھی ہوتے ہیں جو ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹ جانتے ہیں۔ تھوڑا بہت رسک تو لینا ہی پڑے گا۔''

اگر ساحل کراچی نہ پہنچ چکی ہوتی تو میں خود ٹرک میں فیصل کے ساتھ کراچی تک سفر کرتا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ میں ایک دو دن کے لیے یہ کشٹ اٹھا کر ساحل کی طرف سے غافل ہو جاؤں۔ میرا کراچی پہنچنا بہت ضروری تھا لہٰذا مجھے پاشا کی بات ماننے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

ٹیلی فونک سلسلہ ختم ہوا تو صبح کے چار بج رہے تھے۔ ہمارے پاس صرف تین گھنٹے تھے۔ ٹھیک سات بجے مجھے ''ڈیلکم گڈز فارورڈنگ کمپنی'' پہنچنا تھا۔ میں نے دونوں ساتھیوں کو تھوڑی نیند لینے کا مشورہ دیا۔ صدف نے کہا'' اور تم جاگتے رہو گے؟''

''ہاں، مجھے نیند نہیں آ رہی۔'' میں نے کہا'' ویسے بھی تم دونوں زخمی ہو۔''

زرگل نے مشورہ دیا'' ہم تینوں باری باری کچھ نیند لے لیتے ہیں۔''

''اس طرح ہمارے حصے میں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ کی نیند نہیں آئے گی۔'' میں نے کہا'' گویا کسی کی نیند بھی پوری نہیں ہوگی۔ بہتر یہی ہے، تم دونوں سو جاؤ۔ مجھے واقعی نیند کی حاجت محسوس نہیں ہو رہی۔''

انہیں میری بات ماننا پڑی اس لیے خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

ہم لوگ بھگ سوا چھ بجے کوٹھی سے نکلے۔ اس وقت اندھیرا ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ فاضلیہ کالونی سے بادامی باغ کم از کم آدھے گھنٹے کا راستہ تھا۔ صدف اور میں لاہور سے زیادہ واقف نہیں تھے البتہ زرگل کو راستوں سے اچھی خاصی شناسائی تھی تاہم اس نے بھی اس وقت سیدھے راستے کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور ہماری راہ نمائی کرنے لگی۔

یہ راستہ قدرے طویل تھا مگر صاف ستھرا اور سیدھا تھا۔ اس میدان میں ہمارے درمیان ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہو رہی تھی۔ عجیب اتفاق تھا کہ میں زرگل کی کہانی نہیں سن سکا تھا۔ حالات نے اس کا موقع ہی نہیں دیا حالانکہ مجھے یقین تھا، اس

کی کہانی میں بڑی سنسنی خیزی ہوگی۔ میں نے اس کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اور..... فیصلہ تو اسی کو کرنا تھا۔ میں نے سوچا، بادامی باغ والے معاملے سے نمٹ لوں پھر کہیں بیٹھ کر ناشتا کریں گے اسی دوران میں اس مسئلے پر بھی ڈسکس ہوجائے گی۔

مزنگ چونگی، جناز گاہ اور بھاٹی سے ہوتے ہوئے ہم لکی شاہ پہنچ گئے۔ ابھی تک اجالا نہیں پھوٹا تھا۔ زرگل نے بتایا کہ آزادی چوک سے ہمیں دائیں جانب مڑنا ہوگا پھر بادامی باغ کا راستہ آسان اور سیدھا ہوجائے گا۔

میں نے تھوڑا آگے جا کر کرولا کو رائٹ ٹرن دیا اور گاڑی کو مینار پاکستان اور بادشاہی مسجد کے درمیان سے گزارتا چلا گیا لیکن پچاس گز آگے جانے کے بعد مجھے چونکنا پڑا۔ ایک تشویش ناک صورتِ حال سے سامنا ہوگیا تھا۔

وہاں پولیس نے ناکا لگا رکھا تھا اور ادھر سے گزرنے والی گاڑیوں کی باقاعدہ چیکنگ ہورہی تھی۔ حالات کی اس واہیات صورت نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔ ایک درجن کے قریب پولیس والوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا، وہاں کوئی زبردست قسم کی کارروائی ہورہی تھی۔

ایک پولیس اہل کار کے اشارے پر مجبوراً مجھے بھی ٹویوٹا کرولا روکنا پڑی۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ ناکے کو توڑ کر فرار ہونا سراسر نقصان دہ ثابت ہوا۔ پولیس کی دو اسٹارٹ موبائلز بھی وہاں دکھائی دے رہی تھیں۔

وہ بڑے سنگین لمحات تھے۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام میں مصروف ہوگیا۔ چیکنگ کے مناظر مجھے بہت دور تک سوچنے کے لیے مجبور کررہے تھے۔ اس خطرناک خیال نے مجھے ہلا کر رکھ دیا کہ اگر پولیس والوں نے ہماری گاڑی کی تلاشی کے دوران میں ڈکی کو کھول کر دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

اس ڈکی میں رکھاں والی کے فرعون صفت چوہدری نوازش علی کا لختِ جگر بے سدھ پڑا تھا۔ اس حالت میں کسی شخص کو ڈکی میں ڈال کر کہیں لے جانے کا کوئی جواب یا جواز ہمارے پاس نہیں تھا۔ ہم قانون کی نظر میں سراسر مجرم ٹھہرتے۔

میں ان مہلک خیالات کو اپنے ذہن سے گزار ہی رہا تھا کہ ایک بادردی پولیس اہل کار تیزی سے ہماری گاڑی کی جانب بڑھنے لگا۔

پتا نہیں، اس نازک موقع پر تقدیر کون سا سنگین مذاق کرنے جارہی تھی!

اس داستان کا 10 واں حصہ
مئی 2005ء میں شائع ہوگا